

2026

تاریخ اسلام کے فتنے

طلوعِ اسلام سے موجودہ دور تک کے فتن

مولانا محمد زاہد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا، وَبَعْد !

قرآن حکیم کی رُو سے دنیا میں دراصل دو ہی گروہ ہیں،

جیسا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے فرمایا:﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾(سورۃ التغابن:۲)

"اللہ رب العالمین وہی ذات ہے کہ جس نے تمہیں (اے تمام انسانو!) پیدا کیا ہے۔ چنانچہ تم میں سے بعض کافر (اس کے باغی و نافرمان) ہیں اور بعض تم میں سے مسلمان ہیں۔"

اور پھر تاریخ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے شروع ہونے والی اس جنگ میں کبھی طاغوتی نظام کے پجاریوں کا غلبہ رہا اور کبھی حزب الرحمٰن کا۔

پوری اسلامی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھرپور ہے جب ان فتنوں نے عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ یا ان عقائد کو ختم کرنے کی سعی کی۔ ان تمام فتنوں کا بنیادی مقصد اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا ہے۔ اس سلسلے کا سب سے بڑا طریقہ ہمیشہ عقیدہ ختم نبوت پر حملہ رہا ہے۔ اس لئے اس کتاب میں زیادہ تر آپ کو ختم نبوت کے حوالے سے واقعات ملیں گے۔

لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت کو قائم رکھا جنھوں نے ہمیشہ نہ صرف ان کذّاب کا تعاقب کیا بلکہ ہمیشہ ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میری یہ کتاب اسی سلسلہ میں موجودہ دور میں اُمت مُسلمہ کو آگاہ کرنے کے لئے ایک کاوش ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر اقتباسات حضرت مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"ائمہ تلبیس یا غار تگران ایمان"** سے لئے گئے ہیں ۔ اس وجہ سے کچھ قارئین حضرات کو اس میں شاید کوئی نئی بات نہ ملے۔ لیکن اس جہاد میں میرا بھی حصہ پڑ جائے۔ اور بروز قیامت میں بھی ان مجاہدین ختم نبوت میں شامل ہو سکوں جنھوں نے حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک اس مشن کو آگے بڑھایا۔ موجودہ دور میں بھی ہزاروں علماء کرام اس مشن میں مشغول ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ان سب کی اس محنت اور قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اور ہمیں بھی اس میں حصہ دار بنائے۔ آمین

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ ﴿83﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿84﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿85﴾

آمین

مولانا محمد زاہد عفی اللہ عنہ

فاضل ہدایہ اکیڈمی (کراچی)

انتساب

اس کتاب کا انتساب حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے نام

ختم نبوت کے پہلے شہید صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں،
جنہیں مسیلمہ کذاب کے نبوت کے جھوٹے دعوے کو ماننے سے انکار
پر شہادت سے سرفراز کیا گیا تھا، اور انہیں یہ عظیم شرف
حاصل ہے کہ وہ ختم نبوت کے عقیدے پر قربان ہونے والے پہلے فرد تھے۔

خیر القرون

بنوامیہ دور حکومت

عباسی عہد کے فتنے

19ویں صدی عیسوی کے فتنے

انیسویں / بیسویں صدی کے فتنے

دورِ حاضر کا فتنہ

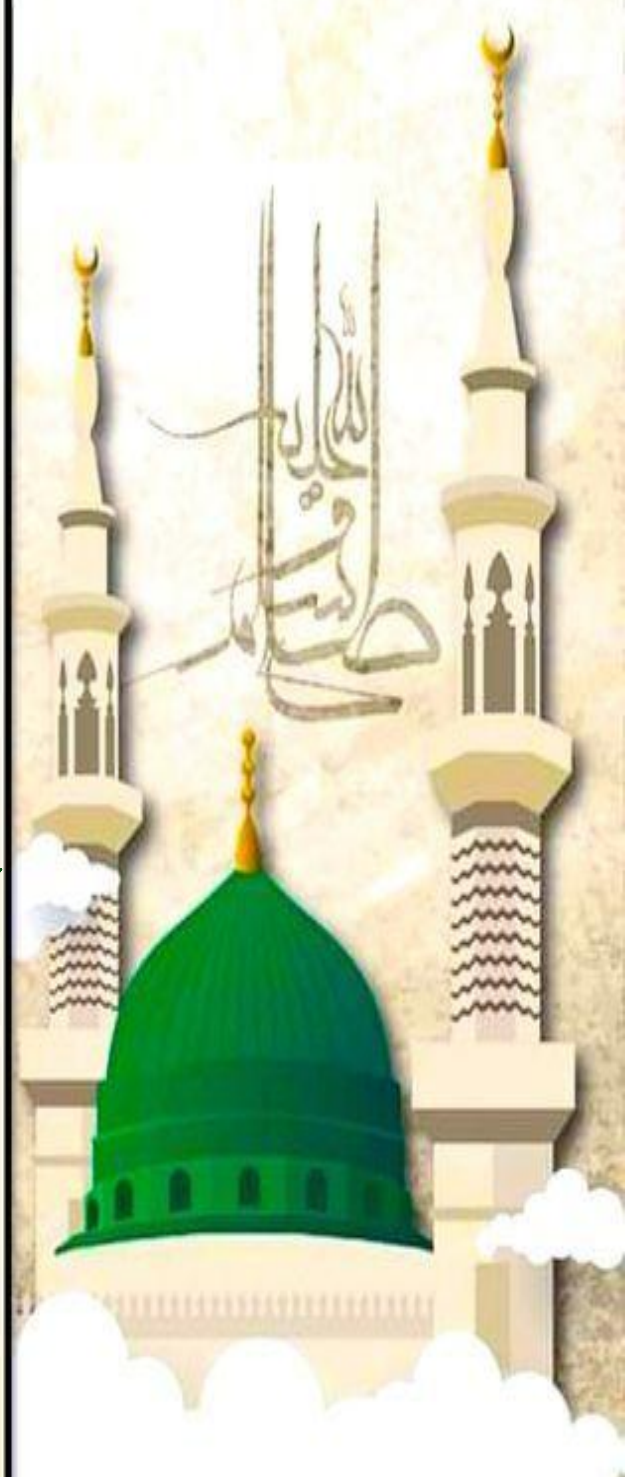
مستقبل کا عظیم فتنہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ



فتنہ: قرآن وحدیث کی روشنی میں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم ، اَمَّا بَعْد

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجيم○

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

'فتنہ' کہنے کو تو ایک چھوٹا سا لفظ ہے مگر اپنے اثرات اور مفہوم کے اعتبار سے بہت گہرا ہے۔ فتنہ گھر بار اور اہل و عیال میں بھی ہو سکتا ہے، ملک اور روئے زمین پر بھی۔ اس لیے اس کے مفہوم کو جاننا، اس کی وسعت کو سمجھنا اور اس سے بچنے کی تدابیر کرنا اور فتنہ آجانے کی صورت میں محتاط طرزِ عمل اپنانا انتہائی ضروری ہے۔

1۔ فتنہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

'فتنہ' لغت کے آئینے میں:

لغوی طور پر فتنہ کے معنی ہیں: امتحان اور آزمائش۔ اس بھٹی کو بھی فتنہ کہتے ہیں جس میں سونے چاندی کے میل کچیل کو علیحدہ کیا جاتا ہے۔ گویا کہ آزمائش کے لمحات سے گزر کر ایک مسلمان کندن بن جاتا اور دوسرا شخص میل کچیل کی طرح علیحدہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مصیبت، مشکل، سزا، سختی، گناہ، فسق وفجور اور کفر بھی فتنے کے مفہوم میں داخل ہیں۔

'فتنہ' کے معنی بہت سے ہیں، جن میں آزمائش، امتحان، فساد، بغاوت، اور ہنگامہ شامل ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں فتنہ ایک نہایت اہم اصطلاح ہے جو انسانی زندگی، معاشرے، ایمان اور دین پر اثر انداز ہونے والے ہر اُس امتحان، خطرے اور آزمائش کو شامل ہے جس سے ایمان ڈگمگا سکتا ہو یا دین میں بگاڑ پیدا ہو سکتا ہو۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث اور قرآنِ کریم نے فتنے سے نہ صرف خبردار کیا ہے بلکہ اس سے بچنے کے واضح طریقے بھی بیان فرمائے ہیں۔

فتنہ کے معنی اور استعمال

- **آزمائش اور امتحان:** کسی شخص کو اس کی اصلیت اور سچائی کی جانچ کے لیے امتحان میں ڈالنا۔ مثال کے طور پر، مال و اولاد کو بھی آزمائش قرار دیا گیا ہے۔
- **فساد اور ہنگامہ:** جھگڑا، ہنگامہ، بدامنی، اور شورش۔
- **بغاوت اور سرکشی:** حکمران کے خلاف بغاوت یا سرکشی کرنا۔
- **گمراہی اور کفر:** گمراہ کن عقائد یا طریقہ کار اختیار کرنا۔
- **شر اور تکلیف:** مصیبت، شر، عذاب، اور تکلیف پہنچانا۔
- **دیوانگی یا پاگل پن:** کسی قسم کی دیوانگی یا پاگل پن۔

- **دیگر معانی:** اس کے کچھ مخصوص استعمالات میں محبوب یا دلبر، جاڑوں میں جلد پر لگانے والا مسالہ، یا ایک خاص قسم کا عطر اور پھول بھی شامل ہیں۔

2۔ قرآنِ کریم میں فتنہ کا ذکر

قرآن مجید میں فتنے کا مفہوم کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں آزمائش، کہیں سزا کے معنی میں، اور کہیں کفر، کہیں فساد کے معنی میں۔ گویا کہ لفظ فتنہ کا استعمال اور اس کے معانی کو پہچاننا بھی بہت بڑا امتحان ہے۔:

(1) **آزمائش و امتحان:** ﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴾(سورۃ العنکبوت:2)

(کیا لوگ خیال کرتے ہیں یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔)

(2) **دین سے روکنا:**

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ ﴾(سورۃ البقرۃ:191)

(اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے،)

(3) ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾(سورۃ البقرۃ:193)

(اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں۔)

(4) **شر، فساد اور بگاڑ:**

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا **يَفْتِنَنَّكُمُ** الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ﴾(سورۃ الاعراف:27)

(اے آدم کی اولاد تمہیں شیطان نہ بہکائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکال دیا۔)

(5) **مصیبت و ابتلا:**

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۚ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾(سورۃ التوبہ:49)

(اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے، خبردار! وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں، اور بے شک دوزخ کافروں پر احاطہ کرنے والی ہے۔)

3۔ احادیثِ مبارکہ میں فتنہ کا بیان

حدیث میں بیان کردہ فتنے کا مفہوم زیادہ تر باہمی فساد، خانہ جنگی اور باہمی کشمکش کی ایسی صورتِ حال پر بولا گیا ہے جب کچھ واضح نہ ہو پائے اور اخلاقیات کی سطح اس قدر گر جائے کہ معاملات سدھرنے کی بجائے اُلجھتے چلے جائیں۔ اردو دان طبقے کے ہاں فتنے کا بھی تقریباً یہی مفہوم ہے اور زیرِ نظر تحریر میں اسی کے متعلق بات کی جائے گی۔

انسانی تاریخ کے سب سے بڑے فتنے کا ذکر۔

اللہ کے نبی ﷺ نے قیامت تک کے واقعات اور فتنوں کے بارے میں اپنے اصحاب کو اتنی صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ صحابی کرام رضی اللہ عنہم کو

اپنے آنکھوں کے سامنے تمام واقعات نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ نے بالخصوص دجال اور قیامت کی نشانیوں کا ذکر فرمایا۔ اور صحابہ کرام کو اس سے بچاؤ کے راستے بھی بتائے۔ اس سلسلے میں صحاحِ ستہ میں باقاعدہ ابواب باب الفتن کے نام سے جمع کئے گئے ہیں۔

وحَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ ، وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ جَمِيعًا، عَنْ أَبِي عَاصِمٍ ، قَالَ حَجَّاجٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ ، أَخْبَرَنَا عِلْبَاءُ بْنُ أَحْمَرَ ، حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ يَعْنِي عَمْرَو بْنَ أَخْطَبَ ، قَالَ: " صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ، فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا." (صحیح المسلم:7267)

علباء بن احمر نے کہا: حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا، کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے تو ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ (منبر سے) اترے، ہمیں نماز پڑھائی، پھر دوبارہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور (آگے) خطبہ ارشاد فرمایا: یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، پھر آپ اترے، نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے جو کچھ ہوا اور جو ہونے والا تھا (سب) ہمیں بتا دیا، ہم میں سے زیادہ جاننے والا وہی ہے جو یادداشت میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ (صحیح مسلم/كِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ/حدیث:7267)

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ ، عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ، قَالَ: " أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ، فَمَا مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا قَدْ سَأَلْتُهُ، إِلَّا أَنِّي لَمْ أَسْأَلْهُ مَا يُخْرِجُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ مِنَ الْمَدِينَةِ" ،(صحیح مسلم/كِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ/حدیث: 7265)

محمد بن جعفر غندر نے کہا: ہمیں شعبہ نے عدی بن ثابت سے حدیث بیان کی، انہوں نے عبداللہ بن یزید سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے قیامت قائم ہونے تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کی مجھے خبر دی، اور ان میں سے کوئی چیز نہیں مگر میں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا البتہ میں نے آپ ﷺ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کو مدینہ سے کون سی چیز باہر نکالے گی۔ (صحیح مسلم/كِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ/حدیث:7265)

وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا، وقَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ شَقِيقٍ ، عَنْ حُذَيْفَةَ ، قَالَ " قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ، قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هَؤُلَاءِ، وَإِنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيتُهُ، فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ، ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ" ،(صحیح مسلم/كِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ/حدیث:7263)

جریر نے اعمش سے، انہوں نے شقیق سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: ایک بار رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے کھڑے ہونے کے اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی (اہم) بات نہ چھوڑی مگر اسے بیان فرما دیا، جس نے اس (بیان) کو یاد رکھا، اس نے اسے یاد رکھا، اور جس نے اسے بھلا دیا، اس نے اسے بھلا دیا۔ وہ سب کچھ میرے ان ساتھیوں کے علم میں آیا پھر ان میں سے کوئی چیز پیش آتی ہے جو میں بھول چکا ہوتا ہوں تو جب اسے دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آ جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے انسان کسی غائب ہو جانے والے شخص کا چہرہ یاد رکھتا ہے، جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے۔ (صحیح مسلم/كِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ/حدیث:7263)

اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ نے متعدد چھوٹے بڑے فتنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں انسان کی آزمائش کی وجہ سے آپ ﷺ نے انھیں فتنہ قرار دیا اور اپنے اَصحاب کو ان سے ڈرایا اور بچنے کی تلقین فرمائی۔

1۔ دنیا کی آزمائش

نبی ﷺ نے فرمایا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا نَضْرَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ ". وَفِي حَدِيثِ ابْنِ بَشَّارٍ: لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ.(صحیح المسلم:6948)

" محمد بن مثنیٰ اور محمد بن بشار نے ہمیں حدیث بیان کی، دونوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے ابو سلمہ سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو نضرہ سے سنا، وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے تھے، انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا" : بلاشبہ دنیا بہت میٹھی اور ہری بھری ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں (تم سے پہلے والوں کا) جانشین بنانے والا ہے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، لہٰذا تم دنیا (میں کھو جانے سے) بچتے رہنا اور عورتوں (کے فتنے میں مبتلا ہونے سے) بچ کر رہنا، اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں (کے معاملے) میں تھا۔ "اور بشار کی حدیث میں ہے :"تاکہ وہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔ "(صحیح مسلم / کتاب الرقاق / حدیث:6948)

2۔ سب سے بڑا فتنہ: دجال

«وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ أَكبر من الدَّجَّال » .(رَوَاهُ مسلم:5469)

"عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا" : آدم علیہ السلام کی تخلیق اور قیامِ قیامت کے درمیان دجال سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ "رواہ مسلم۔ (مشکوۃ المصابیح / کتاب الفتن / صحیح المسلم:5469)

3۔ مال کا فتنہ

«عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : « إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً ، وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ »(رواہ الترمذی)(معارف الحدیث -کتاب الرقاق- حدیث نمبر178)

کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ سے سُنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمت کے لیے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔(ترمذی)

4۔ عورت کا فتنہ

« حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ » (صحیح البخاري / کتاب النکاح / حدیث:5096)

"ہم سے آدم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے سلیمان تیمی نے بیان کیا، انہوں نے ابو عثمان نہدی سے سنا اور انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر نقصان دینے والا اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔ (صحیح البخاري/کتاب النکاح/حدیث:5096)

5۔ گھریلو فتنہ (اہل ومال کا فتنہ)

« حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:" أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِتْنَةِ، قَالَ: قُلْتُ أَنَا أَحْفَظُهُ , كَمَا قَالَ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ لَجَرِيءٌ، فَكَيْفَ قَالَ؟ , قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ , وَالصَّدَقَةُ , وَالْمَعْرُوفُ، قَالَ سُلَيْمَانُ: قَدْ كَانَ يَقُولُ: الصَّلَاةُ , وَالصَّدَقَةُ , وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ , وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ، قَالَ: لَيْسَ هَذِهِ أُرِيدُ، وَلَكِنِّي أُرِيدُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَالَ: قُلْتُ لَيْسَ عَلَيْكَ بِهَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بَأْسٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابٌ مُغْلَقٌ، قَالَ: فَيُكْسَرُ الْبَابُ أَوْ يُفْتَحُ، قَالَ: قُلْتُ لَا بَلْ يُكْسَرُ، قَالَ: فَإِنَّهُ إِذَا كُسِرَ لَمْ يُغْلَقْ أَبَدًا، قَالَ: قُلْتُ أَجَلْ، فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ مَنِ الْبَابُ , فَقُلْنَا لِمَسْرُوقٍ سَلْهُ، قَالَ: فَسَأَلَهُ، فَقَالَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ: قُلْنَا فَعَلِمَ عُمَرُ مَنْ تَعْنِي، قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ غَدٍ لَيْلَةً، وَذَلِكَ أَنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ» (صحیح البخاري/حدیث:1435)

"ہم سے قتیبہ نے بیان کیا' کہا کہ ہم سے جریر نے اعمش سے بیان کیا' ان سے ابووائل نے' انہوں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فتنہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث آپ لوگوں میں کس کو یاد ہے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا میں اس طرح یاد رکھتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ نے اس کو بیان فرمایا تھا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں اس کے بیان پر جرات ہے۔ اچھا تو نبی کریم ﷺ نے فتنوں کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا کہ (آپ ﷺ نے فرمایا تھا) انسان کی آزمائش (فتنہ) اس کے خاندان' اولاد اور پڑوسیوں میں ہوتی ہے اور نماز' صدقہ اور اچھی باتوں کے لیے لوگوں کو حکم کرنا اور بری باتوں سے منع کرنا اس فتنے کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اعمش نے کہا ابووائل کبھی یوں کہتے تھے۔ نماز اور صدقہ اور اچھی باتوں کا حکم دینا بری بات سے روکنا' یہ اس فتنے کو مٹا دینے والے نیک کام ہیں۔ پھر اس فتنے کے متعلق عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری مراد اس فتنہ سے نہیں۔ میں اس فتنے کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا پھیلے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' میں نے کہا کہ امیرالمؤمنین آپ اس فتنے کی فکر نہ کیجئے آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا صرف کھولا جائے گا۔ انہوں نے بتلایا "نہیں بلکہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا"۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب دروازہ توڑ دیا جائے گا تو پھر کبھی بھی بند نہ ہو سکے گا ابووائل نے کہا کہ ہاں پھر ہم رعب کی وجہ سے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہ پوچھ سکے کہ وہ دروازہ کون ہے؟ اس لیے ہم نے مسروق سے کہا کہ تم پوچھو۔ انہوں نے کہا کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دروازہ سے مراد خود عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ہم نے پھر پوچھا تو کیا عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ آپ کی مراد کون تھی؟ انہوں نے کہا ہاں جیسے دن کے بعد رات کے آنے کو جانتے ہیں اور یہ اس لیے کہ میں نے جو حدیث بیان کی وہ غلط نہیں تھی۔ (صحیح البخاري/کتاب الزکاۃ/حدیث:1435)

6۔ فتنوں کے دور میں صحیح رویہ

«حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ

لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ » (صحیح البخاري/حدیث:7082)

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، انہیں زہری نے، انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایسے فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ اگر کوئی ان کی طرف دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے بھی سمیٹ لیں گے ایسے وقت جو کوئی اس سے کوئی پناہ کی جگہ پالے اسے اس کی پناہ لے لینی چاہیے۔“ (صحیح البخاري/کتاب الفتن/حدیث:7082)

7۔ قبروں کا فتنہ

« عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تقول قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا فَذكر فتْنَة الْقَبْرِ الَّتِي يفتتن فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هَكَذَا وَزَادَ النَّسَائِيُّ: حَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنَتْ -[50]- ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيبٍ مِنِّي: أَيْ بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ قَوْلِهِ؟ قَالَ: «قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا من فتْنَة الدَّجَّال » (صحیح البخاري/حدیث:137)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں آدمی کو آزمایا جائے گا، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا تو مسلمان زور سے رونے لگے۔ ”امام نسائی نے اضافہ نقل کیا ہے: یہ رونا میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے کے مابین حائل ہو گیا، جب ان کا یہ رونا اور شور تھا تو میں نے اپنے پاس والے ایک آدمی سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کے آخر پر کیا فرمایا؟ اس نے بتایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ تم قبروں میں فتنہ دجال کے قریب قریب آزمائے جاؤ گے۔“ (مشکوۃ المصابیح/کتاب الإیمان/حدیث:137)

4۔ فتنہ کی اقسام

① ۔ فتنۂ ایمان

- دین سے دوری
- جھوٹے مُدعی نبوت و مہدیت
- شبہات
- دجالِ اکبر
- گمراہ فرقے
- بدعات اور غلط نظریات

② ۔ فتنۂ شہوات (خواہشات)

- مال
- نفس
- عورت
- شہرت
- اقتدار
- تکبر

③ ۔ فتنۂ معاملات و معاشرہ

- ظلم
- ناانصافی

- اختلافات
- سازشیں
- جھگڑے
- فرقہ واریت

④۔ **فتنۂ سیاست وحکمران**

- نااہل حکمران
- امت کا انتشار
- ظالم حکومت
- خانہ جنگی

⑤۔ **فتنۂ اہل خانہ**

- اولاد
- مال
- بیوی
- گھر کی آزمائشیں

⑥۔ **فتنۂ قبر**

- سوالِ نکیرین اور قبر کی آزمائش اور اس میں ثباتِ قدم کی ضرورت

5۔ **فتنوں کے دور میں بچاؤ کیسے کریں۔**

آج جن فتنوں کا سامنا ہے، ان میں بہت سے تو دین کے نام پر اور اسلامی عنوانات اور شرعی اصطلاحات استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، کوئی جدیدیت کے نام پر عقائد کو کھوکھلا اور اعمال کو بے وزن کر رہا ہے، کوئی اکابر و اسلاف سے بیزاری پیدا کر رہا ہے، کوئی قرآنی آیات کی من مانی تشریح کر کے لوگوں کے لیے گمراہی کے اسباب تیار کر رہا ہے، کوئی احادیث کے متفقہ مفاہیم کو بگاڑ کر یہ باور کرا رہا ہے کہ اکابرینِ اُمت نے قرآن و حدیث کی صحیح تفسیر و تشریح نہیں کی اور خود ساختہ مفہوم نکال کر قرآن و حدیث کی تصریحات کی مخالفت کر رہا ہے، کوئی نزولِ مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہا ہے، کوئی مہدویت کا دعوے دار بن کر اُمت کو گمراہ کر رہا ہے، غرض ہر طرف سے فتنہ پرور لوگ مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں اور ایمان کا سودا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ اُمت جتنا دورِ نبوی سے دور ہو رہی ہے، اتنا ہی فتنوں کے قریب ہو رہی ہے۔ فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا، ہر ایک کسی نہ کسی شکل میں ان فتنوں کا شکار ہو رہا ہے۔ موجودہ دور میں Social Media کے نام سے Information Technology کے ذریعے ہر شخص تک معلومات کا جو سیلاب پہنچ رہا ہے وہ گمراہی پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے لوگ بلا تحقیق ہر جھوٹی سچی بات آگے بھیج رہے ہیں۔ اس کے ذریعے فتنہ انکار حدیث، الحاد، اور انکارِ ختم نبوت جیسے گمراہ کن خیالات اور پروپیگنڈا تیزی سے پھیل رہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ (المَطرِ)۔ "(صحیح البخاري-نسخۃ طوق النجاۃ، ص:۱۰۲)

ترجمہ: "میں دیکھ رہا ہوں کہ (عن قریب) تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہوں گے، جیسے بارش برستی ہے۔"

ہر چیز کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہوتی ہیں، جس کے ذریعہ اس چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ایمان کی حفاظت کے لیے کچھ تدبیریں ہیں، جس کے ذریعے ہم اپنے ایمان کو بچا سکتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ الْمَاجِشُونِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَتَتَّخِذُهَا فَأَصْلِحْهَا وَأَصْلِحْ رُعَامَهَا فَإِنِّي، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُونُ الْغَنَمُ فِيهِ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ أَوْ سَعَفَ الْجِبَالِ فِي مَوَاقِعِ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ."

ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی سلمہ بن ماجشون نے بیان کیا، ان سے عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ نے، ان سے ان کے والد نے کہا، ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں بکریوں سے بہت محبت ہے اور تم انہیں پالتے ہو تو تم ان کی نگہداشت اچھی کیا کرو اور ان کی ناک کی صفائی کا بھی خیال رکھا کرو۔ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا سب سے عمدہ مال اس کی بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جائے گا یا (آپ نے «سعف الجبال» کے لفظ فرمائے) وہ بارش گرنے کی جگہ میں چلا جائے گا۔ اس طرح وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگتا پھرے گا۔

(صحیح البخاري/کتاب الفتن حدیث:7088)

1۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ

انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں بعثت کا مقصد ہی ایمان کی دعوت ہوتا ہے اور جس قدر آزمائش اس ایمان کی وجہ سے اُن پر آتی ہے، کسی اور پر نہیں آتی، اسی لیے انہیں ایمان کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے، حالانکہ ان کا ایمان پر خاتمہ یقینی ہوتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی، جس کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے:

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾(سورۃ یوسف:۱۰۱)

ترجمہ: ”اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھالیجیے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر لیجیے۔

جس چیز کی اہمیت جس قدر زیادہ ہوتی ہے، اس کی تاکید اسی حساب سے کی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو ایمان کی فکر ہر چیز سے زیادہ تھی، اس لیے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کرتے تھے کہ ایمان پر جمے رہنا اور اسی پر مرنا جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی:

﴿وَوَصّٰى بِهَا إِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾(سورۃ البقرۃ:۱۳۲)

ترجمہ: ”اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب (علیہ السلام) بھی، میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے، سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔“

2۔ اہلِ حق علماء اور صلحاء کی صحبت اور ان کی مجالس میں شرکت

ایمان کی حفاظت اور اعمالِ صالحہ کی پابندی اور اخلاق کی درستگی کے لیے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ انسان کے اندر یہ خاصیت ہے کہ وہ

دوسرے انسانوں کے خیالات وحالات سے بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور دوسروں کا اثر قبول کرتا ہے، اسی وجہ سے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی دینِ اسلام میں بہت تاکید آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ایمان والوں کو اس بات کا حکم دیا کہ سچوں کی صحبت اختیار کرو:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾(سورۃ التوبۃ:۱۱۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

نیک لوگوں کی صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کے احترام اور حیاء کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے بچا رہتا ہے، بلکہ اہل اللہ کی صحبت ٗحفاظتِ ایمان کا بھی ذریعہ ہے، اس حوالے سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں": صحبتِ اولیاء اللہ میں ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا، خواہ گناہ اور فسق وفجور سبھی کچھ اس سے وقوع میں آئیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے، مردودیت کی نوبت نہیں آتی، بر خلاف اس کے ہزاروں برس کی عبادت میں بھی بذاتہٖ یہ اثر نہیں کہ وہ کسی مردودیت سے محفوظ رہے۔" (حسن العزیز بحوالہ فضائل ایمان)

عوام کے ساتھ اہلِ علم کے لیے بھی اہلِ حق علماء کی صحبت ضروری ہے، ان کی صحبت کے بغیر اہلِ علم کے اندر علم کی گہرائی، عمل کی پختگی، خدا خوفی، فکرِ آخرت، اخلاقی بلندی اور شرعی ذمہ داریوں کا احساس پیدا نہیں ہوتا، بلکہ فتنہ میں پڑنے کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ آج کل کے بہت سے نام نہاد مفکرین اور اسلامی سکالر جنہیں اعدائے اسلام اور گمراہ لوگوں کی شاگردی میں رہنا نصیب ہوا، جس کے نتیجہ میں وہ ان کی زبان بولتے ہیں، اور ان کے ذہن سے سوچتے ہیں، اور کے اندر اعدائے اسلام کی محبت بسی ہوئی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر سے قبولِ حق کی توفیق سلب ہو گئی ہے، ان کا وجود امت کے لیے سراپا فتنہ بنا ہوا ہے۔

3۔ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت وفرمانبرداری اور برائیوں سے بچنا

ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی کامل پیروی کی جائے اور خلاف شرع امور سے اپنے آپ کو بچایا جائے، کیوں کہ نیکی اور برائی کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور دل کی خرابی کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث آتا ہے: "اَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔"(صحیح بخاری)

ترجمہ: "خبر دار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبر دار! اور وہ ٹکڑا دل ہے۔"

جتنی نیک اعمال کی کثرت ہو گی ایمان میں اسی قدر مضبوطی ہو گی اور برائیاں جتنی زیادہ ہوں گی ایمان میں اسی حساب سے کمزوری ہو گی۔ آج ہم لوگ اچھی باتیں پڑھتے ہیں، سنتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا، اس کی اصل وجہ گناہوں کی کثرت ہے۔

4۔ تلاوتِ قرآن اور ذکر واذکار اور دعاؤں کا اہتمام

ایمان کی بقا اور فتنوں سے حفاظت کے لیے روزانہ قرآن کریم کی اور خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے روز سورۃ الکھف کی تلاوت کا معمول اور صبح شام کے مسنون اذکار، موقع محل کی دعائیں اور ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، جس میں ایمان ویقین کی حفاظت اور کفر وارتداد اور فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے، یہاں کچھ دعائیں ذکر کی جاتی ہیں:

1۔''اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ إِيْمَانًا صَادِقًا وَيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ۔''

''اے اللہ! مجھے ایسا سچا ایمان اور یقین عطا فرمایئے جس کے بعد کفر (وارتداد) نہ ہو!''

۲۔'' اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ۔ ''

''اے اللہ! میں کفر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

۳۔ '' يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔ ''

''اے دلوں کو اُلٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جماد یجیے۔''

۴۔''رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ''

''اے رب! نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔''

۵۔'' اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا، وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ''.

''اے اللہ! حق بات کی طرف ہماری رہنمائی فرما اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق دے"۔

5۔ فضائل وعقائد اور فتنوں کے متعلق کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تعلیم

دینِ اسلام میں عقائد کی بڑی اہمیت ہے اور آخرت کی نجات عقیدہ کی درستگی پر موقوف ہے، اس اہمیت کی وجہ سے نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ ابتدا سے ہی بچہ کو عقیدۂ توحید و رسالت کی تلقین ہو جائے اور جب بچہ بولنا شروع کرے تو پہلی بات جو اُسے سکھائی جائے وہ عقیدۂ توحید پر مشتمل کلمہ ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے بچوں کے متعلق یہ تعلیمات دی ہیں کہ: ''جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو ان کو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' سکھاؤ''، جب اس کے اندر کچھ سمجھ بوجھ پیدا ہو تو اس کلمہ کا مطلب اور معنی سکھایا جائے، یہ کلمہ اسلام کے تمام عقائد کو شامل ہے، گویا جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے، اس کے لیے ہر اس بات پر دل وجان سے ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی ہیں، آج کل بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم اور اسلامی عقائد نہیں سکھاتے، بلکہ خود بھی ان سے ناواقف ہوتے ہیں، اس ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات اسلامی عقائد کا انکار کر کے اسلام کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں، اس لیے عقائد پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ اور تعلیم ضروری ہے کہ اس سے عقائد کی درستگی رہتی ہے۔ فضائل کی کتابوں کی تعلیم و مطالعہ سے اچھے اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور نہ کرنے پر وعیدیں سامنے آتی ہیں، برے اعمال کا انجام، دنیا کی حقیقت، موت کے بعد کے مراحل، قبر اور آخرت، جنت، جہنم کے احوال سامنے آتے ہیں، جس کی وجہ سے نیک اعمال کرنے کا شوق اور برے اعمال سے بچنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ فتنوں کے متعلق احادیث میں ''کتاب الفتن'' ایک مستقل عنوان ہے، جس میں آپ ﷺ نے فتنوں سے متعلق اپنی امت کی رہنمائی کی ہے اور ان سے بچنے کے بارے میں ہدایات دی ہیں کہ ان سے کیسے بچا جائے؟ ان کے مطالعہ سے فتنوں سے آگاہی حاصل ہوتی اور اس سے بچنے کے لیے جو تدابیر بتلائی گئی ہیں وہ بھی سامنے آجاتی ہیں، اس حوالے سے دو کتابوں کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

۱۔ دورِ حاضر کے فتنے اور اُن کا علاج (محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ)۔
۲-حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے (شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، تخریج و تشریح: مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی)۔

اس کے ساتھ آج کل جو گمراہ فرقے مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہے ہیں، اِلحاد اور تشکیک پیدا کر رہے، ان کے بارے میں علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھروں میں اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ اور تعلیم سے ایمان کی پختگی اور فتنوں سے حفاظت اور دین کی سمجھ اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

6۔ ایمان کی حفاظت اور فتنوں سے بچنے کے متعلق بزرگوں کی نصیحتوں پر عمل کیا جائے

یہاں ایک نصیحت ذکر کی جاتی ہے زمانہ فتن کے متعلق، جسے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی، جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے:

”وإني أرجوكم مراعاة قول جدكم: كُنْ في الفتنةِ كابنِ اللّبون؛ لا ضرعٌ فيُحلَب، ولا ظهرٌ فيُركَب۔“ (رسائل الإمام محمد زاہد الکوثري إلی العلامۃ محمد یوسف البنوري رحمہما اللہ تعالیٰ)

”مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے دادا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے اس فرمان کو ملحوظ رکھیں گے: ”فتنے (کے زمانے) میں اس دو سالہ اونٹ کی مانند ہو جاؤ جو دودھ دے سکے نہ سواری کے قابل ہو۔“

یعنی ان فتنوں سے بچنے کی اس حد تک کوشش کیجیے کہ فتنہ پرور لوگ آپ کو کسی طرح استعمال نہ کر سکیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے بچائے، آمین یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین!

دورِ حاضر کے فتنے

آج کے دور میں سب سے نمایاں فتنے:

- **فکری گمراہی (لبرل ازم، دہریت، نیچریت، مودودیت، غامدیت اور انجینئری نظریات):**

آج دہریت اور ہم جنس پرستی کو فکری آزادی اور حقوق نسواں (Faminism) کے نام سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انکارِ حدیث اور مخصوص ذہنیت کے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔ اور کچھ افراد علمی محاسبہ کے نام سے احادیث مبارکہ کا انکار کرتے ہیں اور ہر وہ حدیث مبارکہ جو ان کے خیالات یا ضرورت سے متصادم نظر آئے اسے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر موضوع یا ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی اسلامی افکار کا انکار کر رہا ہے۔ تو کوئی صحابہ کرام اور آئمہ کرام پر انگلیاں اُٹھا رہا ہے۔

- **میڈیا کا فتنہ (الیکٹرونک اور ڈیجیٹل میڈیا):**

آج الیکٹرونک اور ڈیجیٹل میڈیا ہر گھر اور ہر شخص تک پہنچ چکا ہے۔ آج ہر شخص یہ تو جانتا ہے کہ ہزاروں کلومیٹر دور فلاں مل میں کیا ہوا لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کے پڑوس میں کیا ہوا اسی طرح ایک ہی جگہ پر موجود لوگ ایک دوسرے سے غافل ہیں اور اپنے حال میں مست ہیں۔ لوگ ایک

ہی گھر میں رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے دور ہیں اور ڈیجیٹل میڈیا لوگوں کی ذہن سازی کر رہا ہے۔ پڑوسی ملک کے TV channel خواتین کی ذہن سازی کر رہے ہیں اور انھیں سازشیں کرنا اور نفرت کرنا سکھا رہے ہیں۔ اور کارٹون کے نام سے بچوں کی ذہن سازی کی جا رہی ہے۔ آج ان کے ہیرو وہ کارٹون کردار ہیں نا کہ وہ اکابرین اُمت جن کی قربانیوں سے آج ہم سر اُٹھا کر جینے کے قابل ہیں۔

- **سوشل میڈیا پر فتنۂ شہرت:**

سوشل میڈیا پر سستی شہرت اور پیسہ حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنی گھر کی خواتین کو بھی بازاری عورتوں کی طرح بنا رہے ہیں۔ کچھ لوگ سستی شہرت کے لئے جھوٹ اور من گھڑت باتیں اور کہانیاں گھڑ رہے ہیں اور view اور likes حاصل کرنے کے لئے نہ تو صحیح غلط دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی حلال اور حرام۔

- **خاندانی انتشار:**

مغرب کی نقالی میں اور فکری آزادی میں پڑ کر آج خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ آج اولڈ ہاؤس اور لاوارث افراد کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اور مغربی پروپیگنڈا کے زیرِ اثر مشترکہ خاندانی نظام ختم ہو چکا ہے۔ اور معاشی دوڑ میں لگ کر خواتین بھی سارا دن پیسہ کمانے کے لئے گھر سے باہر رہتی ہیں جس کا نتیجہ میں ماں اور بچوں کے درمیان تعلق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اور رہی سہی کسر میڈیا پر دکھائے جانے والے پروگرام ہیں جو محلاتی سازشوں اور نفرتوں کو پھیلا رہے ہیں جس کے نتیجے میں رشتہ داروں اور اہل محلہ سے تعلقات کا خاتمہ ہوتا جا رہا ہے۔

- **معاشی فتنہ:**

آج ہر شخص زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے اس کے لئے وہ حلال و حرام کا بھی خیال نہیں کر رہا۔ اور اس مقصد کے لئے گھر کا ہر فرد مزدور بنا ہوا ہے۔ خواتین سوشل میڈیا پر اپنی نمائش کر رہی ہیں۔ اور بچے بھی اس کام میں شامل ہو گئے ہیں۔ گھروں میں ملازماؤں کی حکومت ہے۔ جو کہ گھر سنبھال رہی ہیں اور جو سارا دن خواتین محنت کر کے چند ہزار کما کر لاتی ہیں اس کا ایک بڑا حصہ یا تو یہ مامائیں لے جاتی ہیں یا ہوٹل اور کھانے کا کاروبار کرنے والے۔ اور رہی سہی کسر بنکوں کے سودی کاروبار Credit Card / Loans کی اقساط کی نظر ہو جاتی ہے جو کہ معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کے نام پر کیا جاتا ہے۔

- **جھوٹے بابا، مسیحا، جعلی روحانیت:**

آج کے دور میں روحانی عاملین اور بابا حضرات کا کاروبار بھی عروج پر ہے۔ وہ عوام کو کس کس طرح سے بے وقوف بنا رہے ہیں۔ کچھ استخارہ کے نام سے اور کچھ قبر پرستی اور شرک کو فروغ دے کر۔ اسی طرح سے کچھ مذہب کے نام پر بدعات اور گمراہی کو فروغ دے رہے ہیں اور کچھ اسلام اور روحانیت کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس کاروبار کا سب سے بڑا شکار خواتین ہیں جو اپنی جہالت کے سبب آسانی سے نرغے میں آ جاتی ہیں۔

- **فرقہ واریت:**

فرقہ پرستی کو جان بوجھ کر ہوا دی جا رہی ہے۔ یہ یہودی ذہنیت کی وہ پیداوار ہے جو اس نے سب سی پہلے عیسائیت میں شروع کی اور سینٹ پال نامی شخص نے عیسائی راہب کا روپ دھارا اور اسی طریقے کو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف عبد اللہ ابن سبا نامی یہودی کے ذریعے

کامیابی سے استعمال کیا۔ اور اسی فتنے نے آگے آکر آج اسلام میں فرقہ پرستی کو بام عروج پر پہنچا دیا ہے۔ آج اسلام کو اندرونی طور پر جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ یہی فتنہ ہے جو کہ مسلمانوں کو مذہب سے دور کر رہا ہے۔ اور اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

- **دنیا پرستی:**

حدیث نبوی ﷺ ہے

«حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ، حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ السَّلَامِ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.»"(سنن ابی داود، کتاب الملاحم: حدیث نمبر:4297)

ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں“ تو ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا“: نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں « وہن » ڈال دے گا “تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول ! « وہن » کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:” یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے“۔

اور آج ہم دنیا پرستی میں اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ منافقت اپنی انتہا پر ہے۔ ہر شخص پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے۔ رشتہ داری اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ لوگ معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے سودی نظام کے چنگل میں جکڑے جا رہے ہیں۔ حلال و حرام کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اخلاقیات کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ گھر گھر میں فلم سٹوڈیو بنے ہوئے ہیں۔ کارپوریٹ کلچر پورے معاشی نظام کو جکڑ رہا ہے۔ سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں جبکہ معاشی ابتری اور دیوالیہ پن بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ سب وہ فتنے ہیں جن کا قرآن و حدیث نے اشارہ دیا تھا۔ اسلام نے فتنوں کو صرف ایک خطرہ نہیں بلکہ ایک امتحان قرار دیا ہے۔ ایمان، علم، صبر، عملِ صالح، اور اللہ کی پناہ—یہی فتنوں سے نجات کا راستہ ہیں۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مومنین خود کو دین سے جوڑے اور صحیح رہنمائی حاصل ہو تا کہ ان فتنوں سے بچا جا سکے۔ اور اس کے لئے دین کا اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ حلال و حرام اور صحیح و غلط کو سمجھا جا سکے۔

مومن کا کام یہ ہے کہ:

- فتنے کو پہچانے
- اس کا شکار ہونے سے بچے
- حق پر قائم رہے
- جماعتِ مسلمین (صحابہ کرام اور ان کے متعلقین) سے جڑا رہے۔
- اللہ کی پناہ مانگتا رہے۔

عقیدہ ختم نبوت

عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت واہمیت

حصہ اول: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

عقیدہ کا لفظ "عَقْدَ" سے ہے، جس کے معنی گرہ لگانے اور مضبوطی سے باندھنے کے ہیں، اصطلاحاً عقیدہ سے مراد وہ باتیں، اور پختہ نظریات اور یقین جن کو انسان دل و دماغ میں راسخ کرلے اور سختی سے ان پر کاربند رہے. یا بالفاظ دیگر جن پر انسان اپنے دل کو مضبوطی سے باندھ دے، یعنی ماننے یا نہیں ماننے کے اعتبار سے انہیں قطعی اور یقینی حیثیت دے دے۔

صحیح یا غلط عقیدہ

انسان تصدیق و تکذیب یعنی ماننے یا نہیں ماننے کے اعتبار سے جن باتوں کو یقین کا درجہ دیتا ہے وہ یا تو صحت اور درستگی پر مبنی ہوں گی یا غلطی اور خطا پر، اس طرح انسان کا عقیدہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی، اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی۔

عقیدہ کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

شریعت اسلامیہ جن امور و مسائل کے مجموعہ کا نام ہے بنیادی طور پر انہیں دو قسموں میں بانٹا گیا ہے،.

ا۔ اعتقادی امور اور ۲۔ عملی امور و مسائل۔

اہل علم کے یہاں اعتقادی امور کو "اصول دین" (یعنی دین کی جڑیں اور بنیادیں) کہا جاتا ہے اور عملی امور و مسائل کے لیے "فروع" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، فروع فرع کی جمع ہے جس کے معنی شاخ کے ہیں۔

اعتقادی امور کو "اصول دین" سے تعبیر کرنے کی وجہ صاف اور ظاہر ہے کہ جو حیثیت درخت کے لیے جڑ کی ہے اور کسی عمارت کے لیے بنیاد کی ہے وہی حیثیت دین میں عقیدہ کی ہے، یہ تو ممکن ہے کہ "فروع" کے بغیر "اصول" کا وجود کسی نہ کسی صورت میں ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ "اصول" تو موجود نہ ہوں لیکن "فروع" کا وجود ہو، جس طرح جڑ کے بغیر کسی درخت کا اور بنیاد کے بغیر کسی عمارت کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح عقیدہ کے بغیر دین کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور جس طرح مضبوط و مستحکم جڑ سے ہی مستحکم اور صحت مند شاخوں کا وجود ممکن ہے اسی طرح صحیح اور مستحکم عقیدہ ہی سے درست اور مبنی بر صحت اعمال کا وجود ممکن ہے، چنانچہ شریعت اسلامیہ میں انسان کے کسی بھی نیک اور صالح عمل کی صحت و قبولیت مکمل طور پر عقیدہ کی صحت اور درستگی پر موقوف ہے، عقیدہ سے متعلق کسی بھی جز میں اگر فساد اور خرابی ہے تو اللہ کے نزدیک انسان کے کسی بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر عمل کی بھی کوئی قیمت اور وقعت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اس حقیقت کو مختلف اسلوب و انداز میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے،

عقیدہ کی خرابی کے ساتھ انجام دیئے گئے اعمال خیر کو کہیں "سَرَاب" (چمکتی ہوئی ریت) سے تشبیہ دیا گیا ہے جو چٹیل میدان میں ہو اور جسے پیاسا شخص دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا، (النور:۳۹) تو کہیں راکھ سے جس پر آندھی والے دن تیز ہوا چلے (اور اسے اڑالے جائے) (ابراہیم:۱۸) اور کہیں اس صاف اور چکنے پتھر سے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زور دار بارش برسے اور اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے۔ (البقرہ:۲۶۴) جبکہ ایک جگہ بالکل واشگاف انداز میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

﴿وَقَدِمنَآ اِلیٰ مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلنٰہُ ھَبَآءً مَّنثُورًا﴾

"انہوں نے جو اعمال کئے ہیں ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیں گے" (الفرقان:۲۳)

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:۔

(یَارَسولَ اللہِ ! اِبنُ جُدعَانَ :کَانَ فِی الجَاہِلِیَّۃِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطعِمُ المِسکِینَ، فھَل ذَاکَ نَافِعُہٗ)

اے اللہ کے رسول!، ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، کیا یہ سب اس کے حق میں نفع بخش ثابت ہوں گے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "لاَیَنفَعُہٗ، اِنَّہٗ لَم یَقُل یَومًا :رَبِّ اغفِر لِی خَطِیئَتِی یَومَ الدِّینِ"

"نہیں! یہ سب اس کے کچھ کام نہیں آئیں گے، کیونکہ اس نے کبھی بھی یہ نہیں کہا: اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دینا" (صحیح مسلم، کتاب الایمان:۲۱۴)

عبد اللہ بن جدعان مکہ کا نہایت ہی سخی وفیاض آدمی تھا، اس نے ملک شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے تھے جن پر، گیہوں، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا، پھر اس نے ایک منادی کرنے والے کو مقرر کر دیا کہ وہ روزانہ رات میں خانۂ کعبہ کے چھت پر چڑھ کر لوگوں کو کھانے کی دعوت عام دے، چنانچہ ہر رات منادی کرنے والا اعلان کرتا: (ھَلُمُّوا اِلیٰ جَفنَۃِ ابنِ جُدعَانَ)

"ابن جدعان کی دیگ کی طرف آؤ"

روایت کے مطابق ابن جدعان کی یہ دیگ اتنی بڑی تھی کہ اس سے اونٹ سوار سواری کی پیٹھ پر ہی کھانا کھالیتا تھا۔ (شرح الابی والسنوسی علی صحیح مسلم ۱/۶۲۹، البدایہ ۳/۲۶۶، بحوالہ سنہرے اوراق ۱۳، ۳۲)

ایسی فیاضی اور سخاوت کے باوجود یہ شخص ناکام رہا اسلئے کہ اس کا عقیدہ صحیح نہیں تھا۔

سنن ابو داؤد کی روایت کے مطابق، ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

"میں ابی بن کعب کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر سے متعلق کچھ (شبہ وغیرہ پیدا ہو رہا) ہے، مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس کی وجہ سے میرے دل سے یہ چیز ختم ہو جائے،

انہوں نے فرمایا :(لَو اَنفَقتَ مِثلَ اُحُدٍ ذھَبًا مَاقبِلَہُ اللہُ مِنکَ حَتّیٰ تُؤمِنَ بِالقَدرِ۔۔۔)

"اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو اللہ تعالی اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ اور یہ یقین کر لو کہ جو تمہیں پہنچنے والا ہے وہ تم سے دور نہیں ہو سکتا اور جو تم سے دور ہونے والا ہے وہ تمہیں پہنچ نہیں سکتا، اگر تم اس عقیدہ کے بغیر فوت ہو گئے تو جہنمیوں میں

سے ہو گے"

ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ان سبھوں نے مجھ سے اسی طرح کی حدیث بیان کی" (ابوداؤد:۴۶۹۹)

معلوم ہوا کہ عقیدہ کی صحت کے بغیر عند اللہ کامیابی و نجات بالکل ناممکن ہے اور جب عقیدہ کی یہ اہمیت ہے تو ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقیدہ کی اصلاح و درستگی کی فکر کرے اور صحیح عقیدہ سیکھنے اور معلوم کرنے کا اہتمام کرے۔

حصہ دوم:

اسلام کے بنیادی عقائد اور عقیدہ ختم نبوت کی تعریف

اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں ۔

1:توحید 2:رسالت و نبوت 3:قیامت 4:فرشتوں پر ایمان 5:آسمانی کتابوں پر ایمان

تفصیل:

1۔**توحید** کا اجمالی مفہوم یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔اور نہ تو وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی کسی کا بیٹا۔اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ❶ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ❷ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ❸وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ❹﴾(سورۃ الإخلاص)

کہہ دو وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

2۔**رسالت و نبوت**

رسالت و نبوت ایک منصب ہے اور یہ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے منتخب کردہ بندوں کو عطاء ہوتا ہے کوئی اپنی محنت اور کوشش سے اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا جسے یہ منصب ملتا ہے اسے نبی و رسول کہا جاتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اور رسول اس دنیا میں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے۔

ان انبیاء کرام میں سب سے پہلے نبی اَبو البشر **حضرت آدم** علیہ السلام اور سب سے آخری نبی امام الانبیاء **حضرت محمد** صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

3۔**قیامت**

مرنے کے بعد ایک دن دوبارہ سب نے زندہ ہو کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے جس دن ہر ایک کو اس کے اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے کاموں پر سزا کا سامنا کرنا پڑے گا اس دن کو قیامت کا دن کہا جاتا ہے اس کے واقع ہونے پر یقین رکھنا عقیدہ قیامت کہلاتا ہے ..

4۔فرشتوں پر ایمان:

ایمان بالملائکہ (فرشتوں پر ایمان) اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔یعنی مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے نور (روشنی) سے کچھ مخلوقات پیدا کی ہیں جنہیں فرشتے کہا جاتا ہے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ:

ہم یقین رکھیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی حقیقی مخلوق ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں، اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے احکام کو بجالانے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کی ذمہ داریاں مختلف ہیں — کوئی وحی لاتا ہے، کوئی رزق تقسیم کرتا ہے، کوئی موت لاتا ہے، کوئی انسانوں کے اعمال لکھتا ہے۔

5۔ آسمانی کتابوں پر ایمان:

اس بات پر ایمان لانا بھی ایمان کا حصہ ہے کہ چاروں الہامی کتب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نازل کردہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام پر نازل فرمائیں۔

1۔ توریت (حضرت موسیٰ علیہ السلام)　2۔ زبور (حضرت داوٗد علیہ السلام) 3۔ انجیل (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) 4۔ قرآن مجید (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

عقیدہ ختم نبوت

اسلام کی بنیاد توحید اور آخرت کے علاوہ جس بنیادی عقیدے پر ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کے جس سلسلہ کی ابتداء فرمائی نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت کے اس مقدس سلسلے کی تکمیل ہو گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی شخص کسی بھی قسم کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر وحی آسکتی ہے اور نہ ایسا الہام جو دین میں حجت ہو۔ اسلام کا یہی عقیدہ "ختم نبوت" کے نام سے معروف ہے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ کسی ادنی اختلاف کے بغیر اس عقیدے کو جزوِ ایمان قرار دیتی آئی ہے۔

ختم نبوت کا معنی اور مطلب:

اللہ عزوجل نے سلسلہ نبوت کا آغاز سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمایا اور اس کی انتہا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔ آپ آخر الانبیاء (خاتم الانبیاء) ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔ اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت:

ختم نبوت کا عقیدہ ان اجماعی عقائد میں سے ہے، جو اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں شمار کئے گئے ہیں، اور عہد نبوت سے لے کر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی تاویل اور تخصیص کے "خاتم النبیین" ہیں۔

قرآن کریم سے اس عقیدہ کا ثبوت:

(الف): قرآن مجید کی ایک سو آیات کریمہ ختم نبوت کی دلیل ہیں۔ چند آیات مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾"(سورۃ احزاب:۴۰)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر، اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (سورۃ المائدہ آیت نمبر:3)

ترجمہ: آج میں تمھارے لیئے تمھارا دین پورا کر چکا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کو دین۔

"**تشریح**": یوں تو ہر نبی اپنے زمانے کے مطابق دینی احکام لاتے رہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل زمانے کے حالات و تقاضے متغیر تھے اس لئے تمام نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خوشخبری دیتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ پر نزول وحی کے اختتام سے

دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا تمام نبیوں کی نبوتوں اور ان کی وحی پر ایمان لانے پر مشتمل ہے اسی لئے اس کے بعد (وانعمت علیکم نعمتی) فرمایا یعنی نبوت کو میں نے تم پر تمام کر دیا لہذا دین کے اکمال اور نعمت نبوت کے اتمام کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ سلسلہ وحی جاری رہ سکتا ہے* اسی وجہ سے ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اے امیر المومنین: قرآن کی یہ آیت اگر ہم پر نازل ہوتی ہم اس دن کو عید مناتے (رواہ البخاری)۔

- اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد 81 دن دنیا میں رہے (معارف القرآن صفحہ 41 ج3)
- اور اس کے نزول کے بعد کوئی حکم حلال و حرام نازل نہیں ہوا۔ آپ آخری نبی ہیں اور آپ پر نازل شدہ کتاب کامل و مکمل آخری کتاب ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 4)

ترجمہ "جو ایمان لاتے ہیں، اس وحی پہ جو آپ پر نازل کی گئی اور اس وحی پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ خدا کی ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ.﴾ (سورہ توبہ آیت نمبر 33)

ترجمہ: "اور وہ ذات وہ ھے کہ جس نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ھدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ تمام ادیان پر بلند اور غالب کرے۔"

نوٹ:--غلبہ اور بلند کرنے کی یہ صورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت اور وحی پر مستقل طور پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کو فرض کیا ہے اور تمام انبیاء علیھم السلام کی نبوتوں اور وحیوں پر ایمان لانے کو اسکے تابع کر دیا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب انبیاء کرام سے آخر میں ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا سب نبیوں پر ایمان لانے کو مشتمل ہو... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی و رسول نہ ہو..

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ..﴾ (سورہ آل عمران آیت نمبر 81)

"جب اللہ تعالی نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی میں تم کو کتاب اور نبوت دوں پھر تمھارے پاس "وہ رسول" آجائے جو تمہاری کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کرنے والا ہو گا (یعنی اگر تم اسکا زمانہ پاؤ) تو تم سب ضرور ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور انکی مدد فرض سمجھنا۔"

اس سے مکمل طور پر واضح اور ظاھر ہے کہ جس رسول مصدق کی بعثت سب نبیوں کے آخر میں ہو گی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جن کے لئے تمام انبیاء کرام نے میثاق نبوت پر عہد کیا تھا۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ..﴾ (سورہ الصف آیت نمبر 6)

اور جب عیسٰی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں (اور) تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا"

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ (سورۃ الفتح:28)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے ہر ایک دین پر غالب کرے، اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

اگر کوئی اور نبی آتا تو دینِ اسلام کو فوقیت حاصل نہ رہتی، مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ دین **تمام ادیان پر غالب** رہے گا—یعنی **یہ آخری دین** ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۃ التوبہ:33)

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

یہاں بھی یہی اعلان ہے کہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت **تمام مذاہب پر غالب** اور **دائمی** ہے، جس کے بعد کوئی نئی نبوت **ممکن** نہیں۔

احادیث مبارکہ سے ثبوت

(ب):رحمت عالم ﷺ کی احادیث متواترہ (دو سو دس احادیث مبارکہ) سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِی وَلَا نَبِیَّ“

”اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آ چکا ہے لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔“

”انا آخرُ الانبیاءِ وانتم آخرُالأُمَم۔“

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو (ابن ماجہ صفحہ 297)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی ختم نبوت کا اعلان مختلف عنوان اور مختلف پیرایوں میں سینکڑوں مرتبہ، متعدد مواقع پر فرمایا ہے اور ختم نبوت کی روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے نبوت کو ایک محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اپنی ختم نبوت کو اس طرح بیان فرمایا:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: **"مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بنيانا فأحسنه وأجمله، إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويقولون: هلّا وضعت هذه اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة، وأنا خاتم النبيين"**. (صحیح بخاری: 3535، صحیح مسلم: 2286)

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی عمارت بنائی ہو اور اس کو خوب سجایا ہو اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہو، لوگ اس کے ارد گرد چکر لگانے لگے اور اس کے حسن تعمیر پر خوش ہونے لگے اور کہنے لگے کہ یہاں پر اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی، آپؐ نے فرمایا میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں

نبی اکرم ﷺ ختم نبوت کے محل کی آخری اینٹ ہیں، آپ ﷺ کی آمد کے بعد اس محل کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اب اس میں نہ کسی اضافہ کی گنجائش ہے اور نہ کمی کا امکان، ختم نبوت کے محل کی تکمیل کے بعد جو شخص کسی بھی انداز میں نبی بنائے جانے کا دعویٰ کرے گا وہ شخص جھوٹا اور کذاب ہے اور اس کا دعویٰ باطل ہے.

قال رسول الله ﷺ لعلي رضی اللہ عنہ":أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي".(صحیح بخاری:3706، صحیح مسلم:2404)

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا"اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ وہی نسبت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

رواہ ثوبان رضی اللہ عنہ: قال رسول الله ﷺ":إنه سيكون في أمتي كذابون ثلاثون، كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي". (مسند احمد:21282)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔"

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ:"كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي، وسيكون خلفاء فيكثرون.(صحیح بخاری:3455، صحیح مسلم:18429)

بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے، جب ایک نبی وفات پاتا تو دوسرا اس کی جگہ آتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے، اور وہ بہت ہوں گے۔

حدیثِ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ:"أنا قائد النبيين، ولا فخر، وأنا خاتم النبيين، ولا فخر".(دلائل النبوۃ للبیہقی، ج5، ص488)

میں نبیوں کا سردار ہوں، اور اس پر فخر نہیں؛ میں نبیوں کا خاتم ہوں، اور اس پر فخر نہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ نے لفظ "**خاتم النبیین**" کی تفسیر "**لا نبی بعدی**" کے ساتھ خود فرمادی ہے۔ اسی لئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت چند احادیث نقل کرنے کے بعد آٹھ سطر پر مشتمل ایک نہایت ایمان افروز ارشاد فرماتے ہیں۔ چند جملے آپ بھی پڑھ لیجئے۔ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اکرم ﷺ نے حدیث متواتر کے ذریعہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تا کہ لوگوں کو معلوم رہے کہ آپ ﷺ کے بعد جس نے بھی اس مقام (یعنی نبوت) کا دعویٰ کیا وہ بہت جھوٹا' بہت بڑا افترا پرداز' بڑا ہی مکار اور فریبی' خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہو گا' اگرچہ وہ خوارق عادات اور شعبدہ بازی دکھائے اور مختلف قسم کے جادو اور طلسماتی کرشموں کا مظاہرہ کرے۔" (تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جلد 3 صفحہ 494)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے چھ چیزوں میں انبیاکرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے:
(۱) مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے (۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے (۲) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔"
(صحیح مسلم صفحہ 199 جلد 1، مشکوٰۃ صفحہ 512)

اس مضمون کی ایک حدیث صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، اس کے آخر میں ہے: "وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ۔" (مشکوٰۃ صفحہ 512) ترجمہ: "پہلے انبیاؑ کو خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔"

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔" (ترمذی صفحہ 51 جلد 2، مسند احمد صفحہ 267 جلد 3)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔" (صحیح بخاری صفحہ 120 جلد 1، صحیح مسلم صفحہ 282 جلد 1)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔ (ترمذی صفحہ 209 جلد 2)

"حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے: کہ میرے چند نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (سب کے بعد آنے والا) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (متفق علیہ، مشکوٰۃ صفحہ 515)

متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: "بعثت أنا والساعة كهاتين" مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔ (مسلم صفحہ 406 جلد 2)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 2 انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ جس طرح ان دو کے درمیان کوئی تیسری انگلی نہیں اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان بھی کوئی نبی نہیں اب قیامت تک نبوۃ صرف میری ہی رہے گی۔

عقیدہ ختم نبوت علماء امت کی نظر میں:

آپ ﷺ کی ختم نبوت میں امت مسلمہ کی وحدت کا راز مضمر ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں چودہ سو سال سے کبھی بھی امت دورائے کا شکار نہیں ہوئی۔ بلکہ جس وقت کسی شخص نے اس مسئلہ کے خلاف رائے دی امت نے اسے سرطان کی طرح اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا۔ ختم نبوت کا تحفظ یا باالفاظ دیگر منکرین ختم نبوت کا استیصال دین کا ہی ایک حصہ ہے۔ دین کی نعمت کا اتمام آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر ہوا۔ اس لئے دین کے اس شعبہ کو بھی اللہ رب العزت نے خود آنحضرت ﷺ سے وابستہ فرمادیا اور سب سے پہلے خود آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ میں پیدا ہونے والے جھوٹے مدعیان نبوت کا استیصال کر کے امت مسلمہ کو اپنے عمل مبارک سے کام کرنے کا عملی نمونہ پیش فرمادیا۔

قرآن مجید کی ایک سو آیات مبارکہ، اور دو سو دس احادیث سے ثابت ہے۔ سب سے پہلا اجماع عقیدہ ختم نبوت پر ہوا۔ اتحاد امت کا مرکزی نقطہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ہے، عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کا تحفظ کرنے والے حضور ﷺ کی ذات کے نگہبان اور چوکیدار ہیں.

امت کی چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کسی اسلامی حکومت میں کسی شخص نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو امت نے اس سے دلائل و معجزات مانگنے کی بجائے اس کے وجود سے ہی اللہ تعالیٰ کی دھرتی پاک کر دیا۔ ہمارے برصغیر پاک وہند میں انگریز نے کذاب کادیان مرزا غلام کادیانی کی بطور "خود کاشتہ پودا" آبیاری کی۔ مسلمان قوم مظلوم، محکوم، غلام تھی۔ لاچار امت کو کادیانی گروہ سے مناظرہ کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے دلائل وبراہین، مقدمات ومناظروں، منبر ومحراب، عدالتوں واسمبلی، مکۃ المکرمہ وافریقہ تک جہاں بھی کسی فورم پر کادیانی کیس گیا امت کو کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ راستہ مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔ ورنہ شرعاً جھوٹے مدعی نبوت اور پیروکاروں کا وہی علاج ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مُسیلمہ کذاب کا یمامہ کے میدان میں کیا تھا اور یقین فرمایئے کہ جب کبھی اس خطہ میں اسلام کی حکومت قائم ہوگی۔ سنتِ صدیق رضی اللہ عنہ دھرائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو توفیق نصیب فرمائے۔

اب ہم پہلی صدی ہجری سے لے کر عصر جدید تک، ہر صدی کے مشہور ومعروف، معتبر وموثق علماء میں سے کچھ کے خیالات سلسلے وار پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس سے اندازہ ہو جائے کہ بعثتِ رسول سے لے کر آج تک ہر زمانے میں نبی کریم ﷺ کو آخری نبی اور رسول ہی مانا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنے والے کو کافروزندیق قرار دیا گیا...

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰ ہجری تا ۱۵۰ ہجری) کے زمانے میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کر دیا اور کہا کہ میں اس کا ثبوت بھی دے سکتا ہوں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو سمجھایا: "جو بھی اس سے ثبوت یا معجزہ طلب کرے گا وہ مرتد ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (امام اعظم ابو حنیفہ۔ ابن احمد المکی۔ جلد ا۔ ص ۱۶۱ مطبع حیدر آباد۔ ہندوستان۔ ۱۳۲۱ ہجری)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس رویہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایسے مدعیان نبوت سے نزدیکی بھی نہیں اختیار کرنا چاہئے۔

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۴ ہجری تا ۳۱۰ ہجری) اپنی مشہور ومعروف تفسیر میں اس آیت "لكن رسول الله و خاتم النبيين" کے ذیل فرماتے ہیں: "(آنحضرت ﷺ) نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگادی۔ اب دروازۂ نبوت قیامت تک کسی کے لئے نہیں کھلے گا۔"

(تفسیر طبری ج ۲۲۔ ص ۱۲)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۹ہجری۔۳۲۱ہجری) اپنی کتاب "عقیدہ سلفیہ" میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے قدیم بزرگوں کے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محمد مصطفی ﷺ خدا کے بہت ہی محترم و مقدس بندے ہیں۔ متقین کے امام، اللہ کے رسولوں کے سردار، اور اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ ان کے بعد ہر دعویٰ نبوت ایک کھلی گمراہی ہے اور خود پرستی قرار پائے گا۔

(شرح طحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ۔ دار المعارف مصر ص۔۱۰۲۱۵)

علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۴ہجری۔۴۵۶ہجری) لکھتے ہیں۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد سلسلہ نزول وحی تمام ہو گیا۔ کیونکہ وحی کا نزول صرف انبیاء پر ہوا کرتا تھا جب کہ خداوند تعالیٰ نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ محمد ﷺ تمہارے درمیان کسی کے باپ نہیں مگر خدا کے رسول ﷺ اور خاتم النبیین ہیں۔)" لہذا اب نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ رسول ہی)۔ (المحلی۔ جلد ا۔ ص ۲۶)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ہجری۔۵۰۵ہجری) فرماتے ہیں: اگر اجماع سے رد گردانی کے حق کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کافی فضولیات کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کسی کے لئے نبوت کا حصول ممکن ہے تو ہمیں اسے کافر کہنے میں ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اس کے بر خلاف اگر کوئی اسے کافر کہنے میں ہچکچائے یا ایسا کہنا اس کے مطابق گناہ ہو تو اسے اپنا موقف ثابت کرنا ہو گا۔ کیونکہ ختم نبوت ایک مسلمہ عقیدہ۔ منکر ختم نبوت ان واضح اور آشکار حق جملوں کی کیا تاویل کریں گے۔ "لا نبی بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں' یا خاتم النبیین' نبیوں میں سے آخری۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۱۴۔ مصر)

محی السنہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۱۰ہجری) اپنی تفسیر معالم التنزیل، میں لکھتے ہیں: "اللہ نے آنحضرت ﷺ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ لہذا آپ آخری نبی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ نے اس آیت میں اعلان کر دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(جلد ۳۔ ص ۱۵۸)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۷ہجری۔۵۳۸ہجری) اپنی مشہور تفسیر، کشاف میں فرماتے ہیں: "اگر کوئی پوچھے کہ کیسے آنحضرت ﷺ آخری نبی ہوں گے جب کہ عیسیٰ دنیا کے خاتمہ سے پہلے آخری دور میں ظاہر ہوں گے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ختم نبوت آنحضرت ﷺ کا مطلب ہے کہ آپ کے بعد کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ کو تو آنحضرت ﷺ سے پہلے نبوت عطا کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو تو آنحضرت ﷺ کے پیرو کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے، اور وہ اسلام کے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے جیسا کہ ہر مسلمان پڑھتا ہے۔ (جلد ۲۔ ص ۲۱۵)

علامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۴۸ہجری) اپنی معرکۃ الآراء تصنیف، الملل والنحل میں رقم طراز ہیں: "اور اس طرح وہ شخص جو یہ کہے کہ آنحضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد کوئی اور آسکتا ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ایسا شخص کافر ہے۔" (جلد ۳۔ ص ۲۴۹)

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۸۵ہجری) اپنی تفسیر 'انوار التنزیل' میں فرماتے ہیں "دوسرے لفظوں میں حضرت محمد مصطفی ﷺ آخری نبی ہیں آپ کی ذات پر سلسلہ نبوت تمام ہوا اور اس پر مہر اختتام لگا دی گئی۔ حضرت عیسیٰ کے آخری زمانے میں ظاہر ہونے سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ختم نبوت پر حرف نہیں آتا کیونکہ حضرت عیسیٰ آنحضرت ﷺ کی شریعت کے پیرو کی حیثیت سے ظاہر ہوں گے۔" (جلد ۴۔ ص ۱۶۴)

علامہ حفیظ الدین النسفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۱۰ ہجری) اپنی تفسیر 'مدارک التنزیل میں لکھتے ہیں:"اور محمد مصطفی ﷺ کی ذات وہ اعلیٰ صفات ہے کہ اس پر سلسلہ نبوت تمام ہوا۔ دوسرے لفظوں میں وہ آخری نبی ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کے بعد کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کریگا۔ حضرت عیسیٰ کو تو نبوت پہلے عطا ہوئی تھی اور جب وہ ظاہر بھی ہوں گے تو شریعت محمدی کے پیرو اور مومنین میں سے ایک ہوں گے۔" (ص ۴۷۱)

علامہ علاؤالدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۲۵ ہجری) اپنی تفسیر 'خازن' میں فرماتے ہیں 'خاتم النبیین یعنی خدا نے ان پر نبوت کو ختم کر دیا۔ محمد کے بعد کوئی نبی نہیں نہ ہی کوئی ان کی نبوت عظمیٰ میں شریک ہے۔"وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمًا" ۔اللہ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (ص ۴۷۱۔۴۔۴۷۲)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۷۴ ہجری) اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں: لہٰذا اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب یہ کہا جائے کہ کوئی نبی نہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اور کوئی رسول بھی نہیں کیونکہ رسالت کا عُہدہ نبوت سے بالا ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوا کرتا۔ جو کوئی حضرت محمد ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ جھوٹا، مرتد اور بے دین ہوگا اور جو کوئی قیامت تک ایسا کرے وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا۔" (جلد ۳۔۴۹۳۔۴۹۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ ہجری) اپنی تفسیر 'جلالین' میں فرماتے ہیں:"خدا اس بات سے آگاہ کہ اب کوئی نبی حضرت محمد کے بعد نہ ہوگا، اور جب حضرت عیسیٰ ظاہر ہوں گے تو شریعتِ محمدی کی پیروی کریں گے۔" (ص ۷۶۸)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۰ ہجری) اپنی کتاب جو کہ فقہ کی عظیم تصانیف میں سے ایک ہے، فرماتے ہیں:"جو شخص حضرت محمد مصطفی ﷺ کو آخری نبی نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت اسلام کے ایسے بنیادی عقائد و اصول میں سے ہیں جس پر اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے" الاشاح والنظائر۔ کتاب التفسیر۔ باب الردۃ۔ ص ۱۷۹

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت بات فرمائی!

گفتہ معنی خاتم النبیین آن است کہ رب العزت نبوت ہمہ انبیاء جمع کردو دل مصطفیٰ ﷺ را معدن آن کردو مہر بر آن نھاد تا دشمن بموضع نبوت راہ نیافت نہ ہوائے نفس نہ وسوسہ شیطان۔

خاتم النبیین کا معنی محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو جمع کر کے رسول اکرم ﷺ کے مبارک دل میں رکھ دی اور آپ کے دل کو اُس نبوت کیلیے معدن قرار دے دیا۔ نبوت کو دل میں رکھنے کے بعد مہر لگا دی تا کہ کسی دشمن کو نبوت کی چوری کی توفیق نہ ہو سکے اور نبوت کی چوری کی طرف اُس کو راستہ نہ مل سکے۔ نہ شیطان کے وسوسے کو راستہ ملے اور نہ ہی نفس کی خواہش کو راستہ ملے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۱۶ ہجری) اپنی تفسیر، فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:"اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنا اور اس پر یقین رکھنا صریحاً کفر کے مترادف ہے۔" (ص ۲۰۲.)

ختم نبوت پر امت کا اجماع

(ج) آنحضرت ﷺ کی امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا، چنانچہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی آخری کتاب "خاتم النبیین" میں تحریر فرماتے ہیں:

"واول اجماعی کہ دریں امت منعقد شدہ اجماع بر قتلِ مسیلمہ کذاب بودہ کہ بسبب دعوی نبوت بود، شنائع دگروے صحابہ رابعد قتل وے معلوم شدہ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ، سپس اجماع بلا فصل قرناً بعد قرنٍ بر کفر وارتداد و قتل مدعی نبوت ماندہ وہیچ تفصیلی از بحث نبوت تشریعیہ وغیر تشریعیہ نبودہ"

ترجمہ: اور سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا، جس کا سبب صرف اس کا دعوی نبوت تھا، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرام کو ان کے قتل کے بعد ہوا تھا، جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے، اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدعی نبوت کے کفر وارتداد اور قتل پر ہمیشہ اجماع بلا فصل رہا ہے، اور نبوت تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیر بحث نہیں آئی۔ (خاتم النبیین ص:۶۷، ترجمہ ص:۱۹۷)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "مسک الختام في ختم نبوة. سید الانام ﷺ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

امت محمدی میں سب سے پہلے اجماع جو ہوا۔ وہ اسی مسئلہ پر ہوا کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جائے۔ (احتساب قادیانیت ج ۲، ص ۱۰)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحفظ و دفاع کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرام کی کل تعداد ۲۵۹ ہے۔ (رحمۃ للعالمین ج:۲، ص:۲۱۳ قاضی سلمان منصور پوری)

اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ و دفاع کے لئے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے)۔ (ختم نبوت کامل ص ۳۰۴ حصہ سوم از مفتی محمد شفیع و مرقاۃ المفاتیح ج ۵ ص ۲۴)

رحمت عالم ﷺ کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرام ہیں، جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جام شہادت نوش کر گئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انہی حضرات صحابہ کرام میں سے ایک صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری خزرجی کی شہادت کا واقعہ ملاحظہ ہو:

"حبیب بن زید...... الانصاري الخزرجي."

هو الذي ارسله رسول الله ﷺ الی مسیلمة الكذاب حنفی صاحب الیمامة فکان مسیلمة اذا قال له اتشهد أن محمد الرسول الله قال نعم واذا قال اتشهد اني رسول الله

قال انا اصم لا اسمع ففعل ذلك مرارا فقطعه مسیلمة عضوا عضوا فمات شهيدا۔

(اسد الغابہ في معرفة الصحابہ ج ۱، ص: ۴۲۱ طبع بیروت)

ترجمہ: حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے فرمایاہاں، مسیلمہ نے کہا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ) بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیب نے جواب میں فرمایا کہ میں بہرا ہوں تیری یہ بات نہیں بن سکتا، مسیلمہ بار بار سوال کرتا رہا، وہ یہی جواب دیتے رہے۔ اور مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا حتی کہ حبیب بن زید کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام مسئلہ ختم نبوت کی عظمت و اہمیت سے کس طرح والہانہ تعلق رکھتے تھے، اب حضرات تابعین میں سے ایک تابعی کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو: "حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ" جن کا نام عبد اللہ بن ثوب ہے اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنادیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں اسلام لاچکے تھے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا۔ جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانی کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلم نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد اللہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایاہاں، اس پر اسود عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم کو اس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالی نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرمادیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقا پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلا وطن کر دو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل آجائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتاب رسالت روپوش ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرما چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمر موجود تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ یمن سے! حضرت ابو مسلم نے جواب دیا۔ حضرت عمر نے فوراً پوچھا: اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟ حضرت ابو مسلم نے فرمایا: ان کا نام عبد اللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرط مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہ کے اس شخص کی زیارت کرادی، جس کے ساتھ اللہ تعالی نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔

(حلیۃ الاولیا ص ۱۲۹، ج ۲، تہذیب ج ۶ ص ۴۵۸، تاریخ ابن عساکر ص ۳۱۵، ج ۷، جہاں دیدہ ص ۲۹۳ و ترجمان السنۃ ص (۳۴۱) ج ۴۔

منصب ختم نبوت کا اعزاز:

قرآن مجید میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق رب العالمین آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے لئے "رحمۃ للعالمین" قرآن مجید کے لئے "ذکر للعالمین" اور بیت اللہ شریف کے لئے "ھدی للعالمین" فرمایا گیا ہے، اس سے جہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی آفاقیت وعالمگیریت ثابت ہوتی ہے، وہاں آپ کے وصف ختم نبوت کا اختصاص بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقہ مخصوص قوم اور مخصوص وقت کے لئے تشریف لائے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حق تعالی نے کل کائنات کو آپ کی نبوت ورسالت کے لئے ایک اکائی (ون یونٹ) بنادیا۔

جس طرح کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ "رب" ہیں، اسی طرح کل کائنات کے لئے آنحضرت ﷺ نبی ہیں۔ یہ صرف اور صرف آپ ﷺ کا اعزاز واختصاص ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے جن چھ خصوصیات کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

ارسلت الی الخلق کافة وختم بي النبیون۔

"میں تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا"۔(مشکوۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین، مسلم ج ۱۔ ص ۱۹۹ کتاب المساجد)۔

آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں، آپ کی امت آخری امت ہے، آپ کا قبلہ آخری قبلہ (بیت اللہ شریف) ہے، آپ پر نازل شدہ کتاب آخری آسمانی کتاب ہے۔ یہ سب آپ کی ذات کے ساتھ منصب ختم نبوت کے اختصاص کے تقاضے ہیں جو اللہ تعالی نے پورے کر دیئے، چنانچہ قرآن مجید کو "ذکر للعالمین" اور بیت اللہ شریف کو "ھدی للعالمین" کا اعزاز بھی آپ کی ختم نبوت کے صدقے میں ملا۔ آپ کی امت آخری امت قرار پائی جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم (ابن ماجہ ص ۲۹۷)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب خصائص الکبری میں آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، آپ ہی کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ج: ۲، ص ۱۹۷،۲۸۴، ۱۹۳:

اسی طرح امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وخاتم بودن آنحضرت (ﷺ) از میان انبیاءاز بعض خصائص وکمالات مخصوصہ کمال ذاتی خود است۔" (خاتم النبیین فارسی ص ۲۰)

ترجمہ: اور انبیاء میں آنحضرت ﷺ کا خاتم ہونا، آپ ﷺ کے مخصوص فضائل وکمالات میں سے خود آپ کا اپنا ذاتی کمال ہے۔" (خاتم النبیین اردو ص: ۱۸۷)۔

اللہ ربّ العزّت نے انسانیت کی ہدایت کے لیے ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ ان میں سب سے آخری اور کامل نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، جن پر نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

عقیدہ ختم نبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اقوال، آثار اور دور صحابہ کے اہم واقعات کے تناظر میں

حصہ اول: یہ بات تعجب خیز ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے سب سے پہلے اسلام کے خلاف جو سازش رچی وہ تھی عقیدہ ختم نبوت ﷺ پر کاری ضرب؛اس لیے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جن پانچ افراد نے دعوائے نبوت کیے،

الاستاذ جمیل مصری کی تحقیق کے مطابق ان سب کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ اس بات کو انہوں نے تاریخ کے مستند حوالوں سے اپنی تحقیقی کتاب *"أثر أہل الكتاب فی الحروب والفتن الداخلیة فی القرن الأول" میں ثابت کیا ہے۔ دوسری جانب حضرات صحابہ نے بھی اس کو گویا بھانپ لیا، خاص طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور آپ نے

"أ ینقص الدین وأنا حي"

(کہ کیا دین میں کمی آئے گی اور میں زندہ رہوں گا ایسا نہیں ہو سکتا)

کا تاریخی جملہ کہہ کر صحابہ کرام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عقیدہ ختم نبوت ﷺ کی اہمیت خوب اچھی طرح سمجھیں اور تاریخ کے رُخ پھیر دینے والے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ الحمدللہ! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کوششوں اور اللہ کے فضل سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات پر اجماع کر لیا کہ عقیدہ ختم نبوت ﷺ کو تحفظ فراہم کیا جائے، نبوت کے دعویداروں کو کافر قرار دیا جائے اور ان کے خلاف جہاد فرض گردانا جائے، اس طرح یہ صحابہ کا سب سے پہلا اجماع منعقد ہو گیا کہ ختم نبوت کا تحفظ ایک اہم ترین فریضہ ہے اور دعویِ نبوت کرنے والا کافر ہے، اس سے جہاد فرض ہے۔

بس پھر کیا تھا، اس عقیدے کے تحفظ کی خاطر مدینہ سے گیارہ لشکر ان مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر میدان کارزار میں کود پڑتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال سے بھی کم عرصہ میں یا تو مدعیان نبوت اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں، یا توبہ وانابت کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

	قائدین	جہت
۱-	خالد بن سعید بن عاص	مشاف بلاد شام
۲-	عمرو بن العاص	دومۃ الجندل
۳-	خالد بن ولید	بُزاخہ، البطاح، یمامہ
۴-	عکرمہ بن ابی جہل	یمامہ، عمان ومہرہ، حضرت موت، یمن
۵-	شرحبیل بن حسنہ	یمامہ، حضرت موت
۶-	علاء ابن الحضرمی	بحرین، دارین

۷- حذیفہ بن محض الغلفانی عمان

۸- عرفجہ ابن ہرثمہ البارقی عمان، مہرہ، حضرموت، یمن

۹- طریفہ بن حاجز شرق حجاز، بنو سلیم کی طرف

۱۰- مہاجر بن ابی امیہ یمن، کندہ، حضرموت

۱۱- سوید ابن مقرن الذنی تہامۃ الیمن

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "واللهِ الذي لاَ الٰهَ إلّا هو لَولاَ أنَّ أبا بكرٍ استَخْلَفَ مَا عُبِدَ الله" اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ نہ بنائے جاتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی۔(رواہ البیہقی بحوالہ ازالۃ الخفائ، ج:۱، ص:۳)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَقَدْ قُمْنا بعدَ رسولِ اللهِ صلى اللهُ عليه وسلم مقاماً كِدنَا نُهلكُ فيه لَولاَ أنَّ الله مَنَّ علينا بأبي بكر أجْمَعْنا على أنْ لا نقاتلَ على ابنة مخاض وابنة لبون وان نأكل قرىٰ عربية ونَعْبُدَ اللهَ حتى يأتينا اليقينُ نَعْزِمُ اللهُ لأبي بكر على قِتالِهم۔ (التاریخ الکامل لابن اثیر، ج:۲، ص:۲۰۵)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد ہم ہلاکت خیز حالات سے دوچار ہو گئے تھے؛ مگر اللہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (جیسی بصیرت افروز) شخصیت کے ذریعہ ہم پر احسان عظیم کیا، ہم لوگ (یعنی جماعت صحابہ) یہ طے کر چکے تھے کہ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال نہیں کریں گے اور جو کچھ تھوڑا بہت رزق میسر آئے گا اس پر اکتفا کریں گے اور اس طرح موت تک اللہ کی عبادت کرتے رہیں گے؛ مگر اللہ رب العزت نے حضرت ابو بکر کو مانعین کے ساتھ قتال کا پختہ حوصلہ دیا۔

1۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عقیدہ ختم نبوت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا

۱۔"قد انقطع الوحى وتم الدين أينقص وانا حى"

ترجمہ: وحی کا آنا منقطع ہو چکا ہے اور دین مکمل ہو چکا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دین کٹے اور میں زندہ رہوں۔(مشکاۃ المصابیح رقم 6034، تفسیر الخازن جلد 2 صفحہ 361، تفسیر مظہری جلد 1 صفحہ 357)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بنے گا اس لیے اب وحی بھی نازل نہیں ہو گی۔ اور آگے فرمایا کہ دین مکمل ہو چکا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ دین مکمل ہو گیا ہے اور اب کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم نبوت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

۲۔"الیوم فقدنا الوحي ومن عند اللہ عز وجل الکلام"

ترجمہ: آج ہم سے وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ سے کلام کا ذریعہ چھوٹ گیا۔(کنز العمال رقم 18760، حیاۃ الصحابۃ جلد 3 صفحہ 52)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی نبی نہیں بنے گا۔

2۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عقیدہ ختم نبوت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا، أَمِنَّاهُ، وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اللَّهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ، وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ "

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انہی امور میں مواخذہ کریں گے جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اس لیے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔ اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہو گا۔ اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم 2641، شرح السنۃ البغوی جلد 10 صفحہ 127، مسند الفاروق لابن کثیر جلد 2 صفحہ 543، سنن الکبریٰ للبیہقی رقم 16850)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کی طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے کیونکہ اب کوئی نبی نہیں بنے گا۔

3۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے راستے میں کسی عورت کے محاسن کو دیکھا پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ رضی اللہ عنہ نے کسی نشاندہی کے بغیر کہا" لما دخلت يدخل علي أحدكم وأثر الزنا ظاهر على عينيه أما علمت أن زنا العينين النظر"

ترجمہ: میرے پاس کوئی ایک آدمی ایسا بھی آجاتا ہے کہ زنا اس کی دونوں آنکھوں سے ٹپکتا دکھائی دیتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ آنکھوں کا زنا بد نظری ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا:"فقلت أوحي بعد النبي "

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی پھر شروع ہو گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں یہ بصیرت، برہان اور فراست صادقہ ہے جو اللہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے۔(احیاء علوم الدین جلد 3 صفحہ 25)

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ تھا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی بند ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بنے گا۔

4۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے رہے تھے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف رخ کرکے فرمایا

"بأبي أنت وأمي لقد انقطع بموتك ما لم ينقطع بموت غيرك من النبوة والأنباء وأخبار السماء"

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ کی وفات سے وہ سلسلہ منقطع ہوا جو کسی اور کی وفات سے نہ ہوا تھا اب غیبی اطلاعات اور آسمانی خبروں کا آنا ختم ہو چکا" (رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 675،232)

اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کے ساری امت کی طرح حضرت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اب کوئی نبی نہیں بنے گا اس لئے اب آسمان سے وحی بھی نظر نہیں ہو گی۔

5۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت خاتم النبیین کے تحت فرماتے ہیں: **"ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده"**

خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سلسلہ انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ختم فرمادیا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس صفحہ 446)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت فرمائی ہے کہ سلسلہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہو گیا اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔

6۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: **"فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ"**

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں (صحیح مسلم رقم 1394، سنن نسائی رقم 694، صحیح ابن حبان رقم 1621)

7۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے شاہ روم کے گورنر نے جو شام میں رہتا تھا سوال کیا

هَل كَانَ رَسُولكُم أَخْبرَكُم أَنه ياتي من بعده رَسُولا قَالَ لَا وَلَكِن أخبر أَنه لَا نَبِي بعده (خصائص الکبری جلد 2 صفحہ 496)

کیا تمہیں تمہارے رسول نے کوئی خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول ہے (آپ نے جواب دیا) نہیں لیکن انہوں نے یہ بتلایا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی عقیدہ ختم نبوت کا اظہار فرمایا۔

8۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ:

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا تَنَاسَخَتْ "

سلسلہ نبوت اب ختم ہو چکا ہے۔(صحیح مسلم رقم 2967)

9۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ"

اگر یہ مقدر ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ہو تو آپ کا بیٹا زندہ رہتا اور نبی ہوتا لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں(صحیح البخاری رقم 6194)

10۔ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ:

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کی "شام" میں ایک مسیحی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا تمہارے ہاں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے ؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ مجھے گھر لے گیا اور اس نے مجھے ایک تصویر دکھائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔

اس نے جواب دیا: "إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ إِلَّا كَانَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِلَّا هَذَا النَّبِيَّ، فَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ"

پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ اس کے بعد کوئی نبی ہو سوائے ان کے۔ یہ وہ ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

"وهذا الخليفة بعده، وإذا صفة أبي بكر"

یہ ان کا خلیفہ ہے تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صفت تھی۔(کنز العمال رقم 35371)

حضرت بلال صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ کو نقل کرنا اس واقعے کی تصدیق ہے۔ اور اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

حصہ دوم: **عقیدہ ختم نبوت کے حوالے عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے چند اہم واقعات**

واقعہ نمبر 1: **تحفظ ناموس رسالت وعقیدہ ختم نبوت کے لیے اسلام اور کفر پہلا معرکہ (جنگ یمامہ)**

مسیلمہ کذاب کے دعویٰ نبوت کے نتیجے میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے حواریوں کے خلاف یمامہ میں لڑی گئی۔

جہاں 1200 صحابہ کرامؓ کی شہادت ہوئی، جن میں 700 قرآن کے حفاظ و قراء تھے..

* خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے:"لوگو! مدینہ میں کوئی مرد نہ رہے، اہل بدر ہوں، یا اہل احد سب یمامہ کا رخ کرو" بھیگتی آنکھوں سے وہ دوبارہ بولے:" مدینہ میں کوئی نہ رہے حتٰی کہ جنگل کے درندے آئیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گھسیٹ کر لے جائیں" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کہتے ہیں کہ اگر علی المرتضی رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہ روکتے تو وہ خود تلوار اٹھا کر یمامہ کا رخ کرتے۔ 13 ہزار کے مقابل میں بنوحنفیہ کے 70000 جنگجو اسلحہ سے لیس کھڑے تھے۔ یہ وہی جنگ تھی جس کے متعلق اہل مدینہ کہتے تھے:" بخدا ہم نے ایسی جنگ نہ کبھی پہلے لڑی، نہ کبھی بعد میں لڑی"

اس سے پہلے جتنی جنگیں ہوئیں بدر، احد، خندق، خیبر، موتہ وغیرہ صرف 259 صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں 1200 صحابہؓ کٹے جسموں کے ساتھ مقتل میں پڑے تھے۔

اے قوم! تمہیں پھر بھی ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت معلوم نہ ہوئی

انصار کے وہ سردار **ثابت بن قیس** جن کی بہادری کے قصے عرب و عجم میں مشہور تھے ان کی زبان سے جملہ ادا ہوا:

اے اللہ! جس کی یہ عبادت کرتے ہیں میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں"

چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا جب وہ اکیلے ہزاروں کے لشکر میں گھس گیے اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک ان کے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہ بچی جہاں شمشیر وسناں کا زخم نہ لگا ہو۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لاڈلے بھائی۔۔۔

حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے میں صف اول میں شامل تھے انہوں نے مسلمانوں کو آخری خطبہ دے کر فرمایا:

واللہ! میں آج کے دن اس وقت تک کسی سے بات نہ کرونگا جب تک کہ انہیں شکست نہ دوں یا شہید نہ کر دیا جاؤں"

اے قوم! تمہیں پھر بھی ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت معلوم نہ ہوئی۔

وہ بنوحنفیہ کا باغ "حدیقۃ الرحمان" تھا جس میں اتنا خون بہا کہ اسے "حدیقۃ الموت" کہا جانے لگا۔ وہ ایسا باغ تھا جس کی دیواریں مثل قلعہ کے تھیں کیا عقل یہ سوچ سکتی ہے کہ ہزاروں کا لشکر ہو اور براء بن مالک رضی اللہ عنہ کہے: "لوگو! اب ایک ہی راستہ ہے تم مجھے اٹھا کر اس قلعے میں پھینک دو میں تمہارے لئے دروازہ کھولونگا"

انہوں نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر منکرین ختم نبوت کے اس لشکر جرار کو دیکھا اور پھر تن تنہا اس قلعے میں چھلانگ لگا دی۔ قیامت تک جو بھی بہادری کا دعوی کرے گا یہاں وہ بھی سر پکڑ لے گا!!! ایک اکیلا شخص ہزاروں سے لڑ رہے تھے ہاں انہوں نے دروازہ بھی کھول دیا اور پھر مسلمانوں نے منکرین ختم نبوت کو کاٹ کر رکھ دیا۔

اے قوم !کاش کہ تم جان لیتے کہ تمہارے اسلاف نے اپنی جانیں دے کر کس طرح رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا دفاع کیا ہے۔۔۔۔

کاش تمہیں ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبوں کا علم ہوتا جو ایک مٹھی بھر جماعت کے ساتھ حد نگاہ تک پھیلے لشکر سے ٹکرا گئے۔

واقعہ نمبر2: **ناموس رسالت وعقیدہ ختم نبوۃ کے پہلے شہید، حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ:**

تاریخِ اسلام میں عقیدۂ ختم نبوت کے لیے سب سے پہلے اپنی جان کا نذرانہ رسول اللہ ﷺ کے نوجوان انصاری صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے پیش کیا۔ وہ مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور انہیں مسیلمہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں مانتا ہوں۔

مسیلمہ نے پھر پوچھا کہ تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہو؟ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ”میرے کان تمہاری یہ بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں“۔ مسیلمہ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا،

اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کے دربار میں اس درندگی کے ساتھ شہید کیا گیا کہ پہلے ان کا ایک بازو کاٹا گیا، پھر دوسرا بازو، پھر ایک ٹانگ پھر دوسری ٹانگ...اس دوران میں مسیلمہ مسلسل سوال کرتا جاتا تھا اور اس عاشق رسول صحابی رضی اللہ عنہ کا ہر سوال پر یہی جواب تھا کہ ”میرے کان جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی اور کے لیے نبوت کا لفظ سننے کے لیے تیار نہیں“ حتیٰ کہ حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ عقیدۂ ختم نبوت کے اسی والہانہ اظہار کے ساتھ جامِ شہادت نوش کر گئے۔

واقعہ نمبر3: عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تابعی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ:

امت محمدیہ کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں، جن کے لئے خدا نے آگ کو اس طرح بے اثر فرما دیا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکار دوعالم ﷺ کے عہد مبارک میں ہی اسلام لے آئے تھے، لیکن سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کے جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا، جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے پر مجبور کیا کرتا تھا۔ اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی... حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا، پھر اس نے پوچھا کیا تم محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟

حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر اسود عنسی نے آگ دھکائی اور ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو اس خوفناک آگ میں ڈال دیا، لیکن رب تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر کر دیا اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہو گئی۔ اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کر دو۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ”ایمان“ میں تزلزل آجائے گا۔ چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے نکل کر آپ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد: ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ پہنچے، تو خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کے بارے میں پتا چلا کہ یہ وہی شخص ہیں جنہیں آگ میں ڈالا گیا لیکن آگ نے نہ جلایا، تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گلے لگا کر فرمایا:

"الحمد لله الذی جعل لی فی أمتی مثل إبراهيم."

"اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں مجھے ابراہیم علیہ السلام جیسا شخص عطا فرمایا۔"

(یہ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ نے انہیں بچا لیا تھا۔)۔

(سیر اعلام النبلاء (الذہبی)- تہذیب الکمال (المزی)- تاریخ دمشق (ابن عساکر)

یہ اعلانِ ختمِ نبوت اسلام کے ایمان کا بنیادی ستون ہے۔ لیکن تاریخ کے مختلف ادوار میں کچھ لوگوں نے **دنیاوی مفاد**، **شہرت**، یا **باطنی دھوکے** کے زیرِ اثر جھوٹا دعویٔ نبوت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایسے جھوٹوں کو ذلیل ورسوا کیا، اور ان کے فتنوں کو مٹا دیا۔ اسلامی تاریخ میں **جھوٹی نبوت** (یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے) چند مشہور افراد گزرے ہیں، جنہیں ***کذّابین*** (جھوٹے نبی) کہا جاتا ہے۔ یہ سب یا تو **دنیاوی اقتدار** کے لالچ میں یا **باطنی الہام** کے دھوکے میں مبتلا ہو کر نبوت کے جھوٹے دعوے دار بنے۔ ذیل میں تاریخ کے لحاظ سے ان کا مختصر تعارف درج ہے:

1۔ مسیلمہ کذاب
2۔ اسود عنسی
3۔ طلیحہ اسدی
4۔ سجاح بنت حارث تمیمیہ
5۔ صافت ابن صیاد مدنی
6۔ مختار ابن ابوعبید ثقفی
7۔ حارث کذاب دمشقی
8۔ بابک خرمی
9۔ مغیرہ بن سعید عجلی
10۔ بیان بن سمعان تمیمی
11۔ ابو منصور محلی
12۔ صالح بن طریف برغواطی
13۔ بہافریدی زوزانی نیشاپوری
14 اسحاق اخرس مغربی
15 استاد سیس خراسانی
16 ابو عیسی اسحاق اصفھانی
17 حکیم مقنع خراسانی
18 عبد اللہ بن میمون اھوازی
19 یابک بن عبد اللہ خرمی
20 احمد بن کیال بلخی
21 علی بن محمد خارجی
22 حمدان بن اشعث
23 ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی
24 زکرویہ بن ماہر
25 یحیی بن زکرویہ قرمطی
26 عبید اللہ مہدی
27 علی بن فضل یمنی
28 ابو طاہر قرمطی
29 حامیم بن من اللہ
30 محمد بن علی شلغمانی
31 عبد العزیز باسندی
32 ابو الطیب احمد بن حسین
33 ابو علی منصور
34 عبد اللہ ابن سباہ
35 اصغر بن ابو الحسین
36 ابو عبد اللہ ابن شباس
37 حسن ابن صباح حمیری
38 رشید الدین ابو الحشر
39 محمد بن عبد اللہ بن تومرت
40 ابن ابی زکریا
41 حسین بن حمدان
42 ابو القاسم احمد بن قسی
43 علی بن حسن شمیم
44 حسین بن حمدان

45 ابو القاسم احمد بن قسی
46 علی بن حسن شمیم
47 محمود واحد گیلانی
48 عبد الحق بن سبعین
49 احمد بن عبد اللہ معلم
50 عبد اللہ راعلی شامی
51 عبد العزیز طرابلسی
52 اویس رومی
53 احمد بن ھلال
54 سید محمد جونپوری
55 حاجی محمد فرمی
56 جلال الدین اکبر بادشاہ
57 سید محمو نور بخش جونپوری
58 بایزید محمد
59 احمد بن عبد اللہ سلجماعی
60 احمد بن علی محیرٹی
61 محمد مھدی ازکی
62 سباتائی سیوی
63 محمد بن عبد اللہ کرد
64 میر محمد حسین مشھدی
65 مرزا علی محمد باب شیرازی
66 ملا محمد علی بار فروشی
67 زریں تاج
68 شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی
69 مومن خان
70 مرزا یحیی نوری
71 بہاء اللہ نوری
72 محمد احمد مہدی سوڈانی
73 مرزا غلام احمد کادیانی
74 یوسف کذاب

خیر القرون (ابتدائے اسلام) کے فتنے (کذاب)

1۔ مسَیلمہ کذّاب (بنِ حبیب الیمامہ)

2۔ اسود عنسی (عَبہَلَہ بن کعب)

3۔ سَجاح بنت الحارث التمیمیّہ

4۔ طلیحہ بن خویلد الاسدی

5۔ ابن صیاد (صاف)

1۔ مسَیلمہ کذّاب (بنِ حبیب الیمامہ)

- **زمانہ :** رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام (۹ ہجری کے بعد)
- **علاقہ :** یمامہ (موجودہ ریاض، سعودی عرب)
- **دعویٰ :** نبوت میں نبی ﷺ کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔
- **قرآن کی نقل :** اپنی "وحی" کے نام پر عجیب و بے معنی جملے بولتا تھا (جیسے : الفیل ما الفیل وما أدراک ما الفیل ...وغیرہ)۔
- **انجام :** حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں **معرکہ یمامہ** میں **حضرت خالد بن ولید** رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔
- **قرآن میں اشارہ:** ﴿سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ﴾ (سورۃ الاعلیٰ:10–12)

جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ جلدی سمجھ جائے گا۔ اور بڑا بد نصیب (ہے جو) اس سے الگ رہے گا۔ جو سخت آگ میں داخل ہو گا۔

2۔ اسود عنسی (عَبہَلَہ بن کعب)

- **زمانہ :** رسول اللہ ﷺ کے آخری سالوں میں (یمن)
- **لقب" :** ذوالخمار" (کیونکہ ہمیشہ منہ پر کپڑا اڑھانپے رکھتا تھا)
- **دعویٰ :** نبوت کا دعویٰ کر کے یمن کے کچھ قبائل کو گمراہ کیا۔
- **انجام :** نبی ﷺ کی زندگی ہی میں **فیروز دیلمی** رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔
- نبی ﷺ کو اس کی ہلاکت کی خبر **وحی کے ذریعے** ملی۔

3۔ سَجاح بنت الحارث التمیمیّہ

- **زمانہ :** خلافتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ
- **علاقہ :** بنی تمیم کی ایک خاتون؛ خود کو نبیہ (نبیہ عورت) کہتی تھی۔

- **دعویٰ :** ابتدا میں نبوت کا دعویٰ کیا، پھر مسَیلمہ کذاب سے شادی کرلی تا کہ دونوں متحد ہو جائیں۔
- بعد میں اسلام قبول کر کے توبہ کرلی۔

4۔ طلیحہ بن خویلد الاسدی

- **زمانہ :** نبی ﷺ کے زمانے کے آخر میں
- **دعویٰ :** نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی قوم کو جمع کیا۔
- **انجام :** حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے شکست کے بعد توبہ کر کے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔
- بعد میں جنگ قادسیہ میں بہادری سے لڑا اور شہید ہوا۔

5۔ صاف ابن صیاد:

- اصل نام : **صافي بن صياد**
- بعض روایات : **عبد اللہ بن صائد**
- اس کے والدین یہودی تھے۔ لیکن اس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن کاہن اور عجیب و غریب گفتگو کی وجہ سے صحابی کرام کو شک تھا کہ یہ دجال ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق اس نے دعویٰ نبوت کیا۔
- مدینہ کے قریب **بنو مغالة** کے علاقہ کا رہائشی تھا۔
- رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ بچہ تھا۔
- انجام واضح نہیں ہے کہ وہ قتل ہوا یا لاپتہ ہو گیا تھا۔

بعد خیر القرون کے فتنے

عبد اللہ ابن سبا

- **زمانہ :** امارت حضرت علی کرم اللہ وجہہ
- **دعویٰ :** حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وصی ہونے، نبی ہونے اور پھر الوہیت کا دعویٰ۔
- **فرقہ :** شیعان علی (فتنہ روافض) کی ابتداء۔
- **انجام :** حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گرفتار کروا کر سزائے موت دی اور لاش کو جلا دیا۔

حارث کذّاب (عراق)

- **زمانہ :** خلافت عبد الملک بن مروان (اموی دور)
- **دعویٰ :** دعویٰ کیا کہ جبریل میرے پاس آتے ہیں۔
- **انجام :** حکومت نے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

بابک خرمی (ایران)

- **زمانہ:** عباسی دور (۳ہجری صدی)
- **عقیدہ:** مجوسی افکار پر مبنی؛ نبوت اور الہام کا دعویٰ۔
- **انجام:** خلیفہ المعتصم کے دور میں قتل کیا گیا۔

میرزا علی محمد باب (شیعہ فرقہ "بابیّت")

- **زمانہ:** ۱۸۴۴ء—ایران
- **دعویٰ:** امام مہدی کا نائب، پھر خود "باب اللہ" بن بیٹھا۔
- **انجام:** ۱۸۵۰ء میں ایرانی حکومت نے گولی مار کر قتل کر دیا۔
- اس کے بعد اس کی تحریک سے **بہائی مذہب** وجود میں آیا۔

بہاء اللہ (میرزا حسین علی نوری)

- **زمانہ:** ۱۸۶۳ء—ایران
- **دعویٰ:** خود کو "ظہورِ خدا" اور "نبی جدید" قرار دیا۔
- اس کے پیروکار آج "بہائی" کہلاتے ہیں۔
- **انجام:** ۱۸۹۲ء میں قید میں وفات پائی (عکّا، فلسطین)۔

مرزا غلام احمد کادیانی (۱۹ویں صدی، برصغیر)

اس نے **مسیح موعود، مہدی، اور نبی** ہونے کے دعوے کیے، اور اس کی جماعت آج بھی مرزائی، کادیانی، احمدی اور لاہوری کہلاتی ہے۔

یوسف کذاب (۲۰ویں صدی، برصغیر)

1990ء میں لاہور میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور گرفتار کر کے 1997ء میں سزائے موت سنائی گئی لیکن اس سے قبل ہی جیل میں اس کے ایک سابق پیروکار نے اسے قتل کیا۔

شکیل بن حنیف (21ویں صدی، انڈیا)

دربھنگہ بہار (انڈیا) سے تعلق رکھنے والے اس شخص نے 2007ء میں امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور آج کل انڈیا میں بہت سے نوجوان اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں۔

نمبر	جھوٹا نبی / مدعی	زمانہ و مقام	ان کا باطل عقیدہ	بنیادی دعویٰ	انجام / موت	عبرت کا پہلو	تاریخی انجام کا خلاصہ
1	مسیلمہ کذاب	نبی ﷺ کے آخری دور- یمامہ (عرب)	کہتا تھا: "محمد ﷺ اور میں دونوں نبی ہیں"	نبوت میں نبی ﷺ کا شریک	جنگِ یمامہ میں قتل (حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں)	نبوت کے جھوٹے دعوے کا انجام تلوار اور رسوائی	ہزاروں پیروکاروں سمیت ذلیل ہو کر مارا گیا
2	اسود عنسی	یمن- نبی ﷺ کا زمانہ	الہام اور جنّی قوتوں سے وحی آنے کا جھوٹا دعویٰ	نبی ہونے کا دعویٰ	فیروز دیلمی نے نبی ﷺ کے حکم پر قتل کیا	اللہ نے اپنے نبی کی زندگی میں ہی جھوٹے کو مٹادیا	نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کی ہلاکت کی خبر ملی
3	سجاح بنت الحارث	عرب- خلافت ابو بکرؓ	عورت بھی وحی پانے والی نبیہ بن سکتی ہے	نبیہ ہونے کا دعویٰ	بعد میں توبہ کر کے مسلمان ہو گئی	توبہ کی توفیق نصیب ہوئی— مگر نبوت کا دعویٰ چھوڑ کر ہی	اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خاموش زندگی گزاری
4	طلیحہ اسدی	عرب- نبی ﷺ کا دور	کہتا تھا "مجھے فرشتہ آتا ہے"	نبی ہونے کا دعویٰ	شکست کے بعد اسلام قبول کیا، بعد میں شہید ہوا	باطل چھوڑنے والا اللہ کے ہاں معاف ہو سکتا ہے	سچے دل سے ایمان لایا اور اسلام کا دفاع کیا
5	حارث کذاب	عراق- اموی دور	کہتا تھا کہ جبریل میرے پاس آتے ہیں	نبی ہونے کا دعویٰ	حکومت نے گرفتار کر کے قتل کیا	کذب وافتراء کی سزا دنیا میں بھی ملی	اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا
6	بابک خرمی	ایران- عباسی دور	مجوسی عقائد کے ساتھ نبوت کا دعویٰ	الہامی نجات دہندہ		دین کا لبادہ اوڑھ کر فتنہ اٹھانے والا فنا ہو جاتا ہے	اسلامی خلافت کے خلاف بغاوت کی، عبرت ناک انجام
7	میرزا علی محمد باب	ایران (1844ء)	کہا: "میں بابِ اللہ ہوں"؛ نئی کتاب "بیان" لکھی	امام مہدی کا نائب، پھر نبی		"بابیت" ختم ہو گئی، صرف چند بہائی بچے	اس کے پیروکار منتشر ہو گئے
8	بہاء اللہ	ایران (1863ء)	کہا: "اللہ مجھ میں ظاہر ہوا"؛ بہائی مذہب کی بنیاد	نبی اور مظہرِ خدا	خلیفہ المعتصم کے حکم سے قتل	باطل دعویٰ ہمیشہ تفرقہ اور ذلت لاتا ہے	اپنے ہی بیٹے سے اختلاف، بہائیت دو حصوں میں بٹ گئی
9	مرزا غلام احمد قادیانی	برصغیر (1891–1908ء)	نبوت کو "غیر تشریعی" کہہ کر اپنے لیے جاری سمجھا	مسیح موعود، مہدی، پھر نبی	لاہور میں موت؛ حالتِ اسہال میں وفات	خاتم النبیین ﷺ کا انکار کرنے والا ذلت کے ساتھ مرا	قادیانی جماعت میں بھی کئی شاخیں پیدا ہوئیں (ربوہ، لاہوریہ)
10	یوسف کذاب	پاکستان 1990ء	دعویٰ نبوت	دعویٰ نبوت	دعویٰ نبوت پر 1997 میں سزائے موت سنائی گئی، اور بعد ازاں جیل میں قتل ہوا۔	اپنے ہی ایک پیروکار کے ہاتھوں جیل میں قتل ہوا۔	
11	دوسرے بعد کے مدعیان (جدید دور)	20ویں صدی تاحال	اپنے الہام کو وحی یا شریعت کی طرح پیش کرتے ہیں	"روحانی نبی"، "مہدی"، "الہامی رہنما"	اکثر پاگل یا خود ساختہ رہنما بن کر انجام کو پہنچے	نبوت کا جھوٹا دعویٰ کبھی دیرپا نہیں رہتا	ان کے پیروکار جلد بکھر گئے

چند کذابوں (نبوت کے جھوٹے دعویدار) کا تعارف

خیر القرون کے فتنے

مسیلمہ کذّاب

مسیلمہ (حقیقی نام مسیلمہ بن حبیب) عرب میں محمد ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کے مدعی کے طور پر سامنے آیا۔اس وقت اس کی عمر سو سال سے زائد تھی یہ کذابِ یمامہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ابو ہارون اور ابو ثمامہ اس کی کنیت تھی۔ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے اپنا جانشیں مقرر فرمادیں لیکن آپ ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمادیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی شاخ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم امر خلافت میں مجھ سے یہ مانگو تو میں تمھیں یہ بھی نہ دوں گا۔ یہاں سے وہ نامراد ہو کر لوٹ گیا اور واپس یمامہ میں جا کر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کی نبی کریم ﷺ نے اسے نبوت میں شریک کر لیا ہے۔اور یمامہ کی بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے اپنا ہمنوا بنالیا۔ اور بہت سے لوگوں کو ظلم وستم سے اپنی اطاعت پر مجبور کرنے لگا۔

نبی اکرم ﷺ کا ردِ عمل

نبی اکرم ﷺ کے پاس مسیلمہ کا خط آیا، جس میں اس نے لکھا:

"مسیلمہ ~~رسول اللہ~~ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام ــــ معلوم ہو کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں عرب کی سرزمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے۔ لیکن قریش کی قوم بے انصافی کر رہی ہے۔"

حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منجانب محمد رسول اللہ بنام مسیلمہ کذاب۔

سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہے اپنے بندوں میں سے وارث بنائے، آخرت کی کامیابی متقین کے لیے ہے۔" (تاریخ طبری)

جھوٹی نبوت کا دعویٰ

جب نبی اکرم ﷺ کے آخری ایام تھے، مسیلمہ نے یمامہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔اس نے کہا کہ: " محمد (ﷺ) نبی ہیں، اور میں بھی ان کا شریک نبی ہوں۔" پھر اس نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہا کہ: "میرے پاس بھی وحی آتی ہے۔"

اس نے قرآن کی نقل میں مضحکہ خیز جملے کہے، مثلاً:

"يا ضُفدعُ بنتَ ضفدعينِ، نقي ما تنقّين، نصفكِ في الماءِ ونصفكِ في الطينِ، لا الماءَ تُكدرين، ولا الشاربَ تمنعين"

(اے مینڈک کی بیٹی مینڈکی !تو ٹراتی ہے جیسے ٹراتی ہے، تیرا آدھا بدن پانی میں ہے اور آدھا مٹی میں۔ نہ تُو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ پینے والے کو روکتی ہے!)

یہ اس کی "وحی" تھی ــــ جسے سن کر عرب ہنس پڑتے تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں یہ معاملہ جیسے تیسے چلتا رہا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسلمان دیگر مرتدین کے خاتمے میں مصروف تھے اس دوران مسیلمہ اپنا دعویٰ نبوت عام کرنے میں مصروف رہا اور اس نے اتنی طاقت

حاصل کرلی کہ اس کا چالیس ہزار کا لشکر یمامہ کی وادیوں میں پھیل گیا۔ اس نے باقاعدہ خلافت کی عملداری کو چیلنج کیا اور بغاوت پر اتر آیا اور اپنی نبوت نہ ماننے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس کی سرکوبی ناگزیر ہو گئی تھی۔

جنگ یمامہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کے مقابلے لیے عکرمہ بن ابی جہل کو یمامہ کی طرف روانہ کیا اور عکرمہ کی مدد کے لیے شرجیل کو بھی روانہ کیا۔ شرجیل کے پہنچنے سے قبل ہی عکرمہ نے لڑائی کا آغاز کر دیا لیکن انھیں شکست ہوئی۔ اس عرصے میں شرجیل بھی مدد کو آ پہنچے لیکن دشمن کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ مسیلمہ کی نبوت کی تائید بنی حنیفہ نے بھی کی اس وقت ان کا بہت زور تھا۔ شرجیل نے بھی پہنچتے ہی دشمن سے مقابلہ شروع کر دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس عرصے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دیگر مرتدین سے نمٹ چکے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عکرمہ اور شرجیل کی مدد کے لیے یمامہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر یمامہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسیلمہ بھی خالد رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع سن کر مقابلے کی تیاریوں میں مصروف ہوا اور یمامہ سے باہر صف آرائی کی۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ فریقین میں نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ پہلا مقابلہ بنو حنیفہ سے ہوا۔ اسلامی لشکر نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ بنو حنیفہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے اور مسیلمہ کے باقی آدمی ایک ایک کر کے خالد کی فوجوں کا نشانہ بنتے رہے۔ جب مسیلمہ نے لڑائی کی یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنے فوجیوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ نکلا اور میدان جنگ سے کچھ دور ایک باغ میں پناہ لی لیکن مسلمانوں کو تو اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑنا تھا اس لیے خالد بن ولید نے باغ کا محاصرہ کر لیا۔ باغ کی دیوار اتنی اونچی تھی کے اس کو کوئی بھی پار نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت ایک صحابی حضرت زید بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عرض کی میں یہ دیوار پار کر کے تمھارے لیے دروازے کو کھول دوں گا گر تم میرے لیے ایک اونچی سیڑھی بنا دو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے۔ اگلے دن حضرت زید بن قیس سیڑھی کے ساتھ باغ میں اتر گئے۔ تب مسیلمہ کذاب نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ تب اس کے فوجیوں نے حضرت زید بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔ لڑائی میں حضرت زید بن قیس رضی اللہ عنہ کا کندھا کٹ گیا۔ پھر بھی انھوں نے دروازے کو کھول دیا۔ ادھر مسلمان صف بندی کر چکے تھے۔ مسلمان اندر داخل ہونا شروع ہو گئے اور ایک دفعہ پھر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اچانک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نیزہ لے کر مسیلمہ کو پکارنے لگے، یا عدو اللہ! اور مسیلمہ پر پھینک دیا، مگر اس کے محافظوں نے ڈھال بن کر اس کو بچا لیا۔ اس وقت اس کے محافظ غیر حتمی طور پر اسے چھوڑ کے چلے گئے۔

عبرتناک انجام:

پھر اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ (جو مسلمان ہو چکے تھے) نے ایسا نیزہ مارا کہ مسیلمہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس طرح اس (وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ) نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کیا۔ اس کے لشکر کے نصف آدمی مارے گئے۔ تقریباً یمامہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد خالد بن ولید نے اہل یمامہ سے صلح کر لی۔ یہ جنگ جنگ یمامہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اس کی پیروکار عورت: سجاح بنت الحارث

سجاح بھی ایک **عیسائی عورت** تھی جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ مسیلمہ نے اس سے **شادی** کر لی تاکہ وہ اپنے دعوے کو مضبوط بنا سکے۔ لیکن مسلیمہ کے واصل جہنم ہونی کے کچھ عرصہ بعد **سجاح** نے اپنی غلطی مان کر اسلام قبول کر لیا۔

نبی کریم ﷺ کا خواب:

قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ رُؤْيَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي ذَكَرَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، أُرِيتُ أَنَّهُ وُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَفُظِعْتُهُمَا وَكَرِهْتُهُمَا، فَأُذِنَ لِي فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ"، فَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ الَّذِي قَتَلَهُ فَيْرُوزُ بِالْيَمَنِ، وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ.(صحیح البخاری: حدیث نمبر: 4379)

عبیداللہ بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی کریم ﷺ کے اس خواب کے متعلق پوچھا جس کا ذکر آپ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا کہ میرے ہاتھوں پر سونے کے دو کنگن رکھ دیئے گئے ہیں۔ میں اس سے بہت گھبرایا اور ان کنگنوں سے مجھے تشویش ہوئی، پھر مجھے حکم ہوا اور میں نے انہیں پھونک دیا تو دونوں کنگن اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے لی جو خروج کرنے والے ہیں۔ عبیداللہ نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک اسود عنسی تھا، جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔ (صحیح البخاري/كتاب المغازي/ حدیث: 4379)

انجام کے بعد اثرات

- اس کی موت کے بعد اس کے ماننے والے **مرتدین** ختم کر دیے گئے۔
- اسلام میں **مرتد اور جھوٹے نبی** کے لیے سخت حکم مقرر ہوا۔
- قرآن نے اعلان کیا:﴿**وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ** ﴾(سورہ آل عمران 3:85)
"اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

الأسود العَنسی

تعارف:

اصل نام : عَبْھلہ بن کَعب بن غوث

لقب : الأسود (یعنی سیاہ رنگ والا)

قبیلہ : عنس (یمن کے قبیلہ مذحج کی ایک شاخ)

علاقہ : صنعاء (یمن)

اس شخص کا نام عیھلہ بن کعب تھا لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہو گیا اس کا تعلق قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تھا۔

ابتدائی زندگی

- الاسود عنسی **یمن کا ایک طاقتور، ذہین، مگر جادوگر اور متکبر انسان** تھا۔

- اس کے پاس **جادو، ٹونوں اور شعبدہ بازی** کی مہارت تھی، جس سے وہ عوام کو دھوکا دیتا تھا۔
- چونکہ وہ **شعلہ بیان خطیب** اور **اثر انگیز شخصیت** رکھتا تھا، اس لیے بہت سے کم علم لوگ اس کے دامِ فریب میں آ گئے۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ

نبی کریم ﷺ کے آخری ایام میں، جب یمن اسلام کے زیرِ نگیں آ چکا تھا،

اسود عنسی نے اچانک اعلان کیا کہ:

"میرے پاس بھی فرشتہ آتا ہے، اور میں نبی ہوں"!

اس نے **جادو اور فریب** سے کچھ لوگوں کو متاثر کیا اور اپنے گرد ایک گروہ جمع کر لیا۔

پھر اس نے **یمن کے دارالحکومت صنعاء پر قبضہ** کر لیا، اور **اسلامی گورنر (شہر بن باذان)** کو قتل کر دیا۔

اسود عنسی کی ظاہری حالت

- اس کے چہرے پر **سیاہ نقاب** رہتا تھا، اسی لیے اسے "الاَسود" کہا جاتا تھا۔
- اس کے جسم سے **بدبو** آتی تھی، مگر وہ لوگوں پر **جادوئی اثرات** سے غلبہ حاصل کرتا۔
- وہ **اونچی آواز میں دھاڑتا** اور کہتا: "میں اللہ کا نبی ہوں، اور آسمان سے میرے پاس فرشتہ آتا ہے!"

حضرت سید المرسلین ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو آپ ﷺ کی طبیعت مبارک کچھ ناساز ہوئی گو جلد ہی سنبھل گئی لیکن منافقین کی طرف سے طبیعت کی ناسازگی کی خبر اس طرح پھیلائی گئی کہ اکثر منافقین نے اپنے کفر کو آشکارا کر دیا اور اسلام کو خیر آباد کہہ دیا اسود عنسی بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہو گیا اس نے نا صرف کفر اختیار کیا بلکہ خود ساختہ نبوت کا تاج بھی سر پر رکھ دیا۔

نبی ﷺ کو اطلاع

جب نبی کریم ﷺ کو اس کے فتنہ کی خبر ملی، تو آپ ﷺ نے یمن کے مؤمنین کو خفیہ پیغام بھیجا کہ وہ اس فتنے کو ختم کریں۔ نبی ﷺ کا پیغام **فیروز الدیلمی، داذویہ**، اور **قیس بن مکشوح** جیسے اہلِ ایمان تک پہنچا۔ انہوں نے خفیہ منصوبہ بنایا کہ کس طرح اسود کو ختم کیا جائے۔

حضرت سید الاولین والآخرین کی پیشگوئی:

حضور ﷺ نے اپنی مرض الوفات میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دن فرمایا: "کہ میں نے خواب میں اپنے ہاتھوں پر سونے کے کنگن دیکھے مجھے ان سے نفرت ہوئی تو میں نے پھونک ماری اور دونوں کنگن معدوم ہو گئے"

ان دونوں کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجال تھے مسیلمہ اور اسود عنسی۔ اور آپ ﷺ نے انہی دنوں میں وحی الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا کہ اسود فلاں روز فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

اسود عنسی کا انجام: بقول مورخ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسود عنسی کی شہرت آگ کی طرح پھیل گئی، اور چند ہی روز میں یہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ جب امام الانبیاء علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے وہاں جو لوگ ایمان پر ثابت قدم تھے انہیں پیغام بھیجا کہ کھلم کھلا یا چالاکی کے ساتھ جس طرح بھی ہو اسود کا مقابلہ کریں۔

ادھر ایران کے شاہی خاندان کے جو لوگ امراء یمن میں آباد تھے اسود نے ان کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک شروع کر دیا ادھر آنحضرت ﷺ نے بھی تھوڑی سی جماعت اسود کے خاتمے کیلئے بھیجی انہوں نے "جن کے امیر فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ تھے اور اسود کی بیوی آزاد کے ساتھ مل کر خفیہ طریقے سے قتل کا منصوبہ تیار کیا" اور ایک شب یہ سب خفیہ راستے سے داخل ہو کر اسود کے محل میں چھپ کر بیٹھ گئے اور آخر صبح کے وقت جب اسود نشہ کی حالت میں سو رہا تھا حضرت فیروز دیلمی نے کمرہ میں داخل ہو کر اس کا کام تمام کر دیا اور اسود عنسی ذبح شدہ بیل کی طرح دھاڑیں مارنے لگا آس پاس جو محافظ تھے انہوں آکر دیکھنا چاہا تو آزاد نے کہا کہ تمہارے نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا۔

نبی کریم ﷺ کو اطلاع (غیبی خبر)

اسود کے قتل کی خبر وحی سے آنحضرت ﷺ کو وفات سے ایک رات دن پہلے ہو گئی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنا دی تھی۔ مدینہ میں اسی رات نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"الليلةَ قَتَلَ الفَيْرُوزُ العَنسيَّ الكذّابَ".

(آج رات فیروز نے عنسی کذاب کو قتل کر دیا ہے۔) —(الطبری، ابن کثیر)

بعد میں اس کے آدمیوں کے ذریعہ سے یہ خبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں آئی۔ یہ اسود صنعاء میں ظاہر ہوا تھا اور نبوت کا دعوی کر کے آنحضرت ﷺ کے عامل مہاجر بن امیہ پر غالب آگیا تھا۔ بعضوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے باذان وہاں کا عامل تھا تو اسود نے اس کی جو رومر زبانہ سے نکاح کر لیا اور یمن کا حاکم بن بیٹھا۔ آخر فیروز ایک روز رات میں نقب لگا کر اس کے گھر میں گھس گئے۔ دروازے پر ایک ہزار چوکیداروں کا پہرہ تھا۔ اس لیے نقب لگایا گیا۔ آخر فیروز نے اس کا سر کاٹ لیا اور باذان کی عورت کو مال و اسباب سمیت نکال لائے۔ اسی رات کو باذان کی عورت نے اس کو خوب شراب پلائی تھی اور وہ نشہ میں مدہوش تھا۔ اللہ نے اس طرح سے اسود عنسی کے فتنے کو ختم کرایا

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الانعام:45)

انجام کے بعد اثرات

- اسود عنسی کے قتل کے بعد **یمن میں امن بحال ہوا۔**
- اس کے پیروکار ختم کر دیے گئے۔
- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں **مرتدین کی سرکوبی مکمل** ہوئی۔
- **فیروز الدیلمی** رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے "خیر الناس" (بہترین انسان) قرار دیا۔

اسود عنسی کے فریب کا انداز

اس نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے **قرآن جیسی عبارتیں** گھڑیں، مثلاً:

"یا برذون، یا برذون، أنت ربٌّ عظيمٌ، إنّ لكَ أنفًا طويلاً". (اے گھوڑے، اے گھوڑے! تو بڑا رب ہے، تیرا ناک لمبا ہے!)

لوگ اس پر ہنستے بھی تھے مگر جادو کے اثر سے بعض مرعوب ہو جاتے۔

سَجاح بنتُ الحارث

تعارف

نام : سَجاح بنتُ الحارث بن سوید بن عقفان

قبیلہ :بنو تمیم

علاقہ :شمالی عرب (نجد و عراق کے درمیان)

زمانہ :خلافتِ صدیق اکبرؓ کے ابتدائی ایام

یہ بھی اسلام کی ابتدائی تاریخ میں نبوت کی جھوٹی دعویدار عورت کے طور پر معروف ہے۔ تاہم بعد میں اس نے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا، اور یہی اس کی زندگی کا اہم موڑ ہے۔

پس منظر

- سَجاح کا تعلق بنو تمیم سے تھا، جو عرب کے بڑے قبیلوں میں سے ایک تھا۔
- وہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئی اور تعلیم یافتہ، فصیح اللسان اور ذہین خاتون تھی۔
- اس کے قبیلے میں وہ ایک مؤثر مقررہ اور لیڈر کے طور پر مشہور تھی۔
- عرب میں جب فتنۂ ارتداد پھیلا (یعنی نبی ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے لوگ دین سے پھرنے لگے)، تو سجاح نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب مسیلمہ، طلیحہ اور اسود عنسی جیسے لوگ جھوٹی نبوت کے دعوے کر رہے تھے،

تو سَجاح نے بھی کہا : "مجھے الہام ہوتا ہے، میں نبیہ ہوں!"

اس نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو ساتھ ملا لیا اور ایک بڑی فوج تیار کر لی۔ ابتدا میں وہ اسلام کی مخالفت کے لیے نکلی تھی۔

مسیلمہ کذّاب سے ملاقات

سجاح نے مسیلمہ کذّاب (جو یمامہ میں جھوٹا نبی تھا) سے اتحاد کی کوشش کی۔ جب وہ یمامہ پہنچی تو مسیلمہ نے اسے خوش آمدید کہا، اور دونوں کے درمیان تعلق اور ساز باز ہوئی۔

مسیلمہ نے اس سے کہا: "اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ ہم دونوں شریکِ نبوت ہیں۔"

چنانچہ دونوں نے سیاسی اتحاد کے طور پر شادی کر لی۔ مسیلمہ نے اس کی فوج کے 2000 آدمیوں کے لیے ایک دن کی نماز معاف کر دی۔ تاکہ وہ اس کے "وحی" پر ایمان لائیں۔

انجام—توبہ اور اسلام کی طرف رجوع

مسیلمہ کے قتل (جنگِ یمامہ میں) کے بعد سجاح کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ وہ اپنے وطن واپس لوٹی اور اسلام قبول کر لیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ

وہ بعد میں ایک نیک اور عبادت گزار خاتون بن گئی۔

ابنِ کثیر نے نقل کیا ہے کہ: "سجاح نے اسلام قبول کیا، نیک بن گئی اور توبہ کے ساتھ زندگی گزاری۔"

اس کی زندگی کے آخری ایام میں وہ نماز، روزہ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتی تھی۔

سجاح کا واقعہ بتاتا ہے کہ:

1. عورتوں میں بھی قیادت، فصاحت، اور اثر کی قوت تھی۔
2. مگر جب شہرت یا اقتدار کی خواہش دینی حدود سے آگے بڑھے، تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔
3. توبہ اور رجوعِ الی اللہ ہمیشہ ممکن ہے — جیسا کہ سجاح نے توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔

حالات:

یہ عورت ہوازن کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی یہ مذہباً عیسائی اور نہایت فصیح و بلیغ عورت تھی، اور اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اسکے ساتھ ساتھ نوجوان اور خوبرو بھی تھی، جب سجاح نے دیکھا کہ مسیلمہ کذاب نے سو سال کی عمر میں دعویٰ نبوت کر کے اتنا عروج و اقتدار حاصل کر لیا ہے تو یہ بھی نبوت کا کاروبار شروع کرنے پر غور کرنے لگی جوں ہی سید العرب والعجم ﷺ کے وصال کی خبر سنی تو نبوت کی دعویدار بن بیٹھی سب سے پہلے بنی تغلب کے قبیلے نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا اور بہت سے دوسرے قبائل بھی ترک اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سجاح کے جھنڈے کے نیچے ایک لشکرِ جرار جمع ہو گیا اور سجاح مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئی۔ راستے میں اس نے اپنی فوج کو کہا کہ مجھے وحی الہی میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ پہلے یمامہ پر حملہ کروں یہ وہ جگہ تھی جہاں مسیلمہ کذاب نے نبوت کی دکان کھول رکھی تھی مسیلمہ نے پیغام بھیجا کہ میرے ہاں دعوت قبول کریں اور سجاح نے فوراً قبول کر لی مسیلمہ نے خیمے کو خوب سجایا اور سنوارا اور طرح طرح عطریات سے خیمے کو مہکایا جب سجاح آئی تو اس کے دل پر ان اسبابِ عیش و آرائش نے خوب اثر کیا اور خیمہ تنہائی میں دونوں کی چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا اور فرطِ شوق کا یہ عالم ہوا کہ تین دن تک خیمے سے دونوں باہر نہ نکلے اس طرح سجاح کی نبوت مسیلمہ کی نبوت میں مدغم ہو گئی..

اُدھر سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لشکرِ اسلام اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ یمامہ سے سجاح کا لشکر جب واپس آرہا تھا تو رستے میں لشکر اسلام کا آمنا سامنا ہوا اور سجاح کا لشکر ہیبت زدہ ہو کر بھاگ نکلا اور یہ خود بھی ایک جزیرہ میں چھپ گئی، بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو سجاح نے اپنی قوم سمیت اسلام قبول کر لیا.

طلیحہ اسدی

تعارف

پورا نام: طُلَیحہ بن خُوَیلِد بن نوفل الأسدی

قبیلہ: بنو اسد بن خزیمہ

علاقہ: نجد (عرب کے وسطی حصے میں)

زمانہ: نبی کریم ﷺ کے آخری ایام اور خلافتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ

طلیحہ بن خویلد کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ جو نواح خیبر میں آباد تھا اس شخص نے عہد رسالت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کرنے میں مشغول ہو گیا۔

ابتدائی حالت

طلیحہ ایک بہادر، فصیح اللسان اور ذہین سپاہی تھا۔ وہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں بنو اسد کے سردار کے طور پر مشہور تھا۔ ابتدا میں اس نے اسلام قبول کیا، مگر بعد میں اقتدار اور خود پسندی کے باعث نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

پیغمبر علیہ السلام نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کے قریب رہائش پزیر قبائل و عمال کے ہمراہ طلیحہ کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ فرمایا۔ لشکرِ اسلام و لشکرِ کفر کی صف آرائی شروع ہوئی تو دل داد گان توحید و جانثاران رسالت نے جو سامنے آیا گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا طلیحہ کے لشکر نے جان پر کھیل کر مسلمانوں کے نرغے کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے اور بھاگ کھڑے ہوئے لشکرِ اسلام کامیاب و منصور واپس ہوا لیکن ضرار رضی اللہ عنہ ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضور ﷺ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے بعد میں طلیحہ نے اسلام قبول کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ

نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ حیات کے آخری برسوں میں، جب اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا،

طلیحہ نے اپنے قبیلے میں اعلان کیا: "میرے پاس بھی فرشتہ آتا ہے، جو جبرائیل کی طرح مجھ پر وحی لاتا ہے!"

اس نے اپنے اس فرضی فرشتے کا نام **ذُکَیل** رکھا۔ لوگوں سے کہتا: "ذُکَیل نے مجھ سے کہا ہے کہ مجھے نبی بنایا گیا ہے۔"

جنگِ بزاخہ (Battle of Buzakhah)

جب نبی ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، تو طلیحہ کے خلاف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر روانہ ہوا۔ یہ جنگ **بزاخہ** کے مقام پر ہوئی۔

ابتدا میں طلیحہ نے کہا: "میرے پاس ابھی وحی آئے گی، انتظار کرو!"

لیکن جب اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ "کیا پیغام آیا؟"

تو وہ بولا: "ذُکَیل نے کہا ہے کہ آج سخت دن ہے!"

اس پر اس کے ساتھی سمجھے کہ یہ دھوکا ہے، اور میدان چھوڑ گئے۔ یوں اسلامی لشکر کو فتح حاصل ہوئی اور طلیحہ فرار ہو گیا۔

اسلام میں دوبارہ واپسی

شکست کے بعد طلیحہ **شام** چلا گیا اور کچھ عرصہ وہاں روپوش رہا۔ پھر خلافتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ سچے دل سے اسلام قبول کر کے مدینہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں اس پر شک کیا، لیکن طلیحہ نے کہا: "میں توبہ کر چکا ہوں، اب اللہ کے دین کے لیے لڑوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تمہاری توبہ سچی ہے، تو اللہ تمہیں معاف کرے گا۔"

طلیحہ کا مجاہد بن جانا

اسلام قبول کرنے کے بعد طلیحہ نے اپنے پچھلے گناہ کا کفارہ جہاد کے ذریعے ادا کیا۔ وہ عراق اور شام کے جہادوں میں شریک ہوا، اور اپنی غیر معمولی بہادری سے مشہور ہو گیا۔

جنگِ قادسیہ: طلیحہ رحمۃ اللہ علیہ نے رستم کے لشکر کے مقابلے میں شجاعت دکھائی۔ اس کے کارنامے مشہور ہوئے کہ وہ دشمن کے خیموں میں اکیلا گھس جاتا تھا۔

جنگِ نہاوند: یہاں بھی اس نے اسلامی فوج کا علم بلند رکھا۔ آخر کار اسی جنگ میں شہید ہو گیا (تقریباً 21 ہجری)۔

انجام اور مقام

- وہ توبہ کرنے کے بعد سچے مسلمان بنے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی توبہ کو قبول کیا۔
- اسے بعد کے مجاہدین "**تائب نبی**" کے لقب سے یاد کرتے تھے، کیونکہ وہ پہلے جھوٹا مدعیِ نبوت تھا، مگر بعد میں مخلص مجاہد بن گیا۔

ابن صیّاد

تعارف اور پس منظر

نام:

- اصل نام: **صافي بن صياد**
- بعض روایات: **عبداللہ بن صائد**
- والدہ یہودی تھی، باپ بھی یہودی تھا۔

رہائش:

- مدینہ کے قریب **بنو مغالۃ** کا علاقہ
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بچہ تھا۔

عمر:

- غزوۂ تبوک کے وقت وہ **نوجوان** تھا۔

صحابہ کو کیوں شبہ ہوا کہ یہ دجال ہے؟

کئی روایات میں آتا ہے کہ ابن صیّاد میں کچھ **غیر معمولی علامات** دیکھی گئیں:

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ابن صیاد کے پاس اسے آزمانے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ اپنے گھر کے قریب ایک گدّی پر بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کچھ غیب جیسی باتیں کر رہا تھا۔ (صحیح مسلم) جس سے صحابہ کو شبہ ہوا کہ اس میں کوئی **ماورائی اثر** ہے۔

2۔ وہ ادھوری باتیں کہتا تھا

جب نبی ﷺ نے اسے کلمۂ شہادت یا سورتِ دخان کا ایک لفظ بتایا، تو اس نے **نامکمل انداز** میں کوئی چیز پکڑ لی جیسے:

"دُخ... دُخ"... (صحیح مسلم) جس سے لگتا تھا کہ وہ کوئی چیز جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

3۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں سخت شبہ تھا کہ یہ دجال ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر یہ دجال ہے تو تم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔" (صحیح مسلم)

4۔ وہ کبھی کبھی بہکے ہوئے الفاظ کہتا تھا

روایات میں آتا ہے کہ وہ کبھی یہ دعویٰ کرتا: "میرے پاس بھی کچھ آتا ہے۔" (صحیح مسلم)

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ **مستقبل** کے بارے میں گمان لگاتا تھا، جس سے وہم مزید بڑھ جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر کار فیصلہ واضح کر دیا

احادیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے کئی بار اس کا امتحان لیا مگر آخر میں فرمایا: "دجال کے بارے میں اگر تم نے اسے ابن صیاد سمجھا ہے تو وہ دجال نہیں ہے۔" (مسند احمد)

اور ایک دوسری روایت میں:

"دجال کا شہر بھی نہیں دیکھا، نہ اس کے ماں باپ دجال کے ماں باپ جیسے ہیں۔"

یعنی حقیقی دجال تو **مشرقی علاقوں** میں ظاہر ہو گا، جبکہ ابن صیّاد مدینہ کے قریب کا یہودی بچہ تھا۔

ابن صیّاد کا آخری رویہ (صحابہ سے گفتگو)

ایک روایت میں آتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس نے خود کہا:

"تم لوگ مجھے دجال کیوں سمجھتے ہو؟ کیا تمہیں یہ بات کافی نہیں کہ میں مسلمان ہوں اور حج کرتا ہوں؟" (صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اس کے جواب میں کوئی دلیل نہیں تھی کہ وہ واقعی دجال نہیں، مگر ہمیں اس کے بعض پہلو مشکوک لگتے تھے۔"

محدثین وعلماء کی تحقیق

تمام معتبر محدثین کا اس پر اتفاق ہے:

ابن صیّاد دجال نہیں تھا۔ لیکن اس کی شخصیت مشکوک تھی۔ وہ شاید جنّات یا کاہنوں کے اثرات کے تحت تھا۔ یا ایک غیر معمولی ذہنی حالت کا شکار تھا

مشہور محققین کے اقوال:

1. **امام نووی رحمۃ اللہ علیہ:**

"اہلِ علم کا قول ہے کہ ابن صیّاد دجال نہیں تھا۔"

2. **حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ:**

"احادیث کا مجموعہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ دجال نہ تھا، صرف مشتبہ تھا۔"

3. **شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ:**

"دجال ایک مخصوص بڑی آزمائش کا فتنے والا ہے، ابن صیّاد اس کے قریب بھی نہیں۔"

ابن صیّاد کا انجام

اس کے مرنے کے بارے میں روایات کم ہیں۔ لیکن تاریخی آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ **کسی فتنہ میں قتل ہوا**، یا **مفقود** ہو گیا۔ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں۔

عبد اللہ بن سبا (فتنہ رافضیت کا بانی)

عبد اللہ ابن سبا ساتویں صدی عیسوی کی اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی خبیث کردار ہے۔ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا بعد میں بظاہر مسلمان (منافق) ہو گیا۔ اس نے دوسرے منافقین کے ساتھ مل کر نو مسلموں کو فریب دے کر اسلام کے مٹائے ہوئے خاندانی امتیاز اور نسلی عصبیت کو تعلیم اسلامیہ اور مقاصد ایمانیہ کے مقابلے میں پھر زندہ کیا۔ عبد اللہ بن سبا نے مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور قاہرہ کے تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دنوں قیام کر کے عثمان غنی کے خلاف نہایت چالاکی، ہوشیاری اور شرارت سے علی المرتضیٰ کے حقدار خلافت ہونے کو نو مسلم لوگوں میں اشاعت دے کر بنی امیہ اور بنی ہاشم کی پرانی عداوت اور عصبیت کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عبد اللہ بن سبا نے سب سے پہلے مدینہ منورہ یعنی دار الخلافہ میں اپنے شر انگیز خیالات کی اشاعت کرنی چاہی مگر چونکہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت اور ان کا اثر غالب تھا۔ لہٰذا اس کو ناکامی ہوئی اور خود ہاشمیوں نے ہی اس کے خیالات کو سب سے زیادہ ملعون و مردود قرار دیا۔ مدینہ سے مایوس ہو کر وہ بصرہ پہنچا۔ وہاں عراقی و ایرانی قبائل کے نو مسلموں میں اس نے کامیابی حاصل کی اور اپنی ہم خیال ایک جماعت بنا کر کوفہ پہنچا۔ اس فوجی چھاؤنی میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود تھے یہاں بھی وہ اپنے حسب منشا ایک مفسد جماعت بنانے میں کامیاب ہوا، کوفہ سے دمشق پہنچا وہاں بھی اس نے تھوڑی سی شرارت پھیلائی، لیکن امیر معاویہ، حاکم شام کے بروقت مطلع ہو جانے سے زیادہ دنوں تک قیام نہ کر سکا، وہاں سے قاہرہ پہنچ کر اس نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ و قاہرہ کے فسادی عناصر نے مل کر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا اور حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ ظہور میں آیا۔ اس فتنہ نے 30 ہجری سے 40 ہجری تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کو نقصان پہنچایا۔

عبد اللہ بن سباء نبوت کا دعوے دار تھا۔ اور وہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا جبکہ وہ اس سے پاک تھے۔ جب یہ بات امیر المؤمنین کو پہنچی تو انہوں نے اس کو بلایا اور پوچھا تو اس نے اقرار کیا اور کہا کہ: ہاں! تو ہی اللہ ہے اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ تو اللہ ہے

اور میں نبی ہوں۔ تو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تیرے لئے ہلاکت ہو! شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔ تجھے تیری ماں گم پائے! اپنے اس قول سے رجوع کر اور توبہ کر۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے اس کو قید کر دیا اور تین دن تک اس سے توبہ کرواتے رہے لیکن اس نے توبہ نہیں کی تو اس کو آگ میں جلا دیا اور فرمایا: "شیطان اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہی اس کے پاس آتا اور اس کے دل میں اس طرح کی اوٹ پٹانگ ڈال رہا تھا۔"

اس کے تمام عقائد اس کے مذہب کے پیروکاروں میں آج بھی موجود ہیں۔ اگرچہ وہ (روافض) آج بھی اس کا انکار کرتے ہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ "ابن سباء ایک من گھڑت ہے جسے اہل بیت اطہار سے دشمنی کرتے ہوئے امویوں اور عباسیوں نے گھڑا تھا، اس لئے عقل مند اور دانشور آدمی کو چاہئے کہ وہ اس کے بارے میں اپنے آپ کو مصروف نہ کرے۔" لیکن یہاں ان کی اپنی کتابوں سے اس کی تردید اور دلائل حاضر ہیں۔

شیعہ محقق لکھتا ہے کہ: اہل علم کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ: عبد اللہ بن سبا یہودی تھا، پھر یہ اسلام لے آیا اور علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ اختیار کر لیا، ان کا معتقد ہو گیا۔ یہ شخص اسلام لانے سے قبل یہودیت میں موسیٰ علیہ السلام کے وصی یوشع بن نون علیہ السلام کے متعلق جو عقائد رکھتا تھا، اسلام لانے کے بعد اسی قسم کے عقائد کا اظہار علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا۔ یہی پہلا شخص ہے جس نے علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کی بات کی اور ان کے دشمنوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اسی بنا پر شیعوں کے مخالفین نے یہ کہا کہ: شیعیت کی اصل یہودیت سے ماخوذ ہے، یعنی شیعیت کی بنیاد یہودیت پر رکھی گئی ہے۔ (فرق الشیعۃ خلاصہ صفحہ 32 تا 44)

ایک اور شیعہ محقق لکھتا ہے کہ: عبد اللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے اور ان امور کو (وصایت، امامت، افضلیت علی رضی اللہ عنہ) کو اعلانیہ نہیں کہتے تھے لیکن اس نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو اعلانیہ ذکر کرنا شروع کر دیا۔ مخالفین امامت کو کافر کہنا بھی پہلے اس نے شروع کیا۔ (شیعہ کتاب بحار النوار ص 287 جلد 25 حاشیہ)

ابن ابی الحدید بیان کرتے ہیں کہ: عبد اللہ بن سباء علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہو کر تقریر کرنے لگا اور تو ہی تو کی تکرار شروع کر دی تو علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے! میں کون ہوں؟ تو کہنے لگا کہ: تو اللہ ہے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے ساتھ اس کے پیروکاروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد 5 صفحہ 5)

سید نعمت اللہ الجزائری شیعہ لکھتا ہے: عبد اللہ بن سباء علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ: تو ہی الہ برحق ہے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن میں جلا وطن کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل یہودی تھا، پھر اسلام لے آیا، یہودیت میں یہ یہی بات یوشع بن نون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا تھا جو بعد میں علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہی۔ (الانوار النعمانیہ جلد 2 صفحہ 234، چشتی)

انوار النعانیہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابن سبا یہودی تھا اور محض مقصد آری کے لیے اوپر سے مسلمان ہوا اور یہ بات شیعہ کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس نے سب سے پہلے خدا کہا وہ کوئی اور نہیں خود عبد اللہ بن سبا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جلا دیا تھا یا دیگر روایت میں ہے اسے جلا وطن کر دیا تھا اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن سبا پر لعنت اس کے کفریہ عقائد کی بنا پر کی تھی اس کے ساتھ ساتھ جلاء العیون کی عبارت سے صاف صاف پتا چلتا ہے جو عقائد ابن سبا کے تھے وہ ہی عقائد آج کے روافض کے ہیں۔

دوسری بات رجال کشی کے مصنف نے جو اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے ابن سبا اور اس کے عقائد سے بیزاری کو اس انداز سے پیش کیا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اہل تشیع بہت معصوم ہے ان پر الزام لگایا گیا ہے کہ مذہب شیعہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہے اور مذہب دراصل یہودیت کی ایک شاخ ہے یہ غلط ہے ہمارا راستہ اور ہے اور ابن سبا کا راستہ اور جب کے جلاء العیون کی عبارت سے صاف پتا چلتا ہے کہ شیعہ کہ عقائد اور ابن سبا کے عقائد ایک کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن سبا خدا مانتا تھا اور آج کے شیعہ کا بھی وہ ہی عقیدہ ہے اور رجال کشی کی عبارت دراصل اس امر کی تائید کرتی ہے کہ ہمارے مخالفین نے جو کچھ ہمارے متعلق کہا کہ شیعہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہے اور مذہب شیعہ دراصل یہودیت کا دوسرا نام ہے یہ بات درست ہے لہذا بانی مذہب شیعہ عبد اللہ بن سبا ہے۔

جو شیعہ یہ بات مانتے ہیں کہ ابن سبا کا وجود ہے تو وہ یہ نہیں مانتے کہ شیعت کا موجد یہ ہے ہم سنی جب یہ کہتے ہیں کہ ابن سبا شیعت کا بانی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایسی جماعت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہ اہل بیت سے محبت کرتی ہے بلکہ ہم اس کی نشاندہی کر رہے ہیں جو رافضی ہیں اور منافقانہ عقائد رکھتے ہیں یعنی ابو بکر و عمر رضوان اللہ کو کافر کہنا، قیامت سے پہلے امام کا واپس آنا اور ولایت تقوینیہ پر ایمان رکھنا وغیرہ۔

شیعوں کا یہ ٹولہ کم سے کم اس حد تک اپنے بڑوں کی عزت کرتا ہے کہ وہ اپنی کتب میں موجود ابن سبا یہودی کا انکار نہیں کرتا پر وہ اس بات کو رد کرتے ہیں کہ شیعت کا ابن سبا یا سبائی گروہ سے کوئی تعلق ہے وہ اس کے ثبوت میں آپ کو محمد بن حسن طوسی (رافضیوں کا مشہور عالم متوفی 460) کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ خود ابن سبا یہودی کو کافر مانتے ہیں۔ (رجال طوسی ص 75 نمبر 718، چشتی)

طوسی کہتا ہے ابن سبا کافر ہو گیا تھا اور وہ غلت میں پڑ گیا تھا

یہ رافضی الکاشی کی صحیح روایات بھی پیش کرتے ہیں حوالہ کے طور پر جس میں اماموں نے ابن سبا یہودی پر لعنت کی ہے وہ اسی بنا پر ہی مانتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود تھا لیکن شیعہ مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ابن سبا یہودی ایسا آدمی ہے جس کو لعنت کی گئی ہے اماموں کی طرف سے کیونکہ اس نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بجائے ان کے رب ہونے کی پرچار شروع کر دی۔ یہ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حقیقت کو مسخ کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیعہ علماء اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں کہ ابن سبا نے علی رضی اللہ عنہ کے رب ہونے کا پرچار کیا اس کے ساتھ یہ پہلا شخص ہے جس نے شیعوں کے دو بنیادی عقائد کی پرچار بھی کی جو کہ صرف شیعوں کے ٹولہ میں پائی جاتی ہیں۔

ابن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اعلانیہ حضرت ابو بکر و عمر، عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کھلا تبرا کیا بلکہ ان سے بیزاری کا اعلان کیا اور یہ بکواس بھی کی اسے ایسا کرنے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے (جیسے آج کے رافضی بھی دعوی کرتے ہیں) سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اسے قتل کرنے والے تھے لیکن لوگوں کے احتجاج کی وجہ سے اسے جلاوطن کر دیا اس بات کو نوبختی، الکشی، سعد بن عبد اللہ القمی نے قبول کیا ہے۔

ابن سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے شہادت دی کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کا ماننا فرض ہے اور اس نے اعلانیہ ان کے دشمنوں سے بیزاری کی اور انہیں کافر قرار دیا (جو آج کے رافضیوں کے ایمان کا بھی حصہ ہے) یہ شیعہ علماء کی طرف سے ایک اور اقرار ہے جسے آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

اسی کی بنیاد پر شیعوں کی مخالفت کی گئی اور بلا جھجک کہا گیا کہ رفض کی بنیاد یہود کے عقائد پر ہے اور یہی بات ہے جو کہ سب مسلمان مانتے ہیں اور اہل سنت کہتے ہیں شیعہ عقائد کی بنیاد ابن سبا یہودی کے عقائد پر ہے۔

سعد بن عبد اللہ اشعری القمی شیعہ سبائیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ: سبائی عبد اللہ بن سباء جو کہ عبد اللہ بن وہب الراسبی الهمدانی ہے، کے پیروکار ہیں۔ اس کے ساتھ (اس کے نظریات کی) تائید عبد اللہ بن خرسی اور ابن اسود نے کی تھی اور یہی دونوں اس کے بڑے ساتھی تھے۔ اور ابن سباء ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم پر طعن کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا۔ (المقالات والفرق صفحہ نمبر 30، چشتی)

ابن ابی الحدید شیعہ لکھتا ہے کہ: عبد اللہ بن سباء علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہو کر تقریر کرنے لگا اور تو ہی تو کی تکرار شروع کر دی تو علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے! میں کون ہوں؟ تو کہنے لگا کہ: تو اللہ ہے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے ساتھ اس کے پیروکاروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد 5 صفحہ 5)

ابو عبد اللہ (امام ابو جعفر) سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ: اللہ! عبد اللہ بن سباء پر لعنت کرے، اس نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا، جبکہ اللہ کی قسم! امیر المؤمنین تو اللہ کے مطیع اور فرماں بردار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس کے لئے جس نے ہم پر جھوٹ باندھا۔ ایک قوم ہے جو ہمارے بارے میں وہ باتیں کہتی ہے جو ہم نے اپنے بارے میں نہیں کہیں ہیں، ہم اللہ کے سامنے ان باتوں سے برأت کا اعلان کرتے ہیں، ہم اللہ کے سامنے ان باتوں سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ (شیعہ کتاب معرفۃ اخبار الرجال للکشی صفحہ نمبر 71,70، چشتی)

عبد اللہ بن سبا یہودی کا وجود ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح بلکہ متواتر روایات سے ثابت ہے مثلاً:

1۔ امام احمد بن زہیر بن حرب عرف ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں:

"حدثنا عمرو بن مرزوق قال حدثنا شعبة عن سلمة بن كهيل عن زيد بن وهب قال قال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود، ثم قال: معاذ الله أن أضمر ... يعني عبد الله ابن سبأ، وكان يقع في أبي بكر وعمر"

"سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اس کالے خبیث یعنی عبد اللہ بن سبا کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور وہ (ابن سبا) ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو بُرا کہتا تھا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص 580 ح 1398، وسندہ صحیح)

2۔ حجیہ الکندی سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: یہ کالا ابن السوداء اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتا ہے۔ الخ (الجزء الثالث والعشرون من حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصر الذہلی: 157 وسندہ حسن، تاریخ ابن ابی خیثمہ: 1398، تاریخ دمشق 6/31)

ابن سوداء سے مراد ابن سبا ہے۔

3۔ عبید اللہ بن عتبہ (بن مسعود) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "إني لست بسبائي ولا حروري"

میں نہ تو سبائی (عبد اللہ بن سبا والا یعنی شیعہ) ہوں اور نہ حروری (خارجی) ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 11 ص 300، 299 ح 31227، دوسرا نسخہ ح 31761 وسندہ صحیح)

4۔ امام یزید بن زریع رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 192ھ) نے فرمایا: "حدثنا الكلبي – وكان سبائيا"

ہمیں (محمد بن السائب) الکلبی نے حدیث بیان کی اور وہ سبائی (یعنی عبد اللہ بن سبا کی پارٹی میں سے) تھا۔ (الکامل لابن عدی ج 6 ص 2128 وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج 7 ص 275)

5۔ محمد بن السائب الکلبی نے کہا: ”انا سبائی“ میں سبائی ہوں۔ (الضعفاء للعقیلی 4/77 وسندہ صحیح، المجروحین لابن حبان 2/253 وسندہ صحیح)

لفظ سبائی کی تشریح میں امام ابو جعفر العقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هم صنف من الرافضة اصحاب عبد الله بن سبا“

یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے، یہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ (الضعفاء الکبیر 4/77)

6۔ امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 104ھ) نے فرمایا: ”فلم أر قوما أحمق من هذه السبئية“

میں نے ان سبائیوں سے زیادہ احمق کوئی قوم نہیں دیکھی (الکامل لابن عدی 6/2128 وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج7 ص275)

7۔ امام ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ثقہ راوی عبد اللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب کے بارے میں فرمایا:

”وكان عبد الله يتبع السبئية“

”اور عبد اللہ سبائیوں کے پیچھے چلتے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری 5/187، وسندہ صحیح)

سبائیوں سے مراد رافضیوں (شیعوں) کی ایک قسم ہے۔ (تہذیب الکمال ج10 ص513)

8۔ حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”أن الكلبي سبئياً من أصحاب عبد الله بن سبأ“.....

اور کلبی سبائی تھا، وہ عبد اللہ بن سبا کے پیروکاروں میں سے تھا۔۔ (المجروحین 2/253)

9۔ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا: ”أن السبئية غلت في الكفر فزعمت أن علياً إلهاً حتى حرقهم بالنار“.....

پھر سبائی ہیں، جب انھوں نے کفر میں غلو کیا تو یہ دعویٰ کیا کہ علی اُن کے الٰہ (معبود) ہیں حتیٰ کہ انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو جلا دیا۔ (احوال الرجال ص37)

10۔ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش کے شاگرد ابو سلمان یزید نامی راوی کے بارے میں فرمایا: ”وهو سبائی“ اور وہ سبائی ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: 2870)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے عبد اللہ بن سبا یہودی کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلسنت کی اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (31/3) میزان الاعتدال (2/426) لسان المیزان (3/289، دوسرا نسخہ 4/22) وغیرہ۔

فرقوں پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی عبد اللہ بن سبا اور سبائیوں کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے ابو الحسن الاشعری کی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ (ص86)

الملل والنحل للشہرستانی (ج2 ص11) اوزا الفصل فی الملل والاہواء والنحل (4/180) وغیرہ۔

حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: ”وقالت السبأية أصحاب عبدالله بن سبأ الحميري اليهودي مثل ذلك في علي ابن أبي طالب -رضي الله عنه“

اور سبائیوں: عبد اللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکاروں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ (الفصل فی الملل 4/180)

ابو الحسن الاشعری فرماتے ہیں:

"والصنف الرابع عشر من أصناف الغالية، وهم السبئية، أصحاب عبد الله بن سبأ، يزعمون أن عليًّا لم يمت، وأنه يرجع إلى الدنيا قبل يوم القيامة"...
"غالیوں میں سے چودھویں قسم سبائیوں کی ہے جو عبد اللہ بن سبا کے پیروکار ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) فوت نہیں ہوئے اور بے شک وہ قیامت سے پہلے دنیا واپس آئیں گے۔۔۔(مقالات الاسلامیین ص86)
حافظ ذہبی نے عبد اللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے کہ: "من غلاة الزنادقة، ضال مضل"
"وہ غالی زندیقوں میں سے (اور) ضال مضل تھا۔(میزان الاعتدال 2/426)
اہل سنت کا عبد اللہ بن سبا کے وجود پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
شیعہ فرقہ کے نزدیک بھی عبد اللہ بن سبا کا وجود ثابت ہے جس کی دس (10) دلیلیں پیش خدمت ہیں:
1۔امام ابو عبد اللہ (جعفر بن محمد بن علی الصادق) رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:
"لعن اللهُ عبدَ الله بنَ سبأ ، إنه ادعى الربوبية في أمير المؤمنين عليه السلام ، وكان والله أميرُ المؤمنين عليه السلام عبداً لله طائعاً ، الويل لمن كذب علينا, وإنّ قوماً يقولون فينا ما لا نقوله في أنفسنا، نبرأ إلى الله منهم، نبرأ إلى الله منهم"
"عبد اللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے اُس نے امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ربوبیت (رب ہونے) کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم! امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) تو اللہ کے طاعت شعار بندے تھے، تباہی ہے اس کے لیے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے، بے شک ایک قوم ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرے گی جو ہم اپنے بارے میں نہیں کرتے، ہم ان سے بری ہیں ہم ان سے بری ہیں۔(رجال کشی ص107، روایت نمبر172)
اس روایت کی سند ہمیشہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔ محمد بن قولویہ القمی، سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف القمی، یعقوب بن یزید، محمد بن عیسیٰ بن عبید، علی بن مہزیار، فضالہ بن ایوب الازدی اور ابان بن عثمان یہ سب راوی شیعوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔ دیکھئے مامقانی کی تنقیح المقال (جلد اول)
2۔ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ کو اپنے شاگردوں کے سامنے عبد اللہ بن سبا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کے بارے میں اس کے دعوی ربوبیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا: اس نے جب یہ دعویٰ کیا تو امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) نے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کر دیا تو انھوں نے اُسے آگ میں جلا دیا۔(رجال کشی ص10، روایت:171، وسندہ صحیح عند الشیعہ)
اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول کی رو سے صحیح ہے۔
3۔اسماء الرجال میں شیعوں کے امام کشی نے لکھا ہے: "وذكر بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبأ كان يهوديا فأسلم، ووالى عليا عليه السلام، وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون وصي موسى بالغلو، فقال في إسلامه بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في علي مثل ذلك، وكان أول من أشهر القول بفرض إمامة علي، وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفيه، وكفرهم، ومن هنا قال من خالف الشيعة، إن التشيع، والرفض، مأخوذ من اليهودية"
"بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی رضی اللہ عنہ سے والہانہ محبت کی وہ یہودیت میں غلو کرتے ہوئے یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا: وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد وہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ وصی ہیں۔ سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت والا قول اُسی نے مشہور کیا اور آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار

کیا، آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی اور انھیں کافر کہا، اس وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں: شیعوں اور رافضیوں کی اصل یہودیت میں سے ہے۔(رجال کشی ص109،108)

4۔ شیعوں کے ایک مشہور امام ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی نے لکھا ہے:

"وحكى جماعة من أهل العلم من أصحاب علي عليه السلام ، إن عبد الله بن سبأ كان يهوديا فأسلم ، ووالى عليا عليه السلام ، وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة ، فقال في إسلامه بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم في علي عليه السلام بمثل ذلك ، وهو أول من أشهر القول بفرض إمامة علي عليه السلام ، وأظهر البراءة من أعدائه ، وكاشف مخالفيه ، فمن هناك قال من خالف الشيعة أن أصل الرفض مأخوذ من اليهودية"

"علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں (اور متبعین) میں سے علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی رضی اللہ عنہ سے والہانہ محبت کی، وہ اپنی یہودیت میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسا کلام کرتا تھا پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی بات کہی، سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کا قول اس نے مشہور کیا، اس نے آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی، اس وجہ سے جو شیعہ کا مخالف ہے وہ کہتا ہے: رافضیوں کی اصل یہودیت سے نکالی گئی ہے۔(فرق الشیعہ لنوبختی ص22)

تنبیہ: یہ نسخہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ مکتبہ مرتضویہ اور مطبعہ حیدریہ نجف (العراق) سے چھپا ہے۔

5۔ شیعوں کے ایک مشہور امام مامقانی نے اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے:

"عبد الله بن سبأ غال ملعون حرقه أمير المؤمنين"

"عبد اللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی رضی اللہ عنہ نے جلا دیا تھا۔(تنقیح المقال ج1 ص89 راوی نمبر 6872)

6۔ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (متوفی 460ھ) نے لکھا ہے: "عبد الله بن سبأ الذي رجع إلى الكفر وأظهر الغلو"

عبد اللہ بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا۔(رجال الطوسی ص51)

7۔ حسن بن علی بن داود الحلی نے کہا: "عبد الله بن سبأ رجع إلى الكفر وأظهر الغلو، كان يدعي النبوة وأن علياً عليه السلام هو الله..." الخ

عبد اللہ بن سبا کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا، وہ نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ ہیں۔(کتاب الرجال ص254، الجزء الثانی)

8 تا 10: دیکھئے المقالات والفرق لسعد بن عبد اللہ الاشعری القمی (ص21 بحوالہ الشیعۃ والتشیع للاستاذ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ ص59)

قاموس الرجال للتستری (ج5 ص463 بحوالہ الشیعہ والتشیع)

معجم رجال الحدیث للخوئی (ج10 ص200 بحوالہ شیعت تصنیف ڈاکٹر محمد البنداری، مترجم اردو ص56)

خلاصۃ التحقیق:۔

معلوم ہوا کہ اہل سنت کی مستند کتابوں اور شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے بھی عبد اللہ بن سبا یہودی کا وجود حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں لہٰذا بعض گمراہوں اور کذابین کا چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ابن سبا کے وجود کا انکار کر دینا بے دلیل اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

بنو امیہ دور حکومت

حارث کذاب بن عبد الرحمن بن سعید متنبی دمشقی

حارث کذاب بن عبد الرحمن بن سعید متنبی دمشقی پہلے ابو جلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا۔ حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یاد الٰہی کا شوق سر سرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سد رمق سے زیادہ غذا کو نہ کھاتا، کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کے لیے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ تقف اور قتل و انقطاع کو غایت قصوی تک پہنچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضت اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نور مبین اس کے کشور دل کو جگمگا دیتا لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی محبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کی بجائے از خود ریاضت و انزوا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ اور اس وقت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انھیں ضلالت و ہلاک ابدی کے تحت الثری تک نہ پہنچا دے۔

شیطان کے وار

شیطان کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی شکلیں اختیار کر کے بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے اور انھیں طرح طرح کے کے سبز باغ دیکھا کے کسی سے کہتا کہ تو میری موعود ہے، کسی کے کان میں کہتا کہ آنے والا مسیح تو ہی ہے، کسی کو حلال و حرام کی پابندیوں سے مستثنٰی قرار دیتا، کسی کہ دل میں یہ ڈالتا کہ تو اللہ کا نبی ہے اور بد نصیب عابد اسیر یقین بھی کر لیتا ہے۔ شیطان کی نورانی شکل اور آواز کو سمجھتا ہے کہ خود خداوند قدوس کا جمال دیکھ رہا ہے۔ حارث دمشقی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

حارث کے شعبدے (استدراج)

جو شخص بھوکا رہے، کم سوئے، کم بولے اور نفس کشی اختیار کر لے اس سے بعض دفعہ ایسے افعال صدر ہو جاتے ہیں جو دوسروں سے نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر اہل اللہ میں سے ہوں تو ان کے ایسے فعل کو کرامت کہتے ہیں اور اگر اہل کفر یا گمراہ بدعتی لوگ ہوں تو ان کے ایسے فعل کو استدراج کہتے ہیں۔ یہ تصرف محض ریاضت اور نفس کشی کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ تعلق باللہ اور قرب حق سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ چنانچہ حارث اپنی ریاضت و مجاہدات اور نفس کشی کی بدولت ایسے تصرفات کرتا تھا مثلاً کہتا کہ آؤ میں تمھیں دمشق سے فرشتوں کو جاتے ہوئے دکھاؤں چنانچہ حاضرین محسوس کرتے کہ بہت حسین و جمیل بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ موسم سرما میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل لوگوں کو کھلاتا۔

بیت المقدس کو فرار

جب حارث کے استدراج اور شعبدوں نے شہرت اختیار کر لی اور خلق خدا زیادہ گمراہ ہونے لگی۔ ایک دمشقی رئیس قاسم بن بخیرہ اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کسی کے دعویدار ہو اور کیا چاہتے ہو۔ حارث بولا میں اللہ کا نبی ہوں۔ قاسم نے کہا اے دشمن خدا تو بالکل جھوٹا ہے حضرت ختم المرسلین ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ قاسم وہاں سے اٹھ کر سیدھا خلیفہ وقت عبد الملک بن مروان کے پاس گیا اور ملاقات کر کے حارث کے دعوائے نبوت اور لوگوں کی بد اعتقادی کا تذکرہ کیا۔ عبد المالک بن مروان نے حکم دیا کہ حارث کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے لیکن جب پولیس پہنچی تو وہ بیت المقدس فرار ہو چکا تھا۔ حارث نے وہاں باقاعدہ اپنی نبوت کی دکان کھولی اور لوگوں کو گمراہ کرنے لگا۔

گرفتاری

بصرہ کے ایک سمجھدار شخص نے حارث سے ملاقات کی اور بہت دیر تک اس سے تبادلہ خیالات کیا جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ محض جھوٹا ہے اور خلق خدا کو گمراہ کر رہا ہے۔ یہ شخص بہت عرصہ تک حارث کے ساتھ رہا اور جب اس کا اعتماد حاصل کر لیا تو حارث سے یہ کہہ کر میں اب اپنے وطن بصرہ جا رہا ہوں اور وہاں آپ کی نبوت کی طرف لوگوں کو دعوت دوں گا۔ سیدھا خلیفہ عبد الملک بن مروان کی خدمت میں پہنچا اور حارث کی شر انگیزیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ آپ کر دیں تو حارث کو میں خود گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ خلیفہ نے چالیس سپاہی اس کے ساتھ کر دیے۔ بصری رات کے وقت حارث کی قیام گاہ پر پہنچا اور اپنے ساتھیوں کو قریب ہی کہیں چھپا دیا اور کہا جب میں آواز دوں تو سب اندر آ جانا۔ بصری چونکہ حارث کا معتمد تھا اس لیے کسی نے نہیں روکا۔ اندر جاتے ہی ساتھیوں کو آواز دی اور اس طرح حارث کو پابہ زنجیر کر کے دمشق کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں دوسری مرتبہ حارث نے اپنا شعبدہ دکھایا اور زنجیر ہاتھ سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ ایسا دو مرتبہ ہوا مگر بصری بالکل متاثر نہیں ہوا اور اس کو لے جا کر خلیفہ عبد المالک کے سامنے پیش کر دیا۔

قتل

خلیفہ نے حارث سے پوچھا کیا واقعی تم نبی ہو؟ حارث بولا بے شک لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو میں کہتا ہوں وہ وحی الٰہی کے مطابق کہتا ہوں۔ خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو اشارہ کیا کہ اس کو نیزہ مار کے ہلاک کر دے۔ اس نے ایک نیزہ مارا لیکن حارث پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ حارث کے مریدوں نے کہا کہ اللہ کے نبیوں کے اجسام پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ عبد المالک نے محافظ سے کہا شاید تو نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا۔ محافظ نے بسم اللہ پڑھ کر دوبارہ نیزہ مارا جو حارث کے جسم کے پار ہو گیا اور وہ بری طرح چیخ مار کر گرا اور گرتے ہی ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح خانہ ساز نبی اور اس کی نبوت انجام کو پہنچی۔

- حارث کے بدن سے زنجیر ٹوٹ کر گرنے سے متعلق علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب **الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء شیطان** میں لکھا ہے کہ حارث کی ہتھکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی موکل یا شیطان تھا اور اس نے فرشتوں کو جو گھوڑوں پر سوار دکھایا تھا وہ فرشتے نہیں جنات تھے۔

ابو القاسم رفیق دلاوری نے اپنی کتاب "جھوٹے نبی" میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں پر ایک تحقیقی اور مستند کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے حارث کذاب دمشقی کے بارے لکھا ہے کہ خلیفہ عبد المالک نے جب اسکو گرفتار کرنا چاہا تو وہ فرار ہو کر بیت المقدس چلا گیا۔ جہاں ایک بصری اسکے تعاقب میں گیا اور اسکے گروہ میں شامل ہو کر جب اس کا معتمد بن گیا تو وہ خلیفہ عبد المالک بن مروان کے پاس آیا اور اسے جھوٹے نبی حارث دمشقی کے بارے میں بتایا۔ خلیفہ نے اپنے سپاہی اسکے ساتھ بھیجے۔ بصری ان سپاہیوں کو لے کر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کی قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ شخص سپاہیوں کو ایک آڑ میں کھڑا کر کے پہلے خود گیا لیکن دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا "اگرچہ تم حضرت کے خدام میں داخل ہو تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں"، لیکن بصری نے سخن طرازی اور فسوں افسانہ سے رام کر کے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب دروازہ کھلا تو بصری نے معاً سپاہیوں کو بھی بلا لیا۔ یہ دیکھ کر دربان اور دوسرے پیروکاروں کے ہوش اڑ گئے اور عالم سراسیمگی میں چیخنے چلانے لگے اور بولے "افسوس تم لوگ ایک نبی اللہ کو قتل کرنا چاہتے ہو جسے خدا نے آسمان پر اٹھا لیا ہے۔"

جب بصری اور اس کے رفقائے کار اندر گئے تو حارث مفقود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حارث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے اختفا کے لئے بنا رکھا تھا۔ بصری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی۔ اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کیا تو ہاتھ حارث کے کپڑے سے چھو گیا۔ اس نے حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور فرغانیوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ انہوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب وہ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ:۔ (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بفرض محال) راہ راست کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی مجھی پر وبال ہو گی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام پاک کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل فرما رہا ہے" اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب دوسرے درہ پر پہنچے تو حارث نے مکرر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا رہی۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا اور سہ بارہ جکڑ کر لے چلے۔ آخر دمشق پہنچ کر خلیفہ عبد الملک کے سامنے پیش کیا۔

خلیفہ نے دریافت کیا" کیا واقعی تم مدعی نبوت ہو؟"

حارث نے کہا " ہاں لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الٰہی (نعوذ باللہ) کے بموجب کہتا ہوں"

خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا" اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو"

نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حارث کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا " انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔"

خلیفہ نے محافظ سے کہا" شاید تم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟" اب کی مرتبہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی۔

مختار ثقفی

مختار بن ابو عبید الثقفی (عربی: ٱلْمُخْتَار ٱبْن أَبِي عُبَيْد ٱلثَّقَفِيّ؛ (622ء تا 3 اپریل 687ء) تقریباً 622ء میں طائف میں پیدا ہوا۔ نام مختار اور کنیت ابو اسحاق تھی۔ تعلق بنی ہوازن کے قبیلہ ثقیف سے تھا۔ اسی لیے انھیں مختار ثقفی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے والد کا نام ابو عبیدہ ثقفی تھا جنہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراق کی ایک مہم میں سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا جہاں وہ شہید ہو گئے۔

مختار کوفہ میں ایک علوی حامی انقلابی تھا، جس نے 685ء میں اموی خلافت کے خلاف بغاوت کی اور دوسری فتنے کے دوران عراق کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اٹھارہ ماہ تک ان عاقوں پر حکومت کی۔

خارجی سے شیعہ بننے کے اسباب

(مختار کے والد حضرت ابو عبید ابن مسعود ثقفی جلیل القدر صحابہ میں سے تھے مگر یہ خود فیض یاب خدمت نہ تھا لیکن اس کا ظاہر باطن سے مغائر اور افعال و اعمال تقوی سے عاری تھے۔ اوائل میں خارجی المذہب تھا اور اسے اہل بیت نبوت سے جو بغض و عناد تھا اس کا اندازہ اس تحریک و تجویز سے ہو سکتا ہے جو اس نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے چچا کے سامنے پیش کی تھی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ:-

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ صفین سے مراجعت فرمانے کے بعد از سر نو تشکیل لشکر میں مصروف ہو گئے تھے اور چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ تاحیات حضرت خلافت مآب کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بعد میں یہ لوگ شیعان علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ شام کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ کو کوفہ میں شہید کر دیا گیا۔جناب علی مرتضیٰ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

اس وقت جناب حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے والوں سے یہ شرط کی کہ وہ لوگ ہر حالت میں اطاعت پذیر رہیں گے جس سے صلح کروں اس سے صلح کریں گے اور جس سے جنگ کروں اس سے جنگ آزما ہوں گے۔ اس شرط پر شیعان علی آپ کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے "یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برچھی کا وار کر دیا جو اوچھا پڑا۔ آپ زخمی ہوئے مگر بچ گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ شیعان علی کی اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے لیکن ضبط و تحمل سے کام لیکر خاموش ہو گئے۔(تاریخ طبری جلد 6 ص (13))

اسی طرح مختار ثقفی نے اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفی کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گرفتار کروا دیں تاکہ انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں عہدہ مل سکے۔ لیکن اس مشورہ کو اس کے چچا نے سختی سے رد کر دیا۔ اس وقت اس کا تعلق خوارج سے تھا۔ پھر ابن زیاد سے ذاتی رنجش کا بدلہ لینے کے لئے اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ لینے کا ڈھونگ رچایا اور پھر اسلام دشمنی میں اتنا آگے بڑھا کہ عراق کے ایک بڑے علاقے پر قابض ہو گیا۔

کذاب مختار ثقفی نبوت کا جھوٹا دعوے دار:

مختار بن ابی عبید ثقفی کا شمار تاریخ اسلام کے ان کذاب لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اسلام کے تشخص کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ آج بھی ایک خاص طبقہ اسے اپنا ہیرو سمجھتا ہے اور اس کے دجل پن اور جھوٹے دعوی نبوت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شخص نے اپنا حلقہ احباب بنانے کے لیے اہل بیت سے محبت کے دعوے کو بطور مذہبی کارڈ استعمال کیا۔ اور اپنے کفریہ عقائد کی ترویج شروع کر دی۔ اس کا شمار ان کذاب لوگوں میں ہوتا ہے جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

دعوائے نبوت وحی

شیعہ بننے کی غرض و غایت:- مختار کو اہل بیت سے کوئی محبت و ہمدردی نہ تھی بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھتا تھا۔ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے تیئں شیعہ اور محبت اہل بیت ظاہر کر کے مقاتلین امام حسین کے درپے انتقام ہوا پس یزیدیوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پذیر ہوا اس کی تہہ میں دراصل حب جاہ و ریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا اے ابا اسحاق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگے تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا کہنے لگا کہ جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جما لیا ہے عبد اللہ ابن زبیر نے مکہ معظمہ میں حکومت قائم کر لی ہے مجدہ یمامہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان دبا لیا ہے تو میں

کیسے چپ چاپ بیٹھا رہتا اور حصول مملکت کیلئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا میں نے جد وجہد کی اور ان بلاد پر عمل و دخل کر کے جن کا ہم پایہ ہو گیا۔ مختار محبان اہل بیت اور شیعان علی کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے نہ صرف خود فائز المرام ہوا بلکہ دشمنان اہل بیت سے مظلومین کربلاء کا انتقام لے کر اہل بیت کی مقتدر ہستیوں کو بھی اپنا ممنون احسان منالیا چنانچہ جب مختار کوفہ میں قتل ہوا تو جناب عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا "کیا آپ نے اس کذاب کا حال سنا ہے ؟" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کذاب کون ؟ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا مختار ثقفی، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہاں میں مختار کے قتل کا حال سن چکا ہوں" ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو کذاب کہنا پسند نہیں کرتے اور آپ کو اس کی ہلاکت کا صدمہ ہے "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ہاں۔ مختار وہ شخص تھا جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہمارے خونوں کا انتظام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ بجھائی اس کی خدمت کا صلہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اسے گالیاں دیں یا اس کی موت پر اظہار مسرت کریں۔"

دعوائے نبوت کی بنا:

جب مختار نے قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی چاپلوسی کے انبار باندھنے شروع کر دیئے بات بات میں مدح وستائش کے پھول برسائے جاتے۔ ان خوشامدیوں کی باتوں نے اسے آسمان پر چڑھا دیا بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم و خطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا نبی یا وصی کے بغیر کسی طور سے ممکن الوقوع نہیں اس تملق شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا مختار کے دل و دماغ میں انانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے مسلط جمرات پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں جب حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی **مصعب ابن زبیر** رحمۃ اللہ علیہ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار ثقفی کو قتل کیا اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط جمانے کیلئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانٹھنے میں کوشاں تھا۔ مختار نے احسن ابن قیس نامی ایک رئیس کو جو یہ خط لکھا تھا "السلام علیکم۔ بنی مصر اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ احسن اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کیا ہوا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مختار نزول وحی کا مدعی ہے انہوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیہ میں دی ہے "ترجمہ:-(شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)۔

مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مختار کا قتل

جب مختار کی فرعونیت عروج پر پہنچی تو اس کا قلع قمع رنے کے لئے حضرت مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ والی بصرہ (حضرت عبد اللہ بن زبیر کے علاتی بھائی) نے کوفہ پر حملہ کیا۔ اس موقع پر ابراہیم بن اشتر جیسے افراد جو کہ مختار کے ساتھی تھے۔ مختار سے الگ ہو گئے۔

مصعب ابن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر روسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ کے علاوہ مختار کے مظالم کے باعث بھی بہت سے لوگ اس سے بد دل تھے۔ اور بہت سے لوگ جو مسلمان تھے اور مختار سے متنفر تھے۔ کوفہ میں محل کا محاصرہ طول پکڑ چکا تھا۔ بالآخر 14 رمضان 67ھ کو مختار نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل سے باہر نکل کر فوج کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور واصل جہنم ہوا اس وقت اس کی عمر 67 سال تھی۔

مختار ثقفی کے پیروکار (فرقہ کیسانیہ):-

مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا۔ کیسانیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام تھا چونکہ اسی کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں لیکن یہ تمام فرقے دو مسئلوں میں باہم متفق ہیں ایک تو سب کے سب ابن حنفیہ کو امام مانتے ہیں چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دوسرے ان کے زعم میں اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی نہیں بلکہ اس کیلئے بھی بدرد آغاز ہے چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزوجل کیلئے ابتداء تسلیم نہ کرے۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہ کے متعلق ایک اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوا لیکن جب امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کربیبہ ہے جو ابو کرب ضریر کے پیروکار ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ امام محمد بن حنفیہ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہہ رہے ہیں ایک پانی کا ہے۔ اور دوسرا شہد کا۔ وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس وقت تک برابر حفاظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج و ظہور کا حکم نہ ہو" ان کے خیال میں وہی امام مہدی ہیں۔ جبکہ دیگر کیسانیوں کا خیال ہے کہ وہ انتقال کر چکے ہیں۔

مختار ثقفی کذاب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں:

صحیح مسلم کی ایک طویل روایت ہے۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے حجاج سے مخاطب ہو کر فرمایا:

أَمَا إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا، «أَنَّ فِي ثَقِيفٍ كَذَّابًا وَمُبِيرًا» فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَرَأَيْنَاهُ، وَأَمَّا الْمُبِيرُ فَلَا إِخَالُكَ إِلَّا إِيَّاهُ، قَالَ: فَقَامَ عَنْهَا وَلَمْ يُرَاجِعْهَا۔

سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ بنو ثقیف میں ایک بہت بڑا کذاب ہو گا اور ایک بہت بڑا سفاک ہو گا۔ کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور رہا سفاک تو میں نہیں سمجھتی کہ تیرے علاوہ کوئی اور ہو گا، راوی کہتا ہے: تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں کوئی جواب نہ دے سکا۔ (صحیح مسلم:2545)

ایک اشکال: کچھ لوگ اس روایت پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی عربی عبارت میں مختار کا نام نہیں ہے۔ اب ہم یہی روایت مسند حمیدی دوسری سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس میں مختار کا واضح نام موجود ہے۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: ثنا سُفْيَانُ قَالَ: ثنا أَبُو الْمُحَيَّاةِ، عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا قَالَتْ : لَمَّا قَتَلَ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوسُفَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهَا: يَا أُمَّهْ إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَوْصَانِي بِكِ، فَهَلْ لَكِ مِنْ حَاجَةٍ؟ قَالَتْ: مَالِي مِنْ حَاجَةٍ وَلَسْتُ لَكَ بِأُمٍّ وَلَكِنِّي أُمُّ الْمَصْلُوبِ عَلَى رَأْسِ الثَّنِيَّةِ وَلَكِنِ انْتَظِرْ أُحَدِّثْكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «يَخْرُجُ

مِنْ ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيرٌ» فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَقَدْ رَأَيْنَاهُ يَعْنِي الْمُخْتَارَ وَأَمَّا الْمُبِيرُ فَأَنْتَ فَقَالَ الْحَجَّاجُ: مُبِيرٌ لِلْمُنَافِقِينَ۔(مسند حمیدی: حدیث328)

جب الحجاج بن یوسف نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو حجاج اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ماں، امیر المومنین نے مجھے تمہارے متعلق حکم دیا۔ کیا کسی چیز کی ضرورت ہے ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں تمہاری ماں نہیں ہوں، لیکن میں اس کی ماں ہوں جسے ستون کے اوپر چڑھایا گیا تھا، لیکن انتظار کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثقیف سے ایک جھوٹا اور سفاک نکلے گا۔ جھوٹا یعنی مختار تو ہم نے دیکھ لیا ہے سفاک تو ہے۔ حجاج نے کہا: منافقوں کے لیے۔

معجم الکبیر طبرانی میں ایک اور سند سے یہی روایت

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو الْخَلَّالُ الْمَكِّيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ، ثنا سُفْيَانُ، ثنا أَبُو الْمُحَيَّاةِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا قَتَلَ الْحَجَّاجُ ابْنَ الزُّبَيْرِ دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهَا: يَا أُمَّهْ، إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَوْصَانِي بِكِ، فَهَلْ لَكِ مِنْ حَاجَةٍ؟ قَالَتْ: مَا لِي إِلَيْكَ مِنْ حَاجَةٍ، وَلَسْتُ لَكَ بِأُمٍّ، وَلَكِنْ أُمُّ الْمَصْلُوبِ، انْظُرْ حَتَّى أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَخْرُجُ فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيرٌ» فَأَمَّا الْكَذَّابُ فَقَدْ رَأَيْنَاهُ - تَعْنِي الْمُخْتَارَ - وَأَمَّا الْمُبِيرُ فَأَنْتَ "، قَالَ الْحَجَّاجُ: مُبِيرٌ لِلْمُنَافِقِينَ۔(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد24 صفحہ 101)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ اس روایت میں کذاب سے مراد مختار بن ابی عبید ہے اور مبیر سے مراد حجاج ہے۔(شرح صحیح مسلم 16/100)

لہذا یہ بات ثابت ہوئی کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں کذاب سے مراد مختار ثقفی ہی ہے۔

رفاعہ فتبانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:

وہ کہتے ہیں میں مختار کے پاس گیا اس نے ایک تکیہ میری طرف کیا اور کہا اگر میرا بھائی جبریل اس سے نہ اٹھ کر گیا ہوتا تو میں یہ تکیہ آپ کو دے دیتا۔ رفاعہ کہتے ہیں اس کی یہ بات سن کر مجھے غصہ آیا جب مجھے اس کے جھوٹا ہونے کا یقین ہوا میں نے ارادہ کیا اس کی گردن اڑادوں اچانک مجھے وہ حدیث یاد آگئی جو مجھے میرے بھائی عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ نے سنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی کو اس کی جان کی امان دینے کے بعد قتل کردے تو قیامت کے دن اسے دھوکے والا جھنڈا دیا جائے گا(مسند احمد: 12450,12451)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قرآن کا کوئی حرف یا آیت نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے یا عنقریب عمل کریں گے۔ مرہ ہمدانی کہتے ہیں میں یہ آیت پڑھا کرتا تھا(وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ)

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں۔(سورۃ الانعام:93)

میں (مرہ) سوچتا تھا اس پر کون عمل کرے گا یہاں تک کہ مختار بن ابی عبید نے اس پر عمل کر دیا۔(دلائل النبوۃ للبیہقی: جلد6 صفحہ 484 وسندہ صحیح)

رفاعہ الفتیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں مختار کے پاس گیا تو اس نے کہا اے بچی رفاعہ کے لیے غالیچہ (چھوٹا قالین) لاؤ میں نے کہا یہ غالیچے پڑے تو ہیں، اس نے کہا اس پر جبریل علیہ السلام اور اس پر میکائیل علیہ السلام کھڑے ہیں۔ (المعرفۃ والتاریخ للفسوی: جلد 3 صفحہ 193 وسندہ حسن)

مختار ثقفی اہل بیت کی نظر میں۔

آج مختار ثقفی کے پیروکار کہتے ہیں یہ اہل بیت سے محبت کرنے والا تھا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو اس نے قتل کیا تھا وغیرہ۔ تو چلیے ہم اہل بیت سے ہی اس کے متعلق پوچھ لیتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف

اہل بیت کے عظیم فرزند سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے کہا مختار کہتا ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: وہ سچ کہتا ہے کیونکہ وحی دو طرح کی ہوتی ہے ایک اللہ کی وحی اور ایک شیطان کی وحی ہے۔ اللہ کی وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور شیطان اس کی طرف وحی کرتا ہے پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ--﴾

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (الانعام: 121)

سیدنا علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ (زین العابدین) کا موقف

اہل بیت کے عظیم فرد ابو جعفر الباقر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے مختار کے بارے سوال تو انہوں نے فرمایا: علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے زین العابدین) کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر مختار پر لعنت کر رہے تھے تو کسی نے پوچھا کیا یہ اہل بیت کی محبت میں قتل نہیں ہوا تو زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا تھا۔ (الطبقات الکبری جلد 6 صفحہ 164)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل بیت کی ایک جماعت نے مختار ثقفی کے جھوٹے نبوت کے دعوی کی گواہی دی ہے (الاصابہ: 6/276)

مختار ثقفی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا موقف

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب اس کے مکر و فریب اور بد راہی کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: جلد 8 صفحہ 362)

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَأَشْهَدُ أَنَّ هَذَا كَذَّابٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَعْنِي الْمُخْتَارَ ثُمَّ مَاتَ بَعْدَ ذَلِكَ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ" (القراءۃ خلف الامام للبخاری: صفحہ 70)

میں گواہی دیتا ہوں مختار کذاب ہے یہ انہوں نے تین مرتبہ فرمایا، پھر اس کے تین دن بعد یہ مر گیا۔

مختار ثقفی تابعین کی نظر میں:

مختار ثقفی کے دور کے ثقہ تابعی خالد بن سمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار کذاب تھا۔ (الطبقات الکبری: جلد 6 صفحہ 124)

ثقہ تابعی عبد العزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار خود پر وحی کے نزول کا دعوی کرتا تھا۔ (مسند احمد: 1/220)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تابعین کی ایک جماعت نے گواہی دی ہے کہ مختار باطن میں کفر محض رکھتا تھا۔ بعض تابعین نے اسے ان جھوٹوں میں شمار کیا ہے جن کے متعلق نبی ﷺ نے بتایا تھا۔(دلائل النبوہ:6/482)

مختار ثقفی کبار محدثین کی نظر میں:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ جھوٹا شخص تھا اور اس کا خیال تھا کہ جبریل کے ہاتھ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔(البدایۃ والنہایۃ جلد 8 صفحہ 363)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ مختار ثقفی کذاب ہے(شرح صحیح مسلم:16/100)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار ثقفی نے پہلے کوفے کو فتح کیا پھر نبوت کا دعوی کیا اور کہا میرے اوپر جبریل وحی لے کر آتے ہیں۔(ارشاد الساری:"6/57)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار بن ابی عبید نے جھوٹا دعوی نبوت کیا تھا۔(الثقات لابن حبان:4/386)

امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار ثقفی کذاب تھا اس سے کوئی بات روایت کرنا درست نہیں وہ گمراہ تھا اور گمراہ گر تھا اور اس کا دعوی تھا کہ اس پر جبریل نازل ہوتے ہیں(میزان الاعتدال:4/80)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار ثقفی وہ تھا جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا۔(شرح صحیح مسلم للسیوطی:5/490)

قاضی ایاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے اس قول سے مراد کہ "ثقیف میں ایک کذاب اور مبیر ہو گا" کذاب تو ہم نے دیکھ لیا وہ مختار بن ابی عبید ثقفی ہے اور مبیر تو ہے (حجاج)(شرح صحیح مسلم:للقاضی ایاض:7/589)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل بیت کی ایک جماعت نے مختار ثقفی کے جھوٹے نبوت کے دعوی کی گواہی دی ہے(الاصابہ:6/276)

امام ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار بن ابی عبید نے اپنے نبی ہونے کا دعوی کیا تھا۔(تاویل مختلف الحدیث:صفحہ 125)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار کذاب تھا اس نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔(منہاج السنۃ 4/329)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تابعین کی ایک جماعت نے گواہی دی ہے کہ مختار باطن میں کفر محض رکھتا تھا۔ بعض تابعین نے اسے ان جھوٹوں میں شمار کیا ہے جن کے متعلق نبی ﷺ نے بتایا تھا۔(دلائل النبوہ:6/482)

امام عبد القادر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مختار کا دعوی تھا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔(الفرق بین الفِرق:34)

مغیرہ بن سعید عجلی

نام: مغیرہ بن سعید

تاریخ پیدائش: 700 ء

وفات سنہ 737ء(36–37 سال) کوفہ

پیشہ جادوگری

زبان: عربی

مغیرہ بن سعید عجلی فرقہ مغیریہ کا بانی ہے جو غلاۃ روافض کا ایک گروہ تھا۔ یہ شخص خالد بن عبد اللہ قسری والی کوفہ کا آزاد کردہ غلام اور بڑا غالی رافضی تھا۔ حضرت امام محمد باقر کی رحلت کے بعد پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا دعوی کرنے لگا۔

غیب دانی کا دعوی

مغیرہ کا دعوی تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا کہ اگر میں قوم عاد، ثمود اور ان کے درمیانی عہد کے آدمیوں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقابر میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑتا تھا تو ٹڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دینے تھے۔ محمد بن عبد الرحمن بن ابو لیلی کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طلب علم کے لیے آکر ہمارے ہاں ٹھہرے۔ ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔ یہ حکم دے کر میں اور بصری طالب العلم مغیرہ بن سعید عجلی کے پاس گئے۔ مغیرہ مجھ سے کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمھیں بتادوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس کام کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمھیں یہ بھی بتادوں کہ تمھارے والدین نے تمھارا نام محمد کیوں رکھا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر خود ہی کہنے لگا کہ تم نے اس کو دو درہم کی مچھلی خریدنے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس اٹھ کر چلے گئے۔ غرض مغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے یہ نجات و طلسمات دیکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔

عقاید و تعلیمات

مغیرہ کہتا تھا کہ معبود حقیقی نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ عین اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے۔ کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور تاج رکھا ہے۔ جب اللہ تعالی نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے معاًاس اسم نے پرواز کی اور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرق مبارک پر آگیا چنانچہ کہتا تھا کہ یہ آیت **سبح اسم ربک الأعلی** میں اسم اعلی سے یہی تاج مراد ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی انگلیوں سے لکھا جب رب الارباب نے اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غضبناک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے دو دریا بہے نکلے۔ ایک شیریں ہے۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالی نے اپنے پرتو اعمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا۔ تا کہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں میں سے شیعہ پیدا کیے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔ (کتاب الخطاط مقریزی ج4 ص176)

پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انھوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے۔ لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ چنانچہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علی (رضی اللہ عنہ) کو اس سے روک دیں اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس شرط پر معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انھیں خلیفہ بنائینگے۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے اس بات کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پا کر علی (رضی اللہ عنہ) کو اس سے روک دیا۔ یہ شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علم اجمعین کی باستثناء ان حضرات کے جنھوں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی رفاقت اختیار کی۔ (معاذ اللہ) تکفیر کرتا تھا۔ (الفرق بین الفرق ص231،229)

جھوٹی پیش گوئی

مغیرہ کاعقیدہ تھا کہ حضرت علی، حسن، حسین کے بعد امامت جناب محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنی بن امام حسن مجتبی بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کی طرف منتقل ہوگئی جو نفس ذکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیث نبوی سے تھا جس میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت مھدی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایاہے کہ ان کا اور ان کے والد کا نام میرے اور والد کے نام کے موافق ہو گا۔ یہ وہی محمد بن عبد اللہ حسنی ہیں جنھوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور خلیفہ منصور نے ان کے مقابلہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی اور جناب نفس زکیہ اس معرکہ میں جرعہ مرگ پی کر دار الخلد چلے گئے تھے۔ یہ 145ھ کا واقعہ ہے لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبد الملک اموی کے عہد خلافت میں حلف تیغ بن چکا تھا جناب نفس زکیہ کو مھدی آخر الزمان قرار دے کر اور یہ کہ کر جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے حالانکہ نفس زکیہ سپاہ منصوری کے ہاتھ سے قتل ہوگئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسویں تیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔ البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثابت قدم رہا۔ موخر الذکر جماعت نے مرزائیوں کی طرح سخن سازی سے کام لے کر اپنے دل کو بہلا لیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انھیں حکم ہو گا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے اور مخالف احزاب و جیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر اپنا عمل و دخل کر لیں گے۔ جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر نے نذر اجل کیا تو اس کا وہ یہ مضحکہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا جس نے محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی شکل وصورت اختیار کر لی تھی۔ غرض روافض کی موخر الذکر جماعت اس بنا پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ لوگ مین عبد اللہ نفس زکیہ کی آمد کے منتظر ہیں۔ (الفرق ص132)

زندہ نذر آتش کیا جانا

جب خالد بن عبد اللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی شناختیں جاری کر رکھی ہیں۔ تو اس نے 119ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ تمھیں نبوت کا دعوی ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انھوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں سما سکی۔ خالد نے مغیرہ کو سرکنڈوں کے گٹھوں کے ساتھ باندھا اور تیل چھڑک کر اس کو زندہ جلا کر جہنم واصل کر دیا۔ خالد نے جوش میں آکر اس کو آگ کی سزا دی ورنہ حدیث شریف میں آگ سے عذاب دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

بیان کذاب بن سمعان تمیمی

نام: بیان کذاب بن سمعان

مکمل نام: بیان بن سمعان التميمي النهدي

تاریخ پیدائش: 7ویں صدی عیسوی

وفات: سنہ 737ء (36–37 سال) کوفہ

وجہ وفات: نذر آتش

طرز وفات: سزائے موت

عہد: خلافت امویہ

تلمیذ خاص: الجعد بن درہم

پیشہ ورانہ زبان: عربی

شعبۂ عمل: جادوگری

مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے اس بیان کا پیرو ہے بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلالیتا ہوں۔ ہزارہا لوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔

عقیدہ تناسخ وحلول

بیان ہندوؤں کی طرح تناسخ ورجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعوی تھا کہ میرے جسم میں خدائے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے جس طرح ہنود رام چندر جی اور کرشن جی کو خدائے برتر کا اوتار گمان کرتے ہیں۔ بیان اپنے دعوی کے اثبات میں کہ ذات خداوندی ہر چیز میں حلول کرتی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں پیش کرتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ آیات قرآنی سے اس قسم کا استدلال انوکھا اور عجیب وغریب ہے۔

بیان کا دعوی تھا کہ مجھے قرآن کا بھی بیان سمجھایا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی کا یہ مطلب ومفہوم نہیں سمجھتے ہیں۔

فرقہ بیانیہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنفیہ سے ان کے فرزند ابوہاشم سے ایک وصیت کی بنا پر بیان بن سمعان کی طرف منتقل ہو گئی۔ بیانیہ اپنے زعیم ومقتداء کے حقیقی منصب ومقام کے متعلق مختلف بیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میان نے شریعت محمدی (علی صاحبہ التحیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں۔ بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیا اور ائمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوئی ابوہاشم عبد اللہ بن حنفیہ میں پہنچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی۔ یعنی حلولی مذہب کے موجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ ترجمہ :-(یہ لوگوں کے لیے بیان اور محققین کے لیے ہدایت و موعظتہ ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے۔ ترجمہ :-(میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت وموعظہ ہوں۔)

علی بن ابی طالب کی خدائی کا اعتقاد

بیان حضرت علی بن ابی طالب کی خدائی کا اعتقاد رکھتا تھا اور اتحاد کا قائل تھا کہ خالق الرض وسماء کا ایک جزو علی علیہ السلام کے جد مبادک میں حلول کر کے ان سے متحد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر وہی قوت الہی تھی جس کی بدولت انھوں نے درہ خیبر اکھاڑ دیا تھا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد وہ جزو الہی جناب محمد بن حنفیہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابوہاشم عبد اللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ جب وہ بھی دار الخلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان بن سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا۔ بیان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں۔

محمد باقر کو دعوت

بیان حضرت امام زین العابدین کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقر جیسے جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی

اور اپنے خط میں جو عمر بن عفیف کے ہاتھ امام ممدوح کے پاس بھجا لکھا تھا۔ ترجمہ :-(تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گئے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کسی کو نبی بناتا ہے) کہتے ہیں کہ امام محمد باقر یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو نگل جاؤ۔ وہ بلا تامل نگل گیا اور معاً تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بد دعا کی۔ امام جعفر صادق نے بھی بیان پر لعنت کی ہے۔

ہلاکت کا بھیانک نظارہ

جب خالد بن عبد اللہ قسری عامل کوفہ نے مغیرہ بن سعید عجلی کو گرفتار کیا تھا۔ بیان بھی اس وقت 119ھ میں گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا بغل میں لے لے۔ یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو۔ کیا تم نے مغیرہ کا حشر نہیں دیکھا؟ اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمھارا دعوی ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔ اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے جان ہیں ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچالو مگر وہ جھوٹا تھالب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔

امام جعفر صادق اور علامہ عبد القاہر کی رائے

ھشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق سے عرض کیا کہ بیان آیت

والذي في السماء إله وفي الأرض إله (سورة الزخرف : 84)

کی یہ تاویل کرتا ہے آسمان کا اللہ اور ہے اور زمین کا اور اور آسان کا اللہ زمین کے معبود سے افضل ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیان دجال کذاب ہے۔ کتاب منہج المقال میں ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادق فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی : ترجمہ :-(کیا میں بتادوں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ دروغ گو بدکردگار پر) میں شیاطین سے مراد سات اشخاص ہیں مغیرہ بن سعید عجلی اور بیان من سمعان تھی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص۔

علامہ عبد القاہر بغدادی کتاب "الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی کہتے ہیں وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبی گمان کرتا ہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔

عباسی عہد کے فتنے

عباسی عہد کا تاریخی پس منظر

عباسی خلافت کا زمانہ (132ھ–656ھ) علمی، فکری اور تمدنی اعتبار سے اسلامی تاریخ کا زریں دور کہلاتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ فرقہ واریت، فلسفیانہ الحاد، اور باطنیت کے فتنوں کا دور بھی تھا۔ خلفائے عباسیہ نے وسعتِ سلطنت کے ساتھ ایران، شام، خراسان، اور ماوراء النہر کے علاقوں کو شامل کیا۔ جہاں مجوسیت، مانویت، مزدکیت، اور زرتشتی افکار پہلے سے موجود تھے۔ یہ افکار اسلام کی ظاہری شکل میں باطنی لبادہ اوڑھ کر دین میں نفوذ کرنے لگے۔

بابک خرّمی

بابک خرّمی — (Babak Khorramdin) جو **عباسی دور** میں ایک **بغاوتی اور مذہبی فتنہ پرست** کے طور پر مشہور ہوا۔ آیئے اسے تاریخی، دینی، اور فکری لحاظ سے تفصیل سے سمجھتے ہیں -

تعارف

پورانام	بابک بن مرداس الخرّمی (بابک خرّمی)
زمانہ	دوسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی (تقریباً 201ھ–223ھ / 816–838ء)
علاقہ	آذربائیجان (موجودہ ایران و آذربائیجان کا شمال مغربی علاقہ)
مذہب / تحریک	خرّمیہ (ایک باطنی، مجوسی و دہریہ عقیدہ رکھنے والی تحریک)
خلیفہ وقت	عباسی خلیفہ المأمون اور المعتصم باللہ

پس منظر

بابک خرّمی یکم جولائی 798ء کو اردبیل ① میں پیدا ہوا۔ اسکی پیشہ ورانہ زبان پہلوی تھی۔ اور پیشے کی لحاظ سے یہ سپاہی اور جنگجو تھا۔ بابک خرّمی کا تعلق خرّمیہ فرقے سے تھا۔ یہ فرقہ دراصل ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد پیدا ہوا، جس کے بعض پیروکاروں نے اسے مظلوم نجات دہندہ (مہدی) مان لیا، اور اسلامی تعلیمات کو مجوسی تصوف اور دہریت کے ساتھ ملا دیا۔ ان کے عقائد اسلام سے یکسر مختلف تھے — ظاہراً وہ اسلام کا نام لیتے تھے، مگر درحقیقت وہ زرتشتی، مزدکی اور دہریہ افکار کے حامی تھے۔

خرّمیہ کے عقائد

1. **تناسخ ارواح** (روحوں کا دوبارہ جنم لینا)
2. **اموال و ازواج میں اشتراک** (اشتراکی نظام — سب کا مال و عورتیں سب کے لیے)
3. **نماز، روزہ، حج** وغیرہ کا انکار
4. **ظاہری شریعت** کی نفی، اور باطنی تاویلوں کا قائل ہونا

5. **اسلامی خلافت** کی مخالفت اور **مجوسی بادشاہت کی بحالی** کی خواہش ان کے نزدیک دنیا میں **"نور اور ظلمت"** دو ازلی قوتیں ہیں (یہ عقیدہ **زرتشتی دوگانیت** سے ماخوذ تھا)۔

بابک کا ظہور اور بغاوت

بابک خرّمی نے آذربائیجان کے پہاڑی علاقے البذّ (Al-Badhdh) میں خرّمیہ کے پرانے پیروکاروں کو جمع کیا۔ پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ابو مسلم خراسانی کی روح کا مظہر ہے۔ اس نے اپنی تحریک کو دینی رنگ دے کر لوگوں کو کہا:

"اسلامی خلافت نے تمہارے دین کو مٹا دیا، آؤ، ہم عدل و مساوات کا دور واپس لاتے ہیں!"

آذربائیجان، ارمینیہ، اور ایران کے بعض علاقوں میں خونریز بغاوت برپا کی گئی۔ مسلمانوں کی بستیوں کو جلایا گیا، مساجد ڈھائی گئیں، اور ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔

بابک خرمی عہد عباسی میں ایک خفیہ مذہبی اور سیاسی تحریک کا بانی تھا۔ آذربائجان میں اس کا بہت اثر رسوخ تھا اور ایرانیوں کی ایک کثیر جماعت اس کے پیروؤں میں شامل تھی۔ بابک نے اسلامی نو آبادیوں پر حملے شروع کر دیے اور مسلمانوں کو لوٹنے مارنے لگا۔ مامون الرشید نے اس کی سرکوبی کے لیے یکے بعد دیگرے کئی مہمات ارسال کیں مگر بابک کو ہر بار فتح حاصل ہوئی۔ مامون الرشید کے بعد معتصم باللہ کے زمانے میں کئی سالوں کے مسلسل معرکوں کے بعد بابک گرفتار ہوا اور اسے تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اس کے پیرو اسے نبی مانتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد تھا کہ نبوت موروثی ہے۔ یہ لوگ تناسخ ارواح (آواگون) کے بھی قائل تھے۔

عباسی حکومت کا ردِ عمل

خلیفہ المأمون نے پہلے چند فوجی دستے بھیجے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خلیفہ المعتصم باللہ (218ھ–227ھ) کے دور میں مشہور سپہ سالار افشین

(الفضل بن سہل الطائی) کو اس کے مقابلے پر بھیجا گیا۔ افشین نے کئی سال کی جنگ کے بعد 223ھ (838ء) میں بابک کو گرفتار کر لیا۔

انجام بابک خرّمی

بابک کو سامرہ (عراق) میں خلیفہ المعتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ چونکہ اس نے اسلامی خلافت کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا تھا، اسے عبرتناک انجام دیا گیا۔

تاریخ طبری کے مطابق:

"خلیفہ المعتصم نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، پھر اسے سولی پر چڑھا دیا جائے، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔"

فکری و دینی حیثیت

بابک نبوت کا دعوے دار نہیں تھا، مگر اس نے باطنی الہام، روحانیت اور تناسخ کے عقیدے سے دینی گمراہی پھیلائی۔ اس کی تحریک دراصل زرتشتی اور مزدکی افکار کا تسلسل تھی۔ بعد میں اس کے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ قرمطیوں اور باطنی اسماعیلی فرقوں میں شامل ہو گئے۔

---

① اردبیل، صوبہ اردبیل، ایران کا ایک تاریخی شہر ہے۔ پہلے یہ صوبہ شرقی آذربایجان کا حصہ تھا۔ 1993 میں اسے علاحدہ صوبہ بنادیا گیا۔

ابو منصور محلی کذاب

تعارف

ابو منصور محلی (علی بن فضل المحلی) ابتدائی اسلامی صدیوں میں یمن میں ظاہر ہونے والا ایک بدنام مدعیٔ نبوت تھا۔ اسے اسلامی تاریخ میں اُن کذابین میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور عوام کو گمراہ کیا۔ اس کا دور تیسری صدی ہجری کے آخری حصے کا ہے جب عرب دنیا خصوصاً یمن سیاسی انتشار، قبائلی کشمکش اور مذہبی فرقہ واریت کا شکار تھی۔

پس منظر: یمن کا سیاسی و مذہبی ماحول

تیسری صدی ہجری (250–300ھ) میں یمن:

- عباسی خلافت سے کمزور تعلق رکھتا تھا
- قبائل اپنی اپنی طاقت رکھتے تھے
- اسماعیلی اور باطنی دعوتیں وہاں متحرک تھیں
- عوام علمی و دینی رہنمائی سے دور تھے

ایسی صورتِ حال میں جھوٹے مدعیانِ نبوت، باطنی داعیان اور گمراہ فرقے آسانی سے اُبھر آتے تھے۔ ابو منصور محلی کا ظہور بھی اسی پس منظر میں ہوا۔

نام اور نسب

مورخین کے مطابق اس کا نام: **علی بن فضل بن الحسن بن ہارون المحلّی**

تھا، اور یمن کے علاقے **محَلّہ یا مَحالّ** سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی نسبت سے اسے "المحلی" کہا جاتا ہے۔ بعض روایات میں اسے **ابو منصور الیمانی** بھی کہا گیا۔

دعویٰ نبوت

ابو منصور محلی نے ابتدا میں اپنے آپ کو ایک **دینی مصلح** ظاہر کیا۔ بعد ازاں اس نے دعویٰ کیا کہ:

- اسے **الہام** ہوتا ہے
- **وہ خدا کی طرف سے مامور ہے**
- اس کے اوپر "نور" اُترتا ہے
- وہ شریعت کی نئی تعبیر پیش کرنے کا حق رکھتا ہے

پھر آخر کار اس نے کھلے عام **نبوت کا دعویٰ** کر دیا۔ یوں وہ تاریخی طور پر "کذابین" میں شامل ہو گیا۔

اس کے عقائد اور تعلیمات

ابو منصور محلی نے چند بنیادی گمراہ تصورات پھیلائے:

1۔ شریعت میں تبدیلی کا حق

اس نے کہا کہ: پرانی شریعت اب کامل نہیں۔ اسے نئی وحی کے ذریعے تکمیل دی جارہی ہے۔ بعض اسلامی احکام اس کے دور کے مطابق بدل گئے ہیں

2۔ اپنی ذات کی الوہیت نما تقدیس

اس نے اپنے بارے میں دعوے کیے کہ: وہ "نور" ہے۔ اس کی اطاعت ہی اصل نجات ہے۔ اس کی روح "خاص اولیاء" سے افضل ہے

3۔ باطنی و اسماعیلی افکار کا اثر

اس کے کئی عقائد میں اسماعیلی باطنیت کا اثر تھا، جیسے:

- ہر حکم کا ایک "باطن"
- امام یا نبی کا مخصوص علمی راز
- عوام کو ظاہر تک محدود رکھنے کا تصور

ابو منصور محلی کی جماعت: اس کے پیروکاروں میں: کچھ قبائلی سردار اور بعض باطنی نظریات رکھنے والے افراد تھے اور یمن کے چند دیہاتی طبقات شامل تھے۔ اس نے اپنی ایک چھوٹی مگر پُر تشدد جماعت تیار کی جسے "اصحاب المحلی" کہا جاتا ہے۔

فتوحات اور بغاوتیں

تاریخی روایات کے مطابق اس نے: یمن کے پہاڑی علاقوں میں بغاوتوں میں حصہ لیا۔ کئی مقامات پر حکومتی اثر کو ختم کیا۔ اموالِ زکوٰۃ کو "مالِ فَیْء" قرار دے کر خود قبضہ کیا اور مخالفین کو قتل کروایا۔ یہ تمام افعال اس کی جھوٹی نبوت کے اثر کو بڑھانے کے لیے کیے جاتے تھے۔

علمائے کرام کا رد

اس زمانے میں یمن اور حجاز کے علماء نے کھل کر اس کی تعلیمات کی تردید کی اور اسے "کذّاب" قرار دیا اور عوام کو اس کے فتنے سے بچایا مشہور محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے **جھوٹے نبیوں** میں شمار کیا ہے۔

انجام

زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ:

اس کے پیروکار آپس میں تقسیم ہو گئے۔ یمنی قبائل اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی سیاسی طاقت کمزور پڑ گئی بالآخر تاریخی روایت کے مطابق: یا تو اسے قتل کر دیا گیا یا اس کے ساتھیوں نے خود اسے ہلاک کر دیا۔ مجموعی طور پر اس کا انجام ذلت، تباہی اور ناکامی پر مشتمل تھا۔

صالح بن طریف برغواطی

نام: صالح بن طریف برغواطی

دور: سنہ 728ء / 125ھ

مادری زبان: بربر زبان

پیشہ: مقتدرِ اعلیٰ

صالح بن طریف برغواطی ایک جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی الاصل تھا۔ اس کا نشوونمو سرزمین اندلس کے ایک قلعہ برباط میں ہوا۔ وہاں سے مشرق کارخ کیا اور عبید اللہ معتزلی سے حصول علم کرتا رہا، پھر سحر میں دستگاہ حاصل کی۔ وہیں سے سخت عسرت اور شکستہ حالی کے عالم میں تامتا کے مقام پر پہنچا جو مغرب اقصی میں ساحل بر پر واقع ہے۔ وہاں اس نے بری بری قبائل کو دیکھا جو بالکل جاہل اور وحشی تھے اس نے انہی لوگوں میں بودوباش اختیار کرلی۔ ان کی زبان سیکھی اور سحر اور شعبدہ جات سے گرویدہ بنا کر ان پر حکومت کرنے لگا۔ 125ھ یا 127ھ میں اس نے دعوائے نبوت کیا۔ اس وقت خلیفہ ہشام بن عبد الملک اسلامی ممالک کا فرمانروا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں صالح کی حکومت کو وہ اوج وعروج نصیب ہوا کہ شمالی افریقہ میں اس کے کسی ہمعصر تاجدار کو وہ عظمت وشوکت حاصل نہ تھی۔ ادعائے نبوت کے علاوہ اس کا یہ بھی دعوی تھا کہ وہی وہ مہدی اکبر ہے جو قرب قیامت کو ظاہر ہو کر جناب عیسی بن مریم علیہ السلام کے مصاحبت اختیار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام جن کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

بہافرید زوزانی نیشاپوری

بہافرید زوزانی نیشاپوری، زوزان کا رہنے والا ایک مجوسی کذاب تھا جس نے دعوی نبوت کیا تھا۔ ابو مسلم خراسانی جو خلافت آل عباس کا بانی تھا کے دور حکومت میں ضلع نیشاپور کے قریب سیر واند نام کے ایک قصبہ میں ظاہر ہوا اور دعوی نبوت وحامل وحی ہونے کا کر دیا۔

باریک قمیض سے اعجاز نمائی کا کام

بہافرید اوائل عمر میں زوزان سے چین کی طرف گیا تھا اور وہاں سات سال تک قیام کیا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیض بھی ساتھ لایا۔ بہافرید نے اس قمیض سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہنچا کسی سے ملاقات کیے بغیر رات کی تاریکی میں سید ھابت خانہ کارخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھا رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمد ورفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آرہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا میں سات سال تک آسمانوں کی سیر وسیاحت میں مصروف رہا وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کروائی گئی۔ آخر رب کردگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرما اور یہ قمیض پہنا کر زمین پر اترنے کا علم دیا چنانچہ میں ابھی ابھی آسمان سے نازل ہو رہا ہوں۔ اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا اس نے کہا کہ میں نے خود اسے آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے۔ پجاریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہافرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے ان سے عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیض کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزارہا مجوس اس کے پیروکار ہو گئے۔

بہافرید کا انجام

جب ابو مسلم خراسانی نیشاپور کیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی بہافرید نے دین اسلام اور کیشن مجوس میں فساد درخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابو مسلم نے عبد اللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا جب بہافرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا

ہے۔ فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبد اللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے جبل بادغیس کے مقام پر اسے جالیا اور گرفتار کر کے ابو مسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابو مسلم نے دیکھتے ہی خنجر خارا شگاف کا وار کیا اور ملعون کا سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔

اسحاق اخرس

اہل اسلام کے مطابق **اسحاق اخرس** جھوٹے انبیا میں سے ایک تھا۔ وہ ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اس وقت ممالک اسلامیہ پر عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی حکومت تھی۔ روایت کے مطابق پہلے اس نے صحفِ آسمانی قرآن، تورات، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ نہ صرف مذہبی معلومات بلکہ اسے کئی زبانیں بھی آتی تھیں، اس کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بھی کمال حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کمال کا کیمیا گر بھی تھا۔ اسحاق 135ھ میں اصفہان میں آیا۔

گونگاپن اور معجزہ

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسے میں قیام پزیر ہوا اور یہیں کے ایک چھوٹے سے کمرے میں مکمل دس سالوں تک ٹھہرا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ یہیں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر عام و خاص شخص اسے گونگا سمجھتا رہا۔ دس سالوں تک بے زبان کا ناٹک کرنے کی وجہ سے وہ "اخرس" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ وہ ہمیشہ اشاروں سے مدعا کیا کرتا اور ہر شخص سے اس کا رابطۂ مودت و شناسائی قائم تھا۔ ہر شخص کے دل میں اسحاق کے لیے ترس اور محبت تھی۔ گونگے بنے رہنے کے دس سالوں بعد آخر وہ وقت آ گیا کہ چُپی توڑ دی۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ کیمیائی مادوں کو ملا کر ایک مائع تیار کیا۔ ایک رات جب تمام لوگ خواب خرگوش میں مصروف تھے، اس نے مائع کو اپنے بدن پر ملا جس کے بعد اس کے جسم سے نورانی کرنیں پھوٹیں اور وہ جگنو کی طرح چمکنے لگا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ اس کے بعد انس نے ہولناک چیخ نکالی جس کی وجہ سے مدرسے کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ جب لوگ ارگرد جمع ہوئے تو اس نے اٹھ کر نماز ادا کی اور ایسی خوش آوازی اور تجوید کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی دنگ رہ گئے۔

اہل شہر کی بدحواسی

جب مدرسے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ پیدائشی گونگا باتیں کر رہا ہے اور قوت گویائی کیسی ہے کہ اسحاق کو اعلیٰ درجے کی فصاحت اور فنِ قرأت تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ خصوصاً صدر مدرس تو بالکل قوت عقلیہ کھو بیٹھے۔ صدر مدرس بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے "کیا اچھا ہو اگر عمائد شہر بھی خدا کے اس کرشمۂ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔" اب اہل مدرسہ نے صدر مدرس کی قیادت میں شہر کا رخ کیا کہ اعیانِ شہر کو بھی خدائے واحد کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔ جب شہر پناہ کے دروازے پر آئے تو اسے مقفل پایا۔ جب چابی حاصل کرنے میں ناکامیاب رہے تو گرم جوشی و خوش اعتقادی کی حالت میں کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اب سب پہلے قاضیٔ شہر کے گھر پر پہنچے۔ قاضی شور و پکار سن کر گھر سے فوراً باہر نکلے اور ماجرا دریافت کیا۔ کہانی سننے کے بعد قاضی مجمع کے ہمراہ وزیرِ اعظم کے در پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو وزیر باہر آئے اور لمبی کہانی سن کر کہا کہ ابھی رات

کا وقت ہے صبح فیصلہ کیا جائے گا کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کارروائی مناسب ہو گی۔ قاضیٔ شہر نے چند رؤسائے شہر کو ساتھ لے کر بزرگ ہستی کو دیکھنے کے لیے مدرسے میں آئے مگر دروازے کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی براجمان تھا۔ قاضی نے نیچے سے پکار کر کہا "جنابِ والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو اس کرامت اور منصبِ جلیل سے نوازا۔ دروازہ کھولیے اور مشتاقانِ جمال کو شرف دیدار سے مشرف فرمایئے" یہ سن کر اسحاق بولا "اے قفل کھل جا" اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنجی کے بغیر قفل کھول دیا۔ قفل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آتشہ ہو گئی۔ لوگ بزرگ بابا کے رعب سے ترساں و لرزاں تھے۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے روبرو نہایت مؤدب ہو کر جا بیٹھے۔ قاضی شہر نے نیاز مندانہ لہجے میں التماس کی کہ "حضور اقدس، سارا شہر اس قدرت خداوندی پر حواس باختہ ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب کیا جائے تو بڑی نوازش ہو گی۔

ظلی بروزی نبوت

اسحاق نے کہا کہ "چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے آخر دن بہ دن القائے ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا حتیٰ کہ آج رات خدا تعالیٰ نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروانِ منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے اور وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر پانی لے کر میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا اور گھبرایا کہ یا علیم یہ کیا ابتلا ہے؟ فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا: اے اللہ کے نبی بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولیے میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ کا ورد کر تا رہا فرشتے نے نہایت لذیذ چیز منہ میں رکھ دی یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبو اور برف سے زیادہ سرد تھی اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا:

اَشۡهَدُ اَن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ

یہ سن کر فرشتوں نے کہا محمد ﷺ کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو میں نے کہا اے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں فرشتے کہنے لگے خدائے قدوس نے تمھیں اس قوم کے لیے نبی مبعوث فرمایا ہے میں نے کہا کہ خدا نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیا قرار دیا اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست مگر محمد ﷺ کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمھاری ظلی و بروزی ہے۔"

خلافت عباسیہ سے معرکہ آرائیاں

اسحاق کی تقریر سن کر عوام کا پائے ایمان ڈگمگا گیا اور ہزارہا آدمی اس کے پیروکار بن بیٹھے اور جن لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلی تھا وہ بیزار ہو کر چلے گئے حاملین شریعت نے بھولی عوام کو بہتیرا سمجھایا کہ اسحاق کو نگا دجال کذاب اور رہزن دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی خوش اعتقادی میں ذرا فرق نہ آیا بلکہ جوں جوں علما انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے ان کا جنون خوش اعتقادی اور زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے خلافت پر حملہ کر کے خود خلیفہ بننے کا فیصلہ کیا چنانچہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کو مقہور و

مغلوب کر کے بصرہ و عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ کئی معرکوں کے بعد خلافت عباسیہ کو فتح نصیب ہوئی اور اسحاق اخرس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے کچھ پیرو کار اب بھی عمان میں ہیں، مگر خیال ہے کہ ان کی مجموعی تعداد سو بھی نہیں۔

استاد سیس خراسانی

سنہ 150ھ میں **استاد سیس** نامی ایک شخص خراسان میں مدعی نبوت ہوا۔ خراسان میں ہزارہا اشخاص نے فوراً اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ ہرات، بادغیس اور سیستان وغیرہ کے لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور خراسان کے اکثر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کا منصور فکر مند ہوا۔ مرو کے حاکم "مسمی جثم" یہ حالت دیکھ کر استاد سیس پر اپنے پورے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور شکست فاش کھا کر مقتول ہو گیا۔ اس کے بعد خازم بن خزیمہ نے خدعہ حرب سے کام لے کر استاد سیس کی فوج کو پیچ میں لے کر دو طرف سے حملہ کیا۔ استاد سیس کے 17 ہزار ہمراہی میدان جنگ میں قتل ہوئے اور 14 ہزار ہمراہیوں کے ہمراہ ایک پہاڑ میں محصور کر لیا گیا۔ آخر کار استاد نے محاصرے سے تنگ آ کر اپنے آپ کو خازم کے سپرد کر دیا۔

تاریخ اس باب میں خاموش ہے کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوئی غالب قیاس یہی ہے کہ ابو جعفر منصور دوسرے جھوٹے نبیوں کی طرح اس کو بھی قتل کر دیا ہو۔

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی، استاد سیس نام ایک مدعی نبوت ہرات، مرئیس سجستان وغیرہ اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ دعوئے نبوت کے بعد عامتہ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھا یہ دیکھ کر اجثم عامل مرو روز نے ایک لشکر مرتب کیا اور استاد سیس سے جا کھڑا۔ استاد کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اس نے اجثم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود اجثم بھی میدان جانستان کی نذر ہو گیا۔ اجشم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے مگر یا تو وہ مارے گئے یا سر کو سب ہو کر واپس آئے۔ جب استاد میں نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا ہے تو اس وقت ظیفہ منصور بر دان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عساکر خلافت کی ہیم ہر سمتوں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان تھا۔ آخر خازم بن خزیمہ نام ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی افسر کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مہدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صوبدید کے بموجب استاد کے مقابلہ پر جائے۔ مہدی نے اسے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا۔

خازم کی اعانت کیلئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی نام کے مشہور سپہ سالار بھی خازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس وقت خازم کے میمنہ پر ہیثم بن شعبہ میسرہ پر نہار من حصین اور مقدمہ پر کار بن مسلم عقیلی متعین تھا جھنڈا زبر قان کے ہاتھ میں تھا۔ خازم نے میدان کارزار میں جا کر اچھی طرح دیکھ بھال کی اور عظیم کو دھوکا دینے کی غرض سے بہت کی خندقیں ہوائیں اور مورچے قائم کئے۔ اور ہر ایک خندق کو بذریعہ سرنگ ملا دیا۔ ان سب کے علاوہ ایک خندق اتنی بڑی کھدوائی جس میں خازم کا سارا لشکر سما سکتا تھا اور خندق کے چار دروازے ہوائے۔ ہر دروازہ پر ایک ایک ہزار چیدہ سپاہی کار آزمودہ سرداروں کی قیادت میں متعین کئے۔ سیس کے پیرو بھی ساز و سامان سے لیس ہو کر مقابلہ کو آئے۔

ان کے ساتھ بھی پھاوڑے، کدال اور ٹوکریاں تھیں۔ انہوں نے پہلے اس دروازہ سے جنگ شروع کی۔ جس طرح ابکار بن مسلم تھا۔ ابکار اور اس کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سیس کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ادھر سے ہٹ کر وہ اس طرح کو جھکا جس دروازہ پر خود خازم مستعد جنگ کھڑا تھا۔ اسی طرح پیروان سیس میں سے حریش نام ایک فوجی سردار بھی اہل سجستان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بقصد جنگ خازم کی طرف بھلا خازم نے حریف کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہیثم بن شعبہ کو انکار کی طرف سے نکل کر حریف پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود خازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر آگیا اور نہایت پامردی سے تنور حزب گرم کیا۔ اس اثنا میں حریش کے پیچھے سے لشکر ہیم کے پھریرے ہوا میں اڑتے دکھائی دیئے۔ خازم کے لشکریوں نے جوش جہاد میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اسی طرح خادم نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنی اجتماعی قوت سے یکبار کی ہلہ بول دیا جونہی سیس اور حریش کی ہمرکاب فوجیں بقصد فرار پیچھے ہٹیں ہیثم کی سپاہ نے انہیں تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں نہار بن حصین اپنی فوج کے ساتھ میسرہ سے اور بکار بن مسلم اپنی جمعیت کے ساتھ اگلی جانب سے نکل کر مقیم پر حملہ آور ہوئے اور بہت دیر تک قتل اور خونریزی کا بازار گرم رہا۔ عساکر خلافت نے دشمن پر اپنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے اس معرکہ میں سیس کے قریبا سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ خازم فتح و ظفر کے پھرمیرے اڑاتا ہوا پہاڑ پر پہنچا اور محاصرہ ڈال دیا۔ اتنے میں شاہزادہ مہدی نے ابوعون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابوعون اپنی فوج لیکر اس وقت پہنچا جب استاد سیس محصور ہو چکا تھا۔ آخر سیس نے محاصرہ سے تنگ آکر اپنے تئیں خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیں اپنے بیٹوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ خازم نے مہدی کے پاس فوراً فتح کا مژدہ لکھ بھیجا۔ جونہی یہ بہت افتراء خبر مہدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تہنیت کا پیغام بھیجا۔

یاد رہے کہ یہی مہدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی مراجل اور مامون کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برمکی کو قتل کیا تھا۔ خلیفہ مامون (ہارون رشید) کا ماموں تھا۔

أبو عيسى الأصفهاني

ابو عیسی اصفہانی، اصل نام اسحاق بن یعقوب، ایران میں یہود کے ایک مذہبی فرقے عیسویہ اور اصفہانیہ کا پیشوا تھا۔ یہ فرقے دورِ بنی امیہ سے لے کر منصور دوانیقی (خلیفہ عباسی) کے زمانے تک پائے جاتے تھے۔ روایت ہے کہ وہ اسی زمانے میں ری (ایران کا ایک شہر) میں قتل ہوا۔

بعض مورخین اس کا نام محمد بن عیسی بتاتے ہیں (ابنِ حزم)، جبکہ بعض نے اس کا نام ابو اسحاق بن یوسف لکھا ہے۔ ایک اور نام جو اس کے لیے ذکر کیا جاتا ہے وہ ہے عوفید الوہیم یعنی "خدا کا بندہ"۔

وہ نصیبین (ترکی / شام کے علاقے) کا رہنے والا ایک درزی تھا۔ اس کے پیروکاروں کا دعویٰ تھا کہ وہ "امی" تھا اور اس نے اپنی کتابیں وحی اور الہام کے ذریعے لکھیں۔

قرقسانی کے مطابق، وہ عبد الملک بن مروان (خلیفہ اموی) کے دور میں زندہ تھا، مگر شہرستانی کے مطابق اس نے اپنی دعوت کا آغاز بنی امیہ کے آخری دور، مروان حمار کے زمانے میں کیا، اور اس کی تحریک منصور عباسی کے دور تک جاری رہی۔ بہت سے یہودی اس کے پیروکار بنے اور اس کے

لئے معجزات کے قائل ہو گئے۔

اس نے اپنی جنگوں میں کئی مسلمان قتل کئے، اور آخر کار رے کے مقام پر وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے۔

دعویٰ نبوت

ابو عیسی خود کو "مسیحِ موعود کا رسول" اور نبی سمجھتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مسیح کے آنے سے پہلے پانچ رسول ہوں گے اور وہ ان میں سے ایک ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ خدا نے اس سے گفتگو کی ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ بنی اسرائیل کو گمراہ قوموں اور ظالم بادشاہوں سے نجات دلائے۔

اس کا دعویٰ تھا کہ مسیح، تمام انسانوں میں سب سے افضل ہے اور اللہ کے نبیوں سے بھی بڑھ کر مقام رکھتا ہے۔ چونکہ وہ خود کو مسیح کا رسول کہتا تھا، اس لیے اپنے آپ کو بھی سب سے افضل سمجھتا تھا۔

پیروکاروں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ابو عیسی معراج پر گیا، خدا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور یہ کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھا اور ان پر ایمان لایا۔ اصفہان کے یہودی اسے وہی دجال سمجھتے تھے جس کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اصفہان سے ظاہر ہو گا۔

عبادات اور شریعت میں تبدیلیاں

اس نے عیسیٰ ابن مریم اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو تسلیم کیا اور یقین کیا کہ خدا نے محمد کو صرف عربوں میں بھیجا، بنی اسرائیل کی طرف نہیں۔ اس کا یہ بھی ماننا تھا کہ دین اسلام غیر عربوں کی اطاعت کا پابند نہیں ہے۔

زبور کی پیروی میں اس نے دن میں **سات نمازوں** کا حکم دیا، جب کہ ایک اور روایت میں دس نمازوں کا تذکرہ ہے۔ اس نے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اور تمام پرندوں اور چوپایوں کا گوشت کھانے سے منع کیا۔ وہ شریعتِ موسیٰ کے کئی احکام سے کھلم کھلا اختلاف کرتا تھا۔

اس کے نزدیک:

- دن و رات میں **10 فرض نمازیں** تھیں
- اگر کوئی رات کو جنب ہو کر غسل نہ کرے **تو سات دن تک ناپاک رہتا ہے**
- اس نے **دو قسم کے خمس** مقرر کیے:
  1. اپنے ساتھیوں کے لیے
  2. "خزانۂ مسیح" کے لیے تاکہ مسیح کے ظاہر ہونے پر یہ خزانہ استعمال ہو

سب سے بڑی بات یہ کہ وہ **تبدیلیٔ شریعت (نسخ)** کو عقلاً جائز سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے فرقوں کی کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

کچھ پیروکاروں کا کہنا تھا کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو بدلنے کے لیے آئے تھے، جبکہ دیگر پیروکار اس کے برعکس رائے رکھتے تھے۔

اکثر کتب میں لکھا ہے کہ اس کے نزدیک:

- حضرت محمد ﷺ عربوں اور اولادِ اسماعیل کے لیے مبعوث ہوئے
- اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لیے

اس کی تحریک کا اثر

ابو عیسی کی موت کے بعد بھی اس کے پیروکار ختم نہیں ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری میں دمشق میں اس کے تقریباً 20 ماننے والے موجود تھے۔ اس کی تحریک کے اثرات بعد میں عنان بن داوود کے مکتبِ فکر میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

انجام:

اس دوران بہت سے ایرانی یہودیوں نے اس کا پیچھا کیا۔ اور عبادیہ رفتہ رفتہ اصفہان اور دیگر مقامات کے یہودیوں کو اپنے ساتھ لے آیا اور اموی حکومت کے اختتام پر اس نے ایک بغاوت شروع کی جس میں دس ہزار یہودی اس کے پاؤں پر تلواریں اور ہتھیلیاں لے کر لڑے۔

بالآخر، اموی خلیفہ کی فوج نے مداخلت کی، اور عبادیہ اموی فوج کے ساتھ جنگ میں مارا گیا۔ اس کی بغاوت کو شکست ہوئی اور اصفہان کے تمام یہودیوں کو بغیر کسی استثنا کے سخت سزا دی گئی۔

حکیم مقنع خراسانی

حکیم مقنع خراسانی علم کیمیا میں ماہر تھا جس کا استعمال کر کے ایک مصنوعی چاند بنایا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔

عباسی دور خلافت میں خلیفہ ابو جعفر المنصور (754ء-775ء) کے زمانے میں خراسان کے علاقے مرو کے ایک معمولی گاؤں میں ایک دھوبی کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ نام اس کا ھاشم یا ھشام رکھا گیا لیکن یہ مشہور ابن مقنع کے نام سے ہوا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کراہت کی حد تک بدصورت ہونے کے سبب نقاب اوڑھ کر رہتا تھا۔ مقنع نقاب کو کہا جاتا ہے۔ خراسان کے ایک گاؤں میں دھوبی کے گھر پیدا ہونے کے والے اس شخص کی کوئی پہچان نہیں تھی۔ البتہ اس کی شکل وصورت انتہائی بدشکل اور کریہہ تھی کہ لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے تھے اور اس کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ لوگوں کی اس نفرت کے سبب اس کے اندر کے حسد اور احساس کمتری نے اس کو حد سے زیادہ متاثر کیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ لوگ جو اس کو کمتر و بدصورت جانتے ہیں اسے ان لوگوں پر حکمرانی کرنی ہے۔

ابن مقنع اپنی جوانی کے زمانے میں گھر چھوڑ کر چلا گیا اور نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھرا۔ اس دوران اس نے علم کیمیا، جادو، شعبدے بازی اور دیگر علوم و فنون سیکھے اور کئی سال تک اپنے گاؤں سے غائب رہا۔ خلیفہ مہدی (775-785) کے زمانے میں یہ اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ یہ ایک دور دراز گاؤں تھا جہاں دین کے معاملے میں جہالت تھی۔ اس نے اپنے جادو اور کیمیا کے علم کے بل بوتے پر لوگوں کو طرح طرح کی شعبدے بازیاں دکھا کر ان کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ جب لوگ اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تو اس نے پیغمبری کا دعوی کر دیا۔ جب خاصے لوگ اس پر ایمان لے آئے تو وہ انہیں لے کر ماوراالنہر کے علاقے کش میں پہنچ گیا۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں کے درمیان یہ علاقہ اس کے مذموم مقاصد پر پورا اترتا تھا۔ وہاں اس نے ایک قلعہ تعمیر کر لیا۔ دور دراز اور دشوار پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے جنگ میں اسے مضبوط دفاع حاصل تھا۔ اس نے وہاں سے گزرنے والے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور اپنے پیروکاروں پر لوٹ مار حلال قرار دے دی اور ان کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ قلعہ میں ہی رہائش اختیار کریں۔ غرض اس لوٹ مار سے اس نے بہت پیسہ دولت حاصل کر لیا۔ یہ لوگ لوٹ مار کرتے اور پھر قلعہ بند ہو جاتے۔

اس علاقے میں وہ دور دور تک مشہور ہو گیا۔ لوگ اسے دیکھنے اور اس سے مناظرہ کرنے آتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو کوڑھ کا مرض بھی لاحق

ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی ناک اور ہونٹ گل کر جھڑ چکے تھے۔

اب اس نے اپنی بد صورتی چھپانے کے لیے سونے کا ماسک یا نقاب پہننا شروع کر دیا تھا جسے یہ ہر وقت چہرے پر چڑھائے رکھتا تھا۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ توبہ نعوذ باللہ جبرائیل علیہ السلام نخشب کے ایک مقام پر اس سے کلام کرتے ہیں اور اس کو حکمت کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان کے حکم کے مطابق عام گنھگار انسان اس کا چہرہ دیکھنے کے روادار نہیں ہیں اس لئے وہ اپنا چہرہ چھپا کر رکھتا ہے۔

بہت سے لوگوں اور بغداد کے علماء نے اسے جھوٹا کہہ کر معجزہ دکھانے کو کہا تو اس نے ایک نقلی چاند بنایا جو نخشب کے علاقے کے ایک کنویں سے طلوع ہوتا تھا۔ نخشب ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے جسے ترکی میں قرشی کہتے ہیں۔ علماو ماہرین کا خیال ہے کہ اس نے ماہِ نخشب بعض فلزات مثلِ سیماب وغیرہ کی لاگ سے بنا کر نکالا تھا جو دو ماہ تک غروب نہیں ہوتا تھا اور چار فرسنگ یعنی پندرہ میل تک اس کی روشنی پہنچتی تھی۔ یہ چاند سیماب اور چاندی کے اجزائے ترکیبی اور مقنع کے فن شعبدہ بازی کا کمال تھا۔ ضعیف العقیدہ لوگ اسے خدا سمجھ بیٹھے۔ وہ چاند نخشب کے کنویں سے طلوع ہوتا اور تقریباً پندرہ میل کی مسافت کو روشن کرتا تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کیونکہ آج سائنس کی حیرت انگیز ترقی کے باوجود سائنسدان بجلی کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا بلب ایجاد نہیں کر سکے ہیں جو اکیلا اتنے بڑے علاقے کو روشن کر سکے۔ اردو ادب میں بھی اسکا ذکر ملتا ہے۔

ابن مقنع کے چڑھائے اس چاند کی خبر دور دراز تک پہنچ گئی اور لوگ جوق در جوق اس کے پیروکاروں میں شامل ہونے لگے۔ بہت سے لوگ گمراہ ہوئے اور اس کو سجدہ کر کے خدا مان لیا۔ مقنع کے پیروکار رات میں چاہ نخشب کے گرد جمع ہو جاتے اور پھر مقنع چاہ نخشب سے چاند طلوع کرتا جو کافی بلندی پر جا کر معلق ہو جاتا اور ہر طرف روشنی پھیل جاتی جو میلوں دور تک نظر آیا کرتی تھی۔ اس وقت کے خلیفہ مہدی تک اس فتنے کی خبر پہنچی تو اس نے اس فتنے کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا کیونکہ اس وقت وہ خود بہت سے مسائل میں اُلجھا ہوا تھا۔ جن میں ایک بنو امیہ کی بغاوت تھی۔ دوسری بات یہ کہ اس دور میں اس قسم کے فتنے اکثر سر اٹھاتے رہتے تھے لیکن کچھ عرصے بعد خود ہی ختم بھی ہو جایا کرتے تھے۔ خلیفہ مہدی نے اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا لیکن خلیفہ کی یہ لاپرواہی انتہائی سنگین نوعیت کے نتائج لائی۔

ابن مقنع کا فتنہ صرف اس کے علاقے تک محدود نہیں رہا بلکہ دور دور تک پھیل گیا۔ اس کے پیروکار نہ صرف ہر گزرنے والے قافلے کو لوٹنے لگے بلکہ اب ان کی دیدہ دلیری اور بدمعاشی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ یہ قافلوں میں شامل عورتوں اور لڑکیوں کو بھی قید کر کے ان کو اپنی لونڈیاں اور باندیاں بنانے لگے۔ اب ابن مقنع طاقت کے نشے میں سرشار تھا۔ اس نے خدائی کا دعوی کر دیا۔ اس نے علاقے کے حاکموں کو خطوط روانہ کر دیے جس میں اس نے دعویٰ کیا کہ توبہ نعوذ باللہ خدا اسکی ذات میں حلول کر گیا ہے لہٰذہ اس کو خدا تسلیم کیا جائے اور اس کی مکمل اطاعت کے ساتھ ساتھ نذرانے پیش کیے جائیں۔ ایسا ہی ایک خط اس نے خلیفہ مہدی کو روانہ کیا جسے پڑھ کر خلیفہ سخت طیش میں آ گیا۔ اس کو اپنی لاپرواہی کا احساس ہوا اور اس نے جواباً اپنی فوج اس فتنے کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دی۔ خلیفہ مہدی نے اسے ایک معمولی آدمی سمجھا اور اس کے لئے فوج کے چند دستے روانہ کئے۔ یہ خلیفہ کی بہت بڑی بھول تھی۔ ابن مقنع کی فوج نے خلیفہ کی فوج کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس شکست کے بعد خلیفہ مہدی نے باقاعدہ مکمل تیاری کے ساتھ اپنے وزیر معاویہ بن عبداللہ کی سرپرستی میں ایک لشکر اس فتنے کی سرکوبی کے لیے تیار کیا۔ لیکن مقنع کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ یہ لشکر بھی ناکام ہو گیا۔ اب خلیفہ نے معاویہ بن عبداللہ کی مدد کے لیے مزید بھرپور اور تازہ دم کمک بھیجی۔ اس کمک کے پہنچنے کے بعد اسلامی فوج نے دوبارہ مقنع کے قلعے پر حملہ کیا اور کافی مشکلات کے بعد معاویہ بن عبداللہ قلعے کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اپنی شکست دیکھ کر ابن مقنع نے قلعے کو آگ لگادی اور اپنے پیروکاروں کو اس میں کودنے کا کہا اور خود قلعے سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ یہاں تاریخ کا اختلاف ہے بعض جگہ مورخین نے لکھاہے کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو زہر دے دیا تھا بہر حال قلعے سے فرار ہونے کی ناکام کوشش میں وہ پکڑا گیا۔

حکیم مقنع کی موت کے متعلق بعض مختلف روایتیں ہیں،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے اور انہوں نے مقنع کو قتل کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے پہلے اپنے تمام رفقا اور رشتہ داروں کو زہر پلایا اور پھر خود بھی زہر پی لیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے ایک گڑھے میں آگ جلوائی اور اور اپنے معتقدین کو جمع کر کے کہا کہ جو لوگ میرے ساتھ فردوس بریں میں رہنا چاہتے ہیں وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود جائیں۔ چنانچہ بہت لوگ اس آگ میں کود گئے ان میں حکیم مقنع بھی تھا۔

اس کے خاندان کی ایک عورت جو اس واقعے میں بچ گئی تھی اس کے کہنے کے مطابق مقنع نے ایک بڑی دعوت کی جس میں اس کے خاندان کے تمام افراد، بیویاں، لونڈیاں کنیزیں اور قریبی رفقا شامل تھے سب کو کھانے میں زہر کھلا دیا۔ اس کے بعد اس نے آگ کا ایک گڑھا روشن کر کے اپنی نقاب اتاری اور سر کے بل اس الاؤ میں خود کو جھونک دیا۔ اس عورت کا کہنا تھا کہ اس نے پہلی بار مقنع کو بغیر نقاب کے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ انتہائی بد نما اور گھناؤنا تھا۔ اس کے سپاٹ گلے سڑے چہرے سے ناک اور ہونٹ گل کر گر چکے تھے۔ اس کی کچھ انگلیاں بھی جھڑ چکی تھیں۔

مقنع کے بنائے چاند کے متعلق دور جدید میں ماہرین مختلف تھیوریز پیش کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس نے پارے اور چاندی کے الغم سے کوئی دیو ھیکل محدب عدسہ یا کُرّہ تیار کیا تھا جو چاند کی روشنی کو کئی گنا زیادہ روشن منعکس کرتا تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس نے کوئی ایسا میکانکی آلہ تیار کیا تھا جو اس کُرے کو بہت بلندی پر لے جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن عام خیال یہی ہے کہ کچھ علم کیمیا کے ساتھ ساتھ چاہِ نخشب کے اس چاند میں مقنع کی جادوگری، شعبدے بازی اور نظر بندی کا کمال بھی تھا۔

چاند کا یہ خدا آٹھ سال (785-775ء)لوگوں میں اپنی جھوٹی خدائی کے دعوے گھڑ تا رہا لیکن بالآخر اپنے انجام کو پہنچا۔ ابن مقنع کی موت کے بعد اس کا چڑھایا ہوا چاند چند دنوں تک آسمان کو روشن کرتا رہا لیکن ایک دن چاہ نخشب میں ڈوب کر ٹوٹ گیا اور ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

شمسی توانائی کے ایک ماہر سائنس دان عباس علی رستم (ایرانی) نے چاہ نخشب کی سائنسی تحقیق "سیکرٹ آف مون آف نخشب" کے عنوان سے لکھی ہے جو کافی دلچسپ ہے- انہوں نے نیوٹن کے ایک اصول کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق کسی بھی مائع سیال کو ایک خاص رفتار سے گول گھمایا جائے تو وہ روشنی کو کئی گنا بڑھا کر منعکس کرتا ہے- دنیا کی پہلی دوربین بھی اسی اصول کے تحت ایجاد ہوئی تھی-

تاریخ میں درج ہے کہ جب عباسی فوج نخشب پہ غالب ہوئی تو انہیں کنویں میں پارہ سے بھرے ہوئے ایک بڑے برتن کے سوا کچھ نہ ملا- عباس علی رستم کے مطابق نخشب پارہ سے بھرے ہوئے اس برتن کو خُفیہ پلیوں سے گھماتا تھا- کنویں میں آئینے کے ذریعے اصل چاند کا عکس ڈالا جاتا جو منعکس ہو کر اصلی چاند کی روشنی کئی گنا بڑھا کر فضاء میں چاند کی شبیہ پیدا کرتا تھا-

عبداللہ بن میمون اھوازی

عبداللہ بن میمون: اہوازی، دیصانی، اور تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی سے متعلق شخصیت

محمد بن علی بن رزام طائی کوفی — جو چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشروں کے مصنف ہیں — نے اپنی کتاب **'ردّ علی الاسماعیلیہ'** میں بظاہر پہلی مرتبہ فاطمیوں کے بانی اور قرمطی تحریک کے مؤسس کو **عبداللہ بن میمون** قرار دیا ہے۔ ابن رزام کی اصل کتاب ضائع ہو چکی ہے، لیکن اس کا مواد **ابن ندیم** کی الفہرست میں محفوظ رہ گیا ہے۔ ابن ندیم یہ لکھنے کے بعد کہ وہ اس خبر کی صحت یا عدم صحت کی ذمہ داری نہیں لیتا، ابن رزام کا بیان نقل کرتا ہے کہ:

عبداللہ بن میمون ایک ایسی شخصیت ہے جس کے بارے میں تاریخ میں مختلف اور متضاد اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان علما، شیعہ (اثنا عشریہ) اور اسماعیلی مؤرخین — سب نے اسے الگ الگ انداز سے ذکر کیا ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان محققین اور مستشرقین کے ہاں اس کے بارے میں مختلف نظریات سامنے آئے ہیں۔

ابن رزام کے مطابق، عبداللہ کا والد میمون اور وہ خود دونوں دیصانیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ عبداللہ نے ایک مدت تک نبوت کا دعویٰ کیا اور طرح طرح کے شعبدے دکھائے۔ وہ عسکرِ مکرم (خوزستان) گیا، پھر بصرہ پہنچا اور وہاں بنی عقیل بن ابی طالب کے کچھ افراد کے پاس ٹھہرا۔ اس نے اپنے داعیوں کو کوفہ میں بھیجا۔ حمدان بن اشعث المعروف قرمط بھی اس کے داعیوں میں سے تھا۔ اسی طرح عبدان کو بھی اس نے اپنی دعوت کے فروغ کے لیے منتخب کیا۔

یہ واقعات سن 261 ہجری میں پیش آئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن میمون کی وفات ہو گئی اور اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین بنا۔ محمد کے بعد اختلافات پیدا ہوئے، یہاں تک کہ سعید بن حسین بن عبداللہ بن میمون نے دعوت کی ذمہ داری سنبھالی۔ سعید نے اپنی دعوت کا پھیلاؤ بنی علیص کلبیوں میں کیا۔ ابو عبداللہ اور اس کے بیٹوں نے علوی اور بنی عقیل سے نسبت کا دعویٰ کیا۔ بعد ازاں سعید مصر چلا گیا اور اپنے آپ کو علوی اور فاطمی بتاتے ہوئے عبید اللہ کہلوانے لگا۔ لیکن عباسی خلیفہ معتضد کے خوف سے مغرب (شمالی افریقہ) کی طرف بھاگ گیا۔

ابن رزام کی خبر اس مقام پر مغشوش (گڈمڈ) ہونے لگتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سعید کو محسوس ہوا کہ لوگ اس کی بنی عقیل سے نسب کا دعویٰ قبول نہیں کر رہے، تو اس نے ایک کم سن لڑکے کو پیش کیا اور کہا کہ یہ محمد بن اسماعیل کی اولاد سے ہے، اور اس کا نام حسن ابو القاسم ہے۔ اس کے مطابق، عبید اللہ کے بعد یہی لڑکا قائم بأمر اللہ ہو گا۔

یہی روایت، کچھ اختلاف کے ساتھ، چوتھی صدی ہجری کے آخر میں زندہ رہنے والے شریف اخو محسن (علوی دمشقی) نے بھی نقل کی ہے۔ مقریزی نے اتعاظ الحنفا میں اخو محسن کی تمام روایات کو بیان کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس کا ماخذ دراصل ابن رزام ہی ہے۔ نویری اور ابن شداد نے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن میمون قداح کے بارے میں یہ تصور سب سے پہلے ابن رزام نے چوتھی صدی ہجری میں گھڑا، اور بعد کے مورخین — خاص طور پر اہلِ سنت مؤرخین — نے اسی سے اقتباس کیا۔

ابن رزام کی خبر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس نے واقعات کا زمانہ 261 ہجری بتایا ہے، یعنی اس نے عبداللہ بن میمون کو تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی کا فرد قرار دیا۔ یہ رائے مستشرقین جیسے دوساسی، دوزی، ایڈورڈ براون، اور پطروشفسکی نے بھی قبول کی۔ لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے

کہ ابن میمون کی حقیقی شخصیت دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی میں زندہ تھی۔ اس پر تفصیل سے آگے بحث کی جائے گی۔

ابن رزام کا ایک اور دعویٰ یہ تھا کہ اسماعیلی اماموں کو عبید اللہ مہدی تک عبد اللہ بن میمون کی نسل سے قرار دیا جائے، اور ابو القاسم قائم بأمر اللہ — جس کا نام وہ حسن لکھتا ہے — کو ایک ایسے شخص کی نسل سے بتاتا ہے جس کا وہ نام بھی نہیں لیتا۔

اکثر مورخین نے مہدی کو عبد اللہ بن میمون قدح کی طرف منسوب کیا ہے۔ میمون ایران کا باشندہ تھا اور مختلف ادیان و مذاہب کے اصول سے خوب واقف تھا۔ اس نے زنادقہ کی تائید میں 'کتاب المیزان' لکھی ہے۔ جس پڑھنے سے آدمی لامذہب ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہر میں اپنے مریدوں سے محمد بن اسمعیل کی بیعت لیتا تھا، لیکن حقیقت میں خود ملحد اور زندیق تھا۔ اس کے بیٹا عبد اللہ جس نے اپنے باپ سے اسرار دعوت اسماعیلیہ سیکھے۔ اس کا پیشہ آنکھوں کا علاج تھا۔ اس لیے وہ قداح کے نام سے مشہور تھا اس نے دعوت اسماعیلہ کے نو مدارج فری مسنری کی مانند مرتب کیے۔ جن کو طے کرنے کے بعد اباحی بن جاتا ہے۔ یعنی اعمال شریعت چھوڑ دیتا ہے اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے۔ یہ اپنے وطن ' قوس العباس ' جو اہواز کا ایک موضع ہے سے عسکر مکرم پہنچا۔ جہاں اس نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کیا۔ اس طرح اس نے شہرت اور مال و دولت حاصل کی۔ یہاں کے شیعہ باشندوں پر یہ راز کھل گیا تو وہ بصرہ سے ہوتا ہوا سلیمہ پہنچا اور مہدی کے ظاہر ہونے تک اس کے جانشین یہیں رہے اور عبد اللہ کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے احمد نے اس کی جگہ لی۔

طلبی ہونے کا دعویٰ

اس خاندان میں احمد پہلا شخص ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں عقیل بن طالب کی نسل سے ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد کہنے لگا۔ میں حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں شامل ہوں۔ اس نے دعوت اسمٰعیلیہ کی اشاعت کی کوشش بہت کی اور مختلف شہروں میں کئی داعی بھیجے۔ جن میں مشہور حسین اہوازی ہے جو عراق کی سمت روانہ کیا۔ اس داعی کی ملاقات حمدان بن اشعث (قرمط) سے ہوئی، جو قرامطہ کا بانی تھا۔

عبد اللہ المہدی

احمد کے انتقال کے بعد اس کے دو بیٹوں حسین اور ابو شلطع محمد مجیب سے حسین اس کا جانشین ہوا۔ اس نے سلمیہ کی ایک یہودن سے نکاح کیا۔ مگر قبل اس کے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے اس نے یہودن کے اس لڑکے جو اس کے پہلے شوہر سے تھا متبنیٰ بنا کر اسے اپنا جانشین قرار دیا۔ لیکن اس کا بھائی چونکہ اس لڑکے کی عمر صرف دس سال تھی اس لیے اس نے اپنے بھائی ابو الشلطع کو اس کا ولی مقرر کیا۔ اس لڑکے کا اصل نام ابو سعید الخیر تھا۔ وہ 73 سال کی عمر میں جب کہ مہدی کی حیثیت پر قادہ میں ظاہر ہوا اور اس نے اپنا نام عبد اللہ (عبید اللہ) رکھا۔

ویصان

پرفیسر اولیری کا کہنا ہے کہ جو لوگ یہ کہتا ہے کہ میمون ویصان ثنوی کا لڑکا ہے ان کا مقصد صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاطمین کو زنادقہ کی طرف منسوب کریں۔ کیوں کہ تاریخ میں جو شخص ابن ویصان سے مشہور تھا، وہ وہی ہے جو ثنویت کا قائل تھا اور جسے لوگ زندیق کہا کرتے تھے۔ میمون کو ویصان کا لڑکا قرار دینا بھاری تاریخی غلطی ہو گی۔ کیوں کہ ابن ویصان ثنوی میمون سے تقریباً چار سو سال بیشتر فوت ہو چکا تھا۔

اب ندیم الفہرست میں لکھتا ہے عبد اللہ میمون کا لڑکا ہے جو قداح کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص قوزح العباس (کرج) کا رہنے والا تھا، جو اہواز کے قریب ایک موضع ہے۔ اس کے باپ کی طرف سے فرقہ میمونہ منسوب ہے۔ یہ لڑکا ظاہر میں ابو الخطاب محمد بن ابو زینب کی جو علی بن ابی طالب کی الوہیت کا قائل تھا کی پیروی کرتا تھا۔ میمون اور اس کا لڑکا عبد اللہ دونوں ویصانی تھے۔ عبد اللہ ایک مدت تک نبوت کا دعویٰ کیا، وہ بڑا شعبدہ باز تھا اور دور دراز ملکوں کی خبر دیتا تھا۔ ابن ندیم کا پہلے میمون کا مذہب بیان کرتا اور اس کے بعد کہتا کہ وہ اور اس کا لڑکا دونوں ویصانی تھے۔ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دونوں ویصان کے لڑکے نہیں تھے۔ بلکہ ویصان کی طرح وہ بھی ثنوی تھے۔

کفیل

اسماعیلی داعی ادریس کی روایت کے مطابق اسمعیل کے انتقال کے بعد جب محمد ان کے جانشین ہوئے تو ان کو جعفر صادق نے چھپا دیا اور عوام میں موسیٰ کاظم کو ان کا حجاب یا مستودع (یعنی ظاہری نائب) بنا دیا۔ چونکہ میمون دعوت باطنیہ کا صدر تھا، لہذا عام لوگوں نے سمجھ لیا کہ مہدی میمون کی اولاد میں سے ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس طرح دو سلسلے قائم ہو گئے۔ ایک سلسلہ اماموں کا دوسرا کفیلوں کا ہے۔ اسماعلیوں کی روایت کے مطابق امام اور کفیل کی ترتیب اس طرح ہے۔

دی غویہ کا تبصرہ

دی غویہ Doeje کا کہنا ہے کہ عرب اور اسلام سے بڑی نفرت کا ہی وہ سبب تھا جس نے تیسری صدی کے نصف میں ایک شخص عبد اللہ میمون کو جو پیشے سے قداح اور نسل کے اعتبار سے ایرانی تھا ایسی تجویز سمجھائی جو بڑی دلیری اور چالاکی سے سوچی گئی اور غیر معمولی یقین اور قوت سے عمل میں لائی گئی۔

دی غویہ Doeje مزی لکھتا ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایسے ذریعہ فراہم کیے گئے جو بجا طور پر شیطانی کہے جاسکتے ہیں۔ انسانی کمزوری کے ہر پہلو پر حملہ کیا گیا، ایمان لانے والوں کو جاں نثاری سکھائی گئی، بے پروا اشخاص کو صرف رخصت ہی نہیں بلکہ آزادی کی تعلیم دی گئی، عقلمندوں کو فلسفہ سکھایا گیا۔ متعصبوں کو آخرت کی امیدیں دلائیں گئیں اور عام لوگوں کو معجزے دیکھائے گئے۔ اسی طرح یہود کے سامنے ایک مسیح، نصاری کے روبرو ایک فارقلیط، مسلمانوں کے لیے ایک مہدی اور ایرانی اور شامی مشرکوں کے لیے ایک فلسفیانہ مذہبی نظام پیش کیا گیا، جو ہمارے لیے حیرت انگیز ہے اور اگر ہم اس کے مقصد کو بھول سکیں تو ہماری تحسین کا مستحق ہے۔

دوزی Dozy کا کہنا ہے کہ فاتح اور مفتوح کو ایک ہی جماعت میں مربوط کرنا اور آزاد خیال آدمیوں کو جو مذہب کو عام لوگوں کے لیے ایک لگام سمجھتے ہیں ایک ہی انجمن میں جس کی تعلیم کے مختلف مدارج ہوں شامل کرنا، مومنوں کو کافروں کی حکومت قائم کرنے کے لیے ہتیار بنانا، غرض کہ ایک بڑی متحد اور اطاعت کیش پارٹی اپنے لیے بنانا جو وقت آنے پر تخت اگر خود اس کو نہیں کم از کم اس کو اولاد کو دے سکے۔ یہ تھا عبد اللہ میمون کا زبردست خیال جو اگرچہ عجیب اور بے باک تھا، لیکن عبد اللہ نے اسے اپنی حیرت انگیز فراست، بے مثل ہوشیاری اور ایک انسانی دل کی گہری معرفت سے اسے واقع بنا کر پیش کیا۔

احمد بن کیال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتداء میں لوگوں کو اہل بیت نبوت کی طرف بلاتا تھا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زماں ہوں۔ جونہی دعویٰ مہدویت کیا۔ ہزارہا ارباب علم وفضل نے جن پر اس کی سحر نگاری، جادو بیانی اور منتج گوئی کا جادو چل چکا تھا۔ اس کے دعوؤں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک مرتبہ اپنے مزعومہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور بیان کیا کہ جو شخص عالم آفاق عالم علوی اور عالم النفس (یعنی عالم سفلی) کے مناہج بیان کرنے پر قادر ہو۔ اورانفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے۔ وہ امام ہے اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے اور ہر ایک کلی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ انبیاء ورسل اگرچہ پیشوا ہیں۔ لیکن وہ اہل تقلید کے مقتداء ہیں۔ جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کا پیشرو ہے۔

کہتا تھا کہ عالم تین ہیں۔ اعلیٰ، ادنیٰ، انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی اور سب کو محیط ہے۔ نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔ اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔ سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے۔ چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع کیا۔ لیکن جب نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا اور اس کے اجزاء متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے۔ جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔ پھر اسی حالت عفونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔ اس کے بعد نفس اعلی نے اپنے انوار کا ایک جزو اس میں ڈالا۔ جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں اور آسمان وزمین، مرکبات، نبات، حیوان اور انسان پیدا ہوئے اور ان تراکیب میں کبھی خوشی کبھی رنج کبھی سلامتی کبھی محنت واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ قائم ظاہر ہوا۔ جو اسے کمال تک پہنچا دے اور تراکیب منحل ہو جائیں اور متضادات باطل اور روحانیات جسمانیات پر غالب آجائیں۔ جانتے ہو۔ وہ قائم کون ہے؟۔ یہی عاجز احمد ہے۔

احمد اپنے قائم ہونے پر اس طرح استدلال کرتا تھا کہ دیکھو اسم احمد چاروں عالموں کے مطابق ہے۔ الف... نفس اعلیٰ کے مقابلے میں۔ حا... نفس ناطقہ کے مقابل۔ میم... نفس حیوانیہ کے مقابل۔ اور دال... نفس انسانیہ کے مقابل ہے۔ پھر غور کرو کہ احمد کے چار حرف جیسے عوالم علویہ روحانیہ کے مقابلے میں تھے۔ اسی طرح وہ سفلی جسمانی عالم کے مقابلے میں بھی ہیں۔ کہتا تھا کہ میرے نام کے حرفوں میں الف انسان پر دلالت کرتا ہے۔ حا حیوان پر۔ میم طاہر پر اور دال مچھلی پر اور حق تعالیٰ نے انسان کو احمد کی شکل پر پیدا کیا۔ قد الف، حا دونوں ہاتھ۔ پیٹ میم اور پاؤں دال کی شکل پر ہیں۔ باطنی فرقہ کی طرح تاویل وتحریف کا بڑا دلدادہ تھا۔

علی بن محمد خارجی

علی بن محمد بن عبد الرحیم نام، قبیلہ عبد القیس کا ایک شخص وردیفن مضافات رے میں پیدا ہوا۔ خوارج کے فرقہ زاراقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتداء میں اس کی وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ منتصر عباسی کے بعض حاشیہ نشینوں کی مدح وتوصیف میں قصائد لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیا کرتا تھا۔ جب

امراء کی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے کچھ رسوخ پیدا ہوا تو اس کے دل میں سرداری اور گروہ بندی کے خیالات موجزن ہوئے۔ ۲۴۹ھ میں بغداد سے بحرین چلا گیا اور دعویٰ نبوت کر کے لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دینے لگا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھ پر بھی کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک "صحیفہ آسمانی" بنا رکھا تھا۔ جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان، کہف، اور ص تھے۔ کہتا تھا کہ خدائے برتر نے میری نبوت و امامت کی بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں۔ بعض حضرات نے علی بن محمد خارجی کی جگہ بہبود زنگی کو مدعی نبوت قرار دیا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ زنگیوں کا گمراہ کرنے والا یہی علی بن محمد مدعی نبوت تھا اور بہبود زنگی اس کا امیر البحر تھا۔ بحرین کے اکثر قبائل نے علی بن محمد خارجی کی متابعت اختیار کر لی۔ وہیں اس نے ایک بڑی جمعیت بہم پہنچالی اور بحرین کے بعض عمائد اس کی فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ قریباً پانچ سال تک بحرین میں اقامت گزین رہنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے پیرووں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے بصرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤں۔ چنانچہ ۲۵۴ھ میں چند پیرووں کی رفاقت میں بصرہ چلا آیا۔ بصرہ میں بنو صبیعہ کے ہاں فروکش ہوا۔ ان دنوں محمد بن رجا بصرہ کا عامل تھا اور بلالیہ و سعدیہ کے قبائل میں آتش فساد بھڑک رہی تھی۔ علی بن محمد خارجی نے فریقین میں سے ایک کے ملانے کی کوشش کی۔ راز افشاء ہو گیا۔ محمد بن رجا عالم بصرہ نے چند سپاہیوں کو اس کی گرفتاری پر متعین کیا۔ علی خارجی یہ خبر پا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا بیٹا بیوی اور چند ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ علی بہزار خرابی بغداد پہنچا۔ ایک برس تک مقیم رہ کر پروپیگنڈا میں مصروف رہا۔ اس کے بعد روساء بلالیہ و سعدیہ نے متفق ہو کر محمد بن رجا عالم بصرہ کو نکال دیا اور بصرہ کے قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ رفتہ رفتہ واقعات کی خبر بغداد میں علی خارجی تک پہنچی۔ اس نے میدان خالی پا کر رمضان ۲۵۵ھ میں بصرہ کی طرف مراجعت کی۔

حبشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کی عجیب و غریب چال

بصرہ پہنچ کر علی بن محمد نے قصر قرشی میں قیام کیا اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو جو حبشی غلام میری پناہ میں آجائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبشی غلام اطراف و اکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس نے ایک پرجوش تقریر کر کے ان کو ملک و مال دینے کا وعدہ کیا۔ حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی ایک ریشمین ٹکڑے پر "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ" آخر آیت تک لکھ کر رایت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کرا دیا۔ زنگی غلاموں کے آقاؤں کا رنگ پتلا پڑ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے علی کے پاس اپنے غلاموں کی نسبت کہنے سننے کو آئے۔ علی نے اشارہ کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفاء بصرہ یہ رنگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ آخر علی نے تمام لوگوں کو جنہیں حبشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا۔ الغرض علی خارجی کا رایت اقبال کامیابی کی ہوا میں لہرانے لگا۔ ملک کے ہر چہار طرف سے زنگی غلام جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے آکر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت ان لوگوں کو اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ابھارتا اور ملک و مال پر قبضہ کرنے کی تحریص کر رہا تھا۔ جب حبشی غلاموں کی ایک بڑی جمعیت اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گئی تو ترکتاز کرتے ہوئے سواد، دجلہ، ابلہ اور قادسیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں کہیں حکام نے مقابلہ کیا ہزیمت اٹھائی۔ ان واقعات سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔ اہل بصرہ آئندہ خطرات کا لحاظ کر کے چار دفعہ علی کے مقابلہ پر آئے۔ مگر ہر مرتبہ ہزیمت اٹھائی۔ زنگیوں نے ہر دفعہ ان کے سامان جنگ اور آلات حرب چھیننے اور فتوحات سے زنگی غلاموں کی جرأت

بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے دو سپہ سالار بھیجے گئے۔ مگر دونوں ہزیمت کھا کے اور مال واسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال ودولت سے مال ومال ہوگئے۔ اہل بصرہ نے پانچویں مرتبہ پھر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور ان کے ہزارہا آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان واقعات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت سے ایک ترک افسر جعلان نام ایک فوج گراں کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک پر بھیجا گیا۔ چھ مہینہ تک جنگ وپیکار برپا رہی۔ آخر جعلان جنگ سے دست بردار ہو کر بصرہ چلا آیا۔ زنگیوں نے کامیابی کیساتھ اس کے لشکر گاہ کو لوٹا۔

علی خارجی کے فتوحات

علی خارجی نے ۲۵۲ھ میں بزور تیغ ایلہ میں گھس کر وہاں کے گورنر عبید اللہ بن حمید اور اس کی مختصر فوج کو تہ تیغ کر دیا اور شہر کو آگ لگا دی۔ ایلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب اہواز تک سارا علاقہ علی کے حیطہ اقتدار میں آگیا۔ زنگیوں نے اہواز کو خاطر خواہ لوٹا اور ابراہیم بن مدبر وہاں کے عامل کو گرفتار کر لیا۔ اہل بصرہ زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف وجوانب میں بھاگ گئے۔ ۲۵۷ھ میں خلیفہ معتمد نے سعید بن صالح ایک مشہور سپہ سالار کو زنگیوں کی گوشمالی پر متعین کیا۔ سعید نے میدان جنگ میں پہنچ کر زنگیوں پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ وہ دوبارہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے لڑنے کو بڑھے۔ سعید کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آگئے۔ سعید خائب وخاسر دارالخلافہ سامرا (متصل بغداد) واپس چلا آیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بڑے بڑے معرکوں میں نام پا چکا تھا متعین فرمایا۔ جعفر نے پہلے کشتیوں کی آمدورفت روک دی۔ جس سے زنگیوں کی رسد بند ہوگئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا۔ مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر دریا میں زنگیوں سے شکست کھا کر واپس چلا آیا تھا۔ ان کے مقابلے پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی اصلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کر رہا تھا۔ اس اثناء میں علی بن ریان نے جو زنگیوں کا ایک سپہ سالار تھا۔ اس پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر چڑھائی کر دی۔ آخر نصف شوال ۲۵۷ھ میں بصرہ کو بزور تیغ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل وغارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بیرحم دل کو تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ سہ بارہ قتل وغارت کرتا ہوا بصرہ گیا۔ اہل بصرہ نے امان طلب کی۔ علی بن ریان نے امان دے کر لوگوں کو دارالامارۃ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ مجتمع ہو گئے تو سب کو جرعہ شہادت پلا دیا اور مسجد جامع اور اکثر محلات بصرہ کو آگ لگا دی۔

جب بصرہ کی تباہی وبربادی کی خبریں بغداد (سامرہ) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد معروف بہ مولد کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مولد رخصت ہو کر بصرہ آیا۔ لوگوں نے رو رو کر زنگیوں کے ظلم وجور کی شکایت کی۔ مولد نے ان کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی خارجی نے اپنے جنگی افسر یحیٰی بن محمد کو مولد کے مقابلہ پر بھیجا۔ دس روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی خارجی نے ابولیث اصفہانی کو یحیٰی بن محمد کی کمک پر بھیجا اور حالت غفلت میں شب خون مارنے کی ہدایت کی۔ غرض زنگیوں نے مولد کے لشکر پر شب خون مارا۔ رات بھر۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامدہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابوالعباس کی روانگی اور اسلامی قشون قاہرہ کے فتوحات

اس کے بعد مسلسل نو سال تک دارالخلافہ سے سپہ سالار فوجیں دے کر بھیجے جاتے رہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لا سکا۔ سب کے سب تمام مال واسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے زنگیوں کی سالہا سال کی کامیابیوں اور عساکر سلطانی کو ہزیمتوں سے ملول ہو کر اپنے بھتیجے ابوالعباس معتضد بن موفق کو زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابوالعباس وہ شخص ہے جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہوا اور معتضد باللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ابو العباس ربیع الثانی ۲۶۶ھ کو دس ہزار فوج پیادہ و سوار کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی خارجی نے اس مہم کے لئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ابوالعباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے۔ جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ اس سے اس نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا کہ اول تو ابوالعباس ہماری کثرت فوج سے خائف ہو کر بر سر مقابلہ نہ آئے گا اور اگر مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کی تو ایک ہی حملہ میں اس کے دانت کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ کبھی لڑائی کا نام نہ لے گا۔ ابوالعباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا۔ پہنچ کر فریق مقابل کی خبریں لانے کے لئے جاسوس دوڑائے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی آن پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے لشکر کا پہلا حصہ قصبہ صلح کے کنارے پر ہے اور آخری حصہ لشکر نشیبی واسط تک پھیلا ہوا ہے۔ ابو العباس متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں غنیم کے مقدمۃ الجیش سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ابوالعباس نے پہلے تو اپنے پر زور حملہ سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ مگر مصلحتاً خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی پسپائی سے قوی دل ہو کر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابوالعباس نے اس سے پیشتر دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کیا تھا۔ جس کی قیادت ابوحمزہ نصری کے سپرد تھی۔ چنانچہ نصیر بھی ابوالعباس کے حسب ہدایت اپنی فوجوں کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابوالعباس نے للکار کر کہا نصیر! کیا دیکھتے ہو؟۔ یہ کہتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔ نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اپنا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہو گئے اور کچھ سوجھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سراسیمگی میں دریا کی طرف بھاگے۔ ابوالعباس نے رومال یا جھنڈی کے اشارہ سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاً حملہ کا حکم دیا۔ غرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آ گئے۔ آخر گھبرا کر جدھر راستہ پایا بھاگ کھڑے ہوئے۔ عساکر خلافت نے چھ کوس تک تعاقب کیا اور جو کچھ غنیم کے لشکر گاہ میں تھا لوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور مسلسل ہزیمتوں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابوالعباس نے واسط سے ایک کوس ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ اب دونوں فریق از سر نو اپنی اپنی فوج کی اصلاح اور ضروریات حرب کی ترتیب میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جامع اپنے لشکر کو تین حصوں میں منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابو العباس کی طرف بڑھا اور چند دستہ فوج کو کشتیوں پر سوار کر کے براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوالعباس اور نصیر نے اپنی ہمت دریائی حملہ کی روک تھام پر مبذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بدست لڑنے کا اشارہ کیا۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ دوپہر تک آتش حرب شعلہ زن رہی۔ ظہر کے قریب زنگی ہمت ہار بیٹھے اور نہایت افراتفری اور بے ترتیبی کے ساتھ بخوف جان بھاگنے لگے۔ ظہر کے بعد زنگیوں کے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ ابوالعباس لشکر غنیم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا اور زنگیوں کی جنگی کشتیاں گرفتار کر لی گئی۔ ہزاروں زنگی موت کی گھاٹ اترے۔ ابوالعباس مظفر و منصور اپنے لشکر گاہ کو واپس آیا۔

زنگیوں نے لشکر خلافت کے راستہ میں گڑھے کھود دیئے

زنگیوں نے اپنی ہزیمت و فرار کے بعد خلیفہ المسلمین کے لشکر کی ایذار سانی کے لئے یہ شیطنت کی کہ آیندہ جس طرف سے لشکر خلافت کا گزر ہونے والا تھا۔ اس راستہ میں بڑے بڑے کنوئیں اور گڑھے کھود کر انہیں گھاس پھوس اور مٹی سے پاٹ دیا۔ ابوالعباس کی فوج اپنی فتح کے نشہ میں سرشار اعداء کی چالوں سے غافل تھی۔ بوقت مراجعت اسی راستہ سے ہو کر گزری۔ مگر غنیمت ہے کہ ابھی دو چار ہی سوار ان گڑھوں میں گرے تھے کہ متنبہ ہوگئے۔ شاہی لشکر نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرلی۔ ابوالعباس کو زنگیوں کی اس کمینہ حرکت پر سخت طیش آیا اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینے لگا۔ پہلی فتح کے بعد عساکر خلافت نے فتوحات کا دروازہ کھولا تو اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی ہزیمتوں ہوئیں۔ جن کی تفصیل کو بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جب علی خارجی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اپنے دونوں سپہ سالاروں علی بن ابان اور سلیمان بن جامع کو متفرق و منتشر ہو کر لڑنے پر ملامت کی اور دونوں کو مجموعی قوت سے ابوالعباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابوالعباس تنہا زنگیوں کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا اور اس نے نصرت الٰہی کے بل پر باوجود نوعمری اور ناتجربہ کاری کے نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب خلیفہ کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کی فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدہ شکر بجالایا اور جب یہ سنا کہ علی ابن ابان اور سلیمان یکجا ہو کر اس کے بیٹے ابوالعباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ کے استصواب رائے سے بہ نفس نفیس ۲۶۷ھ میں ایک بھاری فوج کے ساتھ بغداد سے کوچ کر دیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس سے ملا۔ موفق نے ابوالعباس کے فوجی افسروں کو خلعت گرانبہا اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ابوالعباس باپ سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں واپس آیا۔ دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جا کر قیام کیا۔ تیسرے روز ابوالعباس نے محاصرہ کے قصد سے منیعہ کی طرف کوچ کیا۔ موفق بھی دریا کی طرف سے منیعہ کی طرف بڑھا اور ۸ ربیع الثانی ۲۶۷ھ کو دونوں باپ بیٹا نے دو طرف سے منیعہ پر دھاوا کیا۔ زنگیوں کو موفق کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جھرمٹ باندھ کر ابوالعباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش جنگ شعلہ زن ہوئی۔ اس اثناء میں موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ زنگی فوجیں اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو کر جوں ہی حفاظت شہر کی طرف مائل ہوئیں۔ ابوالعباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں گھس پڑے۔ زنگیوں کا خوب قتل عام ہوا۔ ہزاروں زنگی قید ہوئے۔ موفق اس فتح کے بعد اپنے کیمپ میں واپس آیا۔ تقریباً ڈیرھ ہزار مسلم خواتین زنگیوں کے پنجہ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد وغلہ ہاتھ آیا۔ زنگیوں کا سپہ سالار شعرانی اپنی بچی کھچی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر جنگل میں جا چھپا۔

منصورہ پر عساکر خلافت کا قبضہ

اس اثناء میں جاسوسوں نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گزار کیا کہ سلیمان ابن جامع اس وقت حوانیت میں مقیم ہے۔ موفق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج کو فوراً تیاری کا حکم دیا۔ اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس کو دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کو لے کر بڑھنے کا اشارہ دیا اور خود خشکی کی راہ سے کوچ کر کے منیعہ پہنچا۔ زنگیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ شام تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت ایک زنگی افسر نے ابوالعباس کے پاس آکر امان کی درخواست کی۔ ابوالعباس نے امان دے کر سلیمان بن جامع کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ابن جامع اس وقت اپنے شہر منصورہ میں مقیم ہے۔ ابن جامع نے طہشا کو منصورہ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ ابوالعباس یہ سن کر اپنے باپ موفق کی خدمت میں واپس آیا اور اسے ان واقعات سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا اور خود بھی اس کے بعد ہی کوچ کر دیا۔ طہشا (منصورہ) کے قریب پہنچ کر دو میل

کے فاصلہ پر مورچہ بندی کی۔ دوسرے دن زنگیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت آ گیا۔ موفق اپنے کیمپ کو واپس آیا اور زنگیوں کا لشکر منصورہ واپس گیا۔

موفق نے آخر شب میں بیدار ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگی کشتیوں کو دریا کی راہ سے منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ موفق نماز صبح با جماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلطانہ کی جناب میں حضور قلب سے دعا کر تا رہا۔ جوں ہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی۔ دھاوا کا حکم دے دیا۔ عساکر خلافت کا ایک دستہ شیر غران کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پناہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابو العباس اس دستہ کا قائد تھا۔ زنگیوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک بڑے زور و شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ عساکر خلافت نے تعقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کی۔ اس اثناء میں جنگی کشتیاں دریا کی راہ سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اتر کر شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا اور اس اثناء میں ابو العباس کا دستہ فوج خندق پر لکڑی کا ایک مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کا قصد کیا۔ مگر ناکام رہے۔ کیونکہ ایک حصہ پر اس سے قبل خلیفہ کی فوج قابض ہو چکی تھی اور لحظہ بہ لحظہ بقیہ حصہ شہر بھی سپاہ خلیفہ کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ غرض زنگی بری طرح منہزم ہوئے۔ ہزاروں قتل اور ہزارہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیتہ السیف کو لے کر بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر ابن جامع بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے۔ خارجیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل و عیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد موفق اور زنگیوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں لشکر خلافت ہمیشہ مظفر و منصور رہا۔ موفق نے غنیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو زنگیوں کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی۔ اس کے بعد زنگیوں کے بعض منہزمین نے امان اور جان بخشی کی درخواست کی۔ جس کو موفق نے بطیب خاطر منظور فرمایا۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح مغربی بھی امان کا طالب ہوا۔

شہر مختارہ کا محاصرہ اور بہبود زنگی کی ہلاکت

اب عساکر خلافت نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق اور اس کے فرزند نے مختار کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ موفق نے رات کے وقت نقشہ جنگ اور فصیلوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کے لئے شہر کے ارد گرد چکر لگایا۔ فصیلیں نہایت مستحکم تھیں۔ چاروں طرف چوڑی چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش حفاظت میں لئے ہوئے تھیں۔ موفق نے شہر پناہ کی مضبوطی دیکھ کر امید و بیم کی کشمکش میں مراجعت کی۔ علی الصباح دریا کی راہ سے کشتیوں کے ساتھ ابو العباس کو بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ سے مختارہ پر دھاوا کیا۔ ابو العباس نے نہایت چابک دستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شہر پناہ کی دیوار سے ملا دیا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اتر پڑتا۔ زنگیوں نے دیکھ لیا۔ شور و غل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر ابو العباس کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابو العباس کی کشتیوں کے ساتھ زنگیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں اور سپاہیوں سمیت چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔ موفق نے نہ صرف انہیں امان دی۔ بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی خارجی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً دہانہ دریا پر چند آدمیوں کو مامور کیا۔ تاکہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایہ عاطفت میں جا کر طالب امان نہ ہو سکیں۔ اب علی خارجی نے اپنے امیر البحر بہبود زنگی کو دریا کی طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو العباس مقابلہ پر آیا۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد بہبود کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد بہبود

نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ ایک جنگی کشتی پر تھوڑی سی فوج لئے ہوئے دریا میں گشت کر تا رہتا تھا۔ چونکہ اس نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے اپنی کشتی پر عباسی پھریرا نصب کرر کھا تھا۔ اسلامی جنگی کشتیوں کا بیڑا یہ خیال کر کے کہ یہ بھی کوئی اسلامی کشتی ہے۔ معترض نہ ہوتا اور یہ موقع پا کر ان پر ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک بار ابو العباس کے کان میں بہبود کے کرتوت کی بھنک پڑ گئی اور ابو العباس کے ہاتھ بھی لگ گیا۔ مگر کسی طرح بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول ایک اسلامی کشتی پر حملہ آور ہوا۔ اہل کشتی نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ جس وقت دونوں کشتیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ موفق کے ایک غلام نے لپک کر اس کے پیٹ میں ایک ایسا نیزہ مارا کہ جگر کے پار ہو گیا۔ بہبود تڑپ کر دریا میں گر گیا اور ہمیشہ کے لئے دریا کے جگر میں بسیرا کر لیا۔ موفق نے اہل کشتی اور اس غلام کو انعامات دیئے۔ جس طرح بہبود کا مارا جانا موفق کے فتوحات کبریٰ کا پیش خیمہ تھا۔ اسی طرح یہ زنگیوں کے ادبار کا بھی مقدمہ تھا۔ اس شخص کے مارے جانے سے عسکر اسلامی کو بہت بڑی راحت اور عافیت نصیب ہوئی۔

مختارہ کا محاصرہ اور پچاس ہزار زنگیوں کا حلف اطاعت

۱۵ شعبان ۲۶۷ھ کو موفق نے پھر اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پچاس ہزار عباسی فوج کا سیلاب دریا اور خشکی کی طرف سے مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس معرکہ میں زنگیوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ مگر موفق نے باوجود قلت تعداد اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے کر دیئے۔ موفق نے منادی کرا دی کہ جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو۔ وہ ہم سے امن کا خواستگار ہو اور جس کو اپنی جان دوبھر ہو۔ اپنے مال واسباب کو لاوارث، بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کرنا ہو، وہ ہماری شمشیر ہائے خاراشگاف کے مقابلہ پر آئے۔ یہ رعایت خاص وعام باشندگان مختارہ اور زنگی فوج کے لئے ہے۔ خواہ سردار ہوں یا سپاہی۔ اس مضمون کے رقعے بھی لکھ لکھ کر اور تیروں سے باندھ کر شہر میں پھنکوائے۔ چنانچہ اکثر زنگی سپاہیوں اور مختارہ کے باشندوں نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ جنہیں موفق نے امان دینے کے ساتھ خلعت اور انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ان نوازشات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلا جدال و قتال علی خارجی کا جتھہ ٹوٹ گیا اور اس کے اکثر ساتھی اس سے علیحدہ ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آئے۔ مختارہ محصور تھا۔ مگر موفق پھر بھی لوگوں کو اپنے احسان اور حسن سلوک سے گرانبار کر رہا تھا۔ اس حکمت عملی سے ہزارہا زنگی آئے دن گرویدہ احسان ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آرہے تھے۔ چنانچہ رمضان کے اخیر تک پچاس ہزار زنگیوں نے عباسی علم کے سایہ میں آکر حلف اطاعت اٹھایا۔

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موفقیہ نام ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاؤنی اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان تیار ہو گئے۔ جامع مسجد بن گئی اور دارالامارۃ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام ممالک محروسہ میں آبادی کے لئے تجار کے نام گشتی فرمان بھیج دیئے۔ بات کی بات ہر قسم کے سامان اور مایحتاج کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کے ضرورتیں مہیا ہونے لگیں۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش

ماہ شوال میں علی خارجی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلا قتال سے مضطرب و پریشان ہو کر اپنے سپہ سالار علی بن ابان کو موفق پر حملہ کرنے کے غرض سے روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ رات کے وقت تاریکی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کر و اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا چکر کاٹ کر صبح

صادق کے نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج ادائے نماز میں مصروف ہو۔ پس پشت حملہ کر دو اور جونہی تم حملہ کرو گے میں بھی معاً مقابلہ پر آجاؤں گا۔ علی نے اس رائے کو نظر استحسان سے دیکھ کر تیاری کر دی اور اس قرارداد کے بموجب آدھی رات سے پہلے دریا عبور کر گیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق تک پہنچا دی۔ موفق نے اسی وقت ابو العباس کو علی بن ابان کی مدافعت و معرکہ آرائی پر روانہ کیا۔ ابو العباس نے بیس جنگی جہاز اور پندرہ کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں۔ تاکہ علی بن ابان بحالت ہزیمت دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے اس راستہ پر جا کر کمین گاہ میں چھپ رہا جس طرف سے علی آنے والا تھا۔ جونہی علی ابن ابان اس راہ سے گذرا۔ ابو العباس نے حملہ کر دیا۔ زنگی اس اچانک و غیر متوقع حملہ سے بے اوسان ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ زنگی مخبوط الحواس ہو کر دریا کی طرف بھاگے۔ بحری فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی اکثر زنگی کام آئے۔ بہتیرے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب ابو العباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگا لیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات استفسار کئے۔ اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے علی خارجی کے محل سرائے کے سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جائو۔ علی خارجی اور اس کے پیرووں کو اس واقعہ کی ہنوز کوئی اطلاع نہ تھی۔ تمسخر سے کہنے لگے موفق نے یہ رنگ اچھا جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ بخت زنگیوں کو قیدی بنایا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے اور یہ سر تمام مصنوعی ہیں۔ انسانوں کے سر نہیں۔ مگر خوب نقل اتاری ہے۔ جاسوسوں نے خارجی کا یہ مقولہ موفق کے گوش گذار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجنیقوں (جنگی گوپھنوں) میں رکھ کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو ایک ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلانے لگتا۔ علی خارجی بھی سروں کے دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے بعد ابو العباس اور زنگیوں میں متعدد دریائی لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں ابو العباس فتح مند رہا۔ حتیٰ کہ زنگیوں کی رسد آنا بند ہو گئی۔ اتنے میں شہر کا غلہ بھی اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ زنگیوں کے بڑے بڑے سورما اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت محاصرہ سے تنگ آ کر شہر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ موفق نے انہیں امان دے کر صلے دیئے اور اپنے خاص مصاحبین کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ علی خارجی نے اپنی روز افزوں، ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی جمعیت سے شہر کی غربی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے جھٹ یہ خبر موفق کے کانوں تک پہنچا دی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سینکڑوں نے دامن دریا میں جا بسیرا کیا اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی۔ اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت زوبزوال تھی۔ علی خارجی نے دوبارہ ناکہ بندی کا انتظام کیا۔ چیدہ چیدہ سرداروں کو راستہ کی محافظت پر مامور کیا اور دو افسروں کو حکم دیا کہ موفق کے لشکر میں امان حاصل کر کے جاؤ اور اس سے کہو کہ طول حصار سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ آئو ہم تم کھلے میدان میں لڑ کر اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

نہروں کا عبور اور فصیل شہر پر محاصرین کا قبضہ

موفق نے اس پیام پر ابو العباس کو غربی نہر کی جانب حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ شہر کی یہ سمت زنگی سردار علی بن ابان کے سپرد تھی۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ شور و غل سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ دو پہر ہوتے ہوتے ابو العباس کی فتح اور علی بن ابان کی شکست کے آثار ہویدا ہوئے۔ ظہر کے قریب علی بن ابان اپنے مورچہ سے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے کو ہٹا۔ اس اثنا میں خارجی نے سلیمان بن جامع کو ایک تازہ دم دستہ فوج کے ساتھ ابن ابان کی کمک پر روانہ کیا۔ جس سے علی کے قدم پھر جم گئے۔ شام تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر ابو العباس مظفر و منصور ہوا اور زنگی شہر کی طرف بھاگ نکلے۔

اب موفق نے نہر تراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی کے وقت سے مہیا رکھا جائے۔ موفق نے افسروں سے فرمایا خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ضرور ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائے گا۔ سرداران فوج حملہ کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ علی الصباح تیار ہو کر موفق کے خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کا حکم دیا اور خود بھی ۲۶ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرف موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھا جاتا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بکثرت موجود تھے۔ علی خارجی سلیمان بن جامع اور علی بن ابان بھی اسی طرف تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

علی خارجی نے موفق کے لشکر کو اس طرف بڑھتا دیکھ کر سنگ باری کا حکم دیا۔ منجنیقیں نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑاتڑ پتھر بسنے لگے۔ قدراندازوں نے روح و تن کر فیصلہ کرنے کو تیر کمانیں اٹھالیں۔ ایسی حالت میں نہر کا عبور کرنا اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب موفق کا لشکر نہر کے قریب پہنچا تو اس جاں ستان و زہرہ گداز منظر کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ موفق نے للکار کے کہا۔ میرے شیرو! کیا یہ منجنیقیں جنہیں یہ سیاہ بخت زنگی چلا رہے ہیں تمہارے عزم و ثبات اور مردانگی کی راہ میں حائل ہو جائیں گی؟۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری جوانمردی اور دلاوری کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برقی قوت تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ جاں نثاران ملت بے تامل بات کی بات نہر عبور کر گئے۔ نہ تیروں کی برسات کا خوف کیا۔ نہ سنگباری کی کچھ پروا کی۔ اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہنچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ کے بہادر سپاہی سیڑھیاں لگا کر فصیل شہر پر چڑھ گئے اور لڑ بھڑ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنیقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگا دی۔ زنگیوں کا ایک جم غفیر مارا گیا۔

زنگیوں کی مزید ہزیمتیں

دوسری طرف ابو العباس مصروف پیکار تھا۔ اس کے مقابلہ میں زنگی سپہ سالار علی بن ابان گیا ہوا تھا۔ ابو العباس نے اس کو پہلے ہی حملہ میں شکست دی اور ہزاروں زنگی تہ تیغ ہوئے۔ علی بن ابان نے بھاگ کر شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابو العباس کا فتح مند لشکر جوش کامیابی میں دیواروں تک پہنچ گیا اور اس میں ایک روزن کر کے بزور تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آ گیا۔ آخر ابو العباس اپنی فوج لے کر واپس آ گیا اور زنگی مزدوروں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔ مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیواروں میں متعدد روزن کر لئے اور خندق پر ایک ہنگامی پل

بھی بنالیا جس سے بآسانی تمام لشکر شاہی عبور کر گیا۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی دیر ابن شمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگادی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے۔ مگر آخر کار شکست کھا کر اپنے مقتداء کے پاس جادم لیا۔ خارجی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا اور اپنے لشکر کو جوش دلا دلا کر لڑانے لگا۔ مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر شخص لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر علی خارجی کے خاص خاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی نے فتح مند فوج کو حملہ سے روک دیا اور موفق اپنی فوجوں کو لے کر واپس آگیا۔

محرم ۲۶۸ھ میں زنگیوں کے ایک بہت بڑے معتمد علیہ اور نامور سپہ سالار جعفر بن ابراہیم معروف بہ سجان نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و انقیاد کی گردن جھکا دی اور امان کا خواستگار ہوا۔ موفق نے اسے امان دے کر خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور انعام و اکرام سے گرانبار کیا۔ دوسرے دن خارجی کو دکھانے کی غرض سے اس کو ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار کرا کر علی خارجی کے محل سرا کی طرف روانہ کیا۔ خارجی کے چند فوجی افسر محل سرا سے اس رنجدہ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جس وقت سجان کی کشتی محل سرا کے قریب پہنچی۔ سجان نے ایک دلچسپ اور معنی خیز تقریر میں علی خارجی اور اس کے ساتھیوں کے معائب اور خلیفہ اور اس کے وابستگان دولت کے حسن اخلاق کو بالتفصیل بیان کیا اور واپس چلا آیا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ زنگیوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بہت سے نامی روسا اور منتخب سردار مخفی طور پر موفق کے پاس طلب امان کے لئے کشاں کشاں چلے آرہے تھے۔

اب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ پورے طور پر منعطف کی اور راستہ کے فراخ کرنے میں سر توڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی مزدوروں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار منہدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا اور کبھی جوش میں آکر شمشیر بکف میدان جنگ میں جا پہنچتا۔ آخر کئی روز کی جنگ اور شبانہ روز جانکاہیوں کے بعد نہر سلمیٰ کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو گیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پل تھے۔ جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ محصورین اکثر انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر آپڑتے تھے اور نقصان کثیر پہنچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جبکہ زنگیوں سے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک دستہ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے پر بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی۔ مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اسے دوپہر تک توڑ ڈالا۔ اس کے بعد موفق کی ہمرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار توڑ کر گھس پڑی اور قتل غارت کرتی ہوئی ابن شمعان کے مکان تک بڑھ گئی۔ جہاں علی خارجی کے دو دفاتر تھے۔ زنگیوں نے ہر چند مزاحمت کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا شدید مجروح ہونا اور معرکہ کارزار کا سہ ماہ التوا

مگر سوئے اتفاق سے ۲۵ جمادی الاول ۲۶۹ھ کو ایک معرکہ میں موفق کے سینہ پر ایک تیر آلگا۔ چونکہ زخم بہت گہرا تھا صاحب فراش ہو گیا۔ لڑائی ملتوی ہو گئی۔ آخر تین مہینہ کے بعد زخم مندمل ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے غسل صحت کیا اور عساکر اسلامیہ میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔ لشکریوں کے دل خوش اور چہرے ہشاش بشاش ہو گئے۔ لیکن زنگیوں نے اس مدت میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کر لیا اور حفاظت کے لئے جابجا فوجیں متعین کر دیں۔ موفق نے حصول صحت کے بعد پھر دھاوا کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلمیٰ کے قریب جا کر ٹکر کھانے لگیں۔ جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ زنگی لشکر غازیان اسلام کی مدافعت پر کمر

بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ جان پر کھیل کر پلے پڑتے تھے۔ ایک دن جبکہ اس طرف جنگ جانستان نمونہ قیامت پیش کر رہی تھی۔ موفق نے جنگی بیڑے کو نشیبی نہر ابن خصیب کی جانب سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑہ کو اس تیزی سے وہاں پہنچادیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ بے خبری میں اپنی پوری حربی طاقت سے نہر سلمٰی کے قریب عساکر اسلامیہ سے مصروف پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محل سرا کو جلادیا۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ اور سکان محل کو گرفتار کر لیا۔ غروب کے وقت عساکر خلافت مظفر و منصور میدان کارزار سے فرودگاہ پر واپس آئے۔ اگلے دن نماز صبح ادا کر کے دھاوا کیا۔ اسلامی مقدمۃ الجیش انکلا خبیت کے محل تک قتل و غارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ علی بن ابان سپہ سالار نے نہروں میں جو محل سرائے کے چاروں طرف تھیں پانی جاری کرنے اور خلیفۃ المسلمین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ انکلا کے محل تک نہ پہنچنے پائے۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانع احراق ادویہ کا ضماد

موفق نے حریف کی اس کاروائی سے مطلع ہو کر فوراً اپنی ہمرکاب فوج کو چار دستوں میں تقسیم کر کے ایک کو خندق اور نہر کے پاٹنے پر متعین فرمایا اور دوسرے دستہ فوج کو دجلہ کی جانب سے خارجی کے قصر پر حملہ کا اشارہ کیا۔ اسی تیسرے دستہ کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا۔ جونہی جنگی کشتیاں شہر پناہ کے قریب پہنچیں اوپر سے سنگباری اور آتشباری ہونے لگتی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک شبانہ روز اسی طرح تصادم رہا۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر کشتیوں کی چھتوں کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر انہیں ادویہ مانع احراق سے رنگنے کا حکم دیا۔ نفاطین اور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس بات پر متعین فرمایا۔ جو تمام رات اہتمام جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ موفق فوج کو بڑھاوے دیتا اور اس سے انعامات کے وعدے کرتا رہا۔ اسی رات کو علی خارجی کے سیکریٹری محمد بن شمعان نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ موافق نے اسے خلعت سے سرفراز فرمایا اور عزت واحترام سے ٹھہرایا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ ومنتشر کرنے کے خیال سے ابوالعباس کو زنگی سپہ سالاروں کے مکانات جلانے کا حکم دیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ ومنتشر کرنے کے خیال سے ابوالعباس کو زنگی سپہ سالاروں کے مکانات جلانے کا حکم دیا۔ اس اثناء میں تمام جنگی جہازوں کی چھتوں پر ایسی ایسی دواؤں کا ضماد کر دیا گیا تھا جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی۔ چنانچہ یہ بیڑہ قصر کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا۔ زنگیوں نے آتشباری شروع کی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ جنگی بیڑہ نہایت تیزی سے آتشبازی کرتا ہوا۔ علی خارجی کے قصر کے نیچے جالگا۔ نفاطوں نے روغن نفت کی پچکاریاں بھر بھر کر محل پر پھینکنی شروع کیں۔ چنانچہ اس ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ زنگی محل سرا کے اندر جاچھپے۔ دجلہ کے کنارے پر جس قدر مکانات تھے۔ اسلامی لشکر نے سب کو آگ لگادی۔ بڑے بڑے عالیشان ایوان وقصور آگ کا ایندھن بن رہے تھے۔ کوئی فرو کرنے والا نہ تھا۔ تمام اسباب کو آگ نے چشم زدن میں نیست ونابود کر دیا اور کچھ اس عام آتشزنی سے بچ رہا۔ اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریش اور سادات کی بے شمار خواتین زنگیوں کے قبضہ سے واگزار کرائی گئیں۔ زنگی سرداروں کے سر بفلک محل جل جل کر تودہ خاک ہو گئے۔

محصورین کی بدحالی انسان انسانوں کو کھانے لگے

علی خارجی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکان جل جانے کے بعد نہر ابی حصیب کی شرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی ادھر کو اٹھ گئے۔ رسد کی

آمد بالکل مسدود ہو گئی۔ شہر کے ذخائر تمام ہو گئے اور ضعف واضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ محصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صفایا کیا۔ پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ مگر باایں ہمہ علی خارجی کی جبین استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔ موفق شرقی جانب کے منہدم کرنے میں اسی سر گرمی سے مصروف رہا جیسا کہ غربی جانب کے انہدام میں مشغول تھا۔ یہ سمت نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دھس اور نہایت بلند اور چوڑی دیواریں چاروں طرف محافظت کر رہی تھیں۔ جابجا منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حصار شکن بھی بکثرت موجود تھے۔ اسلامی لشکر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ موفق نے للکارا۔ مگر بلندی کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ سیڑھیاں لگائیں۔ پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کمند ڈال کر دشمن کے پھریروں کو کھینچا۔ ان کا گرنا تھا کہ زنگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ نفاطوں نے روغن نفط کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں۔ سارا محل لمحہ بھی میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ فوج نے اس محل کو بھی خوب لوٹا۔ خارجی کے خاص خاص مصاحب امان کے خواستگار ہوئے۔ موفق نے نہایت سیر چشمی سے انہیں امان دی۔ انعام اور صلے بخشے۔ ان لوگوں نے موفق کو ایک بہت بڑے بازار کا پتہ بتا دیا۔ جو بہار کے نام سے آباد تھا۔ اس بازار میں بڑے بڑے تاجر اور ساہوکار رہتے تھے۔ زنگیوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھی۔ موفق نے اس پر دھاوا کر دیا اور اسے جلا دینے کے قصد سے نفاطوں کو لے کر بڑھا۔ زنگیوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کے لشکر نے آگ لگا دی۔ سارا دن جنگ اور آتشزنی کا بازار گرم رہا۔ فریقین کے ہزارہا آدمی کھیت رہے۔ آخر موفق نے مختارہ کی شہر پناہ کو نہر غربی تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں خارجی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کئے پناہ گزین تھے۔ جب کبھی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ دائیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی خارجی کا قتل

۲۷ محرم ۲۷۰ھ کو موفق نے شہر پر قبضہ کر لیا اور مسلم قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ خلیل اور ابن ابان گرفتار ہو گئے۔ علی خارجی چند فوجی افسروں کو ساتھ لے کر نہر سفیانی کی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج تعاقب کرتی ہوئی نہایت تیزی سے اس کے سر جا پہنچی۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے زنگی افسر مارے گئے۔ کئی ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ خارجی بھی تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر منتہائے نہر ابی خصیب تک بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ عساکر اسلامی نے اس کا تعاقب کر کے اسے جا لیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدہ شکر ادا کیا اور مظفر منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آیا۔ انکلا اور مہلبی پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے بلاد اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا۔ اور چند روز تک امن وامان قائم کرنے کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا اور ابو العباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابو العباس ۱۵ جمادی الثانی ۲۷۰ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی نے آخر رمضان ۲۵۵ھ میں خروج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر ۲۷۰ھ کو مارا گیا اور اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آ گئے۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے اکثر جگہ زنگیوں کے سردار کا نام حبیت لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علی بن محمد ہی کا دوسرا نام یا لقب ہے۔ علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس عاقبت نااندیش نے ایک تخت بنوا رکھا تھا۔ جسے جامع مسجد کے صحن میں بچھواتا اور اس پر بیٹھ کر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا۔ اس کے پیرو بھی اس شیطنت میں اس کے ہم صفیر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات عظام کی خواتین محرمہ کو دو دو تین تین درم میں بذریعہ نیلام عام فروخت کیا تھا اور ایک ایک زنگی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھی۔

قرامطیہ — مذہب کے نام پر دہشت والحاد

(الف) پس منظر

قرمطی تحریک تیسری صدی ہجری میں **بحرین، یمن، اور عراق** میں نمودار ہوئی۔ بانی **حمدان بن قرمط** تھا، جو **اسماعیلی باطنیت** سے نکل کر ایک الگ باطنی فرقہ لے آیا۔

(ب) عقائد

- شریعت کی تاویل: "نماز سے مراد امام کی محبت"
- حج کا انکار: "کعبہ دل میں ہے"
- تناسخ و حلول کا عقیدہ
- امامِ معصوم کو خدائی صفات دینا

(ج) اعمال

317ھ میں قرمطیوں نے **مکہ مکرمہ پر حملہ کیا،** حجاجِ کرام کو قتل کیا، اور **حجرِ اسود** کو لوٹ کر بحرین لے گئے۔ (الکامل لابن الاثیر، ج8، ص269)

"دخل القرامطة مكة وقتلوا الحجاج عند الكعبة وسرقوا الحجر الأسود".

(د) انجام

عباسی حکومت نے بالآخر ان کے مرکز پر حملہ کیا۔ کئی سال بعد **حجرِ اسود واپس لایا گیا،** اور قرمطی تحریک تاریخ کے غبار میں مٹ گئی۔

حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سواد کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس کو کرمیط کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا۔ لیکن ایک باطنی کے ہتھے چڑھ کر سعادت ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا۔ حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟۔ داعی نے اسی گاؤں کا نام لیا۔ جہاں حمدان کو جانا تھا۔ حمدان نے کہا آپ کسی بیل پر سوار ہو لیں۔ اس نے کہا۔ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ حمدان نے پوچھا کیا آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے؟۔ داعی نے جواب دیا۔ ہاں! میرا ہر کام حکم کے ماتحت انجام پاتا ہے۔ حمدان نے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟۔ کہنے لگا میں اپنے مالک اور تیرے اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ وہ تو اللہ رب العالمین ہے۔ اس نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ حمدان پوچھنے لگا۔ آپ وہاں کس غرض سے جا رہے ہیں۔ بولا! مجھے حکم ملا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو جہل سے علم، ضلالت سے ہدایت اور شقاوت سے سعادت کی طرف لاؤں۔ ان کو ذلت و ناداری کے گرداب سے نکالوں اور انہیں اتنا کچھ بخش دوں جس سے وہ تونگر ہو جائیں۔ حمدان نے کہا۔ خدا آپ کا بھلا کرئے۔ مجھے بھی آپ جہالت اور ضلالت کے گرداب سے نکالئے اور مجھ پر ایسے علم کا فیضان کیجیے جس سے

میں زندہ وجاوید ہو جاؤں اور جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی مجھے اشد ضرورت ہے۔ باطنی فریب کار کہنے لگا۔ مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سربستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتمد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں۔ حمدان نے کہا آپ اپنے عہد کی تو تشریح فرمائیے۔ میں دل وجان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا۔ داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ امام وقت کا بھید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا۔ حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد ومیثاق کو استوار کیا۔ جس طرح اس نے خواہش کی۔ اب داعی نے اس کو اپنے فنون اغواء کی تعلیم دینی شروع کی۔ یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن سے حمدان الحاد کے سرغنہ اور باطنی فرقہ کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرو اس کی نسبت سے قرمطی یا قرامطہ کہلانے لگے۔

قرمطہ عقاید واحکام

حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی (تلبیس ابلیس عربی ص ۸۳) ۲۶۴ھ میں اور حسب تحریر ابن خلدون ۲۷۸ھ منصہء شہود پر ظاہر ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطنی فرقہ کے خلاف اس نے تاویل کاری کے باطنی اصول کے ساتھ بعض ظاہری احکام کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ یہ شخص امام محمد بن حنیفہؒ کے فرزند احمد کو رسول اللہ بتاتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں ہی مہدی ہوں جس کا زمانہ دراز سے انتظار کیا جارہا تھا۔ چونکہ زہد وتقشف اور صلاح وتقویٰ کا اظہار کرتا تھا۔ اہل دیہات اس کے دعویٰ کو صحیح یقین کر کے اس کے گرویدہ ہوگئے اور متابعت اختیار کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قرمط ہی وہ شخص ہے جس کی احمد بن حنیفہؒ نے بشارت دی تھی۔ اس نے اپنے پیرووں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیاوی اشغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے تو بولا۔ اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو۔ تم ہی عیسیٰ ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنیفہ ہو اور تم ہی جبریل ہو۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم علیہما السلام میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی حجۃ ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابہ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو۔ اور تم ہی یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) ہو اور بیان کیا کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر۔ پھر دو مرتبہ اشہدان لا الہ الا اللہ اور پھر ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں اشہدآدم رسول اللہ۔ اشہد ان لوطاًرسول اللہ۔ اشہدان ابراہیم رسول اللہ۔ اشہدان موسیٰ رسول اللہ۔ اشہدان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشہدان محمدرسول اللہ۔ اشہدن احمد بن محمد بن حنیفہ رسول اللہ۔ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مہرجان کا اور دوسرا نوروز کا، شراب کو حلال اور غسل جنابت کو برطرف کر دیا۔ تمام درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال بتایا۔ کعبہ معلیٰ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل جل کر نماز ادا کریں۔ جمعہ کی جگہ دوشنبہ کو تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔ (کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۱۸۳، کتاب الدعاۃ ص ۱۱۲، ۱۱۱)

نماز پڑھنے کا طریقہ

جس طرح مرزا غلام احمد کادیانی نے قرآن کی آیات اور ان کے بعض حصوں کے سرقہ کو اپنا کلام وحی بنالیا ہے (دیکھو کتاب حقیقت الوحی مولفہ مرزا غلام احمد ص ۱۰۸، ۷۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۱، ۷۰) اسی طرح حمدان نے بھی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے الفاظ میں قطع وبرید کر کے ایک سورت تیار کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کے پیرو پہلے تو نماز میں تکبیر تحریمی کے بعد وہ استفتاح پڑھیں جو اس کے زعم میں احمد بن حنیفہؒ پر نازل ہوئی تھی اور اس کے بعد

قرأت قرآن کی جگہ اسی سورت کو پڑھا کریں۔ وہ خود ساختہ سورت یہ تھی۔

الحمد للہ بکماتہ و تعالی باسمہ المتخز لا ولیائہ باولیائہ قل ان الاھلہ موافق للناس ظاھر ھا لیعلم عدد اسنین والحساب والشہور االایام وباطنہا اولیائی الذی عرفوا عبادی وسبیلی اتقونی یا اولی الالباب وانا الذی لا اسئل عما افعل وانا العلیم الحکیم وانا الذی ابلوعبادی و امتحن خلقی فمن صبر علیٰ بالئی و محنتی و اختیاری القیۃ، فی جنتی داخلدۃ، فی نعمتی ومن زل عن امری و کذب رسلی اخذتہ، مھاناً فی عذابی و اتممت اجلے و اظہرت امری علے السنۃ رسلی وانا الذی لم یعل علی جبار الا وضعتہ ولا عزیز الا ازللتہ ولیس الذی اصرعلے امری ودام علی جھالتہ وقالوالن ابرح علیہ عاکفین و بہ موقنین اولئک ھم الکفرون!

خدا کی حمد و ثناء اس کے کلمہ کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ اس کا نام بلند و برتر ہے۔ وہ جو اپنے دوستوں کو دوستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کے لئے ہلال کے وقت مقرر کر دئے گئے ہیں۔ تا کہ ان سے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مہینے اور دن معلوم ہوں اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کے لئے ہے۔ جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبان عقل و خرد۔ مجھ سے ڈرو میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہو گا۔ میں جاننے والا اور بردبار ہوں میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو مبتلا کرتا ہوں اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں جو کوئی میری بلا۔ میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اور اپنی نعمت جاوداں عطا کروں گا۔ اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا۔ میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی اجل کا اتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرما دیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعلی کرتا ہے تو اسے پست کر دیتا ہوں اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل نہ کر دوں۔ وہ آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور اپنی جہالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے۔ ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔

حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ سبحان ربی رب العزۃ و تعالی عما یصف الظالمون! پھر سجدہ میں جائیں اور کہیں اللہ اعلے اللہ اعلے اللہ اعظم اللہ اعظم! (تاریخ کامل عربی ج۶ ص ۳۶۶، ۳۶۳، تاریخ ابن خلدون عربی ج۳ ص ۳۳۴)

حمدان کی گرفتاری اور حبس سے فرار

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیرووں میں بارہ آدمی نقیب مقرر کئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں اور ان سے کہا تم حواریان مسیح علیہ السلام کی مانند ہو۔ جب ہیصم عامل کوفہ کو معلوم ہوا کہ حمدان نے دین اسلام کے مقابلہ میں ایک نیا آئین جاری کیا ہے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھ رہی ہے تو اسے گرفتار کر لیا اس خیال سے کہ مبادا کس حیلہ بھاگ جائے۔ قید خانہ کی بجائے اپنے پاس قصر امارت کی ایک کوٹھڑی میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ اس کی کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دی اور قسم کھائی کہ اس کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ ہصیم کے گھر کی ایک لونڈی بڑی رحمدل تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص قتل کیا جانے والا ہے تو اس پر رقت طاری ہو گئی۔ جب ہصیم سو گیا تو کنجی لے کر کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور حمدان کو آزاد کر کے کنجی اسی جگہ پر رکھ دی۔ جب صبح کے وقت ہیصم نے اس غرض سے دروازہ کھولا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ غائب ہے۔ جب یہ خبر کوفہ میں مشہور ہوئی تو لوگ اس غیبوبت کی وجہ سے فتنہ میں پڑے اور اس کے پیرووں نے یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ خدائے قدوس نے حمدان کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ لیکن اس کے بعد مضافات میں مریدوں اور بعض دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفل کر رکھا تھا۔ آپ

کس طرح نکل آئے۔ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا۔ کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ان کی عقیدت پہلے سے بھی دو چند ہو گئی۔ چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔ کہتے کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صائب الرائے ہوں۔ اور ایک لاکھ مبارز میرے پیرو ہیں۔ آؤ ہم اور تم مذہبی مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں۔ تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آ کر عزلت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے مذہب کا ایک اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو۔ اس کا قتل واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور برسر مقابلہ نہ ہو۔ اس سے جزیہ لیا جائے۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

ابو سعید جنابی اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ، اور علی بن فضل یمنی جنہوں نے عرصہ دراز تک عالم اسلام کے خلاف ہلچل مچائے رکھی۔ اسی قرمط کے چیلے چانٹے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند اولیں صدیوں میں جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروان توحید کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ ان میں سے ایک فتنہ قرامطہ بھی ہے۔ ان ملاعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر میں تو یہ مصر کے سلاطین بنی عبید کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندین اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے جو ان کا مستقر دولت تھا۔ اس حادثہ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

ہندوستان میں قرمطی مذہب کا حدوث

باب ۱۷ میں علامہ عبد القاہر کی کتاب "الفرق بین الفرق" کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان آ کر باطنیوں کو خوب گوشمال کیا تھا۔ لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے۔ بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں تو قرمطی بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ لیکن ان میں ایک بین فرق یہ ہے کہ قرامطہ نے عام باطنی مسلک کے خلاف بعض ظاہری احکام کو بھی جز مذہب بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ قرامطہ نے یہود اسماعیلیہ اور خوارج کے فرقہ ازارقہ کے بعض اصول بھی اپنے کیش و مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ حمدان قرمط ۲۶۴ھ یا ۲۷۸ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ چونکہ باطنیہ کی طرح قرمطی مناد بھی اپنے مذہب کی نہایت سرگرمی سے اشاعت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ مذہب دور دور تک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ قریباً سوا سو سال کے بعد ہندوستان میں سندھ اور ملتان نے بھی قرمطی اثر قبول کر لیا تھا۔ تواریخ ہند کا مطالعہ کرنیوالوں کو معلوم ہو گا کہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی ملتان پر لشکر کشی کرنے کے لئے غزنی سے ہندوستان آیا تھا۔ اس یورش کی وجہ یہ تھی کہ ابو الفتح داود بن نصیر قرمطی والی ملتان نے اپنی قلمرو میں قرمطی الحاد و زندقہ پھیلا رکھا تھا۔ اس سے قطع نظر ابو الفتح سلطان کو بعض دوسری مہمات میں منہمک پا کر بعض ایسی حرکات ناشائستہ کا مرتکب ہوا تھا جو سلطان پر سخت شاق گزریں۔ حالانکہ ابو الفتح کا باپ نصیر اور اس کا دادا شیخ حمید امیر سبکتگین اور خود سلطان محمود سے ہمیشہ رابطہ، خلوص اور نیاز مندانہ طریق ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ ابو الفتح سلطان کی آمد کی خبر سن کر سخت سراسیمہ اور بدحواس ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلطان ان حدود کو اسی کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لئے آ رہا ہے۔ اب اس نے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ راجہ انند پال والی لاہور کو سلطان کو پیش قدمی سے مطلع کر کے اس سے مدد مانگے۔ چنانچہ راجہ نے از راہ عاقبت نا اندیشی اپنے جذبات

تعصب سے مغلوب ہو کر فوراً ابوالفتح کا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ جھٹ لاؤ لشکر لے کا عازم پشاور ہوا اور راستہ ہی میں کسی جگہ سلطان کا سد راہ ہوا۔ سلطان، انند پال کی یہ جسارت دیکھ کر سخت برھم ہوا اور حکم دیا کہ زندقہ ملتان کی تو بعد میں خبر لی جائے گی۔ پہلے انند پال کو اس جرأت کی قرار واقعی سزادی جائے۔ غرض عساکر محمودی نے راجہ کی فوج کو مار مار کر اس کے پرخچے اڑا دیئے اور میدان جنگ میں ہر طرف کشتوں کے پشتے دکھائی دینے لگے۔ راجہ نے بری طرح شکست کھائی اور بقیۃ السیف کو لے کر بھاگا۔ لشکر سلطانی نے دریائے چناب کے کنارے قصبہ سوہدرہ تک اس کا تعاقب کیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ لشکر سلطانی کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا تو لاہور کی سمت چھوڑ سراسیمہ وار کشمیر کی طرف بھاگا۔ سلطان نے یہ حکم دے کر کہ اب راجہ جدھر جاتا ہے جانے دو۔ ملتان کا رخ کیا۔ ابوالفتح کے اوسان خطا ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ آج تک جس کسی نے سلطان سے جنگ آزمائی کا حوصلہ کیا۔ چاہ مذلت میں گرا اور خاک نامرادی اپنے چہرہ بخت پر ڈالی۔ قلعہ بند ہو کر نہایت عجز وزاری کے ساتھ کہلا بھیجا کہ میں قرمطی مسلک سے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا اور الحاد وزندقہ سے احتراز واجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرعی جاری کروں گا۔ سلطان نے اس درخواست کو منظور کیا اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی۔ مگر ابوالفتح کی یہ پیشکش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی۔ سلطان کی مراجعت کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس لئے سلطان ۴۰۰ھ میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا دوبارہ ملتان آیا اور قرمطی حکومت کا نام ونشان مٹا دیا۔ بہت سے قرامطہ و ملاحدہ تہ تیغ ہوئے۔ سلطان ابوالفتح کو اس کی بدعہدی کی پاداش میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ حالت سجن ہی میں بار حیات سے سبکدوش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدید تک ملتان پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال وانحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں از سر نو عمل ودخل کر لیا۔ آخر سلطان معزالدین محمد سام نے انہیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جب سلطان محاصرہ ملتان سے دست کش ہو کر غزنی کو واپس گیا تو راجہ انند پال پھر لاہور آبراجا۔ انند پال کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ سلطان کبھی جرم بخشی نہ کرے گا۔ اس لئے بجائے عفو جرم کی درخواست کے ابھی سے حرب وقتال کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ جب سلطان کو اس جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو راجہ اندپالی کو گوشمالی کے لئے پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف پھیری۔ یہ خبر سن کر انند پال سخت بدحواس ہوا اور دھرم کا واسطہ دے کر ہندوستان بھر کے ہندو راجاؤں سے سلطان کے مقابلہ میں مدد مانگی۔ چنانچہ اجوبن، گوالیار، کالنجر، قنوج دہلی اور بہت سی دوسری ریاستوں کے راجے اپنا اپنا لاؤ لشکر لے کر سلطان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے پنجاب میں آموجود ہوئے۔ لیکن تائید ایزدی سلطان کی پشت پناہ تھی۔ اس نے ہندوستان بھر کی متحدہ افواج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اب راجہ انند پال کے حواس درست ہوئے اور نہایت تضرع وابتہال کے سات طالب عفو درگزر ہوا۔ سلطان بڑا رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سابقہ جرائم پر خط عفو کھینچ کر اس کو پنجاب کی حکومت پر بحال کر دیا۔ لیکن اب انند پال ایسا سیدھا ہوا کہ اس کے بعد اس سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی۔ جو مزاج ہمایوں کے خلاف ہوتی۔ چنانچہ جس سال سلطان نے تھانیسر کا عزم کر کے پنجاب سے گزرنے کا قصد کیا تو اس خیال سے کہ عبور راہ کے وقت راجہ کی مملکت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ انندپال کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تھانیسر کا عازم ہوں۔ مناسب ہے کہ تمہارے چند امراء ہمارے موکب ہمایونی میں مشایعت کریں۔ تاکہ تمہارا ملک ہماری فوج کی پامالی سے محفوظ رہے۔ راجہ انندپال اطاعت پذیری کو بقائے دولت کا ذریعہ یقین کر کے بعجلت تمام

اسباب ضیافت مہیا کرنے میں مصروف ہوا اور اپنی مملکت کے تاجروں اور بقالوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی ضروریات اور اجناس لشکر سلطانی میں لے جا کر ایسا انتظام کریں کہ کسی چیز کی تھڑ نہ آنے پائے اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ہمراہ کر کے شہنشاہ کو اکب سپاہ کے حضور میں بھیجے اور ہر طرح سے اظہار عجز و نیازی کیا۔ (تاریخ فرشتہ ص ۱۲۸، ۱۲۵ ج ۱)

ہندوستان میں بمبئی، گجرات اور دکن کے بوہرے انہی قرامطہ کی یادگار ہیں جو ایران اور عراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حکمران بھی رہے اور گو ان کے اسلاف کے خیالات میں اور اسماعیلی عقاید میں بعد المشرقین تھا۔ تاہم مرور زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے۔ چنانچہ آج کل ان لوگوں نے راسخ الاعتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

۲۸۱ھ میں ایک شخص یحیٰی بن مہدی نام قطیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلی بن حمدان کے مکان میں فروکش ہوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت مہدی آخر الزمان رضی اللہ عنہ نے اپنا ایلچی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز مہدی کا داعی تھا۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ عبید اللہ کا پیام بر ہو گا۔ کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی دعاۃ نے عبید اللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپیگنڈا شروع کر رکھا تھا۔

شیعان قطیف سے جعلی مہدی کے مطالبات

یحیٰی کا میزبان علی بن معلی نہایت غالی شیعہ تھا۔ اس نے شیعان قطیف کو جمع کر کے مہدی کا خط جس کو یحیٰی نے پیش کیا تھا پڑھ کر سنایا۔ تا کہ مضافات بحرین میں اس کی خبر کی شہرت ہو جائے۔ ہم اہل سنت و الجماعت بھی حضرت محمد بن عبد اللہ معروف بہ مہدی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کے متوقع ہیں۔ لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ایسے دور آشوب میں ہو گا۔ جبکہ قیامت کی علامت قریبہ کا ظہور شروع ہو چکا ہو گا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ ہر زمانہ میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے کوکبۂ جلال کے منتظر رہے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی وہ رات دن حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں۔ شیعان قطیف نے خانہ ساز مہدی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت شعاری کے ساتھ سنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت مہدی رضی اللہ عنہ ظہور فرما ہوں گے۔ ہم ان کے ہمرکاب اعداء سے لڑیں گے۔ ان شیعان قطیف کا سرگروہ ابو سعید جنابی تھا۔ جو خروج کے لئے بپھر رہا تھا۔ یحیٰی اس واقعہ کے بعد تھوڑے دن کے لئے غائب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک اور خط لے آیا جس میں فرضی مہدی کی طرف سے اہل قطیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی اسی روپیہ) یحیٰی کی نذر کرے۔ بوالعجبی دیکھو کہ شیعان قطیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی اور جس کسی کو اتنا زر نقد میسر نہ تھا اس نے قرض دام کر کے جس طرح بھی بن پڑا اس مطالبہ کو پورا کیا۔ یحیٰی ہزارہا روپیہ وصول کر کے پھر غائب ہو گیا۔ چند روز کے بعد تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ) امام الزمان کے لئے یحیٰی کے حوالے کرے۔ شیعان قطیف کی خوش اعتقادی اور مذہبی حمیت دیکھو کہ انہوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال مستعدی سے خیر مقدم کیا۔ غرض یحیٰی بن مہدی آئے دن قبائل قیس میں ایک نہ ایک خط یہ ظاہر کر کے کہ یہ مہدی آخر الزمان کی جانب سے ہے برابر پیش کرتا رہا۔ انہی ایام میں حسب بیان ابراہم صائغ ایک

مرتبہ یحییٰ بن مہدی سعید جنابی کے گھر آیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ابو سعید گھر سے نکلا اور اپنی بیوی سے کہتا گیا کہ وہ یحییٰ کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرئے اور اگر آمادہ ہو جائے تو انکار نہ کرے۔ جب اس شرمناک واقعہ کی اطلاع حاکم قطیف کو ہوئی تو اس نے یحییٰ کو گرفتار کر کے بری طرح پیٹا اور اس کا سر اور داڑھی مونڈا دی۔ یہ دیکھ کر ابو سعید اپنے اصل وطن موضع جنابا کو بھاگ گیا اور یحییٰ بہزار ذلت ورسوائی قبائل بنی کلاب عقیل وخریس کے پاس چلا گیا۔ یہ لوگ ابو سعید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو سعید جنابی کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ (الکامل فی التاریخ ج۶ ص ۳۹۷)

بصرہ اور ہجر کی تسخیر اور قیدیوں کا زندہ نذر آتش کیا جانا

ظاہر ہے کہ حصول جمعیت کے بعد ابو سعید کا جذبہ خروج جو بہت دن سے عمال خلافت کے خلاف عربدہ جوئی کے لئے بپھر رہا تھا۔ کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین نہیں پا سکتا تھا۔ اس لئے وہ خروج مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خالی الذہن ہو کر خود ہی ۲۸۶ھ میں دعویٰ مہدویت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے قرب وجوار کے قصبات و دیہات کو تاراج کیا۔ پھر بعزم تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ احمد بن محمد بن یحییٰ واسطی والئی بصرہ نے دربار خلافت میں اس قضیہ کی اطلاع کی۔ خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا۔ جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابو سعید ۲۸۷ھ میں بصرہ کے قریب پہنچا۔ بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آپہنچا۔ سواروں کے علاوہ متطوعہ یعنی رضا کار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابو سعید سے تصادم ہو گیا۔ صبح سے شام تک بڑے زور وشور سے آتش جنگ شعلہ زن رہی۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی۔ جس میں ابو سعید کی فتح ہوئی۔ اور عباس غنوی گرفتار ہو گیا۔ ابو سعید کی فوج نے شاہی لشکر گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر مبارز ہاتھ آسکے قید کر لئے۔ اب ابو سعید نے سینکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ دکھا دی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک مسلمان قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیاوی آگ میں جل کر باغ جنان کو چلے گئے۔ ابو سعید نے اس جنگ سے فراغت پا کر ہجر کا عزم کیا اور بلا مزاحمت وہاں پر قبضہ کر لیا۔ (ایضاً ص ۳۹۸)

ابو سعید بڑے بڑے دعوئوں کے باوجود بڑا زندیق تھا۔ گو قرمطی مشہور تھا۔ لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر ونشر اور معاد وحساب کے سارے قصے فضول اور من گھڑت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم وصلوٰۃ وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے۔ اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ (کتاب المختار للجوبری وابن خلدون) یہ شخص انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جرعہ شہادت پلایا۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ سینکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کئے اور بیشمار عازمان حج کے قافلے لوٹے۔ ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے ابھی ابھی فتح وظفر کا وعدہ دیا گیا ہے۔ (تلبیس ابلیس عربی ص ۸۴)

ابو سعید کا قتل

۳۰۱ھ میں ابو سعید اپنے خادم صقلبی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ اس کا کام تمام کر کے خادم، ابو سعید کی قوم کے ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلئے! میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سربر آوردہ قرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کی جان ستانی کے بعد

پانچویں کے پاس جا کر اس کو بغرض قتل بلا لایا۔ لیکن وہ آتے ہی صورت حال کو بھانپ گیا اور صقلبی کا ہاتھ پکڑ کر چیخنے چلانے لگا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور عورتیں رونے لگیں صقلبی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے آ کر صقلبی کی گردن مار دی۔ ابو سعید نے اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا۔ لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم خم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے مغلوب و مقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لے۔ ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کی سلسلہ جنبانی کر کے اس سے مناظرہ کریں اور اس کے فساد مذہب کے دلائل پیش کریں۔ ابو سعید نے خلیفہ کی چٹھی کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور چٹھی قاصدوں کے ہاتھ واپس بھیج دی۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابو سعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین ہوا ہے۔ قاصدوں نے بغداد آ کر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابو طاہر کے پاس خط لے جاؤ۔ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابو طاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا اور خط کا بھی جواب لکھ بھیجا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶، ص ۴۸۲)

ابو سعید جنابی کے مرنے کے بعد اس کے پیروؤں نے اس کی قبر پر بڑا گنبد تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنا دیا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابو سعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہو گا۔ ان گم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت، کپڑے اور ہتھیار رکھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے تو وہ جب کبھی اٹھے گا سوار ہو گا اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہو گا تو پاپیادہ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابو سعید کے پیروؤں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے۔ لیکن حضرت سید الاولین و آلاخرین علیہ التحیہ والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابو سعید کا کھاتے ہیں تو ابو القاسم (سید کائنات ﷺ) پر کیوں درود بھیجیں۔ (تلبیس ابلیس ص ۸۴)

زکرویہ بن ماہر و قرمطی

زکرویہ بن ماہر و قرمط کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ایلچی ہونے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناقہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہو گا وہ ہمیشہ فتح یاب ہو گا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے قرامطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے فوجوں پر فوجیں سواد کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں۔ دفاع کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلے بنو اسد اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قرمطی مذہب کے نشر و توزیع کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و استکراہ کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب اس نے اپنے بیٹوں کو قبیلہ کلب بن وبرہ میں بھیجا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے قلیص بن ضمضم بن عدی کہتے تھے۔ اس مذہب کی طرف مائل ہو گئی اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام شبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن زکرویہ فتحیاب ہوا اور شبل شہید ہو گیا۔ زکرویہ فتح کے شادیانے بجاتا ہوا واپس گیا۔ اب خلافت مآب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے اس کا نام بھی شبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابو الفوارس خلف بن عثمان کو فوج دے کر روانہ کیا۔ شبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابو الغوارس گرفتار ہو گیا۔ شبل نے اسے بغداد لا کر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفۃ المسلمین کو قیدی کا طعنہ کہ آل عباسؓ کو خلافت کا کوئی استحقاق نہیں

خلیفہ معتضد نے ابوالفوارس کو خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی روحیں تمہارے جسموں میں حلول کر گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟۔ ابوالفوارس نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا۔ اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر روح ابلیس حلول کر گئی ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ؟۔ اس کے بعد بولا۔ اس لغو بیانی کو چھوڑو اور کوئی ایسی بات کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو۔ خلیفہ معتضد نے کہا کہ اچھا تم ہی ان باتوں کو چھیڑو جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو۔ کہنے لگا کہ جب رسول خدا ﷺ نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو تمہارے مورث اعلیٰ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب بقید حیات موجود تھے۔ مگر نہ تو خود خلافت کے متدعی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور نہ انہیں ارباب حل وعقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مورث اعلی امر خلافت کا مستحق نہ تھا۔ کم از کم ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے تمہارے مورث کو اس مہتمم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق سے مدعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو؟۔ خلیفہ معتضد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھلا اٹھا اور حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر جوڑ الگ کر دو۔ اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بدنصیب نے آناً فاناً زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۱۰، ۴۰۹، ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۳۵۰، ۳۴۹)

مجلس شوریٰ پر انتخاب سلیفہ کا انحصار

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتضد کے علمی اور تاریخی معلومات بہت محدود تھے۔ ابولفوارس کے اعتراض کا یہ جواب تھا کہ خلفائے بنوامیہ (باستثنائے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ) نہایت ظالم اور فاسق تھے۔ بنو فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پھر ان کے پوتے جناب زید بن امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے پھر حضرت زید کے فرزند یحیٰی بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اوقات میں بنوامیہ سے انتزاع خلافت کی کوششیں فرمائیں۔ لیکن نہ صرف ناکام رہے۔ بلکہ اپنی عزیز جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عہد آشوب میں ضروریات ملی زبان حال سے پکار رہی تھی کہ خدا کا کوئی ایسا بندہ یا جماعت میدان عمل میں نکلے جو اہل ایمان کو بنوامیہ کے دست بیداد سے نجات دلائے۔ بنو عباس کھڑے ہوئے اور انہوں نے بنوامیہ سے حکومت چھین کر ان سے بہتر خلافت قائم کی اور مسلمانوں کے جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔ گو آل عباس کی خلافت بھی علی منہاج النبوۃ نہیں تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد عباسی سلطنت ہی ایک ایسی حکومت تھی جو ہر اعتبار سے دین حنیف اور پیروان ملت حنیفی کی پشت پناہ ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصہ شہود میں جلوہ گر ہوئیں۔ ان میں کوئی حکومت من حیث المجموع عدل وانصاف، خدمات ملی، اعلاء کلمۃ اللہ، نفاذ شریعت مصطفوی (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمت حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافت بنو عباس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خصوصاً قرامطہ، باطنیہ اور بنو عبید تو اپنے بدعات وکفریات کی وجہ سے قطعاً اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکومتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جا سکے۔ چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفہ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو بعض دوسرے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ارباب شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان

کے لئے خلافت کی وصیت نہ کی۔ تو یہ ان کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آئندہ چل کر ان کی اولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہو گئی۔

بنو عباس کے اخذ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آل عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائط خلافت پائے جاتے ہوں اور وہ بر سر اقتدار ہو کر مسلمانوں کے سیاہ وسپید کی مالک ہوئی ہو۔ پس خلفائے بن عباس ہی عالم اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے اور یہ مسئلہ فرقہ حقہ اہل سنت وجماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟۔ ہم لوگ مجلس شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاق رائے یا قوم کی اطاعت پذیری کو اس کا مدار علیہ ٹھراتے ہیں اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور بھائی (جناب عبدالرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما) کو میرے پاس بلالاؤ۔ تاکہ میں تمہارے والد کے لئے ایک دستاویز لکھ دوں۔ مبادا کل کو کوئی اور شخص (خلافت کی) آرزو کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرئے۔ حالانکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحق خلافت نہ ہو گا۔ پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرمادیا کہ خداوند عالم (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے سوا دوسروں کی خلافت سے انکار کرے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کر دیں گے۔(مشکوۃ ص ۵۵۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے روبرو منصب خلافت تفویض فرمایا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ انتخاب امامت وامارت کا ایک مستقل اصول وآئین قائم کر جانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے وصیت یا دستاویز کو غیر ضروری خیال فرمایا اور ابوالعجبی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت وامامت کو منصوص خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خود امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات مہاجرین وانصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب "نہج البلاغہ" میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل چٹھی درج کی ہے:

"اما بعد فان بیعتی یا معاویۃ لزمتک وانت بالشام فانہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ مابایعوھم علیہ فلم یکن للشاہدان یختارولا للغائب ان یردوانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل و سموہ اماماً کان اللہ رضے فان خرج منہم خارج بطعن اوبدعۃ ردوہ الیٰ ما خرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علیٰ اتباعہ غیر سبیل المؤمنین والا ہ اللہ ماتولی واصلیہ جھنم و ساء ت مصیرا"

اے معاویہ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہو گئی۔ کیونکہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار رہا اور نہ غائب کے لئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی۔ بلاشبہ شوری مہاجرین وانصار کا معتبر ہے۔ پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں۔ تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہو گا اور اگر کوئی شخص ان سے بہ سبب کسی طعن یا بدعت کے علیحدگی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بری جگہ ہے۔(تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیزؒ مطبوعہ لکھنو ص ۲۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر بنالیں یا قوم اس کی اطاعت کر لے وہی عند اللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے۔ شیعہ لوگ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متذکرہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ "فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماماً...... الخ "کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

یحییٰ بن زکرویہ کا قتل

زکرویہ کے قرمطی پیرو سواد کوفہ میں شبل سے شکست کھا کر ۲۹۰ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طغج کے ہاتھ میں تھی۔ قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طغج نے اپنے آقا احمد بن طولون والئ مصر سے امداد طلب کی۔ چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہنچی۔ میدان مبارزت از سرنو گرم ہوا۔ زکرویہ کا بیٹا یحییٰ مارا گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکرویہ کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکرویہ اپنے بھائی یحییٰ کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ قرامطہ کی منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمعیت بڑھی تو علی نے طبریہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور پہنچتے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمدان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پا کر علی کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا اور وہیں اپنے دعاۃ اور ہواخواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ آخر صنعاء کی جانب بڑھا۔ جو یمن کا صدر مقام ہے۔ والئ صنعا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے اثناء میں زکرویہ نے بنی قلیص کے پاس جنہوں نے سماوا میں مدت سے بودوباش اختیار کر لی تھی۔ عبد اللہ بن سعید موسوم بہ ابو غالم کو خط دے کر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی یحییٰ موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں۔ بعد ازاں امام زمان ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے معمور کر دیں گے۔ چنانچہ ابو غانم نے قبیلہ کلب میں پہنچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاد شام کو پامال کرتا ہوا دمشق پر جا پڑا۔ مگر اہل دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا چڑھا۔ والی اردن مارا گیا اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا دربار خلافت میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مکتفی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابو غانم یہ خبر پا کر سماوا کی طرف بھاگا۔ شاہی فوج نے تعاقب کیا۔ ہزارہا قرمطی شدت تشنگی سے ہلاک ہوئے۔ غرض خلیفہ کے سپہ سالار نے ۲۹۳ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

حجاج پر جور و تغلب کے طوفان اور ان کی جانستانی

ان واقعات کے بعد قرمطی جمع ہو کر دریہ نام ایک موضع میں گئے۔ جہاں زکرویہ کئی سال سے بخوف جان چھپا ہوا تھا۔ قرامطہ نے یہاں اس کو ایک باولی میں مخفی کر رکھا تھا جس کے کواڑ آہنین اور نہایت مضبوط تھے۔ قرمطیوں نے باولی کے دروازے کے پاس ایک تنور بھی بنا رکھا تھا۔ جب کبھی زکرویہ کو گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوتا تو جھٹ ایک عورت کھڑی ہو کر اس تنور میں ایندھن جلانے لگتی۔ اس تنور کر دیکھ کر لوگ اس خیال سے واپس چلے آتے کہ زکرویہ یہاں نہیں ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ انہوں نے ایک کمرہ بھی بنا رکھا تھا جس کے کواڑ کے پیچھے ایک بڑا سا طاق تھا۔ جب کمرے کا کواڑ کھلتا تو وہ طاق کے منہ کو ڈھک لیتا۔ اگر کوئی شخص زکرویہ کی تلاش میں اس کمرے میں آتا تو وہاں کسی شخص کو نہ پاتا۔ حالانکہ زکرویہ بسا اوقات اس طاق میں چھپا ہوتا تھا۔ قرامطہ اس کے پاس پہنچے اور اس کو دیکھ کر سربسجود ہو گئے۔ اس کے بعد اسے ہاتھوں پر اٹھا کر باہر لائے اور اس کو

ولی اللہ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اب اطراف وجوانب کے مناد بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ آآکر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ ذکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انہیں اپنے حقوق و فرائض جتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی دنیوی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرہ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ ان دعویٰ کے ثبوت میں ذکرویہ نے آیات قرآنی پیش کیں جن کے معانی و مطالب میں آج کل کے مرزائیوں کی طرح من مانی تاویل و تحریف کی۔ خلیفہ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ لیکن قرامطہ نے انہیں سواد کوفہ میں پسپا کر دیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد ذکرویہ حاجیوں کا قافلہ لوٹنے کو بڑھا۔ حلوان کو تاخت و تاراج کرتا ہوا واقصہ کو جا گھیرا۔ وہاں والوں نے قلعہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہنچیں تو خلیفہ مکتفی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کے لئے فوج روانہ کی۔ مگر یہ فوج قرامطہ کو کہیں نہ پاسکی۔ اس لئے بے نیل و مرام واپس آئی۔ اب ذکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے باوجودیکہ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے۔ پامردی سے مقابلہ کیا۔ مگر قرامطہ کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ امان کے خواستگار ہوئے۔ ذکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کر کے ان کے مال و اسباب کو لوٹا۔ لیکن پھر بد عہدی کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال و اسباب کے ساتھ سوداگروں اور بن طولون کے قیمتی اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے۔ اس کے بعد ذکرویہ بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جا گھیرا۔ ہزارہا بے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

ذکرویہ کی ہلاکت

خلیفہ مکتفی نے ایک فوج گراں وصیف بن صوار تکین کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہنچی۔ دوروزہ جنگ کے بعد قرمطی شکست کھا گئے۔ ذکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا۔ جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہوا اور گرفتار ہو کر لشکر گاہ میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتمد سب گرفتار ہو گئے۔ ذکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا۔ چھٹے روز مر گیا۔ وصیف نے اس کی نعش کو بشارت نامہ فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت مآب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سر کاٹ کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جنہیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس وواقعہ سے قرامطہ کا زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمدان کی اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب تہ تیغ کیا۔ اب تمام شام و عراق میں ان کے قتل و استہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۶ ص ۴۳۴، ۴۲۸)

یحییٰ بن ذکرویہ قرمطی

ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر مدت تک ریاضات شاقہ میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ کثرت عبادات کی وجہ سے تمام اقران و اماثل پر اس کی فوقیت مسلم ہو گئی۔ اس کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بوریا بن کر گذر اوقات کرتا اور کسی سے کوئی نذرانہ وہدیہ قبول نہ کرتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بڑا منفح گو اور شیریں بیان واعظ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پند و نصائح سنگین دلوں کو پانی کر دیتے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو اچھی طرح مٹھی میں لے لیا اور ان کی خوش اعتقادی کا اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً تقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا کہ دین میں آئمہ و مجتہدین امت کی پیروی ضروری نہیں۔ جب عقیدت شعاروں نے اس کو تسلیم کر لیا تو ایک دن کہنے لگا کہ

اجماع بھی بے اصل ہے۔ پھر احادیث صحیحہ کی ایسی ہی تاویلیں کرنے لگا جیسی آج کل کے مرزائی کر رہے ہیں۔ جب لوگوں نے ان سب باتوں پر آمنا و صدقنا کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل ایسے بیان کیے۔ جو اجماع امت اور احادیث نبویہ کے بالکل خلاف تھے۔ عقیدت مندوں نے اسی پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اس امتحان کے بعد ایک دن یہ راز افشا کیا کہ حدیث "من لم یعرف امام زمانہ " کے رو سے امام زمانہ کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے۔ مگر یاد رکھو کہ امام زمان کا اہل بیت نبوت سے ہونا لازمی ہے اور وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں۔ الکامل فی التاریخ ج۶ ص۴۰۹)

عبید اللہ مہدی

عبید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورث اعلیٰ ہے۔ جنہیں مہدویہ، علویہ، فاطمیہ، اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

نسب، دعوائے مہدویت، بدعات و کفریات

نسب

عبید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہتا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد بتاتا تھا۔ لیکن اکثر مؤرخوں نے اس کے فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کا بیٹا تھا اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عبید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعوی کیا تو علمائے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جہلاء نے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنو عبید کا پانچواں حکمران عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتویں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا"۔

اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اموی خلیفہ کے نام مشر ہجو و دشنام لکھا۔ شاہ اسپین نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا تو تو نے ہماری توہین و دشنام دہی پر قدرت پائی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری طرح ہم بھی طعن و تشنیع کر سکتے۔ اس میں یہ تلمیح تھی کہ تو ایک گمنام خاندان کا آدمی ہے۔ عزیز کو یہ جواب شاق گذرا۔ لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ ابن طباطبا علوی نے عبید اللہ سے اس کا حسب و نسب پوچھا تو اس نے اپنی نصف تلوار میان سے کھینچ کر کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور کچھ اشرفیاں امراء اور حاضرین دربار کی طرف پھینک کر کہا کہ یہ میرا حسب ہے۔ یہ روایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔ (تاریخ الخلفاء عربی ص۱۰) لیکن ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں عبید اللہ کے علوی النسب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عبید اللہ اور اس کے جانشین ملحد اور شیعہ غالی تھے تو یہ تشیع والحاد ان کے صحیح النسب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا اور نہ حالت کفر و الحاد میں کسی کا ذریۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس کو کچھ نفع دے سکتا ہے۔

دعویٰ مہدویت

عبید اللہ نے ۲۷۰ھ میں مہدویت کا دعویٰ کر کے اپنے تابعین کا نام مہدویہ رکھا۔ ۲۷۸ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ اس کی مہدویت پر ایمان لا کر اس کے ساتھ ہولئے اور اس کے ساتھ ملک مغرب میں چلے گئے۔ اس کے پیرو عبید اللہ کے مہدی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے "علی راس ثلثمائۃ تطلع الشمس من مغربها "(۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا) اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے عبید اللہ مہدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے۔ (دبستان مذاہب ص۸۶) حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ملحدانہ ہے۔ اسماعیلیہ تو بنائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے حق میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بھلا اس قسم کی پیشین گوئی کیوں فرمانے لگے تھے؟۔ عبید اللہ اپنے دعوئے مہدویت پر باون سال یعنی ۲۷۰ھ سے اپنی وفات یعنی ۳۲۲ھ تک قائم رہا اور اس نے ۲۴ سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعویٰ مہدویت کی مدت ۲۴ سال ایک مہینہ اور بیس روز لکھی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی حکمرانی کی ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج۷ ص۹۹) سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبید اللہ نے ۲۷۰ھ میں دعوئے مہدویت کیا۔ اس حساب سے اس کی میعاد دعویٰ تقریباً باون سال ہوتی ہے۔

عبید اللہ اور اس کے جانشینوں کا رفض اور علمائے اہل سنت کا قتل

گو عبید اللہ اور اس کے جانشین باطنی المشرب تھے۔ لیکن رعایا کی تالیف قلوب کے لئے بعض ظاہری ارکان کو بھی بجالاتے تھے۔ یہ لوگ درپردہ اپنے عقاید فاسدہ کے شیوع میں ہر وقت کوشاں تھے اور اپنے مخلص دوستوں کو مسلک باطنیہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بظاہر اسماعیلی تھے۔ ان کے عہد حکومت میں مصر کے اندر اسماعیلی مذہب عام طور پر پھیل گیا۔ قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے۔ جو کوئی اس مذہب کے خلاف عمل کرتا۔ اسے سخت سزائیں دی جاتی تھی۔ عبید اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج طاہراتؓ کی ہمیشہ ہجو کرتا۔ دوسرے روافض کی طرح اس کا بھی مقولہ تھا کہ حضور سید عالم ﷺ کے رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابیوں کے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوزر غفاری رضی اللہ عنہم کے رسول خدا ﷺ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم (معاذاللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ حالانکہ دشمنان اہل بیتؓ اطہار یعنی نواصب وخوارج (معاذاللہ) ارتداد بعد رسول اللہ ﷺ کی یہی غلاظت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کے حق میں اچھالتے ہیں۔ افسوس رافضی خارجی اور ناصبی حرمان نصیب ان اخیار امت کے خلاف زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں۔ جن کے لئے امت مابعد کو اس ارشاد خداوندی میں دعاء واستغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

"والذین جآؤمن بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم (۵۹،۱۰) "(وہ لوگ جو سابقین امت کے بعد عرصہ شہود میں آئے۔ وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف غبار وکدورت اور جذبہ عناد نہ پیدا ہونے دے۔ اے رب! تو بڑا شفیق اور رحیم ہے (لیکن یہ اعدائے دین تحیۃ دعا واستغفار کی جگہ گالیوں کا "تحفہ" بھیجتے تھے اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام دہی کو اپنی حماقت سے عبادت وطاعت خیال کر رکھا ہے:

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

کسی ایسے مذہب کو برا کہنا جس میں بندگی اور اطاعت ہو ---یہ خود گمراہی ہے، جبکہ مذہب بھی واضح ہے اور اس کے ماننے والے بھی۔

چونکہ علمائے اہل سنت و جماعت عبید اللہ اور اس کے اخلاف کے دجالی دعوؤں کی تردید کرتے تھے۔ اس لئے عاملین شریعت کی جانوں کے لالے پڑے رہتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ عبید اللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء و صلحاء کو محض اس جرم میں جرعہ شہادت پلا دیا کہ وہ صحابہ کرام سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن آفرین ہے ان کی قوت ایمانی پر کہ کسی نے اصحاب رسول ﷺ سے تبرا نہ کیا اور اپنی عزیز جانوں کو دوستداران حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر نثار کر دیا۔ عبید اللہ کی عادت تھی کہ فقہاو محدثین کو بلا بھیجتا۔ جب وہ آجاتے تو اسی مجلس میں بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرا دیتا۔ اس کے داعی عبید اللہ کی نسبت آپس میں کہا کرتے کہ مہدی ابن رسول اللہ اور حجۃ اللہ ہیں۔ اس کے جواب میں دوسرے کہتے کہ یہی االلہ، یہی خالق، اور یہی رازق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے شاہ عزیز عبیدی کو لکھ بھیجا کہ تجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے یہود کو بیثا کے طفیل رفعت دی۔ عیسائیوں کو ابن نطور کی ذات سے عزت بخشی اور اسلام کو تیری ذات سے ذلیل کیا۔ میرے اس معاملہ کی طرف توجہ کر۔ بیثا یہودی شام کا حاکم اور ابن ناطور مصر کا ایک عیسائی تھا۔ جو علمائے امت بنو عبید کی سلطنت میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ شروع میں تو اس عزم سے ٹھہر گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد شنیعہ سے بچائیں گے۔ لیکن بعد کو یا تو خود ہی ان کے خدع و فریب کا شکار ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی یا قتل ہو گئے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رسان ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاض ابو محمد قیروانی مالکیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شاہان مصر کے عقاید اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقائد اختیار کر لے یا قتل ہو جائے؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے۔ کیونکہ اس میں حیات ابدی ہے اور ان کے عقاید اختیار نہ کرے۔ کیونکہ اس میں ہلاک و خسران سرمدی ہے۔ اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقاید معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے۔ لیکن ان کا علم ہو جانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لابد و ضرور ہے۔ اگر کوئی شخص وہیں رہ پڑا تو پھر خوف و اکراہ کا عذر قابل سماعت نہ ہو گا۔ کیونکہ جہاں شریعت غراء کی توہین کی جائے۔ وہاں قیام کرنا ہر گز جائز نہیں ہے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی عربی ص ۱۱)

عبیدیوں کی بعض دوسری ضلالت پسندیاں

بنو عبید کے بعض دوسرے عقاید یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وہ اس آیت سے تمسک کرتے تھے "فانکحوا ما طاب لکم من النسآء جشن وثلاث وربع(۴،۳) "(ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو، تین تین، یا چار چار تک)غرض انہوں نے جمہور امت کے خلاف سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح جائز کر لیا تھا۔ عبیدیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ امام حکومت وولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔ عبیدیوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ اہام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے۔ گو جانبین کی مرضی کے خلاف ہو۔ پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح تمام معاملات بیع واجارہ میں بھی ان کے نزدیک امام کا حکم نافذ ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے تھا کہ امام کا خدائے برتر کے ساتھ ہم کلام ہونا ضرور ہے۔ عبیدیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے پہلے

آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسد میں پھر دوسرے انبیاء کے اجساد میں اور پھر علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے جسم میں حلول کیا۔ اسی عقیدہ کے پیش نظر ایک شاعر نے کہا تھا۔

حل بر قادۃ المسیح　　　　حل بھا ادم ونوح

حل بھا اللہ ذو المعالیٰ　　　　وکل شیٔ سواہ ریح

(کتاب الدعاۃ بحوالہ عیون التواریخ ص ۲،۸)

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔ شیعہ اثنا عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ کی کوئی قید نہیں۔ امام بے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ، امام حسن مجتبیٰ، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہم) کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے۔ لیکن یہ سات امام ظاہر تھے۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن گذرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے نقیب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے۔ علانیہ ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے۔ پہلے منشور بن محمد مکتوم، دوسرے جعفر مصدق، تیسرے حبیب۔ ان کے بعد سے پھر آئمہ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مہدی۔ دوسرا ابو القام ملقب بہ قائم بامر اللہ۔ اسی طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرمانرواؤں کو آئمہ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں۔ عبید اللہ کے ایک جانشین معز عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔ الھم صل علی محمد المصطفے وعلی علی مرتضے وعلی فاطمۃ البتول وعلے الحسن والحسین سبط الرسول وصل علی الائمۃ آباء امیرالمومنین المعز باالله ! اور اذان میں حی علی خیر العمل ایزاد کیا گیا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رفض پھیلا۔ یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کہیں نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ وہ زندیق و ملحد تھے۔ انہی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ دہنی کی گئی۔ شراب مباح ہو گئی اور سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو تاجدار سب سے بہتر گذرا ہے۔ وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی اور نہ امامت صحیح تھی اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی۔ جبکہ ایک عباسی خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی عربی ص ۱۱،۱۲)

عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبید اللہ کا باپ محمد حبیب تھا۔ یہ ضلع حمص کے موضع سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سلطنت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس کا آفتاب حیات لب بام تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے عبید اللہ کو آسمان عروج پر پہنچا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی غرض سے اسماعیلیوں میں پروپگنڈا شروع کر دیا کہ عبید اللہ مہدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب اعراق یا وسط ایشیا کے دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب ادنیٰ

جس میں تونیس، قیروان اور طرابلس واقع ہیں۔ مغرب اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ جس میں فاس مراکش، طوس وغیرہ کا علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا ملجا و ماوٰی اور مذہبی اختلافات کا گہوارہ رہا ہے۔ بربریوں کی ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کے لئے آمادہ پائی گئی ہے۔ تقدس ور ہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ وہ شمالی افریقہ کے بربریوں میں جاکر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دور تھا اور یہاں کے باشندے جنگجوئی اور شورہ پشتی میں شہرہ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خودسری سے ہمیشہ اغماض فرماتے۔ کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلاف نفوس وہاں کے مداخل سے بدرجہا زائید رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر لوگوں نے باہر سے جاکر وہاں بڑی بڑی خود مختار سلطنتیں قائم کرلیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبید اللہ مہدی کے حق میں پروپیگنڈا کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار چالاک مرید ابوعبداللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو صنعا کا رہنے والا تھا۔ ابوعبداللہ تمام دوسرے صفات میں یکتا تھا۔ البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابوحوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہوگیا تو محمد حبیب نے ابوحوشب کو حکم دیا کہ ابوعبداللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کرو۔ تا کہ وہاں لوگوں کو عبید اللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابوعبداللہ کا عزم افریقہ

ابوحوشب نے ابوعبداللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا اور عبداللہ بن ابوملاحف کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور روانہ کرتے وقت بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ ابوعبداللہ اور عبداللہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر کتامہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جاکے ٹھہرے۔ یہ لوگ ابوعبداللہ کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کے گرویدہ ہوگئے۔ اس کی صحبت میں آ آکر بیٹھنے لگے اور جویائے حال ہوئے۔ آخر انہوں نے پوچھا آپ کا ارادہ یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟۔ ابوعبداللہ نے ان پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا اور اپنی منزل مقصود کو مخفی رکھ کر کہنے لگا۔ مصر جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور زاہد شخص کا ساتھ رہے گا۔ اب ابوعبداللہ ان لوگوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اپنے رفیقان سفر سے باتوں باتوں میں ان کے شہروں، ان کی سرزمین، ان کے قبائل اور ان کی حکومت کے حالات پوچھتا رہا۔ ایک مرتبہ پوچھنے لگا۔ تمہارا سلطان کون ہے؟۔ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟۔ انہوں نے کہا ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی۔ اس لئے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔ پوچھا اور تمہارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہیں؟۔ انہوں نے کہا اور اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا ہے؟۔ الغرض ابوعبداللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمراہوں سے رخصت ہونے لگا۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟۔ کہا طلب علم کے لئے۔ انہوں نے کہا اس غرض کے لئے تو ہمارا ملک مصر سے زیادہ موزون ہے۔ آپ وہیں چلئے۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ الغرض ابوعبداللہ نے جب ان سے خوب اصرار کرالیا تو ساتھ جانے پر راضی ہوگیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

کتامہ میں ورود

یہ قافلہ ۱۵ ربیع الاوّل ۲۸۸ھ کو کتامہ پہنچا۔ اہل کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے کہ آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزیں ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے اور جو آپ کا دشمن ہو گا اس سے لڑیں گے۔ ابو عبد اللہ نے کہا۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام "فج الخیار" کہاں ہے؟۔ یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رفیق سفر نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کی زبان سے اس بستی کا نام سن کر سب لوگ دنگ رہ گئے اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا اور بتایا کہ فج الاخیار قبیلہ، بنی سلیمان کے علاقے میں ہے۔ ابو عبد اللہ نے کہا تو میں وہیں جا کر رہوں گا۔ لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمہارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا۔ سب نے منظور کیا اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر کوہ انکجان پر پہنچا۔ جس کی ایک وادی "فج الاخیار" کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا۔ اس مقام کا نام فج الاخیار ہے اور محض تمہاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اخیار لوگ ان حضرت کے ناصر و مدد گار ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ "کتمان" سے نکلا ہو گا۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ انہی اخیار لوگوں کی بستی "فج الاخیار" ہو گی۔ اور وہ علاقہ "کتامہ والے" ہوں گے۔ جن کے وطن کا نام لفظ "کتمان" سے ماخوذ ہے۔ اس کی زبان سے یہ رمز سنتے ہی سب لوگ اور زیادہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس نے طرح طرح کے کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کر ان لوگوں کو اپنا فرمانبر دار غلام بنا لیا۔

اور چند روز میں اس کی دینداری، نیک نفسی اور اس کے مکاشفات و کرامات کی شہرت دور دور تک ہو گئی اور اطراف و جوانب سے اہل بربر آ آ کے اس کے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنصوص جلیلہ و ارشادات واضحہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت و امارت کی وصیت فرمائی تھی۔ جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے (العیاذ باللہ) اعراض و عدول کر کے علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا لیا۔ اس بنا پر ان صحابہؓ سے تبراء کرنا واجب ہے جنہوں نے وصیت نبوی سے انحراف کیا۔ حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اگر خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرمائی ہوتی تو کس کی مجال نہیں تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرتا۔

ابو عبد اللہ نے لوگوں کو بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کو پھر حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو۔ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند علی معروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو۔ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کو۔ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو۔ جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو۔ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو۔ محمد مکتوم نے اپنے بیٹے محمد جعفر مصدق کو۔ جعفر مصدق نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا۔ علمائے کتامہ جمع ہو کر ابو عبد اللہ سے مناظرہ کرنے کو آئے۔ اس نے مناظرہ سے انکار کیا۔ اس کے باوجود زود اعتقاد عوام اس کے بھرے میں آ گئے۔ آخر آتش فساد مشتعل ہوئی۔ مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے وقت بے وقت لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی اور وہ عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین و انصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانہ کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ کتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا۔ مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہیں اہل کتامہ ہوں گے۔ اب ابو عبد اللہ کا اثر دن بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اثر و اقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی۔ تو اس نے شہر میلہ کے عامل

کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ وہ بالکل معمولی شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکوکاری اور زہد و تقویٰ اور عبادت الٰہی کی تاکید کیا کرتا ہے۔ یہ جواب سن کر فرماں روائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ کا اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے۔ لیکن اس کے بعد ایسے اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابو عبد اللہ کے خلاف سخت جذبہ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابو عبد اللہ روپوش ہو گیا۔ مگر اس کے جانے کے بعد لوگوں میں باہم سر پھٹول ہونے لگا۔ اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو علاقہ کتامہ کے اکابر و معززین میں سے تھا اور ایک دولتمند شخص تھا۔ اس نے فوراً ابو عبد اللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اس کی طرف داری میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب حسن بن ہارون اور ابو عبد اللہ دونوں جا کر شہر ناصرون میں مقیم ہوئے۔ جہاں ہر طرف سے بربر کے قبائل اس کی زیارت کو آنے لگے اور اس کی شان و شوکت دن بدن بڑھنے لگی۔ خصوصاً اس لئے کہ حسن بن ہارون کا سا رئیس اس کا انیس و رفیق تھا۔

ابو عبد اللہ کا عروج و اقبال

ابو عبد اللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور ان کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔ اب ابو عبد اللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرون میں بہت سی دولت جمع کر لی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے ناصرون کے گرداگرد خندق کھدوالی اور پوری طرح جنگی تیاریاں کر لیں اور ازروئے معاہدہ عام اہل کتامہ و بربر کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابو عبد اللہ اسماعیلی ایک اجنبی ملا اور شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سرزمین میں وارد ہوا تھا۔ اپنی حکمت عملی سے ایک چھوٹا سا فرمانروا بن گیا۔ ان کامیابیوں سے اس کا ایسا حوصلہ بڑھا کہ شہر میلہ پر جو تاجدار افریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب اس واقعہ کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد کو ہوئی تو اپنے بہادر بیٹے احول کو قیروان سے دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر بھاگا۔ احول نے تعاقب کیا۔ ابو عبد اللہ نے یہاں سے بھاگ کر کوہ انکجان کا راستہ لیا۔ شاہی لشکر اس کے تعاقب میں چلا جاتا تھا کہ یکایک شدید برف باری شروع ہو گئی۔ جس کے باعث احول کو تعاقب سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس نے ابو عبد اللہ کو تو پہاڑوں پر چھوڑا اور خود ابو عبد اللہ کے مستقر شہر ناصرون پر چڑھ گیا۔ اس کو فتح کر کے لوٹا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اسی طرح اس کے شہر میلہ پر دھاوا کر کے اس کو غارت کیا اور جب دیکھا کہ ابو عبد اللہ کا کوئی رفیق اور طرف دار نہیں ملتا تو قیروان واپس چلا گیا۔ اس معرکہ کے بعد ابو عبد اللہ نے کوہ انکجان میں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام دار الہجرۃ رکھا۔ اس اثناء میں ابراہیم بن احمد والی افریقہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ پر ابو العباس افریقہ کا فرمانروا ہوا۔ مگر تھوڑے ہی روز میں اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اب زیادۃ اللہ کو افریقہ کی گورنری مرحمت ہوئی۔ زیادۃ اللہ نہایت عیاش، ہوا پرست اور امور سلطنت سے غافل تھا۔ اس بدبخت نے احول کو محض اس خیال پر کہ مبادا مخل عیش و راحت ہو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب احول ایک بھاری لشکر مرتب کر کے ابو عبد اللہ کی گوشمالی کے لئے اس کے قریب پڑا ہوا تھا تو زیادۃ اللہ نے اسے حیلہ و مکر سے طلب کر کے قتل کر ڈالا۔

ابو عبد اللہ کی طرف سے عبید اللہ کے قدوم افریقہ کی درخواست

محمد حبیب نے اپنی وفات کے وقت امارت وامامت کی اپنے بیٹے عبید اللہ کے حق میں وصیت کی اور اس سے کہا کہ میرے نور عین! تم ہی مہدی موعود ہو۔ میرے بعد تم ہجرت بعیدہ کروگے۔ طرح طرح کے مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن صبر واستقلال کو اپنا رفیق راہ بنانا۔ غرض محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ کے زمام امامت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے داعیوں کو دور دور بھیجا۔ انہی ایام میں ابو عبد اللہ نے اہل کتامہ کا ایک وفد عبید االلہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے فتوحات کی اطلاع دے کر یہ ظاہر کیا کہ ہم لوگ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لئے چشم براہ ہیں۔ جلد تشریف لائیے۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بغداد پہنچیں۔ خلیفہ مکتفی عباسی نے عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبید اللہ فرمان خلافت کی اطلاع پاتے ہی اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبید اللہ نے سرزمین حمص سے نکل کر مغرب کا راستہ لیا۔ لڑکے کے علاوہ خدام واصحاب کی بھی ایک جماعت ساتھ تھی۔ یہ لوگ طے منازل کر کے مصر پہنچے۔ عبید اللہ سوداگروں کا لباس پہنے سرزمین مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں عیسیٰ نوشری خلفیہ بغداد کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس اثناء میں خلیفہ مکتفی باللہ عباسی کی طرف سے عبید اللہ کی گرفتاری کا فرمان بھی عامل مصر کے نام پہنچ گیا۔ اس فرمان میں عبید اللہ کا حلیہ بھی درج تھا۔ عیسیٰ نوشری نے جاسوسوں اور مخبروں کو ہر طرف عبید اللہ کی تلاش میں پھیلا دیا۔ نوشری کے کسی مصاحب نے عبید اللہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ عبید اللہ اپنے اپنے رفقاء وخدام کو لئے ہوئے وہاں سے نکلا۔ مگر اتفاق سے خود نوشری سے ملاقات ہو گئی۔ نوشری اس کی صورت شکل چال ڈھال سے تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو۔ عبید اللہ یہی ہے۔ فوراً گرفتار کر لیا اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ دستر خوان بچھا۔ نوشری نے عبید اللہ کو کھانے کے لئے کہا۔ اس نے روزہ کا عذر کیا۔ نوشری نے باتوں باتوں میں عبید اللہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ عبید اللہ نے اسے ایسے فقرے دیئے کہ نوشری کو اس کے بے خطا ہونے کا یقین ہو گیا۔ نوشری نے ابھی عبید اللہ کو رہا نہ کیا تھا کہ اس کا بیٹا ابو القاسم نزار اپنے شکاری کتے کو ڈھونڈتا ہوا آپہنچا۔ نوشری نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟۔ بتلایا گیا کہ یہ عبید اللہ کا بیٹا ہے۔ نوشری نے اس سے یہ خیال قائم کیا کہ اگر یہ شخص خلافت کا مدعی ہوتا تو اس کا بیٹا شکاری کتے کی تلاش میں موت کے منہ میں نہ چلا آتا۔ عبید اللہ کو رہا کر دیا۔ عبید اللہ مصر سے بعجلت تمام طے مسافت کرنے لگا۔ راہ میں طاخونہ کے مقام پر قزاقوں سے سابقہ پڑ گیا۔ کل مال واسباب لوٹ لے گئے جن میں چند کتابیں بھی ملاحم کے متعلق تھیں جو اس کو ابا عن جد وراثت میں ملی تھیں۔ ان کتابوں کے تلف ہونے کا عبید اللہ کو سخت صدمہ ہوا۔ عبید اللہ کوچ کرتا ہوا طرابلس پہنچا۔ عبید اللہ نے یہاں سے ابو العباس برادر ابو عبد اللہ کو کتامہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ وہ جاتے ہوئے قیروان پہنچا۔ زیادۃ اللہ گورنر افریقہ کو ابو العباس کے پہنچنے سے قبل ہی ان واقعات کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اس نے سراغ رسانوں کی وساطت سے اسے گرفتار کر لیا۔ اس سے عبید اللہ کے حالات دریافت کئے۔ ابو العباس نے بتلانے سے انکار کیا۔ زیادۃ اللہ نے اسے سجن میں ڈال دیا اور عامل طرابلس کو عبید االلہ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ یہ خبر کسی طرح عبید اللہ تک پہنچ گئی۔ طرابلس کو خیر باد کہ کر سلجماسہ کا قصد کیا۔ یہاں ابن مدورا کے گروہ والے تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کی بڑی آؤ بھگت کی اور عزت واحترام سے ٹھہرایا۔ اس اثناء میں حاکم سلجماسہ کے نام زیادۃ اللہ کی وساطت سے خلیفہ مکتی کا فرمان آپہنچا جس میں لکھا تھا کہ یہی شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ اسی کی طلبی کے خطوط کتامہ سے آرہے ہیں۔ اسے گرفتار کر کے فوراً قید خانہ میں ڈال دو۔ والی سلجماسہ نے عبید اللہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابو عبداللہ کا سلسلہ فتوحات

زیادۃ اللہ گورنر افریقہ نے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا۔ لیکن ابو عبداللہ کی بڑھتی ہوئی جمعیت اور بلاد افریقہ کو اپنے حوزہ تصرف سے نکلتے دیکھ کر ذرا چوکنا ہوا اور اپنے ایک عزیز ابراہم بن خنیش کو امیر لشکر مقرر کر کے چالیس ہزار فوج کے ساتھ کتامہ کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم میں چیدہ چیدہ سپہ سالار اور نامور جنگجو سپاہی شامل تھے۔ یہ لشکر قسطیلہ پہنچ کر ٹھہر گیا۔ ابو عبداللہ یہ خبر پا کر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور اچھی طرح مورچہ بند ہو گیا۔ ابراہیم کامل چھ مہینے تک اپنا لشکر لئے ہوئے ابو عبداللہ کے اترنے کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرمتہ پر حملہ کر دیا۔ کیونکہ یہاں بھی ابو عبداللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ پرچہ نویسوں نے ابو عبداللہ کو اس کی خبر کر دی۔ اس نے اپنے رسالہ کو ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارنے کو بھیج دیا۔ ابراہیم ابھی کرمتہ تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ ابو عبداللہ کے سواروں نے پہنچ کر چھاپہ مارا۔ ابراہیم کے ہوش وحواس جاتے رہے اور کمال بے سروسامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ ابو عبداللہ نے مژدہ فتح عبید اللہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جو اس وقت سلجماسہ کے قید خانہ میں تھا۔ ابو عبداللہ نے اس خط کو اپنے ایک معتبر دوست کے ذریعہ سے سلجماسہ روانہ کیا تھا اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ خط عبید اللہ مہدی تک پہنچاؤ۔ چنانچہ قاصد نے سلجماسہ پہنچ کر قصابوں کا بھیس بدلا اور گوشت بیچنے کے حیلہ سے قید خانہ میں داخل ہو کر عبید اللہ کو ابو عبداللہ کا خط دیا۔ ابو عبداللہ اس مہم سے فارغ ہو کر شہر طبیہ کی طرف بڑھا اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابو عبداللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک ایک لشکر جرار ہارون طبنی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طبنی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندوں نے اس سے پیشتر ابو عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ طبنی نے دار ملوک کی شہر پناہ کو منہدم کر کے بزور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ابو عبداللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابو عبداللہ کی گشتی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابو عبداللہ کی گشتی فوج مرعوب ہو کر بے ترتیبی اور ابتری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابو عبداللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بذات خاص پیام اجل کی طرح طبنی کے سر پر آپڑا۔ طبنی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی دارو گیر میں طبنی نے غنیم کے ہاتھ سے جام اجل پی لیا۔ ابو عبداللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عیسیٰ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے ۲۹۵ھ میں ابو عبداللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ جب اربس پہنچا تو بعض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذات خاص ابو عبداللہ کے مقابلہ پر نا جایئے۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوا تو ہم لوگوں کو کوئی ملجاوماویٰ نہ رہ جائے گا۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور لشکر کو اپنے ایک عزیز ابراہیم بن ابو اغلب کے ماتحت ابو عبداللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دارلحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

سلطنت بن اغلب کا زوال

ابو عبداللہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً باغایہ پر دھاوا کر دیا۔ عامل باغایہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابو عبداللہ نے شہر پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا پرچم گاڑ دیا۔ اس کے بعد عنان توجہ شہر مرماجنہ کی طرف پھیر دی۔ اہل مرماجنہ نے قبضہ دینے سے اعراض کیا۔ آخر لڑائی تک نوبت پہنچی اور والیٔ مرماجنہ مارا گیا۔ ابو عبداللہ نے شہر پر عمل ودخل کر کے نیقاش کی طرف قدم بڑھایا۔ اہل نیقاش نے اطاعت کر کے شہر سپرد کر دیا۔ نیقاش کے مفتوح ہونے پر ہر طرف سے امان کی درخواستیں آنے لگیں۔ بہت سے قبائل نے بخوف جان حاضر ہو کر گردن اطاعت جھکا دی۔ ابو عبداللہ نے سب کو امان دی

اور چند افسروں کو ان کا بلاد کا انتظام سپرد کر کے خود ایک دستہ فوج کے ساتھ مسکیانہ کا رخ کیا۔ یہاں سے تبہ، حجاز، قصرین اور قادہ کا رخ کیا۔ یہ مقامات یکے بعد دیگرے بلا جنگ و قتال مفتوح ہوتے گئے۔ ابراہیم بن ابی اغلب نے ان واقعات کی خبر اربس میں سنی۔ اس نے یہ خیال کر کے رقادہ میں زیادۃ اللہ والی افریقہ اقامت گزین ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی بڑا لشکر نہیں ہے۔ اربس سے رقادہ کی طرف رخ کر دیا۔ ابوعبداللہ رقادہ سے رخ پھیر کر قسطیلیہ کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ اہل قسطیلیہ نے امان حاصل کر کے شہر حوالے کر دیا۔ ابوعبداللہ نے قسطیلیہ پر عمل ودخل کر کے باغایہ کی طرف مراجعت کی اور لشکر کے بیشتر حصہ کو باغایہ میں چھوڑ کر کوہ انکجان کی جانب مراجعت کی۔ ابراہیم بن اغلب جو والی افریقہ کی افواج کا افسر اعلی تھا۔ میدان خالی پا کر باغایہ پہنچا اور ابوعبداللہ کی فوج کا محاصرہ کر لیا۔ ابوعبداللہ نے یہ خبر پا کر بارہ ہزار کی جمعیت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر اربس کی طرف لوٹ آیا۔ ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے ابراہیم پر لشکر کشی کی اور چند دستہ ہائے فوج کو ابراہیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اربس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ گو ابراہیم نے خوب داد شجاعت دی مگر اپنے افسروں کی دون ہمتی اور بزدلی سے ہزیمت اٹھائی۔ آخر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ابوعبداللہ نے نہایت بے رحمی سے ابراہیم کے لشکر کو پائمال کیا اور مال واسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر اربس میں داخل ہوا۔ اہل سنت وجماعت کی جان ومال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا۔

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ والی افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہل رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انہوں نے بھی سراسیمہ وار قیروان اور سوسہ کا رخ کیا۔ بدمعاش اور آوارہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محل سرائے کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بن ابواغلب نے قیروان پہنچ کر دارالامارۃ میں قیام کیا۔ روساء شہر اور امراء مملکت جمع کر کے انہیں ابوعبداللہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی اور ان سے مال وزر کی مدد مانگی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ ہم عوام تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر مال وزر کہاں ہے کہ آپ کی اعانت کر سکیں؟۔ اس کے علاوہ ہم جنگ وجدل سے بھی مطلق بے بہرہ ہیں کہ دشمن سے لڑ کر ہی آپ کی مدد کر سکیں۔ ابراہیم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ یہ لوگ دارالامارۃ سے اٹھ کر واپس آئے۔ جب اوباشوں اور بازاریوں کو اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ دارالامارۃ پر ٹوٹ پڑے اور ابراہیم کو بات کی بات میں وہاں سے نکال دیا۔ ابراہیم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے۔ مگر بنی اغلب کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا۔ اس لئے تمام نقش آرزو بن بن کر بگڑ گئے اور بجائے کامیابی کے ہر طرف ذلت ورسوائی کا سامنا ہوا۔ جونہی ابوعبداللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سنی۔ رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل قیروان ملنے کو آئے۔ ابوعبداللہ نے سب کو امان دی اور عزت واحترام سے پیش آیا۔ ابوعبداللہ نے رقادہ کے محل اور امراء دولت کے مکان اہل کتامہ پر تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے آتش جنگ کے فرو ہونے پر اپنے اپنے شہروں میں مراجعت کی۔ ابوعبداللہ نے تمام شہروں میں عمال مقرر کئے۔ جدید سکے مسکوک کرائے جن کی ایک طرف بلغت حجۃ اللہ اور دوسری طرف تفرق اعداء اللہ لکھوایا۔ آلات حرب پر عدۃ فی سبیل اللہ کندہ کرایا اور گھوڑوں کی رانوں پر الملک للہ۔

عبیداللہ بحیثیت مہدی امیر المومنین

جب ابوعبداللہ نے افریقہ پر کہیں تو بزور شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل ودخل کر لیا۔ تو اس کا بڑا بھائی ابوالعباس محمد اس کے پاس رقادہ آ گیا۔ ابوعبداللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابوعبداللہ نے اپنے بھائی ابوالعباس اور ابازاکی کو افریقہ میں نائب مقرر کیا اور خود فوج کو حرکت دے

کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبد االلہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ بڑے بڑے قبائل جن کا دنیا لوہا مانتی تھی ان کے دل میں ابو عبد االلہ کا ایسا ہول سمایا کہ اس کے راستہ سے ادھر ادھر سرک گئے اور اکثر نے طوعاًیا کرہاً اطاعت کی گردن جھکا دی۔ ابو عبد اللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہنچا جہاں عبید اللہ قید تھا۔ الیسع بن مدرار والی سلجماسہ کو ابو عبد اللہ کے قریب آ پہنچنے کی خبر لگی تو قید خانہ میں جا کر عبید اللہ سے اس کے حالات دریافت کئے اور یہ بھی پوچھا کہ کیا ابو عبد اللہ تمہاری اعانت کے لئے آرہا ہے ؟۔ عبید اللہ نے قسم کھائی کہ میں ابو عبد اللہ کو نہیں جانتا۔ میں تو ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ اس کے لڑکے ابو القاسم نزار سے استفسار کیا۔ اس نے بھی اپنے حالات مخفی رکھے۔ ان کے ساتھیوں سے کشف حال کی کوشش کی۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ والی سلجماسہ نے جھلا کر سب کو پٹوایا۔

اس واقعہ کی خبر ابو عبد اللہ تک پہنچی اسے نہایت شاق گزرا۔ مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک تلطف آمیز خط مشتمل بر اظہار محبت و عقیدت والی سلجماسہ کے نام روانہ کیا۔ الیسع تاڑ گیا کہ اس میں ضرور کوئی چال پنہاں ہے۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور مغلوب الغضب ہو کر قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ابو عبد اللہ کو زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور اس نے نہایت تیزی اور شتاب زدگی سے قطع منازل کرتے ہوئے سلجماسہ پہنچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ والی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی ناامید ہو گیا اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو لے کر رات کے وقت شہر سے بھاگ گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابو عبد اللہ کے پاس حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ ابو عبد اللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں آیا۔ دروازہ کھول کر عبید اللہ اور اس کے بیٹے ابو القاسم کو رہا کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کرا دیا۔ آگے آگے ابو عبد اللہ تھا اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ کے امراء و روساء تھے۔ ابو عبد اللہ بلند آواز سے پکارتا جاتا تھا کہ ھذا مولٰی کم ٭ ھذا مولٰی کم !(یعنی عبید اللہ تمہارا مولٰی و سردار ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے) اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہنچا۔ عبید اللہ کو خیمہ میں اتارا اور والی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن الیسع والی سلجماسہ گرفتار ہو کر آ گیا۔ ابو عبد اللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پٹوایا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبد اللہ اور عبید اللہ اس مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکتالیسویں روز افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچا اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی۔

انجان میں اموال غنیمت اور مغلوب حکومتوں کے خزانے پیش کئے گئے۔ عبید اللہ نے سب اپنی تحویل میں لے لئے اور ان میں سے کسی کو پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ ابو عبد اللہ عبید اللہ کو لئے ہوئے ماہ ربیع الآخر ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچا اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی تجدید کر کے اسے مہدی امیر المومنین کے لقب سے ملقب کیا۔ اسی تاریخ سے بنی اغلب کی حکومت افریقہ سے، دولت بنی مدرار کی سلجماسہ سے، بنی رستم کی تاہرات سے اٹھ گئی اور عبید اللہ ان تمام ممالک کا فرمانروا بن گیا۔ عبید اللہ کو رقادہ کے ایک محل میں ٹھہرایا گیا اور ابو عبد اللہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن تمام بلاد و امصار میں عبید اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابو عبد اللہ کا عبرتناک انجام

جب تمام لوگ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت روبراہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو مسلوب الاختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے۔ اب ایسے بے دست و پا ہوئے کہ کسی ادنیٰ چیز پر اسی کے عزل و نصب کا بھی انہیں اختیار نہ رہا۔ یہ دیکھ کر ابو العباس

کو بڑا قلق ہوا۔ اپنے بھائی ابو عبد اللہ سے کہنے لگا کہ تم نے بلاد وامصار فتح کئے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ لیکن اس کے بعد عنان فرمانروائی ایسے ناقدر شناس ہاتھوں میں دے دی۔ جس نے تمہیں اور مجھے بالکل عضو معطل بنا دیا ہے۔ حالانکہ عبید اللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پیر دھو دھو کر پیتا۔ ابو عبد اللہ پہلے تو بھائی کو ٹالتا اور ایسی افتراق انگیز باتوں سے منع کرتا رہا۔ لیکن انجام کار وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اب وہ دست حسرت و تاسف ملنے لگا کہ میں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ شاید عبید اللہ ڈھب پر آجائے اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کتامہ کا بڑا مزاج شناس ہوں۔ اس لئے اگر آپ قصر شاہی میں تشریف فرمارہیں اور کتامہ کے سیاہ و سپید کا اختیار بدستور میرے ہاتھ میں رہنے دیں تو اس میں آپ کا وقار بہت زیادہ ہو گا۔ مگر عبید اللہ کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ اس کے بھرے میں آجاتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے دونوں بھائیوں کی مخالفانہ گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ابو عبد اللہ کی ایک نہ سنی اور اسے بلطائف الحیل ٹال دیا۔ لیکن یہ ابو عبد اللہ کی مآل نااندیشی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت عبید اللہ کے حوالے کر دی اور جب اس حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے چاہیے تھا کہ یا تو تفویض حکومت کے بعد چپ چاپ اپنے وطن صنعاء کو واپس چلا آتا۔ یا اگر وہیں رہنا منظور تھا تو اپنے دل و دماغ کو جاہ و اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی کر کے تادم واپسی کنج عزلت میں بیٹھ رہتا۔ اب اس کے لئے صاحب اختیار رہ کر رقادہ میں عافیت کے ساتھ بود و باش رکھنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سماسکتیں۔

عبید اللہ سے مطالبہ کہ اپنی مہدویت کا ثبوت دو

اب ابو العباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ مہدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور لوگوں کو اس کی متابعت کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ مہدی موعود علیہ السلام کی آمد پر تو حجت الٰہی ختم ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور آیات بینات کا بکثرت ظہور ہو گا۔ اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ المشائخ کے لقب سے مشہور تھا۔ عبید اللہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اگر آپ مہدی آخر الزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تمہاری نسبت اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ عبید اللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ کسی بھیانک منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس لئے ابو عبد اللہ کو اپنی ہستی بھی خطرے میں نظر آئی۔ اب ابو عبد اللہ نے اس صورت حالات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ابوزاکی کے مکان پر اجتماع عظیم کی دعوت دی۔ چند افراد کو چھوڑ کر کتامہ کے تمام قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ابو العباس نے بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ عبید اللہ وہ سب خزائن جو انکجان میں اس کے روبرو پیش کئے گئے تھے۔ بے ڈکار ہضم کر گیا ہے۔ اس نے سپاہ اور فوجی عہدہ داروں کو اس میں سے ایک حبہ تک نہ دیا۔ غرض فیصلہ ہوا کہ عبید اللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عبید اللہ کے جاسوس بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اب عمائد سلطنت نے عبید اللہ کے دربار میں آنا جانا ترک کر دیا۔ عبید اللہ نے سب سے پہلے ابوزاکی کا قلع قمع ضروری خیال کیا۔ چنانچہ اس کو طرابلس کا گورنر بنا کے بھیج دیا اور ساتھ عامل طرابلس کے نام حکم بھیجا کہ جونہی ابوزاکی تمہارے پاس پہنچے اسے خوابگاہ عدم میں سلادو۔ عامل طرابلس نے اس کو قتل کر کے اس کا سر عبید اللہ کے پاس بھیج دیا۔ اس اثناء میں عبید اللہ نے ابو عبد اللہ اور ابو العباس کو بھی ہلاک کرا کے شہر خموشان میں بھجوا دیا۔ کتامہ میں عبید اللہ کے خلاف متعدد فتنے اٹھے۔ لیکن اس نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کر کے سب کو دبا دیا۔ ان معرکوں میں بہت سے اہل کتامہ اور اہل قیروان مارے گئے۔ اب کتامہ نے ایک خوردسال لڑکے کو اپنا حکمران بنایا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے۔ پھر یہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا نبی ہے اور اس کی طرف وحی ہوتی ہے اور ابو عبد اللہ

کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ وہ مرا نہیں۔ اب عبید اللہ کے مقابلہ کے لئے انہوں نے زبردست حربی تیاریاں شروع کر دیں۔ عبید اللہ کو ان واقعات کا علم ہوا تو اپنے لڑکے ابو القاسم نزار کو اس نئے مہدی کے پیروؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابو القاسم نے جا کر ان کی یورش اور ان کو ہزیمت دے کر سمندر کی طرف بھگا دیا اور وہ لڑکا بھی مارا گیا۔ جسے مہدی بنایا گیا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی جبری اشاعت اور علمائے اہلسنت کی جانستانی

عبید اللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال تمام افریقہ میں پھیلا دیا۔ یہ لوگ ہر طرف مذہب اسماعیلی کی تعلیم دے رہے تھے۔ جسے برائے نام چند نفوس کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ عبید اللہ نے جبر و تعدی کا حکم دیا۔ اس پر بھی جب یہ مذہب ترقی پذیر نہ ہوا تو علمائے اہل سنت و جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ بے شمار حاملان شریعت و علمبرداران رشد و ہدایت عبیدی تیغ جفا کی نذر ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کتامہ پر تقسیم کر دیئے گئے اور جن لوگوں نے اسماعیلی تحریک قبول کی۔ انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور زر و مال سے نہال کر دیا۔ ان واقعات کے بعد عبید اللہ نے شہر مہدویہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

مصر پر فوج کشی

۳۰۲ھ میں عبید اللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار خفاشہ کتامی کی قیادت میں اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کر کے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ دربار خلافت میں اس کی خبر پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کے لئے اپنے خادم مونس کو ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس مصر کے قریب پہنچ کر خفاشہ سے معرکہ آرا ہوا۔ متعدد جنگوں اور خونریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لے کر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر از سر نو قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد ۳۰۷ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے ابو القاسم کو ایک لشکر گراں کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم ربیع الثانی ۳۰۷ھ میں اسکندریہ پہنچا اور اس پر تسلط کر کے مصر کی طرف بڑھا۔ جیرہ میں داخل ہو کر صعید پر بھی قابض ہو گیا۔ اور اہل مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہل مکہ نے اس تحریک کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابو القاسم کی مدافعت پر روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربار خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ اثناء جنگ میں اسی جنگی جہاز ابو القاسم کی کمک کو پہنچ کر اسکندریہ کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتدر نے طرطوس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑہ ابو الیمین کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا خلیفۃ المسلمین کے بیڑے کو باوجود قلت تعداد و قلت سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ بنو عبید کے اکثر جہاز دوران جنگ میں جلا دیئے گئے۔ یعقوب کتابی اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے۔ گرفتار کر لئے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قید خانہ میں ڈالا گیا اور یعقوب پابجولان بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا اور جو لشکر یہاں موجود تھا۔ اس میں وبا پھوٹ پڑی اور سینکڑوں انسان اور گھوڑے طعمہ اجل بن گئے۔ باقی ماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکر شاہی نے تعاقب کر کے اسے اپنے حدود سے نکال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے قریباً پچاس سال بعد یعنی

۳۵۶ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کمسن اخشیدی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کر کے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ ۳۲۲ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں تیرہ فرمانروا ۵۶۷ھ تک برسر حکومت رہے۔

علی بن فضل یمنی

علی بن فضل یمنی ابتدا میں اسماعیلی فرقہ کا پیرو تھا اور ایک دن دعوائے نبوت کر بیٹھا۔

ابتدا

۹۳۲ھ میں علی بن فضل نامی ایک شخص صنعاء کے مضافات سے صنعا میں آیا اور دعوائے نبوت کیا لیکن لوگوں نے توجہ نہیں دی اور بہت دنوں تک اپنی خانہ ساز نبوت کی تبلیغ کرنے کے باوجود کسی ایک شخص کو بھی اپنا معتقد نہ بنا سکا تو اس نے شعبدے کا سہارا لیا

جھوٹے نبی کا شعبدہ

جب اس کی نبوت پر کوئی ایمان نہیں لایا تو اس نے کسی اور طریقے سے لوگوں کو رام کرنا چاہا چنانچہ اس نے چند سفوف اور چربی کو ملا کر سرکے میں بھگویا اور چھاؤں میں سکھا کر اس کی گولیاں بنالی پھر ایک رات ایک بلند مکان پر چڑھ گیا اور ان گولیوں کو دہکتے ہوئے کوئلے میں ڈال دیا جس سے ایک سرخ رنگ کا دھواں اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام فضا پر محیط ہو گیا۔ پھر اس دھویں میں کوئی اور ترکیب کیا جس سے دھویں کے تار میں بہت سی ناری مخلوق نظر آنے لگی جو گھوڑے پر سوار ہو کر ایک دوسرے سے جنگ کر رہی تھی۔

معتقدین کا ہجوم

جب لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھا کہ اللہ کے نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب کا اشارہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ جوق در جوق آنے لگے اور اس پر ایمان لانے لگے۔ حالانکہ جو لوگ توحید پرست اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر مکمل ایمان رکھتے تھے انھوں نے عوام الناس کو بہت سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا

نبی اور خدا

حالانکہ علی بن فضل یمنی جھوٹی نبوت کا دعویدار تھا لیکن بعض کتابات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا کیونکہ جب وہ اندھے معتقدین کے نام کوئی خط لکھتا تو اس عنوان یہ ہوتا (ترجمہ: زمین کے ہانکنے اور ٹھہرانے والے اور پہاڑ کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے فلاں بن فلاں کے نام)

انجام کار

علی بن فضل یمنی نے تمام محرمات کو جائز قرار دے دیا تھا۔ شراب حلال تھی اور بیٹی سے نکاح روا تھا۔ حالانکہ بہت سے ایمان والوں نے لوگوں کو بہت سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر کار کچھ شرفاء کی غیرت جاگی اور ایک محفل میں اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

ابو طاہر سلیمان الجنابی قرامطی

قرامطہ ایک شیعہ اسماعیلی، جو 899 عیسوی میں ایک مثالی جمہوریہ قائم کرنے کی کوشش میں مشرقی عرب میں مرکوز گروپ تھے- یہ عباسی خلافت کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے مشہور تھے- اس کے والد ابو سعید قرامطی تھا جس نے قرامطی حکومت قائم کی، ابو طاہر سلیمان الجنّابی نے بڑے بھائی و جانشین سعید کو شکست دے کر والد کی وفات کے بعد تخت حاصل کر لیا، اس کا سب سے مشہور کام یہ ہے کہ اس نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا اور اس عظیم اور پاک شہر کی بے حرمتی کی، خاص طور سے وہاں بے شمار لوگوں کا قتل عام کیا- اس نے خانہ کعبہ سے حجر اسود کو بھی چرایا اور زمزم میں لوگوں کی لاشیں پھینکیں اور یہ سب انھوں نے 930ء کے حج کے دوران کیا-

حجر اسود کی واپسی ایک تاریخی واقعہ۔۔!

7 ذی الحجہ 317 ھ کو بحرین کے حاکم ابو طاہر سلیمان قرامطی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا، خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ اس سال کو حج بیت اللہ نہ ہو سکا، کوئی بھی شخص عرفات نہ جا سکا-

یہ اسلام میں پہلا ایسا موقع تھا کہ حج بیت اللہ موقوف ہو گیا، اسی ابو طاہر قرمطی نے حجر اسود کو بیت اللہ سے نکالا اور اپنے ساتھ بحرین لے گیا- پھر بنو عباس کے خلیفہ مقتدر باللہ نے ابو طاہر کے ساتھ معاہدہ کر فیصلہ کیا اور تیس ہزار دینار دیے اور حجر اسود خانہ کعبہ کو واپس کیا گیا-

یہ واپسی 339ھ کو ہوئی، گویا 22 سال تک خانہ کعبہ حجر اسود سے خالی رہا، جب فیصلہ ہوا کہ حجر اسود کو واپس کیا جائے گا تو اس سلسلہ میں خلیفہ وقت نے ایک بڑے عالم محدث عبد اللہ کو حجر اسود کی وصولی کے لیے ایک وفد کے ساتھ بحرین بھجوایا-

یہ واقعہ علامہ سیوطی کی روایت سے اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جب شیخ عبد اللہ بحرین پہنچے تو بحرین کے حاکم نے ایک تقریب کا اہتمام کیا جہاں حجر اسود کو ان کے حوالہ کیا جائے گا- اب انھوں نے ایک پتھر جو خوشبو دار ہیں، خوبصورت غلاف سے نکالا گیا کہ یہ حجر اسود ہے اسے لے جائیں-

محدث عبد اللہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ حجر اسود میں دو نشانیاں ہیں اگر اس میں یہ نشانیاں پائی جائیں تو یہ حجر اسود ہو گا ورنہ نہیں! ایک تو یہ کہ یہ ڈوبتا نہیں ہے، دوسری یہ کہ آگ سے بھی گرم نہیں ہوتا- اس پتھر کو جب پانی میں ڈالا گیا تو ڈوب گیا پھر آگ میں اسے ڈالا گیا تو سخت گرم ہو گیا یہاں تک کہ پھٹ گیا-

محدث عبد اللہ نے فرمایا یہ ہمارا حجر اسود نہیں پھر دوسرا پتھر لایا گیا اس کے ساتھ بھی یہی عمل ہوا اور وہ پانی میں ڈوب گیا اور آگ پر گرم ہو گیا فرمایا کہ ہم اصل حجر اسود ہی لیں گے- پھر اصل حجر اسود لایا گیا اور آگ میں ڈالا گیا تو ٹھنڈا نکلا پھر پانی میں ڈالا گیا تو وہ پھول کی طرح پانی کے اوپر تیرنے لگا تو محدث عبد اللہ نے فرمایا: "یہی ہمارا حجر اسود ہے اور یہی خانہ کعبہ کی زینت ہے اور یہی جنت والا پتھر ہے"-

اس وقت ابو طاہر قرامطی نے تعجب کیا اور پوچھا کہ یہ باتیں آپ کو کہاں سے ملی ہیں۔۔؟ تو محدث عبد اللہ نے فرمایا: یہ باتیں ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ سے ملی ہیں کہ حجر اسود پانی میں ڈوبے گا نہیں اور آگ سے گرم نہیں ہو گا- ابو طاہر نے کہا کہ یہ دین روایات سے بڑا مضبوط ہے-

جب حجر اسود مسلمانوں کو مل گیا تو اسے ایک کمزور اونٹنی کے اوپر لادا گیا جس نے تیز رفتاری کے ساتھ اسے خانہ کعبہ پہنچایا، اس اونٹنی میں زبردست قوت آگئی اس لیے کہ حجر اسود اپنے مرکز) بیت اللہ (کی طرف جا رہا تھا لیکن جب اسے خانہ کعبہ سے نکالا گیا تھا اور بحرین لے جا رہے تھے تو جس اونٹ پر لادا جاتا وہ مر جاتا حتی کہ بحرین پہنچنے تک 40 اونٹ اس کے نیچے مر گئے- (تاریخ مکہ للطبری) (وفات ابو طاہر) تاریخی روایات کے مطابق اس کی موت چیچک کی وجہ سے ہوئی۔

حامیم بن من اللہ محکسی

حامیم بن من اللہ محکسی مغرب میں واقع ملک، سرزمین ریف میں نبوت کا دعویدار بن کر ظاہر ہوا اور شعبدوں اور فریب کاری کا سہارا لے کر ہزاروں زود اعتقاد بربری کو اپنا پیرو بنالیا۔

الگ شریعت

حامیم بن من اللہ محکسی نے دعوائے نبوت کے بعد اپنی الگ شریعت کا نفاذ کیا جس کا اصل سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس نے پانچ کی بجائے دو نماز کر دی، ایک سورج کے طلوع کے وقت اور دوسرے غروب آفتاب کی سرخی میں۔

ساقط ساقط ساقط

حامیم بن من اللہ نے وضو، زکوۃ اور حج جیسے متبرک فریضے کو بھی ساقط (ختم) کر دیا۔

روزہ روز جیسا

رمضان کے روزے ختم کر کے، رمضان کے آخری عشرہ کے تین، شوال کے تین اور بدھ جمعرات کو دوپہر تک کا روزہ متعین کیا اور اپنے بنائے ہوئے آئین کی خلاف ورزی پر سزا بھی متعین کر دی جو چھ مویشی کے سر کی قیمت کے برابر تھے۔

حلال حرام-حرام حلال

اس نے خنزیر حلال کر دیا اور مچھلی بھی حلال رکھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بنائے ہوئے آئین کے مطابق ذبح کی گئی ہو۔ تمام حلال جانوروں کے سر اور انڈے حرام کر دیے، جس کی وجہ سے آج بھی ان علاقوں کے بربر انڈا نہیں کھاتے۔

حامیم بن من اللہ کی بہن

اس کی ایک بہن تھی جس کا نام تخبیت یا تابعتیت تھا وہ ساحرہ تھی۔ اور وہ بھی نبیہ مانی جاتی تھی۔ اور نماز میں اس کا نام لیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک بہن دوجوع جو کاہنہ اور ساحرہ تھی، خانہ ساز نبوت کے عہدے پر فائز تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جسے کلام الہی کا درجہ حاصل تھا۔ اس کتاب کے جو الفاظ نماز میں پڑھے جاتے تھے اس کا مفہوم یہ تھا کہ اے وہ جو نگاہوں میں پوشیدہ ہے مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ اے وہ جس نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا پار کرایا مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ میں حامیم پر ایمان لایا اور اس کے باپ ابو خلف من اللہ اور اس کی پھوپھی تابعتیت پر ایمان لایا۔

نبوت کی دکان

حامیم کی بہن، اس کا باپ اور اس کی پھوپھی، ان تمام پر ایمان لانا ضروری تھا۔ غرض کہ نبوت کی ایک دکان تھی جسے تمام رشتے دار مل کر چلا رہے تھے۔

دکان بند

جھوٹے نبوت کی اس خود ساختہ دکان کے بند ہونے کا بھی ایک وقت آیا اور حامیم ایک جنگ میں مارا گیا جو سنہ ۹۱۳ھ یا سنہ ۱۰۲۳ھ میں تنجیر کے پاس احواز میں قبیلۂ مصمود سے ہوئی لیکن اس کے پیروکار ایک عرصے تک فتنہ بن کر اس کائنات میں زندہ رہے۔

محمد بن علی شلغمانی

ابو جعفر محمد بن علی معروف بہ ابن ابی العزاقر، شلغمان کا رہنے والا تھا جو واسط کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ خدائی کا مدعی تھا۔ ابتداء میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس کے مذہب کے اصول پر کتابیں لکھی تھیں۔ لیکن جب ابو القاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کی غیبوبیت صغریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا۔ اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام مختفی کے "باب" ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا۔ جس کی بنیادیں انتہائی غلو اور تناسخ وحلول ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسد میں حلول کر گئی اور ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء واوصیا اور آئمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ ۳۲۰ھ میں شلغمانی بغداد آیا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ شلغمانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر و باطن اول و آخر اور قدیم ہوں۔ رزاق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیر اعظم کو شلغمانی ربوبیت کا اعتراف

بغداد کے ہزارہا آدمی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد بھی اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ جن میں حسن بن قاسم جیسا زیرک و فرزانہ روزگار مدبر بھی جو اس سے پیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر اعظم رہ چکا تھا داخل تھا۔ اسی طرح بسطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذاللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے۔ مگر کسی دور دست مقام پر یا کسی نصرانی حکومت کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جال پھیلاتا تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا جاتا اور مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ تیئس سال کی طویل مدت سے بلا مزاحمت اپنے دعویٰ خدائی پر قائم ہوں۔ اس لئے سچا خدا ہوں۔ مگر اسلامی سلطنت بالخصوص دارالخلافہ میں اس کی خدائی دیرپا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب شلغمانی کا فتنہ حد سے بڑھ چلا اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے تو حکومت کو اس کی طرف سے تردد لاحق ہوا۔ خاقانی وزیر اعظم نے اس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر شلغمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آکر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا۔ اس کی گرفتاری کا موکد حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے بیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لے کر اس نئے "پروردگار عالم" کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے مومنین ومعتقدین کے بہت سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلغمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا۔ جن کا اطلاق واستعمال بجز ذات رب العالمین کے بشر خاکی کی نسبت ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلغمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے۔ لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں اور ان

لوگوں نے جو میری نسبت ایسے تعریفی الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جاسکتا۔ انہی خطوط کی بناپر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کئے گئے۔ جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلغمانی اوراس کے غاشیہ بردار دربار خلافت میں

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلغمانی، خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلغمانی سے اپنی براءۃ ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے۔ لیکن جب مجبور کئے گئے تو جبراً و قہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا۔ مگر ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جو جوش ہوا تو بڑھ کر شلغمانی کے سر اور داڑھی کا بوسہ لیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا: الٰہی! و سیدی و رازقی! (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک حجت وبرہان ہاتھ آگئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعویٰ الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ! (حق تعالیٰ ایک گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب الارباب ہوں۔ اس پر ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا۔ بولا۔ ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ امام منتظر کے باب ہیں اور ابن روح کی جگہ پر ہیں۔ لیکن اس امر کی متعدد قابل وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ ماخوذین کا انکار محض دفع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے۔ ورنہ شلغمانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیرووں نے اسے ذات خداوندی سے متصف و مخاطب کیا ہے۔ اس سے اس نے انکار نہیں کیا۔ بااین ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات وعقائد کی مزید تفتیش کی جائے۔ آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین وایمان پر بری طرح ڈاکہ ڈالا ہے۔

مشرکانہ وملحدانہ اصول وعقاید

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلغمانی ہی وہ الہٰ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی جس کی جانب الفاظ اول، قدیم، ظاہر، باطن، سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف و تحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ الٰہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے۔ اور دلیل حق خود حق سے افضل وبرتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق ومشابہ ہوتی ہیں۔ بمقابلہ ان کے اس چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح وہ خود آدم میں حلول کر کے نمایاں ہوا۔ اسی طرح آدم کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود نمودار ہوا اور گو بہ ظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے۔ مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود وہی تھا۔ پھر جب آدم (علیہ السلام) صفحہ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق و منتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس پانچ ابلیسوں میں سمٹ گیا۔ اب لاہوتیت ادریس علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی۔ یعنی مکمل خدا نے ادریس علیہ السلام میں حلول کیا۔ اس طرح وہ ضد بھی پانچ ابلیسوں میں سمٹ کر ادریس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف و معاصر ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسیوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی پھر

منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد ہود علیہ السلام اوران کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالح اور ان کے ابلیس یعنی عاقر ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اوران کے ابلیس (نمرود) میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔اب لاہوتیت داود علیہ السلام اوران کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اوران کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کے لئے منتخب کیا۔اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی۔ اور اب وہی الوہیت خود شلغمانی اوراس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔شلغمانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدائے برتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے اور ہر دل میں جو خیالات موجزن رہتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ وہی خدا ہے۔ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں۔وہ اس کا الہٰ (خدا) ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے۔کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔وہ میرا رب ہے۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلغمانی تک پہنچ جاتا اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذاللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

بدترین رفض والحاد

شلغمانی کا بدترین رفض اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم اللہ اور جناب محمد رسول اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض ومفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلغمانی کے نزدیک جناب امام حسن رضی اللہ عنہ اور جناب امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند نہ تھے۔کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علی الہٰ العالمین تھے اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے۔اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان "**لم یلد ولم یولد**" ہے۔شلغمانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ اس کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا۔ اوراس کے مذہب سے انکار کرنے اوراس کے اصول سے جاہل رہنے والے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلغمانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور رہے۔ کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے۔ چنانچہ جب ولی ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے حالات کی جستجو کرتے ہیں۔ایسی حالت میں یہی مخالفت ظہور فضائل وکمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔اس لئے مخالف ولی سے افضل ہے۔اسی بنا پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) ابوجہل کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو افضل بتاتا تھا۔

شلغمانی شریعت کے شرمناک احکام

یہ تو شلغمانی کے عقائد تھے۔اب ذرا اس کے آئین مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔اس کا اعتقاد تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر کبراء

قریش اور جبابرہ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ محمد ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں۔ نماز پڑھیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے محمد ﷺ کو اصحاب کہف کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد ﷺ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اوراس کی جگہ نئی شریعت عرصہ وجود میں آئے گی۔ مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی بگاڑ دیا جو شلغمانی صاحب کے پیکر ناسوت میں سے عجیب وغریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کررہی تھی۔ شلغمانی کے مسائل شریعت یہ تھے کہ غسل جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد ﷺ نے عربوں کو ان دنوں دی تھی۔ لیکن عہد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کے لئے حلال طیب ہیں۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے لئے دولذتیں جمع کردیں۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کرسکتا ہے۔ بلکہ اہل حق (شلغمانی کے پیرووں) کو چاہیے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے حسبتہً اللہ مقاربت کرئے۔ تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا۔ وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلغمانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الحساسہ السادسہ رکھا تھا۔ غرض شلغمانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیش روسے کم نہیں تھا۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدک کے بھی کان کاٹ لئے تھے اوراس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعل خلاف وضع یعنی عمل قوم لوط کو بھی جائز کررکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اوّل درجہ کا شہوت پرست اور بدمعاش بھی تھا۔ جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زناکاری اوراغلام بازی کا گہوارہ بن جائے۔ گو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی ابن ابی طالب تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابوطالب میں سے اکثر نے امامت کے دعویٰ کئے تھے۔ شلغمانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کے لئے بارود بچھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔

شلغمانی کا قتل

شلغمانی اوراس کے اخص پیروئوں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء وقضاۃ کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہا نے فتویٰ دے دیا کہ شلغمانی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اوران کی فرد قرارداد جرم میں برآت کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ شلغمانی اور ابی عون بروز سہ شنبہ ۲ ذی قعدہ ۳۲۸ھ کو مصلوب کئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں اتار کر جلادی گئیں۔ ان کے پیرو بجائے اس کے کہ اٹھائیس سال گذرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن (معاذاللہ) شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کو مٹانے کا شلغمانی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ شلغمانی شریعت جاری ہوتی۔ بھاگ بھاگ کر منہ چھپانے لگے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے یقین واذعان میں کوئی فرق نہ آیا۔ شلغمانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز متبع حسن بن قاسم سابق وزیراعظم شہر رقہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روزگار بننے کے لئے بغداد لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کے عوض شلغمانی کی داڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق اور رازق بتایا تھا۔ بہت بڑا ادیب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحی والبلدان، کتاب

الجوابات المسکتہ، کتاب التشبیہات، کتاب بیت مال السرور، کتاب الدواوین۔ کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

(الکامل فی التاریخ ج ۷ ص ۱۰۵،۱۰۳، معجم الادباء لیاقوت حموی مطبوعہ لندن ص ۲۹۶، ابن خلدون ج ا ص ۱۹۰)

عبد العزیز باسندی

عبد العزیز باسندی نے ۳۲۲ ھجری میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک پہاڑی مقام پر فریب کا جال بچھایا۔ وہ موضع باسند، علاقہ صفانیان کا رہنے والا تھا۔

شعبدہ باز نبی

اکثر جھوٹے مدعیان نبوت نے کم علم اور کمزور ایمان والے افراد کو شعبدے کے سہارے ہی ایمان کی دولت سے محروم کیا ہے۔

چنانچہ عبد العزیز باسندی نے بھی اسی کا سہارا لیا۔ وہ بہت بڑا شعبدے باز تھے لیکن جس شعبدے سے اس نے لوگوں کو اپنا معتقد بنایا وہ یہ تھا کہ وہ اپنا ہاتھ پانی کے حوض میں ڈالتا اور سرخ دینار سے مٹھی بھر کر باہر نکالتا۔ اس شعبدے کو دیکھ کر لوگ دیوانہ وار اس کے معتقد ہونے لگے۔ علمائے حق نے بہت کوشش کی کہ اس شعبدے کے جال میں کوئی ایمان والا مسلمان نہ آئے لیکن ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ حالانکہ کچھ لوگوں نے ان کی بات سنی بھی اور جھوٹے نبی کے فتنے سے محفوظ رہے۔ لیکن زیادہ تر لوگوں نے اپنا ایمان اور اپنی زندگی عبد العزیز باسندی کے حوالے کر دیا۔

اہل ایمان کا قتل

عبد العزیز باسندی کے معتقدین کی تعداد میں جب خوب اضافہ ہو گیا تو اس نے ایک فوج بھی بنائی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی انتہا کی اور بہت سے ایمان والے کو قتل بھی کیا۔

انجام:

آخر کار جب عبد العزیز باسندی کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو وہاں کے حاکم وقت ابو علی بن محمد بن مظفر نے اس کی سرکوبی کا ارادہ کیا کیونکہ اس کی حرکتوں سے حکومت کو بھی خطرہ تھا اور مذہب تو خطرے میں تھا ہی۔ چنانچہ ابو علی نے ایک فوج روانہ کی تاکہ اس فتنے کا خاتمہ ہو۔ جب اس فوج کی اطلاع عبد العزیز باسندی کو ملی تو وہ اپنے معتقدین کے ساتھ پہاڑ پر محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے بھی محاصرہ کیے رکھا۔ آخر ایک دن، جب سامان رسد ختم ہو گیا اور مسلمانوں نے بھی جرأت کا مظاہرہ کر کے پہاڑ کی بلندی پر قدم رکھ دیا تو ایک خطرناک جنگ ہوئی جس میں بالآخر سپہ سالار کے ہاتھ سے عبد العزیز قتل ہوا۔ قتل کے بعد اس کا سر ابو علی کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد وہ پھر واپس آئے گا۔ چنانچہ اس کے کچھ بچے ہوئے معتقدین اس کا انتظار کرتے رہے اور پھر دھیرے دھیرے اسلام میں مدغم ہو گئے۔

ابو الطیب متنبی

ابو الطیب متنبی دیوان متنبی کا مصنف اور مشہور عربی شاعر تھا۔

نام: ابو الطیب احمد بن الحسین بن الحسن بن عبد الصمد الجعفی الکندی الکوفی المعروف متنبی

ولادت: ابو الطیب متنبی کی پیدائش 303ھ بمطابق 915ء میں کوفہ کے محلہ کندہ میں ہوئی اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوا۔ لیکن قبیلہ کے لحاظ سے جعفی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ متنبی کا باپ کوفہ میں سفیر تھا۔ پھر وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ شام منتقل ہو گیا اور اس کے بیٹوں نے شام میں پرورش پائی۔

متنبی وجہ تسمیہ

اسے متنبی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس نے بادیہ سماوہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور بعض نے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا میں پہلا شخص ہوں جس نے شعر سے دعویٰ نبوت کیا ہے۔ اور بنو کلب وغیرہ میں سے بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ تو اخشیدیہ کا نائب امیر حمص لؤلؤ اس کے مقابلے میں گیا تو اس نے اسے اور اس کے اصحاب کو گرفتار کر لیا اور لمبا زمانہ قید رکھا۔ پھر اس سے توبہ کا مطالبہ کیا اور اسے رہا کر دیا۔ پھر وہ 337ھ میں امیر سیف الدولہ بن حمدان کے پاس چلا گیا۔ پھر اس کو چھوڑ کر 346ھ میں مصر آ گیا اور کافور اخشیدی اور انوجور بن الاخشید کی مدح کی۔ اور وہ کافور کے سامنے کھڑا ہوتا اور اس کے پاؤں میں موزے ہوتے اور اس کی کمر میں تلواروں اور پیٹیوں سے لیس ہوتے۔ اور جب وہ اس سے راضی نہ ہوا تو اس نے اس کی ہجو کی اور عید قربان کی رات کو 350ھ میں اسے چھوڑ گیا۔ اور کافور نے اس کے پیچھے مختلف جہات میں اونٹ روانہ کیے مگر وہ نہ ملا۔ کافور نے اس سے اپنی عملداری کی حکومت کا وعدہ کیا تھا مگر جب اس نے اس کے اشعار میں اس کے بلند و بانگ دعوؤں اور اس کے فخر کو دیکھا تو وہ اس سے ڈر گیا اور اسے اس بارے میں ملامت کی گئی۔ تو اس نے کہا اے لوگو! جو محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے کیا وہ کافور کے ساتھ مملکت کا دعویٰ نہ کرے گا؟ تمھارے لیے یہی کافی ہے۔

ابوالطیب احمد عربی کا بے بدل شاعر اور ادب و انشاء میں سر آمد روزگار تھا۔ چنانچہ اسی شعر و سخن اور فصاحت و بلاغت نے اس کو دعویٰ نبوت کی تحریک کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح اپنے کلام کو معجزہ بتانے کی کبھی جرأت نہ کی۔ البتہ بارش روکنے کا ایک ٹوٹکہ جسے عربی زبان میں "صدحۃ المطر" کہتے ہیں۔ کہیں سے سیکھ لیا تھا۔ اسی کو ایک مرتبہ معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ ابوالطیب متنبی کے ایک پیرو ابو عبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ابوالطیب ۳۲۰ھ میں جبکہ اس کا آغاز شباب تھا لاذقیہ آیا۔ مجھے اس کی فصاحت و بلاغت کا علم ہوا تو میں ازراہ قدر شناسی عزت و احترام سے پیش آیا۔ جب راہ و رسم بڑھی تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم ایک لائق نوجوان ہو۔ اگر کسی جلیل القدر والئی ملک کی وزارت تمھیں تفویض ہو تو اس منصب کی عزت و شرف پر چار چاند لگ جائیں۔ بولا واہ! تم نے اچھا کیا۔ اجی وزارت کی کیا حقیقت ہے؟۔ میں تو نبی مرسل ہوں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید مذاق کر رہا ہے۔ میں نے کہا آج سے پیشتر میں نے تمہاری زبان سے ہزل و سخریت کی کوئی بات کبھی نہ سنی تھی۔ کہنے لگا نہیں واقعہ میں بنی مرسل ہوں۔ میں نے پوچھا تم کسی کی طرف بھیجے گئے ہو؟۔ کہنے لگا۔ اس گمراہ امت کی طرف۔ میں نے کہا کہ تمہارا لائحہ عمل کیا ہو گا؟۔ بولا جس طرح بسیط زمین ظلم و عدوان سے مملو ہے اسی طرح اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دوں گا۔ میں نے پوچھا حصول مقصد کی نوعیت کیا ہو گی؟۔ بولا اطاعت شعاروں کو انعام و اکرام سے سرفراز کروں گا اور سرکشوں کی گردنیں اڑا دوں گا۔ میں نے کہا خوف ہے کہ اس مبادرت پر تم خود ہی قعر عدم میں نہ پہنچا دیئے جاؤ۔ یہ سن کر ابوالطیب نے فی البدیعہ یہ اشعار کہے:

ایا عبد الالہ معاذاتی — خفی عنک فی الھیجا مقامی

اے اللہ کے بندے! کیا تجھے میری جنگی شان و شوکت سے غفلت ہو گئی ہے کہ معرکے کے دن میرا ٹھکانا اور میرا مقام تجھ سے اوجھل رہ گیا؟

ذکرت جسیم مطلبی وانی — اخاطر فیہ بالجح الجسام

تو نے میرے عظیم مقصد کا ذکر کیا—اور ہاں! میں وہ شخص ہوں جو بڑے بڑے معرکوں میں جان ہتھیلی پر رکھ کر کود پڑتا ہے۔

امثلی تاخذ النکبات منہ — ویجزع من ملاقاۃ الحمام

کیا میرے جیسے سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مصیبتوں سے گھبرا جائے؟ یا موت کے سامنا کرنے میں کمزوری دکھائے؟

دلو برز الزمان الی شخصا   لخضب شعر مفرقہ حسامی

اگر زمانے کا کوئی بہادر شخص میرے مقابل آجائے — تو میں اپنی تلوار سے اس کے سر کے بالوں کو بھی خون آلود کر دوں!

اذا امتلات عیون الخیل منی   فویل فی التیقظ والمنام

جب میدانِ جنگ میں گھوڑوں کی آنکھیں مجھ سے بھر جاتی ہیں (یعنی مجھ سے خوف کھا کر پھیل جاتی ہیں)، تو پھر دشمن کے لیے بیداری میں بھی ہلاکت ہے اور نیند میں بھی۔

میں نے کہا تمہارا بیان ہے کہ میں اس امت کی طرف نبی مبعوث ہوا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم پر کوئی وحی بھی نازل ہوئی ہے؟۔ کہنے لگا بیشک۔ اس کے بعد اس نے اپنا کلام جسے وہ کلام وحی بتاتا تھا پڑھا۔ میں اس کی فصاحت و بلاغت پر عش عش کر گیا۔ میں نے کہا اب تک یہ کلام کتنا نازل ہو چکا ہے؟۔ بولا ایک سو چودہ عبرے۔ میں نے پوچھا عبرہ کتنا ہوتا ہے؟۔ بولا قرآن کی بڑی آیت کے برابر۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ تم پر کتنی مدت میں یہ کلام نازل ہوا؟۔ کہنے لگا سب دفعتہ بھیجا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے کلام کا کچھ اور حصہ جس کو وہ وحی الٰہی سے تعبیر کرتا تھا سنایا۔ میں نے کہا ان عبارتوں میں یہ بھی ہے کہ آسمان تمہارا مطیع ہے۔ اس اطاعت کی حقیقت کیا ہے؟۔ کہنے لگا۔ میں فاسقوں اور سرکشوں کا رزق بند کرنے کے لئے نزول باران کو روک دیتا ہوں۔ میں نے کہا کیا واقعہ تم امساک باران پر قادر ہو؟۔ کہنے لگا ہاں فاطر السموات کی قسم! میں بارش کو روک سکتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا مجھے کسی دن یہ کرشمہ دکھاؤ۔ اگر تم یہ دکھا سکے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ چند روز کے بعد مجھ سے کہنے لگا۔ کیا واقعتہً تمہاری خواہش ہے کہ تمہیں وہ معجزہ دکھاؤں جس کا چند روز پیشتر ذکر آیا تھا؟۔ میں نے اثبات میں اس کا جواب دیا۔ بولا اچھا میں اس غلام کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تم فوراً سوار ہو کر میرے پاس پہنچ جانا۔ لیکن تنہا آنا۔ چند روز کے بعد مطلع ابر آلود ہوا۔ سرما کا موسم تھا۔ اس کا غلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا میرا آقا کہتا ہے کہ آپ حسب قرارداد جلد سوار ہو کر آجایئے۔ میں فوراً سوار ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ تمہارا آقا کہاں ہے۔ بولا صحرا کی طرف گیا ہے۔ اس کے بعد غلام کہنے لگا کہ جلدی کرو۔ تاکہ ہم وہاں پہنچ کر بارش سے محفوظ ہو جائیں۔ وہ اس وقت ٹیلے پر ہمارے انتظار میں کھڑا ہے اور بارش سے بالکل محفوظ ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے آقا نے بارش سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی عمل کیا ہے؟۔ بولا ہاں۔ جب سیاہ بادل چاروں طرف محیط ہوئے تو ہاتھ میں ایک کوڑا لے کر کچھ پڑھتا ہوا گھر سے نکلا اور شہر سے نصف فرسنگ دور جا کر فلاں ٹیلے پر جدھر ہم جا رہے ہیں۔ چڑھا، پیچھے پیچھے میں بھی چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ہر جگہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ لیکن اس جگہ پر برسات کا کوئی اثر نہیں۔ ابو عبد اللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ہم دونوں اس کی طرف گئے۔ اس وقت بارش بڑے زوروں پر تھی۔ پانی میرے گھوڑے کے گھٹنوں تک چڑھ آیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلے کے چاروں طرف سو سو گز تک بارش کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا ہاتھ بڑھایئے۔ آپ واقعی رسول اللہ ہیں۔ ابو الطیب نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے اقرار نبوت کی بیعت کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ شام کا ہر شہر ابو الطیب کی نبوت کا قائل ہو کر حلقہ ارادات میں داخل ہو چکا ہے۔

(مقدمہ دیوان متنبی مرتبہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب بحوالہ الصبیح المتنبی)

دعویٰ نبوت سے قطع نظر بعض نوادر اور شعبدے بھی تھے جو ابو الطیب کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور جن کی بنا پر لوگوں نے اسے متنبی کہنا شروع کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ اس سے کہا گیا کہ یہاں ایک اونٹ ہے جو کسی کو سوار نہیں ہونے دیتا۔ اگر تم اس پر سواری کر دکھائو تو ہم تمہیں مرسل مان لیں گے۔ کہنے لگا بہتر۔ میں دکھادوں گا کہ کس طرح اس پر سوار ہوتا ہوں۔ چنانچہ ایک دن پیچھے سے جا کر اس پر سوار ہو لیا۔ تھوڑی دیر تو ناقہ نے شوخی

اور شرارت کی۔ لیکن پھر سیدھا ہو گیا اور ابو لطیب نے اسے چاروں طرف خوب چکر دلائے۔ متنبی کے لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابو الطیب ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ ایک کتا ان پر حملہ آور ہوا۔ ابو الطیب اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ ہم واپسی کے وقت اس کتے کو مرا ہوا پائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے مراجعت کے بعد دیکھا کہ واقعتہً وہ مرا پڑا تھا۔ (شرح العیون ۱۶،۱۵)

دعویٰ نبوت سے توبہ

بہت کم متنبی ایسے گذرے ہیں۔ جنہیں دعویٰ نبوت سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ ابو الطیب ان بلند طالع افراد میں سے تھا جنہیں جاذبہء لطف الٰہی نے دجل وزور سے تائب ہونے کی سعادت کرامت فرمائی۔ جب ابو الطیب نے سماده (ملک شام) میں نبوت کا دعویٰ کیا اور بنو کلب وغیرہ قبائل نے اس کی متابعت اختیار کی اور اس کی جمعیت یوماً فیوماً بڑھنے لگی تو امیر لولوئی جو اخشیدیہ کی طرف سے حمص کا حاکم تھا۔ اس کی طرف سے فکر پیدا ہوئی۔ اس لئے ازراہ مآل اندیشی ضروری جمعیت فراہم کر کے نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کے سر پر جا پہنچا اور اس کو قید کر لیا۔ بنو کلب، بنو کلاب اور دوسرے قبائل اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ جب اس کی زبون حالی حد سے بڑھ گئی اور صبر وثبات جواب دے بیٹھا تو قید خانہ میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

ایا خدد الله ورد الخد ود　　　وقد قد ود الحسان القدود

جنہوں نے (اپنے ہاتھ کی کاریگری سے) ان حسینوں کے رخسار تراشے، اور جنہوں نے ان نازنینوں کے نازک ودلکش قد بھی بنایا۔

اس قصیدہ میں یہ اشعار بھی تھے:

دعوتک لما برا نی البلی　　　واوھن رجلی ثقل الحدید

تیری بلاؤں نے مجھے اس حال پر لا کھڑا کیا　　　کہ لوہے کا بوجھ میرے پاؤں کو کمزور کر گیا ہے۔

وقدکان مشیھما فی النعال　　　فقد صارمشیھما فی القیود

جو پاؤں پہلے جوتوں میں آزاد چلتے تھے—اب ان کا چلنا صرف بیڑیوں میں رہ گیا ہے۔

وکنت من الناس فی محفل　　　فھا انا فی محفل من قرود

میں لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھا کرتا تھا،اور آج یہ حال ہے کہ بندروں جیسے (کم عقل) لوگوں کی محفل میں پڑا ہوں۔

تعجل فی وجوب الحدود　　　وحدی قبل وجوب السجود

تو نے حدود (سزا) کے لازم ہونے میں جلدی کی،اور میرے سجدے لازم ہونے سے پہلے ہی مجھے حد (سزا) دے ڈالی!

میں نے تم کو اس وقت پکارا جبکہ طول مکث نے مجھے پارہ پارہ کر دیا اور میرے پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے مضمحل ہو گئے۔ یہ پاؤں جوتیوں میں چلا کرتے تھے۔ مگر اب انہیں بیڑیوں میں چلنا پڑتا ہے۔ میں آدمیوں کی محفل میں رہا کرتا تھا۔ لیکن اب ہر وقت بندروں کی محفل نصیب ہے۔ تو حد جاری کرنے میں عجلت کر رہا ہے۔ حالانکہ مجھ پر حد ابھی واجب نہیں ہوئی یعنی حد بالغ پر واجب ہوتی ہے اور میں طفل نابالغ ہوں۔ جس پر ہنوز نماز ہی فرض نہیں ہوئی۔ ان اشعار پر امیر لولوٗ کو رحم آ گیا اور متنبی سے کہنے لگا۔ بہتر ہے کہ تائب ہو کر قید سے رہا ہو جاؤ۔ اس نے توبہ وانابت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ آخر اس کی طرف سے ایک دستاویز لکھی گئی جس میں بیان کیا کہ میں اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا تھا۔ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گئی۔ اب میں توبہ کر کے از سر نو اسلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس وثیقہ پر متعدد سربرآوردہ لوگوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں اور متنبی کو قید محن سے مخلصی نصیب ہوئی۔ اس شخص نے اپنا ایک قرآن بھی بنا رکھا تھا جس میں بہت سی سورتیں تھیں۔ لیکن تائب ہونے کے بعد اس کو خود ہی تلف کر دیا۔ ایک دن سیف الدولہ کی مجلس میں اس کے خانہ ساز قرآن کا ذکر آیا تو وہ اس کے وجود سے بالکل

مکر گیا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ پر کبھی ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ ابن خالویہ نحوی اس سے سیف الدولہ کی مجلس میں کہنے لگا کہ بھائی ابوالطیب سخت جاہل آدمی ہے۔ ورنہ متنبی کہلانا کبھی گوارہ نہ کرتا۔ کیونکہ متنبی جھوٹے نبی کو کہتے ہیں اور جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اسے جھوٹا کہتے رہیں۔ وہ جاہل ہے۔ ابوالطیب بولا میں تو متنبی کہے جانے پر خوش نہیں ہوں۔ جو لوگ مجھے اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ میری توہین کی نیت سے ایسا کہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں ایسے لوگوں کی زبان پر پہرے نہیں بٹھا سکتا؟۔

ماہر لغت

متنبی بہت لغت نقل کرنے والوں اور اس کے غریب اور مبہم الفاظ کے جاننے والوں میں سے تھا۔ اور اس سے جو بات بھی پوچھی جاتی اس پر عربوں کے منظوم و منثور کلام سے بطور پیش کرتا۔ اس اشعار انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اس کے اشعار کے بارے میں لوگوں کے کئی طبقے ہیں ان میں سے کچھ تو اسے ابو تمام پر اور اس کے بعد شعراپر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ابو تما کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔

دیوان متنبی

علمانے اس کے دیوان کی طرف توجہ کی ہے اور اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان کی چالیس چھوٹی بڑی شروح کا پتہ چلا ہے۔ اور ایسا کسی دوسرے دیوان کے ساتھ نہیں ہوا۔

وفات

سیف الدولہ کی ایک مجلس میں ہر شب کو علما حاضر ہوا کرتے تھے اور اس کی موجودگی میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ پس متنبی اور ابن خالویہ نحوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو ابن خالویہ نے متنبی پر حملہ کر دیا اور اس کے چہرے پر چابی مار کر سر کو زخمی کر دیا۔ وہ ناراض ہو کر مصر چلا گیا اور کافور کی مدح کی۔ پھر اسے چھوڑ کر اسے بلاد فارس کا قصد کیا اور عضد الدولہ بن بویہ دیلمی کی مدح کی تو اس نے بہت انعام دیا پھر 8 شعبان کو کوفہ آیا تو فاتک بن ابی الجہل اسدی اپنے کئی اصحاب کے ساتھ اسے ملا اور متنبی کے ساتھ بھی اپنے اصحاب کی ایک جماعت تھی۔ پس انھوں نے اس کے ساتھ جنگ کی تو متنبی اور اس کا بیٹا محمد اور اس کا غلام مفلح نعمانیہ کے نزدیک ایک جگہ پر جسے الصافیہ کہا جاتا ہے 28 رمضان 354ھ / 23 ستمبر 965ء قتل ہو گئے۔ بعض نے کہا ہے جبال الصافیہ، بغداد کے مضافات سے غربی جانب دیر العاقول کے پاس ہیں۔

ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

ذاتی حالات

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص شاہان بنو عبید کا چھٹا فرمانروا تھا۔ جو ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک بر سر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام و تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی ہیبت و جلال سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء و اعیان بخوف جان وآبرو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیوطی نے اس کو "سر تاج زندیقان" کا خطاب دیا ہے اور بعض موٴرخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت سلطنت پر حاکم سے بدتر کوئی فرماں روا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کرائے۔ اس

نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملق شعار حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے۔ جو اسے خدا کہہ کر پکارتے اور اس کی شان میں "یا واحد یا احد یا محیی یا ممیت" کا وظیفہ جپتے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابو البشر آدم علیہ السلام کی روح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی۔ چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل وعلا کا ایک مظہر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی۔ اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ ۳۹۲ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر معاً سر بسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام کے لئے سرو قد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔ (سنین الاسلام جلد ۲ ص ۱۰۲، ۱۰۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں اور علمائے اہل سنت و جماعت کی جانستانی

حاکم کو رفض میں بڑا غلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی رؤس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے ۳۰۲ھ میں ملوخیہ نام ایک میوہ اور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کر دی اور اس نہی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہؓ کو ملوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان مچھلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبراً روک دیا جن پر چھلکے نہ ہوں اور اس حکم کے بعد جن دکانداروں نے ایسی مچھلیاں فروخت کیں انہیں قتل کرا دیا۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہل سنت و جماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لائے تو مکان منہدم کرا دیا۔ تمام فقہاء و محدثین (کثر اللہ امثالہم) دب کر روضہء رضوان کو چلے گئے۔ ۳۹۳ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت و جماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھے۔ گرفتار کیا اور انہیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھے۔ اس تشہیر کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بکری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۸ ص ۲۶، تاریخ الخلفاء عربی سیوطی ص ۳۳۸ تذکرہ القادر باللہ) رب ذوالمنن شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں ان کے قدموں میں اٹھائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا جواب دہ تھا۔ ورنہ اس کے بعد جوں جوں عمر اور تجربہ میں پختگی پیدا ہوتی گئی۔ اس قسم کی بیدادگری اور خفیف الحرکتی میں انحطاط پیدا ہوتا گیا۔ چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی گئی کہ روافض نے اہل سنت و جماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر برسائے ہیں۔ تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ اے گروہ مسلمانان! ہم لوگ آئمہ ہیں اور تم امت ہو۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کریں اور دو شخصوں میں نفاق نہ ڈالیں۔ وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گذشتہ واقعات کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل روایت روزہ دار ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہو گا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے، پانچ کہیں۔ اور چار تکبیریں کہنے والے، چار سے نہ روکے جائیں۔ موذن اذان میں حی علے خیر العمل پکاریں اور جو موذن اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستایا نہ

جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دست اندازی نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک حق پرست عالم کی حق گوئی

اوپر لکھا جاچکا ہے کہ حاکم انتہا درجہ کا متکبر اور جابر تھا۔ لیکن عجائب روزگار دیکھو کہ پختگی عمر کے ساتھ ساتھ تکبر وجور کا دریائے جوش بھی سنجید گی اور رواداری کے بہت سے نشان نیچے اتر آیا۔ قاضی ابن خلکان ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ اعیان دولت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک خوشامدی حاشیہ نشین نے قرآن پاک کی آیت "فلا وربک لایؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما "(اے رسول! مجھے اپنی ربوبیت کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات ونزاعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں۔ اس میں کسی قسم کی ناگواری بھی محسوس نہ کریں۔ بلکہ کماحقہ اس کو تسلیم کرلیں) اور اس اثناء میں آیت کا پڑھنے والا حاکم کی طرف اشارہ کرتا جارہا تھا۔ جب وہ آیت پڑھ چکا تو ایک حق پرست عالم جنھیں ابن مشجر کہتے تھے کھڑے ہو گئے اور اس خیال کی تردید میں یہ آیت پڑھنے لگے "ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ ۰ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ۰ ضعف الطالب والمطلوب ۰ ماقدرو اللہ حق قدرہ ۰ ان اللہ لقوی عزیز "(تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو۔ وہ بلاشبہ اپنی اجتماعی قوت سے ایک ادنیٰ سی مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے (وہ تو ایسے عاجز ودرماندہ ہیں کہ) اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے عابد ومعبود دونوں ہی ضعیف وبے بس ہیں۔ ان لوگوں نے خدائے ذوالجلال کا اجلال واحترام ملحوظ نہیں رکھا۔ حق تعالیٰ قوی اور سب پر غالب ہے ۷۴،۷۳:۲۲) یہ سن کر حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ابن مشجر کو سو دینار انعام دینے کا حکم دیا اور خوشامدی کو کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد ابن مشجر کے ایک دوست نے اس کو رائے دی کہ تمہیں حاکم کے اخلاص کا علم ہے۔ گو اس وقت تم سے اس نے مواخذہ نہیں کیا بلکہ الٹا انعام دیا ہے۔ لیکن اس کے دل میں تمہاری طرف سے بغض وکینہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے اغلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بنا کر تمہیں آزار پہنچائے گا۔ پس قرین صواب یہ کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چل دو۔ ابن مشجر نے فوراً حج کی تیاری کر دی۔ جب جہاز سوار ہو کر جارہے تھے تو راستہ میں غرق ہو گئے۔ ان کے دوست نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟۔ کہا کہ خدائے غفار نے جمیل نیت اور حسن قصد کی برکت سے میری مغفرت فرمادی۔ (تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۲۷)

حاکم کا فرقہ دروزاور اس اس کے عقائد کفریہ

اوپر لکھا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ شاہ حاکم خالق کردگار کا مظہر کامل ہے اور اس کی ذات میں الہیت کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ خوشامد آمیز عقیدت حاکم کو کچھ ایسی پسند آئی کہ اپنی رعایا میں سے بعض لوگوں کو دادودہش سے اور بعض کو اپنی بادشاہی کے زور سے اس مشرکانہ عقیدہ کا پابند بنانے لگا۔ اس طرح جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے ان کو دروز کا خطاب دیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اسی عقیدہ پر راسخ ہو گئے۔ وادی تیم میں آج تک بہت سے ایسے دیہات پائے جاتے ہیں جو حاکم کی رجعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حاکم لوٹ کر آئے گا اور روئے زمین کی بادشاہت کرے گا۔ دروز اپنے لئے موحد کا لقب زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ توحید کو ان کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکا۔ ۴۰۸ھ میں حاکم کو حمزہ بن علی نام ایک اچھا ایرانی داعی مل گیا۔ یہ شخص نہایت فصیح وبلیغ اور بڑا فطرتی شخص تھا۔ حاکم

نے اس کی ذات مین غیر معمولی قابلیت کے جوہر دیکھ کر اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس نے حاکم کے دعوئوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔اس کی کوششوں سے شام کے بہت سے لوگ حاکم کو مظہر الٰہی یقین کرنے لگے۔ حمزہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپ چکا ہے جو کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے۔ فرقہ ءدروز میں یہ مجموعہ قرآن حکیم سے زیادہ مستند اور مقبول ہے۔ حمزہ نے دروز کے سامنے جو اصول و عقاید پیش کئے۔ ان میں بعض یہ تھے۔ خداوند عالم نے اپنے آپ کو دینا میں مختلف اوتاروں کی صورت میں ظاہر کیا جن کی تعداد ستر ہے۔ان میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہیں۔ان ستر اوتاروں میں سے آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے۔ اب کوئی نیا اوتار ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ذات خداوندی نے حاکم کی صورت میں آخری مرتبہ دنیا میں اپنا جلوہ دکھایا۔ لیکن جب اہل عالم کی پریشانیاں اور مشکلات غایت قصوی کو پہنچ جائیں گی۔ تو حاکم دنیا پر حکومت کرنے اور اپنے مذہب کو رائج کرنے کے لئے دوبارہ ظاہر ہو گا اور ابد الآباد فرمان روائی کرے گا۔ اس وقت تمام مذاہب کے پیرو اس کے تابع فرمان ہوں گے۔ مخالف طاقتیں پابجولاں حاضر کی جائیں گی اور ان کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ دروز ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبد اللہ (حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد ایمان کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) صرف قرآن کی تنزیل۔یعنی ظاہری اور لغوی معنی کو سمجھ سکے تھے اور اس کے حقیقی اور مرادی معنی صرف حاکم بامر اللہ سمجھا تھا جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ گو دروز مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن اسلامی شعار سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے۔وہ حضرت سید الاولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ حسن عقیدت نہیں رکھتے۔ صوم و صلوٰۃ سے نا آشنا ہیں۔ لحم خنزیر اور شراب بے تکلف کھاتے پیتے ہیں ان کے نکاح وازواج میں اسلامی رسوم کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ البتہ ختنہ کا رواج پایا جاتا ہے۔(سنین اسلام مطبوعہ لاہور جلد ۲ ص ۱۰۲، ۱۰۱ وغیرہ)

قتل:

حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی ہمشیر بنت الملک پر الزام لگایا کہ سپہ سالار سے اس کی آشنائی ہے اور اس کو ڈانٹا اور گالیاں دیں۔ بہن نے اس کے قتل کا عزم مصمم کر لیا۔ چنانچہ حاکم ایک رات سوار ہو کر ستاروں کی تحقیق و تشخیص کے لئے اور بقول خود احکام خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے کوہ مقطم پر گیا۔ دفعتہً بنت الملک کے دو حبشی غلاموں نے وہاں پہنچ کر اسے قعر ہلاک میں ڈال دیا اور لاش بنت الملک کے پاس اٹھالائے۔ اس نے لاش اپنے صحن خانہ میں گاڑ دی۔ ابن خلدون اور بعض دوسرے موٴرخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے کہ حاکم کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اس کی بہن کے پاس اجنبی مرد آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اس بناء پر حاکم نے اپنی بہن کو دھمکایا۔ اس نے ناراض ہو کر ابن دواس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بدعقیدہ ہو گیا ہے اور اس کی بداعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کو ٹھکانے لگا دو۔ لیکن خبر دار کہ یہ راز افشانہ ہونے پائے۔ ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ ابن دواس جو پہلے ہی سے کھٹکا ہوا تھا بے تامل اس کام پر مستعد ہو گیا اور دو شخصوں کو اس کی جانستانی پر متعین کر دیا۔ حاکم عموماًرات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔ چنانچہ ۷ اشوال ۴۱۱ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا۔ دو سوار ساتھ لئے۔ اس نے دونوں سواروں کو یکے بعد دیگرے واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا۔ چند روز تک اراکین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔ بالآخر قاضی مظفر صقلی اور بعض دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مقطم پر چڑھے تو اس کی سواری کے گدھے کو دیکھا کہ ہاتھ پاؤں کٹا مردہ پڑا ہے۔ آگے بڑھے تو

حاکم کا پھٹا کپڑا ملا۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔ جب اس کے قتل میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا تو ارکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے جو امور سلطنت میں بہت کچھ دخیل تھی۔ پھر ابن دواس حاضر ہوا۔

بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خورد سال بیٹے علی نام کو سریر سلطنت پر متمکن کیا گیا۔ علی بن حاکم نے بیعت لینے کے بعد "الظاہر لاعزاز دین االلہ" کا خطاب اختیار کیا۔ بیعت کے دوسرے دن ابن دواس سپہ سالار دوسرے فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔ بنت الملک نے اپنے خادم کو اشارہ کر دیا۔ اس نے لپک کر ابن دواس کو تلوار پر اٹھالیا اور انہی عہدہ داروں کی موجودگی میں قعرعدم میں پہنچا دیا۔ بنت الملک برابر کہتی جاتی تھی کہ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے۔ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا۔

لیکن علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکت قتل کو بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محرم ۴۱۵ھ میں قبیلہ بنو حسین کا ایک آدمی گرفتار ہوا۔ جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے تھے۔ حاکم کی جان لی تھی۔ اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک لوتھڑے بھی نکال کر دکھائے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟۔ تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی کی بنا پر مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آگئی۔ پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا؟۔ تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا۔ دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لی اور خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ نقل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کی بہن نے اسے قتل کرایا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تخت نشینی کے بعد بنت الملک کے مہام سلطنت کی نگران ہوئی اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رہگزرائے عالم آخرت ہو گئی۔

اصغر بن ابو الحسین تغلبی (مسیح موعود ہونے کا دعویدار)

اصفر بن ابوالحسین تغلبی راس عین کا رہنے والا تھا۔ جو حران اور نصیبین کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس نے ۴۳۹ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہنا شروع کیا کہ کتابوں میں جس موعود کے آنے کی پیشین گوئی ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔ اس سے اس کی مراد (غالبا) مسیح موعود ہوگی۔ اصغر نے دعوی نبوت کے بعد طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہا۔ بے شمار جہلاء اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے ۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو دل میں ملک گیری کا شوق سر سرایا اور حرب وضرب کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ اصغر سے پہلے جتنے جھوٹے مدعی گذرے۔ وہ اپنی حربی قوت کو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام دین کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ لیکن اصغر نے اپنے پیش رووں کا طریقہ چھوڑ کر اپنی سرگرمیوں کا رخ نصاری کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اس کا لشکر بڑے تزک واحتشام سے رومیوں کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔ روم کی سرحد پر پڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اصغر بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اور اس کی عظمت کا جھنڈا بڑی شان وشوکت سے اڑنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصغر نے نصاری کے خلاف پھر علم عربدہ جوئی بلند کیا۔ اور رومیوں کو منہدم کر کے واپس آیا۔ کچھ دن کے فصل سے پھر عنان عزیمت روم کی طرف موڑی اور رومیوں کو پامال کر کے اتنے مال غنیمت کے ساتھ مراجعت کی کہ جس کی کوئی حد ونہایت نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس کی فوج اس کثرت سے رومی عورتوں کو قید کر لائی کہ اس کے لشکر میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہوئیں۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ اصغر ہر مرتبہ چپ چاپ روم پر آچڑھتا ہے اور اس کے پیشتر کہ مدافعت کے لئے کوئی زبردست فوجی اجتماع عمل میں لایا جاسکے سرحدی شہروں کو تاخت وتاراج کر جاتا ہے تو اس نے نصرالدولہ بن مردان حاکم دیار بکر وسیافارقین کے پاس پیغام بھیجا

کہ تم سے ہمارے مراسم اتحاد استوار تھے۔ لیکن اصغر نے تمہاری مملکت میں رہ کر کئی مرتبہ خونریزانہ اقدام کیا ہے اور اتحاد استوار جو جو ستیزہ کاریاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں۔ وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر تم بیان مودت واتحاد سے دست بردار ہو چکے ہو تو ہمیں اس سے مطلع کردو۔ تا کہ ہم بھی اپنی صوابدید پر عمل کریں۔ ورنہ اس شخص کا کچھ تدارک کردو۔ جس وقت شاہ روم کا ایلچی نصر الدولہ کے پاس پہنچا تو اتفاق سے ٹھیک اس وقت اصغر کا قاصد بھی ایک خط لے کر نصر الدولہ کے پاس آیا۔ جس میں رومیوں کے خلاف اس کے ترک غزا پر اعتراض کیا تھا۔ نصر الدولہ نے دیکھا کہ اگر رومیوں کی شکایت کا کوئی مداوانہ ہوا تو وہ اس کی مملکت پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کے علاوہ از راہ مآل اندیشی اس مسئلہ پر بھی غور کرنے لگا کہ اگر ابھی سے اصغری فتنہ کا سدباب نہ کیا گیا تو یہی شخص جو آج رومیوں کو پریشان کر رہا ہے۔ کل کو ہمارے گلے کا ہار بن جائے گا۔ یہ سوچ کر بن نمیر کے چند آدمیوں کو بلایا اور انعامات دائرہ سے ممنون احسان کر کے کہنے لگا کہ اصغر نے رومیوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس لئے جس طرح بن پڑے۔ اس کو جا کر ٹھکانے لگا دو یا زندہ گرفتار کر لاؤ۔ بنو نمیر کے جوان اصغر کے پاس جا کر اس کے مریدوں میں داخل ہو گئے اور حاشیہ نشینی اختیار کر کے تھوڑی مدت میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا۔ ایک مرتبہ اصغر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں بنو نمیر کے جوانوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی اور شخص نہ تھا۔ انہوں نے موقع پا کر اس کو گرفتار کر لیا اور نصر الدولہ کے پاس لے آئے۔ نصر الدولہ نے اس کو زندان میں ڈال کر شاہ روم کو اس کی اطلاع دے دی۔ [1] اس کے بعد اس کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ قرینہ یہ ہے کہ حالت سجن میں اس سرائے فانی سے منقطع ہو کر دار آخرت کو چلا گیا ہو گا۔

ابو عبد اللہ ابن شباس صیمری

ابو عبد اللہ ابن شباس صیمری ۴۵۰ھ میں بصرہ شہر کے ایک گاؤں صیمرہ میں ظاہر ہوا۔ وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ اس نے اپنے فتنہ پرور مریدوں ساتھ مل کر نہ صرف العوام کا الانعام کو گمراہ کیا بلکہ بہت سے اہل علم اور اہل نظر افراد بھی اس کی شازش کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اہل صیمرہ اس کی پرستش کرتے تھے۔

کبوتر باز کا بیٹا

ابو عبد اللہ کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی جو شباس کے نام مشہور تھا، ایک مشہور کبوتر باز تھا۔ باپ کے اس فن میں بیٹے کو بھی کمال حاصل تھا۔

نامہ بر کبوتر

ابو عبد اللہ ابن شباس صیمری کے مریدوں اور معتقدین کی بڑی تعداد تھی جو مختلف شہروں میں قیام پزیر تھی۔ ان سے رابطے کے لیے نامہ بر کبوتروں کا بہترین استعمال ہوتا تھا۔ خصوصا مختلف علاقوں کی خبر کے حصول کے لیے نامہ بر کبوتر بہت کار آمد تھے۔

مختصر

ابو عبد اللہ ابن شباس نے صرف کم فہم عوام کو ہی گمراہ نہیں کیا بلکہ ذی فہم اور عقل و شعور والے کو بھی فتنوں میں مبتلا کیا۔ اس کے شعبدوں میں میں سب سے اہم اور قابل ذکر، کبوتر بازی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے بھی وہ کبوتروں کے ذریعے پیغام بھیجتا اور لوگ اسے خدائی تنبیہ سمجھ کر دشمنی سے باز رہتے تھے۔

کبوتر بازی، غیب دانی اور دعوائے خدائی

جب بھی کوئی شخص کسی شہر سے ابن شباس کے یہاں آتا تو وہ فوراً ایک پیغام لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعے سے متعلقہ شخص کے علاقے میں قیام پزیر اپنے کسی معتقد کے پاس بھیجتا اور جواب میں وہ معتقد وہاں کی نئی صورت حال یا کوئی نئی خبر اسی نامہ بر کبوتر کے ذریعے سے لکھ روانہ کر دیتا اور وہ اچانک کسی وقت چونک کر بتاتا کہ فلاں علاقے میں فلاں واقعہ پیش آیا ہے اور وہ جب وہ شخص واپس آکر اس واقعے کی تصدیق کرتا تو سچ پاتا اور اس طرح اسے ابن شباس کی غیب دانی کا یقین ہو جاتا اور اس کی خدائی کا تسلیم کر لیتا۔

اس کے اباطیل نے نہ صرف عوام کالانعام کو خیرہ سر کر دیا۔ بلکہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور صحیح العقل انسان بھی ماؤف دماغ ہو گئے۔ خصوصاً اہل صیمرہ تو اس کو (معاذ اللہ) خالق کردگار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں میں نے کتاب "المبدء والمآل" میں ابن شباس کے حالات مفصل درج کئے ہیں۔ ابن شباس کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی معروف بہ شباس ایک مشہور کبوتر باز تھا۔ جس طرح آج کل اخباری نمائندے دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں سے خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ابن شباس کے آدمی بھی تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔ جو نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے اپنے اپنے شہر کے واقعات لکھ کر ابن شباس کے پاس بھیجتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صحافی صرف اہم خبریں بھیجتے ہیں۔ لیکن ابن شباس کے گماشتے بالکل غیر اہم امور کی بھی اطلاع دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب کوئی شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے جھٹ کاغذ کے ایک پرزہ پر اطلاع لکھ کر فلاں شخص مجھ سے ملنے آیا ہے کسی کبوتر کو اڑا دیا۔ ادھر صیمرہ میں یہ انتظام تھا کہ نامہ بر کبوتر اپنے شہر سے اڑ کر ابن شباس کے مکان کی چھت پر آبیٹھتے۔ شباس کا ایک خادم وہاں ہر وقت موجود رہتا۔ وہ کبوتر کے پاؤں سے رقعہ کھولتا اور نیچے آکر چپ چاپ ابن شباس کو دے جاتا۔ اسی طرح سارا دن کبوتروں کی ڈاک لگی رہتی تھی۔ اور ابن شباس دعویٰ غیب دانی کے ساتھ دن بھر حاضرین کو بلاد و امصار کی خبریں سنایا کرتا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اچانک پکار اٹھتا کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ فلاں فلاں مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بعد میں یہ اطلاعات ہمیشہ صحیح ثابت ہوتی تھیں۔ اس لئے لوگ اس کو علام الغیوب اور رب العالمین یقین کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ابن شباس کے کسی نمائندے نے اس کے پاس اپنے شہر سے اطلاع بھیجی کہ فلاں فلاں افراد یا قبائل میں نزاع ہو گئی ہے۔ ابن شباس متخاصمین کے نام ایک ایک چٹھی لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ سے اپنے نمائندہ کے پاس بھیج دیتا۔ ان چٹھیوں میں لکھا ہوتا تھا تم لوگ آپس میں مصالحت کر لو۔ ورنہ تم پر میرا صاعقہ عذاب نازل ہو گا۔ ابن شباس کا نمائندہ یہ چٹھیاں متخاصمین کے پاس پہنچا دیتا۔ وہ اپنے خانہ ساز خدا کا فرمان پڑھ کر مرعوب ہو جاتے۔ اور یہ خیال کر کے کہ اگر اپنے "خالق ورزاق" کا امتثال امر نہ کریں گے تو ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ آپس میں صفائی کر لیتے۔ (کتاب الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۲۸،۲۷)

نامعلوم انجام

معلوم نہیں اس فتنہ پرور کو کسی مسلمان حاکم نے عبرتناک انجام تک پہنچایا یا وہ خود اپنی موت مرا۔ لیکن بہر حال اس فتنہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو محفوظ کر دیا۔

حسن بن صباح

صباحیہ یا حشیشین(Assassins) فرقہ کا بانی بلاد عجم یعنی ایران کا بہت بڑا فتنہ حسن بن صباح ۴۲۸ ہجری بمطابق ۱۰۳۴ عیسوی میں خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ وہ پیدائشی رافضی تھا۔ اس نے اسمٰعیلی مذہب اختیار کر لیا اور اپنی تحریک کو ایسی ترقی دی، جس کے باعث وہ اسلامی قوتوں سے مقابلہ کرنے لگا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو درست ہو گا کہ اس نے اور اس کے جانشینوں نے فدائی حملوں کی ایسی دہشت پھیلائی کہ اس زمانے کے اسلامی سلاطین ان سے تھراتے تھے۔

نام اور نسب: حسن بن صباح کا پورا نام حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری تھا۔ یہ ایرانی تھا اور اس نے اس زمانے کے رواج کے مطابق اپنے آپ کو ایک عرب الحمیری خاندان سے منسوب کیا تھا۔ لیکن اسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ لوگ اس کا نسب بیان کریں۔ وہ اپنے مریدوں سے کہا کرتا تھا مجھے اپنے امام کا مخلص غلام کہلایا جانا زیادہ پسند ہے کہ بہ نسبت اس کے میں ان کا ناخلف لڑکا کہلاؤں۔

اس کا باپ کوفہ سے قُم آیا جہاں حسن پیدا ہوا۔ سات سال کی عمر سے ہی اسے تحصیل علم شوق تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اس نے ریاضی، نجوم اور سحر وغیرہ مختلف علوم حاصل کیے۔ اس وقت تک اس کا مذہب اپنے باپ کی طرح اسماعیلی شش امامی تھا۔

حشاشین (Assassins) عربی: حشاشین یا باطنیان (ایک دہشت پسند اور خفیہ جماعت تھی جس کی بنیاد اسماعیلی فرقے کے حسن بن صباح نے رکھی۔ اور ان کا مرکز الموت میں قلعہ الموت تھا۔ اس جماعت کا خاتمہ ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوا۔ جس نے قلعہ الموت کو فتح کر کے حسن بن صباح کے آخری جانشین رکن الدین کو گرفتار کر لیا اور ہزاروں فدائیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جماعت کے فدائین (اگر انھیں خود کُش حملہ آور کہا جائے تو بے جانہ ہو گا) ہمیشہ زہر آلود خنجر سے مسلح رہتے۔ چنانچہ ان کا شکار معمولی ساز خمی ہونے کی صورت میں بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور حملہ آور گرفتاری سے بچنے کے لیے اسی زہریلے خنجر سے خودکشی کر لیتا۔ کئی جلیل القدر علمائے اعلام، حکومتی عمال، حتیٰ کہ امرا و وزرا ان کا شکار بنے۔ وزیر نظام الملک طوسی کو بھی انہی کے ایک ساتھی نے قتل کیا۔ ان کا نیٹ ورک تمام عمال، امرا، وزرا سمیت خلیفہ کے محلات تک پھیلا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ خوف و دہشت کی علامت بن گئے۔

حسن بن صباح، اس فرقہ کا بانی تھا۔ اسے مہبط وحی ہونے اور اللہ تعالیٰ سے احکام پانے کا دعوی تھا اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیروکار تھا۔ اس کا سلسلہ نسب یہ ہے: حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری اس کا باپ علی بڑا شری اور مفسد قسم کا شخص تھا اور اپنے خبث باطن اور الحاد زندقہ میں بڑا بدنام تھا۔ حالانکہ وہ ہر کسی کے سامنے قسمیں کھایا کرتا تھا کہ میں بڑا راسخ العقیدہ مسلمان ہوں۔ جب اہل سنت والجماعت کے ایک بڑے عالم دین امام موفق نے نیشاپور میں مسند درس سنبھالی اور مختلف شہروں اور ممالک کے لوگ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لیے آنے لگے تو علی نے بھی اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جا کر امام موفق کے درس میں داخل کروا دیا۔ وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد حسن اپنے باپ کے پاس رے واپس آ گیا۔ ۴۶۵ ہجری۔ بمطابق ۱۰۷۲ء کو وہ اپنے ہم مکتب اور ہم درس نظام الملک طوسی کے پاس نیشاپور پہنچا۔ نظام الملک نے اس کی ملاقات سلطان ملک شاہ سے کروائی اور اسے سلطان کا معتمد خاص مقرر کروا دیا۔ حسن چونکہ بے حد بد فطرت اور شیطان صفت آدمی تھا وہ بر دم اس تاک میں رہنے لگا کہ کسی نہ کسی طرح نظام الملک کو بادشاہ کی نظروں سے گرا دے، اور خود اس کے عہدے پر یعنی وزارت عظمی پر پہنچ جائے۔

اپنی انہی حرکتوں کی وجہ سے اسے سلجوقیوں کے دربار سے نکلنا پڑا۔ یہاں سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد اسے اصفہان کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ اور عازم رے ہونا پڑا۔

رے پہنچ کر حسن کو معلوم ہوا کہ اسماعیلی مذہب کا داعی الکبیر وہاں رہتا ہے، جو اسماعیلی مذہب کی ترویج و ترقی کے لیے مبلغ ملازم رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ اس کے لائق بھی کوئی خدمت سپرد کی جائے۔ داعی الکبیر نے اسے ملازم رکھ لیا، اور کچھ عرصہ بعد مصر بھیج دیا جہاں اس وقت عبیدیوں کی حکومت تھی۔

جو بظاہر اسماعیلی اور درپردہ باطنی تھے۔ حسن کی مصر میں بہت قدر و منزلت کی گئی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اسے حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور ایک پرانے قلعے ومیاط میں قید کر دیا گیا۔ اتفاق سے اس روز قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اسے حسن کی کرامات سے منسوب کیا۔ امیر الجیش نے برافروختہ ہو کر حسن کو ایک جہاز میں چند عیسائیوں کے ہمراہ بٹھا دیا، اور افریقہ کی طرف بھیج دیا۔ جہاز سے اتر کر حسن حلب، بغداد، خزستان سے ہوتا ہوا اصفہان آن پہنچا۔ اور ان تمام علاقوں میں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کرتا رہا۔

اس اثناء میں حسن کا استاد زادہ اور چند دوسرے لوگ بعض مضبوط قلعوں پر قابض ہو گئے۔ سب سے پہلے وہ جس قلعے پر قابض ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب یہاں ان کی جمعیت بڑھنے لگی تو انھوں نے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چند ہی دنوں میں ان کی چیرہ دستیاں ان اطراف میں عام ہو گئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ان لوگوں نے قلعہ اصفہان پر بھی قبضہ کر لیا۔

حسن نے اصفہان آنے کے بعد اپنے چند لوگ اس غرض سے قلعہ الموت کی طرف بھیج دیے تھے کہ اس کے گرد و نواح میں اسماعیلی مذہب کو پھیلائیں۔ چنانچہ اسماعیلی مناد قلعہ الموت کے چاروں طرف نہایت زبردست طریقے سے اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے۔ اور خود حسن قلعے کے قریب قیام کر کے لوگوں پر اپنے ریاکارانہ زہد و اتقاء کا سکہ جما رہا تھا۔ چنانچہ ہزارہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب اس کے مریدین کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حاکم علاقہ اس پر بہت متردد ہوا۔ اس نے سپاہیوں کے ایک دستے کو رات کی تاریکی میں حسن کو گرفتار کرنے کو بھیج دیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ اسے قلعہ میں نظربند کر دیا جائے۔ لیکن قلعہ میں داخل ہونے کے بعد حسن نے ایک ایسی چال چلا کہ حاکم علاقہ اس قلعے سے بالکل بے دخل ہو گیا۔ حسن نے یہ زمین تین ہزار دینار کے بدلے خرید لی۔ اگرچہ اس نے نماز پڑھنے کے لیے ایک چرسہ زمین مانگی تھی جب بیع نامہ تیار ہو گیا تو اس نے بیل کی ایک کھال منگوا کر اس کے باریک باریک ٹکڑے کرا کے اس سارے علاقے پر اپنے قبضے کا دعوی کر دیا۔ جب اسے الموت جیسا مضبوط و مستحکم قلعہ مل گیا، تو اس نے صوبہ رودبار اور قزوین میں بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے مذہبی خیالات کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس صوبے کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اور بہت سے لوگ قہراً و جبراً اس کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اور یوں مذہب کی آڑ ہی آڑ میں میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس نے قلعہ الموت کو بحیثیت مستقر حکومت خوب مضبوط و مستحکم کیا۔ اس کے چاروں طرف عالی شان محلات تعمیر کروائے اور باغ لگوائے۔

اب حسن پر ہر وقت یہ دھن سوار رہنے لگی کہ کسی نہ کسی طور سلطان ملک شاہ اور اپنے ہم مکتب دوست نظام الملک طوسی کا خاتمہ کر دے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچتا تھا کہ اتنے زبردست حریفوں کے ساتھ مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ چنانچہ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب سوچی۔ اس نے جانبازوں کی ایک جماعت تیار کروائی اور ان کے لوح دل پر یہ بات مرتسم کر دی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور

دنیا میں بڑا قادر بڑا اعظیم و کبیر ہے۔ اس تعلیم و تلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل آسان تھا۔ اس نے قلعہ الموت کے ارد گرد خوب صورت مرغزاروں اور جان بخش نزہت گاہوں میں نہایت خوب صورت محل برج اور کوشکیں تعمیر کرائیں۔ عالی شان محلات کی پاکیزگی و خوش نمائی، باغوں اور مرغزاروں کی نزہت و ترو تازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھیں۔ ان کے بیچوں بیچ بہشت بریں کے نام سے ایک خوش سواد باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیا کیے گئے جو انسان کے لیے موجب تفریح ہو سکتے تھے۔ ہر قسم کی اشیائے تعیش، ہر قسم کے میوہ جات کے درخت، پھول، رنگا رنگ چینی ظروف بلوری طلائی نقرئی سامان بیش قیمت فرش و فروش یونان کے اسباب تعیشات پر تکلف سامان خور و نوش چنگ و چغانہ، نغمہ و سرور، جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام کروایا۔ نلوں کے ذریعے محلات میں دودھ شہد پانی اور شراب جاتے تھے۔ ان تمام تکلفات کے علاوہ دل بہلاوے کے لیے پری تمثال نو عمر حسینائیں موجود تھیں۔ ان مہ وشوں کی سادگی وضع اور ان کی حسن و جمال کی دلربائی معاً دیکھنے والے کو یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم اسفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کی نورانی پیکر ہیں۔ اس بارے میں کوشش یہ کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائرین کے دل پر فرحت و انبساط کا ایسا شریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیوی نہیں بلکہ اخروی یقین کرے۔

حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک تو داعی و مناد تھے۔ جو دور دراز ممالک میں خفیہ لوگوں کو اس مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کے معتمد علیہ ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا، جس کے لیے یہ جنت بنائی گئی تھی۔ ابن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ کے خوب صورت قوی ہیکل اور تندرست و توانا نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی، فدائیوں کی فوج میں بھرتی کیا کرتا تھا۔ وہ حسن کے ہر حکم کی بلا عذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے تھے۔ بھنگ جسے حشیش کہتے ہیں، ان ایام میں غیر معمولی شے تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانش مندی سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہو گا۔ جب فدائی سپاہی امیدواری کا دور ختم کر لیتا تو حسن اسے بھنگ کے زیر اثر بے ہوش کر کے اپنی جنت میں بھجوا دیتا۔ جہاں وہ جان پرور حوروں کی آغوش میں آنکھ کھولتا۔ اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا جس کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہان عالم کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں وہ انواع و اقسام کی نزہت گاہوں کی سیر کرتا، حوروں کے حسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا، ان مہوشوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر مئے ارغوانی کے جام لنڈھاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے پھل کھاتا، اور ہر قسم کے تعیشات میں محو رہتا۔ ہفتہ عشرہ بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ جاتا کہ مدت تک کبھی نہ مٹ سکے تو وہی حوریں اسے بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوا دیتیں۔ جہاں وہ شیخ کے قدموں میں آنکھ کھولتا۔ جنت کے چند روزہ قیام کی یادیں اسے ہر دم بے تاب و بے قرار کیے رکھتیں۔ وہ شیخ سے دوبارہ اس جنت میں واپس جانے کی تمنا کرتا تو شیخ اس سے کہتا کہ جنت میں دائمی قیام کی اولین شرط جان نثاری ہے۔ چنانچہ وہ حسن کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتا۔ یوں حسن اس سے اپنی مرضی کا کام نکلوا لیتا۔

جب حسن کو اپنے کسی دشمن کا کام تمام کروانا مقصود ہوتا تو وہ ایک فدائی نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے خود بھی قتل ہو جا۔ مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنت میں پہنچا دیں گے۔ یہی وہ خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا، وہ وہاں روپ بھر کر جاتے، رسائی اور آشنائی پیدا کرتے، اس کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی وہ فدائی تھے جن کی

وجہ سے دنیا بھر کے بادشاہ و سلاطین حسن بن صباح کے نام سے کانپتے تھے۔
ان فدائین کو بلی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ کیونکہ بلی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور بڑی بے جگری سے مخالف پر حملہ کرتی ہے۔ جب خواجہ نظام الملک طوسی نے قلعہ الموت پر حملہ کیا تو اسے بھی ایک فدائی نے درخواست دینے کے بہانے قتل کر دیا۔ جب یہ قتل کامیاب رہا تو حسن نے یہ بات طے کر لی کہ فوج کے ذریعے کسی سے لڑنے کے بجائے یہ کام اپنے کسی فدائی سے کروالیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔
حسن بن صباح نے نوے (۹۰) برس کی عمر میں انتیس (۲۹) سال تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرنے کے بعد 12 جون 1124ء (26 ربیع الثانی 518ھ) کو انتقال کیا۔
حسن بن صباح کا فرقہ سب سے خطرناک فرقہ ہے، جس سے عالم اسلام کو سابقہ پڑا۔ ان اسماعیلی فرقوں کی تعداد جنھوں نے مختلف ناموں سے خروج کیا کم از کم اکیس تک پہنچتی ہے۔ پہلا فرقہ اسماعیلی تو اصل ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں۔ جو اپنے دعاۃ کی طرف سے منسوب ہو کر یا کسی خاص عقیدے کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ حسن بن صباح کے فرقے کو حسنی کے علاوہ تعلیمیہ، فدائیہ، باطنیہ، حشاشین، صباحیہ اور ملاحدہ وغیرہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔
باطنیہ فرقہ کے لوگ قرآن حکیم اور احادیث کے ظاہری الفاظ کے باطنی معنوں پر زور دیتے ہیں۔ یعنی لفظی معنوں کو تورد کرتے ہیں اور باطنی معنوں پر زور دیتے ہیں۔ مثلاً اَبو المنصور العجلی کی طرف سے ایک قول منسوب ہے کہ "السموات سے مراد امام اور" الارض سے مراد پیروکار ہیں۔
باطنیوں کے چار بنیادی تصورات ہیں: (۱) باطن (۲) تاویل (۳) خاص و عام (۴) تقیہ۔
ان کے خیال کے مطابق بر مقدس متن کے باطنی معنی ہوا کرتے ہیں، جو ظاہری معنوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہر نبی جس کو کتاب دی جاتی ہے، کا ایک وصی ہوا کرتا ہے، اس وصی کا کام یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے اس کلام کی تاویل قابل لوگوں کے ایک خاص گروہ جو اسے وصی مانتا ہے، کے سامنے کرے۔ چنانچہ اس طرح وہ انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک خواص جو باطنی کو جاننے والے ہیں۔ دوسرے عوام ان کے نزدیک باطن صرف اس لیے باطن نہیں کہ وہ ظاہر نہیں، بلکہ اس لیے بھی باطن ہے کہ وہ بھید ہے۔ اور اس کا علم وحی کی ظاہری پیروی کرنے والوں کو نہیں حاصل ہوتا۔
باطنیوں میں یہ عقیدہ بار بار خاص طور پر دہرایا جاتا رہا ہے کہ جو لوگ امام کے صحیح منصب اور حقیقت سے واقف ہوتے ہیں، ان کے لیے شریعت اور اس کے ظواہر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

باطنیہ اور اسماعیلی فتنہ

(الف) نظریہ

باطنیہ کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ قرآن و سنت کے ظاہری معنی عوام کے لیے ہیں، جبکہ باطنی معنی صرف امامِ وقت کے علم میں ہیں۔

(ب) اثرات

- ظاہری شریعت کی نفی
- امام کو دین کا محور قرار دینا

- دین کو باطنی فلسفہ بنا دینا

(ج) علمی ردّ

امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی کتاب **"فضائح الباطنیۃ"** میں ان کے افکار کا مدلل ردّ کیا اور واضح کیا کہ: "باطنیہ کا مقصد قرآن کو باطل ثابت کرنا اور شریعت کو منسوخ کرنا ہے۔"

رشید الدین ابو الحشر سنان

محمد ثانی بن حسن ثانی باطنی کے عہد حکومت میں شام کے اسماعیلیوں نے الموت سے قطع تعلق کر کے رشید الدین ابو الحشر کو جو سنان کے لقب سے مشہور تھا اپنا سردار بنالیا تھا۔ سنان نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک الہامی کتاب بھی معتقدین کے سامنے پیش کی۔ یہ شخص اپنے آپ کو ایک اوتار اور مظہر ایزدی بتاتا تھا۔ باطنی لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا شاہ اموری کے پاس بھیجا۔ لیکن وہاں ایسی بدنظمیاں پھیل رہی تھیں کہ سفیر متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنان نے قاتل کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس سے بھی انکار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے باطنیوں اور فلسطین کے عیسائی حکمرانوں میں بگڑ گئی۔ اس سے پیشتر باطنی لوگ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب عیسائیوں کے بھی دشمن ہو گئے اور فدائیوں کی چھریاں ان پر تیز ہونے لگیں۔ اس سلسلہ میں فرانس کا ایک بڑا حاکم کنتراڈ نام ایک فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اسی طرح یورپ کا ایک نامی گرامی فرمانروا فریڈرک جب کہ شمالی اٹلی کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک فدائی کی چھری سے مارا گیا۔ کنتراڈ کی ہلاکت کے دو سال بعد کاؤنٹ شامپین فلسطین کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر مصیات میں سنان کا مہمان ہوا۔ سنان نے اسے قلعہ کے دھس اور برج دکھائے۔ ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینہ پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ فوجی جمعیتوں کے تذکرہ پر سنان نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہمارے جیسے اطاعت شعار اور جانثار سپاہی دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں۔ یہ کہہ کر سنان نے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا اور جھٹ برج کے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ ہی دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے کی طرف کود پڑے اور زمین پر گرتے ہی ہلاک ہو گئے۔ یہ عبرتناک تماشہ دکھا کر سنان بولا کچھ انہی پر منحصر نہیں۔ یہ جتنے سپاہی سفید لباس میں کھڑے ہیں۔ اشارہ کروں تو سب کے سب گر گر کر جانیں دے دیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نصرانی حکمران انگشت بدنداں رہ گیا اور کہنے لگا مجھ پر کیا موقوف ہے۔ واقعی دنیا کے کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نصیب نہ ہو گی۔ جب کاؤنٹ شامپین مصیات سے رخصت ہونے لگا تو سنان اس سے کہنے لگا اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ یہ فدائی سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدسؒ کی جان ستانی میں بہت کوشاں رہے۔ لیکن خدائے عزیز وبرتر نے انہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ ملک شام میں سلطان صلاح الدینؒ کے فتوحات نے باطنیوں کی قوت کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے ان کے نزدیک سلطان ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایک مرتبہ فدائی خنجر باندھ کے سلطان کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جب کہ سلطان اپنے کیمپ میں قیام فرما تھا۔ یکے بعد دیگرے چار فدائی خنجر لے کر جھپٹے۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان کو اس ناپاک کوشش میں نامراد رکھا۔ بعض تو ایک مرتبہ بالکل سلطان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن سلطان نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ بہر حال یہ سلطان صلاح الدین کی کرامت سمجھنی چاہئے۔ ورنہ یہ خونخوار

فدائی جس کے پیچھے پڑتے، جان لئے بغیر چین نہ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو فرنگیوں کی جنگ سے فرصت نہ تھی۔ تاہم جب سیاہ دل باطنیوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تو سلطان نے فرنگیوں کی طرف سے عنان توجہ پھیر کر باطنیوں کی سر کوبی کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جاتے ہی باطنیوں کے شہروں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد قتل وغارت کرتا اور ان کی آبادیوں کو خاک سیاہ کرتا مصیات پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ مصیات الموت کے بعد باطنیوں کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ سلطان نے محاصرہ کر کے منجنیقیں نصب کر دیں۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور محصورین کی حالت زیادہ ابتر ہونے لگی تو سنان نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی والیٔ حماۃ کے پاس پیغام بھیجا کہ از راہ کرم تم سلطان کے پاس ہماری شفاعت کرو اور بیچ بچاؤ کر کے محاصرہ اٹھوا دو۔ حارمی نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس بے التفاتی پر باطنی قاصد نے حارمی کو قتل کی دھمکی دی اور بولا ہمارا سردار سنان کہتا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ہماری ایذارسانی سے باز نہ آیا تو جس طرح بن پڑا ہم اس کے ماموں کی جان لے لیں گے۔ حارمی ان فقروں میں آگیا اور سلطان صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لئے تم ان کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ ماموں کی منت سماجت پر سلطان کا دل نرم ہو گیا اور محاصرہ اٹھا کر مصر چلا گیا۔

محمد بن عبداللہ بن تومرت حسنی

محمد بن تومرت مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔

محمد بن عبداللہ بن تومرت ۴۸۵ھ میں سوس میں پیدا ہوا۔ جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد واحفاد میں سے تھا۔ عالم وفاضل فصیح وبلیغ اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ عبادت الٰہی میں راغب اور تقشف وانقطاع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ زہد و تبتل کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کی چھڑی اور چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز اس کی ملک میں نہ تھی۔ باوجود ورع وتقویٰ کے ۵۱۴ھ میں اس نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگاری اور عبادت گذاری کا مقصد ہی یہی تھا کہ حب اوج وعروج کو زہد واتقاء کے دامن میں چھپا کر سرسبز کرے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے علامات مختصہ میں سے جو بارہ مشہور علامتیں مذکور ہیں۔ مرزا غلام احمد کادیانی کی ذات میں ان میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بساط جرأت پر قدم رکھ کر مہدی آخر الزمان بن بیٹھے اور نہایت دیدہ دلیری سے لکھ مارا کہ: "وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا۔ جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں"۔

(تذکرۃ الشہادتین ص ۲، خزائن ج ۲۰ ص ۴۰۳)

تو پھر ظاہر ہے کہ محمد بن عبداللہ بن تومرت جس کا نہ صرف اپنا اور باپ کا نام ہی حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اور ان کے والد محترم کے ناموں سے ملتا تھا۔ بلکہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی طرح اسے بنو فاطمہ میں پیدا ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ بھلا دعویٰ مہدویت سے کیونکر باز رہ سکتا تھا؟ مرزا غلام احمد کادیانی نے محض تنگ دستی اور مفلوک الحالی سے مجبور ہو کر تقدس واتقاء کی دکان کھولی تھی اور اس دکان آرائی سے بجز شکم پری اور زراندوزی کے ابتداء کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا اور وہ بیچارے مدت العمر ① خودستائی۔ ② انگریز کی خوشامد۔ ③ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زمرہ اموات میں شامل کرنے کی ناکام کوشش۔ ④ علمائے امت کے خلاف سب وشتم۔ ⑤ خواہشات نفسانی کی تکمیل کے سوا کوئی تعمیری کام نہ کر سکے۔ لیکن بعض جھوٹے مدعی اپنے دعوؤں کی بدولت بڑے عروج کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو گا کہ محمد بن تومرت نے دعوائے مہدویت ہی کے صدقہ سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں

نے ابن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس وافادہ پر سعادت افروز تھے تو ابن تومرت ان کے حلقہ درس میں پہنچا اور تین برس تک آپ کی صحبت میں رہا۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ (الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۱۹۵)

ابن خلکان کا بیان ہے کہ طالب العلمی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی۔ جس کا اس نے نظر تعمق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے قواعد واحکام پر پوری طرح حاوی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم و چراغ ہوگا۔ وہ داعی الی اللہ ہوگا اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف "ت ی ن م ل (تینمل)" ہوں گے۔ اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہوگی۔ جس کے نام میں حروف "ع ب د م و م ن (عبدالمؤمن)" ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ اس شہر میں اس نام کے آدمی کی تلاش میں ہمہ تن انتظار بنا رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہوگا۔

قاہرہ سے اخراج، جہاز رانوں نے سمندر میں لٹکا دیا

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف و نہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا اور یہ عمل کچھ تصنع و ریاء پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ یہ چیز ابتداء ہی سے فطرۃً اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابن تومرت معاصی و منکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب ذی الاقتدار اور وابستگان حکومت سے لڑ بیٹھتا۔ بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار سے الجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جری تھا کہ نہ کسی والئ مُلک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کا پاس ولحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خود سریوں کی بدولت خارج البلد کیا۔ جہاں جاتا ملامتیں سنتا۔ گالیاں کھاتا۔ مگر اپنے کام سے باز نہ آتا۔ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتا تھا۔ جہاں کہیں اس کی مخالفت کا شور ہوتا تھا۔ وہاں ہزارہا حامیان شریعت اس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ متاع دنیوی سے اس درجہ فارغ تھا کہ سفر میں ایک چھڑی اور ایک چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز ساتھ نہ ہوتی تھی۔ قاہرہ سے نکالا گیا تو اسکندریہ کی راہ لی۔ وہاں بھی امر معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متولی اسکندریہ نے اسے ان بلاد سے خارج کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کیا۔ جہاز میں بھی احکام شرع کے نافذ کرنے میں لوگوں سے اکثر مار پیٹ کی نوبت آئی۔ جہاز میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو فریضہ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ ابن تومرت نے ان سے ترک صلوٰۃ پر لڑنا شروع کیا۔ آخر جہاز رانوں نے تنگ آ کر اسے سمندر میں لٹکا دیا اور وہ نصف یوم تک پانی میں لٹک کر سمندر کی نیلگوں موجوں سے دوچار رہا۔ مگر قدرت الٰہی سے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اہل جہاز نے یہ دیکھا کہ ایک خلاصی کو پانی میں اتارا۔ وہ ابن تومرت کو پھر جہاز میں کھینچ لایا۔ لوگوں نے اس امر کو کرامت پر محمول کیا اور اہل جہاز کے دلوں پر اس کی عظمت و بزرگی کا سکہ جم گیا اور ایسا رعب بیٹھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ رہی اور جو کچھ خفیف سی ناراضیاں باقی رہیں وہ بھی آناً فاناً دب گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز یہ مہدیہ کے ساحل پر اترا ہے تو جہاز میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نماز کا پابند نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں ناغہ کرتا ہو۔

مہدیہ میں ورود اور شہر میں ہلچل

ان ایام میں امیر یحییٰ ابن تمیم مہدیہ کا حاکم تھا۔ ابن تومرت نے ایک مسجد میں قیام کیا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے واقع تھی۔ اب اس نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ مسجد کے ایک جھروکے میں جو سڑک کی طرف تھا بیٹھ جاتا۔ گذرنے والوں کی طرف دیکھتا رہتا اور جہاں کسی کو کسی نامشروع فعل کا

مرتکب دیکھتا فوراً اتر کر اس سے دست و گریباں ہو جاتا۔ دو تین دن کے بعد کوچہ و بازار میں آمد و رفت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر بہتوں کی ڈھولکیں پھاڑ ڈالیں۔ بہتوں کے قرنا، توڑے اور بے شمار تنبورے چھین چھین کر زمین پر دے مارے۔ سیکڑوں شراب کے خم اور دوسرے ظروف چکنا چور کئے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت مچادی۔ ان اولوالعزمیوں سے اس کی شہرت ہوگئی۔ لوگ معتقد ہونے لگے۔ عامۃ المسلمین ازراہ قدرشناسی آنکھوں پر بٹھانے لگے۔ چند ہی روز میں دھوم مچ گئی کہ ایک بڑے عالم متبحر وارد مہدیہ ہوئے ہیں۔ طلبہ نے چاروں طرف سے ہجوم کیا۔ سلسلہ درس و تدریس شروع ہو گیا۔ شدہ شدہ اس کی شہرت حاکم کے کان تک پہنچی۔ اس نے دربار میں بلوایا۔ بڑی قدر و منزلت کی اور بہت کچھ حسن عقیدت کا اظہار کر کے رخصت کیا۔ ابن تومرت کو ایک جگہ قرار نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو دراصل علم جفر کے بتائے ہوئے رفیق اور شہر کا متلاشی تھا۔ غرض کچھ عرصہ کے بعد مہدیہ کو الوداع کہہ کر بجایہ میں پہنچا۔ وہاں بھی تعلیم و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا اور امر معروف و نہی منکر پر بڑی سختی سے کاربند ہوا۔ دن بدن جمیعت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ حاکم بجایہ کو اس کی جمیعت نے بہت کچھ خوف زدہ کر دیا۔ ان دنوں ارباب حکومت ان لوگوں سے عموماً خوف زدہ رہتے تھے۔ جو مرجع انام ہو جاتے تھے۔ حاکم بجایہ نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر مغرب کی راہ لی اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمؤمن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لئے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمؤمن سے اس مقام پر ملا تھا جسے فنزارہ کہتے ہیں۔

عبدالمؤمن کی شخصیت

عبدالمؤمن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی۔ جو تلمسان کے مضافات میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمؤمن کا باپ علی کمہار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدالمؤمن ایام طفلی میں سو رہا تھا اور اس کا باپ برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس اثناء میں علی نے اوپر کی طرف بھنبھناہٹ سی سنی۔ سر اٹھا کر کیا دیکھا ہے کہ سیاہ بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں شہد کی مکھیوں کا جھنڈ ٹھیک اس کے مکان کی طرف آ رہا ہے۔ مکھیوں نے نیچے آکر عبدالمؤمن کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ عبدالمؤمن کی ماں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے لگی۔ علی نے اس کو خاموش کیا اور کہا کچھ خطرے کی بات نہیں۔ بلکہ میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کیا کرشمۂ قدرت ہے؟ پھر اس نے مٹی اتار کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے پہن کر یہ دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا کہ مکھیوں کی آمد کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر میں مکھیاں اڑ گئیں اور علی نے لڑکے کو بیدار کیا۔ وہ بالکل صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد علی اپنے ایک ہمسایہ کے پاس جو بڑا عالم تھا گیا اور لڑکے پر مکھیوں کی آمد کا ذکر کیا۔ اس عالم نے بتایا کہ کسی دن تمہارا لڑکا بڑا عروج حاصل کرے گا اور جس طرح شہد کی مکھیوں نے اس کے گرد ہجوم کیا ہے۔ اسی طرح اہل مغرب اس کی اطاعت پذیری پر مجتمع ہوں گے۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۳۱۰)

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالمؤمن بڑا ہوا تو فنزارہ میں سے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمؤمن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں نے اس کے سامنے سے اچک لیا اور تنہا کھانا شروع کیا۔ جب بیدار ہوا تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمنعم بن عشیر سے وہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اہل خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصہ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلاشرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے۔ جب ابن

تومرت ملالہ پہنچا تو وہاں ایک خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا۔ جس کے چہرے پر ذہانت وذکاوت کے علاوہ دولت واقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ اس نوجوان کی شکل وصورت میں کچھ ایسی دلفریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو کسی طرح مخفی نہ رکھ سکا۔ بے اختیار اس کے قریب گیا اور کہا میاں صاحبزادے! تمہارا نام کیا ہے؟ خوش جمال نوجوان نے جواب دیا۔ "عبدالمؤمن" اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہنے لگا۔ اسی درشاہوار کی تلاش میں مدتوں سے سرگردان ہوں۔ ابن تومرت کو عبدالمؤمن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت وسلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہوگیا۔ اب اس نے عبدالمؤمن سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا غریب خانہ کومیہ میں ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے بتایا کہ علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشرقی ممالک کو جارہا ہوں۔ ابن تومرت نے کہا صاحبزادے! علم وفضل، دولت وثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدا نے تمہیں دین ودنیا کی دولت بخشی ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ عبدالمؤمن اس سے پیشتر خواب بھی دیکھ چکا تھا۔ جس سے اسے یقین تھا کہ میں کسی دن حکومت وثروت سے ہم کنار ہوں گا۔ ابن تومرت کی باتوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سننے لگا۔ ابن تومرت نے کہا تم میرے ساتھ چلو۔ میں وہ باطنی رموز تم پر ظاہر کروں گا کہ تم کو میرے کہنے کا یقین آجائے گا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبدالمؤمن کو یقین دلایا کہ وہ عنقریب بہت بڑا بادشاہ ہونے والا ہے۔ الغرض عبدالمؤمن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

بادشاہ کو ابن تومرت کے قتل کر دینے کا مشورہ

کچھ دنوں تک ملالہ میں تعلیم وتدریس اور دعوۃ الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے۔ اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پرشکوہ سلطنت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اس عہد کے فرمان روایان اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے رفقاء سمیت تلمسان پہنچا جو اس زمانہ میں مراکش کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں اپنی عادت کے موافق شہر سے باہر ایک مسجد میں قیام کیا۔ جس کو مسجد عباد کہتے تھے اور اپنی عادت کے بموجب علماء وفضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشقین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا۔ لعن وطعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خداترس، قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کثرت عبادت اسے مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کی ہی مہلت نہ دیتی تھی۔ اسی بناء پر کچھ دنوں سے نظام حکومت میں قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کی سرگرمیاں اور اس کے اقوال ومزعومات مالک ابن وہیب اندلسی وزیراعظم کے گوش زد ہوئے تو اپنے جودت طبع سے ابن تومرت کے دلی ارادوں کا حال معلوم کر لیا اور امیر المسلمین کو اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ شخص خمیر مایۂ فساد معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مکر وفریب سے بے خوف نہ رہنا چاہئے۔ مگر خداترس بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پھر وزیر باتدبیر نے بادشاہ سے کہا کہ اچھا اگر آپ اس شخص کے قتل پر رضامند نہیں ہیں تو اس شخص کو مدت العمر نظر بند رکھا جائے۔ ورنہ یقین ہے کہ یہ شخص بہت جلد سلطنت میں انقلاب کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا ہم کسی شخص کو اس وقت تک نعمت آزادی سے کیونکر محروم کر سکتے ہیں۔ جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو؟ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو محمد بن تومرت مع اپنے مریدوں کے مسجد جامع میں پہنچا۔ اس کے مرید تو ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ مگر خود خاص اس جگہ پر جاکے کھڑا ہوا جو بادشاہ کے لئے مخصوص تھی۔ وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ میں مسجد کا انتظام تھا۔ ابن تومرت کے پاس جا کر کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جگہ صرف شاہ

اسلام کے لئے مخصوص ہے؟ اس پر ابن تومرت نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا "ان المساجد اللہ "(مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) حاضرین اس جسارت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ اب ابن تومرت نے لوگوں کی طرف رخ کر کے ایک پرجوش تقریر شروع کر دی۔ جس میں نامشروع باتوں کی خوب تردید کی۔ یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ بادشاہ آگیا اور لوگ حسب معمول آداب شاہی بجالنے لگے۔ یہ دیکھ کر محمد بن تومرت بادشاہ کی جگہ پر جہاں کھڑا تھا بیٹھ گیا۔ بادشاہ نہایت عادل اور نیک نفس تھا۔ اس نے اس بات کی کوئی پروانہ کی اور دوسرے جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ نماز کے اختتام پر جیسے ہی امام نے سلام پھیرا ابن تومرت کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ "اے بادشاہ! رعایا پر جو مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کی خبر لے۔ مانا کہ ان کی آواز تیرے کان تک نہیں پہنچی۔ مگر فردائے قیامت کو اس احکم الحاکمین کے سامنے تجھے رعایا کے متعلق ہر قسم کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور تو یہ کہہ کر ہر گز نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی۔ تو غریبوں اور بیکسوں کی جان ومال کا ہر طرح سے ذمہ دار ہے"۔ بادشاہ نے اس کی تقریر سے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے اور کچھ حاجت رکھتا ہے۔ اس بناء پر جاتے وقت حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کرو۔ اگر کوئی غرض ہو تو پوری کی جائے۔ مقروض ہے تو قرض ادا کیا جائے۔ نادار ہے تو بیت المال سے امداد کی جائے۔ بادشاہ کو اس وقت تک معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کرنے کا وزیر نے مشورہ دیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ بادشاہ تک میرا پیغام پہنچادو کہ میری غرض دنیائے دنی نہیں۔ میرا نصب العین تو مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی خدمت ہے۔

شاہزادی اور اس کی لونڈیوں کو زدو کوب

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیاں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانان مراکش کے ساتھ بکثرت اختلاط رہتا تھا۔ لیکن کتاب الدعاۃ میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں۔ گو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہر حال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر گذری۔ محمد بن تومرت کی غیرت بھلا اس بے حجابی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں سے نکل کر عورتوں کے غول پر باز کی طرح جھپٹا اور اکثر لونڈیوں کو مارپیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمان عورتیں اوریوں بے پردہ سیر کرتی پھریں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ خود شہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے پڑے کہ وہ بہت زیادہ بھڑکا اور شہزادی اس کی پیٹھ پر سے گر کر زخمی ہو گئی۔ ابن تومرت تو ان کو مارپیٹ کے چل دیا اور لوگ مجروح شہزادی کو اٹھا کر محل سرائے شاہی میں لے گئے۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ابن تومرت کی جرأت ودلیری پر عش عش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ابن تومرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اسے دربار میں بلا بھیجا اور کہا صاحب! آپ نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ابن تومرت نے کہا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں۔ آخرت کا طلب گار ہوں۔ امر معروف اور نہی منکر میرا مشغلہ ہے۔ اے بادشاہ! امر معروف اور نہی منکریوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن آپ اس کے سبب سے زیادہ مامور ہیں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن آپ سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہو گی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مملکت میں بدعات ومنکرات کا شیوع ہے۔ اس لئے آپ پر فرض ہے کہ احیاء سنت کریں اور بدعت کو مٹادیں۔ چنانچہ خود خداوند عالم نے تارکین امر معروف ونہی منکر کے حق میں فرمایا ہے: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورہ المائدہ:79)

"آپس میں برے کام سے منع نہ کرتے تھے جو وہ کر رہے تھے، کیسا ہی برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔"

بادشاہ ان کلمات سے بڑا متاثر ہوا اور حکم دیا کہ تمام سربر آوردہ فقہاء اور اصحاب حدیث جمع کئے جائیں۔ جب علمائے دربار جمع ہوئے تو کہا کہ اس سے میرے سامنے مناظرہ کرو۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے اس کی کیا غرض ہے۔ محمد بن تومرت دوبارہ دربار شاہی میں بلایا گیا۔ قاضی محمد بن اسود نے ابن تومرت سے کہا کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو برا بھلا کہتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی وہ جو عدل گستر رعایا پرور، نیک نفس، تقویٰ شعار خواہشات نفسانی کا دشمن اور احکام خداوندی کا پابند ہے؟ اس کے جواب میں ابن تومرت نے کہا۔ واقعی میں نے بادشاہ کے خلاف ایسے کلمات کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی پرہیزگار اور خداترس ہے۔ میں اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ کیا وہ بادشاہ بھی متقی کہلا سکتا ہے۔ جس نے تمہاری باتوں کا اعتبار کر لیا اور جو کچھ تم لوگ کہہ دیتے ہو اسی کو وحی الٰہی سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کے ہر عیب اور خرابی کا جواب دہ ہے۔ کل قیامت کو بادشاہ یہ کہہ کر نہ چھوٹ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ابن تومرت نے کہا قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اسلامی عملداری میں خنزیر مارے مارے پھرتے ہیں۔ شراب فروخت کی جارہی ہے۔ یتیموں کے مال پر دست تطاول دراز ہے۔ سیکڑوں بیوائیں رات کو بھوکی سوتی ہیں۔ بے شمار یتیم ہیں جن کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا کوئی نہیں؟ یہ تقریر ایسی موثر اور دل دوز تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر خجلت وندامت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہا واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

مراکش سے اخراج

اب ابن تومرت کو تو رخصت کر دیا گیا اور علماء اراکین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے بوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہئے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے اور اس کے مصارف کے لئے ایک دینار سرخ روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا ہاتھ شاہی خزانہ تک نہ پہنچ جائے۔ ایک اور وزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔ بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا اور کہا میں اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ خصوصاً ایسے صاحب علم ناصح کو جس کی ہر بات ازروئے انصاف حق وصدق پر مبنی ہے۔ غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیروؤں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔ تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر اغمات میں پہنچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی علمداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیں رہا۔ اس جگہ عبد الحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بڑا رئیس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اغمات میں نہیں رہنا چاہئے۔ یہ شہر کسی طرح تمہاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیوں کے لئے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گذار دروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ ابن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ تینمل کا نام سنتے ہی ابن تومرت کی باچھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا تھا۔ اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا۔ فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

مہدویت کا دعویٰ

اہل تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیروؤں کو علماء اور درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور خاطر مدارت سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بکثرت رجوع ہوا۔ قبیلہ المصامدہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ابن تومرت نے

مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا۔ وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کی بزرگی و مشیخت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کرایا۔ جب دیکھا کہ باشندگان تینمل اور اہل مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغاز دعوت کا عزم کیا اور اپنے منادبیرونی قبائل کی استمالت قلوب کے لئے روانہ کئے۔ ابن تومرت کے مبلغ تمام کوہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کی روایتیں بیان کرکے ان کی آتش شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ بہت جلد ظہور فرمائیں گے۔ جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو ابن تومرت نے جامع مسجد میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی محمد بن عبد اللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی اور میرے سوا کوئی نہیں جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آسکیں۔ یہ سنتے ہی عبد المؤمن وغیرہ دس خاص مرید تائید کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے حضور! مہدی آخر الزمان کے تمام صفات آپ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہراء کی اولاد ہیں۔ نام بھی محمد ہے۔ اب آپ کے سوا کون ہے جو مہدی منتظر ہوسکے۔ یہ کہہ کر ابن تومرت سے مہدویت کی بیعت کرنے لگے۔ دوسرے لوگ بھی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص بیعت کو ذریعۂ نجات و فلاح دارین یقین کرکے پروانہ وار گرتا تھا۔ اس دن سے ابن تومرت لوگوں سے اپنی مہدویت اور امامت کبریٰ کی بیعت لینے لگا۔ آغاز بیعت کے بعد ابن تومرت اور اس کے منادوں نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین آگیا کہ ابن تومرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ ابن تومرت نے کہا میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب اخیار سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لئے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے۔ وہ اکثر مسائل کلامیہ میں امام ابوالحسن اشعری کا پیرو تھا۔ مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہمنوا تھا۔ ابن تومرت اپنے پیرووں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی موحد نہیں ہے۔ ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں۔ جن میں سے اولین جماعت مہاجرین کی تھی جنہوں نے اس کی دعوت کو بلا توقف لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو محسنین کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے۔ بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ ابن تومرت اپنے پیرووں کو مؤمنین کہا کرتا تھا اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمہارے برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی مخبر صادق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کرکے غالب آتا رہے گا اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔ یہاں تک کہ امر خداوندی آپہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کانے دجال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی میں وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے۔ غرض مصامدہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ ابن تومرت کے مطیع ہوتے گئے۔ ان کے دلوں میں اس کا ادب واحترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ یا بھائی یا فرزند عزیز کے قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

ابن تومرت کا ایک دلچسپ معجزہ

جن ایام میں ملالہ کے مقام پر ابن تومرت عبد المؤمن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبد اللہ ونشریسی نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں کا نام ابو محشر بشیر ونشریسی لکھا ہے۔ لیکن عبد اللہ ونشریسی زیادہ مشہور رہے۔ ونشریسی بڑا ذہین فصیح و بلیغ لغات عرب واہل مغرب کا ماہر اور قرآن

مجید اور موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ تھا۔ ابن تومرت اس کی ذہانت اور جودت طبع دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہیئے۔ چنانچہ جب دیکھا کہ ونشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگا بن جائے اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک کہ بطور معجزہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ ہو۔ ونشریسی انتہاء درجہ کا مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے مخدوم و مطاع کا منشاء معلوم کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونگا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ یہ شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتا اور ایسی مکروہ وضع وہیئت بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص پاس بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ ابن تومرت کی خواہش تھی کہ تینمل اور اس کے گردونواح میں کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے جو اس کی مہدویت کا منکر ہو اور اس آبادی کو ان تمام لوگوں کے خاروجود سے پاک کر دیا جائے۔ جو وحدت قومی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک دن ونشریسی سے کہنے لگا اب تمہارے انشائے کمال کا وقت آ گیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی۔ چنانچہ جب ابن تومرت نماز صبح کے لئے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ اس وقت سیکڑوں کا مجمع تھا۔ پوچھنے لگا حضرت آپ کون ہیں؟ کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبد اللہ ونشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کیونکر ملا؟ تم تو گونگے اور مجنون تھے۔ کہا درست ہے لیکن الحمد للہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی وروحانی نقائص سے پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا۔ اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کثافتیں اور سارے نقصان نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم و حکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونگا تھا۔ آج ایک زبردست عالم، کلام پاک اور موطائے مبارک کا حافظ ہوں۔ یہ سن کر ابن تومرت مصنوعی ٹسوے بہا کر کہنے لگا میں کس زبان سے اس اَرحم الرّاحمین کا شکریہ ادا کروں کہ اوروں کو تو دعائیں مانگنے اور ایڑیاں اور گھٹنے رگڑنے سے کچھ ملتا ہے۔ لیکن خدائے رحیم وودود اس عاجز کی تمام خواہش بلا طلب پوری فرماتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز کی جماعت میں ایسے برگزیدہ لوگ بھی شامل کئے ہیں جن پر ملائکہ مقربین آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر کے اس کو علوم و حکمت سے معمور فرمایا گیا۔ اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے ایک فرد کا سینہ بھی شق کیا گیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کا خزینۂ دل بھی قرآن اور حکمت اور علوم لدنیہ سے مالا مال کیا گیا۔ اس کے بعد اپنی سحر بیانی سے کام لیتے ہوئے ونشریسی سے کہنے گا۔ بھائی! یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ بے تحقیق اور بلا دلیل مان لیا جائے۔ اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیئے۔ حاضرین نے بھی اس کی تائید کی۔ اب اس سے امتحاناً چند سورتیں پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ سورتیں نہایت تجوید و ترتیل کے ساتھ سنا دیں۔ اسی طرح موطا وغیرہ کتب حدیث کا امتحان لیا گیا۔ ونشریسی سب میں کامیاب نکلا۔ تمام لوگ جو ونشریسی کو اس کے آغاز قدوم سے برابر گونگا اور دیوانہ اور جاہل مطلق یقین کرتے آ رہے تھے۔ اس فوق العادۃ واقعہ پر محو حیرت ہوئے اور اس کو مہدی موعود (ابن تومرت) کے معجزہ کا اثر تسلیم کرنے لگے۔

تین رازدار فرشتوں کا کوئیں میں بٹھایا جانا

اب ابن تومرت نے ونشریسی سے کہا اے بزرگ! یہ تو بتا دے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟ ونشریسی نے جواب دیا کہ اے ابن تومرت! آپ مہدی قائم بامر اللہ ہیں۔ جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جہنمی ہے۔ اس کے بعد فاضل ونشریسی نے کہا کہ واہب العطایا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کو ایک اور نعمت بھی عطاء کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اور اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطاء کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا قطعاً ناروا ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً پہچان کر ہلاک کر دو اور چونکہ اتلاف واستہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابل احتیاط تھا۔ اس لئے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لئے نازل فرمائے ہیں۔ جو اس وقت فلاں کوئیں میں

موجود ہیں۔ یہ سن کر مہدی نے کوئیں پر جانے کا ایک وقت مقرر کر دیا اور اس غرض کے لئے پہلے سے اپنے تین رازدار مرید اس میں بٹھا دیئے۔ ان ارباب ایمان کے اسماء گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی۔ جنہیں ابن تومرت کی مہدویت سے انکار تھا یا اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ابن تومرت وقت معہود پر سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کوئیں کی طرف گیا۔ یہ کنواں ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ لوگ ایسی حالت میں کوئیں کی طرف جا رہے تھے کہ چہروں کا رنگ فق تھا۔ دل امید و بیم کی کش مکش میں مبتلا تھے اور ہر شخص اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ دیکھیں آج کون شخص ذلت و رسوائی سے قتل ہو کر ننگ خاندان ٹھہرتا اور جہنم کے عذاب خلد میں جھونکا جاتا ہے۔ وہ میدان اس وقت عرصۂ قیامت بنا ہوا تھا۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا تھا۔ نہ باپ کو بیٹے کی خبر تھی اور نہ بیٹے کو باپ یا بھائی کی اطلاع۔ ادھر قبائل میں کہرام مچا ہوا تھا کہ دیکھیں کوئی مرد اپنے گھر کی خبر گیری کے لئے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ کو جا آباد کرتے ہیں۔ غرض تمام لوگ کوئیں پر پہنچے۔ مہدی نے پہلے دوگانۂ نماز ادا کیا۔ اس کے بعد ان تین فرشتوں سے جو کوئیں کی تہ میں اترے ہوئے تھے۔ بآواز بلند کہا اے ملائکہ! عبداللہ ونشریسی کا دعویٰ ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطاء کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دیئے جائیں۔ کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟ ان تینوں چاہ نشین مریدوں نے پکار کر کہا کہ عبداللہ نہایت صادق البیان ہے۔ اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔ ابن تومرت نے دیکھا کہ عالم سفلی کے یہ فرشتے اوپر آ گئے تو افشاء راز کا احتمال رہے گا۔ اس لئے ان کو عالم بالا میں بھیج دینا مناسب ہے۔ ونشریسی وغیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہ کنواں نزول ملائکہ کی وجہ سے مقدس مقامات میں داخل ہو گیا ہے اور اگر یوں ہی کھلا چھوڑ دیا گیا تو اس میں ناپاک چیزوں کے گرنے اور اس کے نجس ہونے کا خطرہ رہے گا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو قوم پر قہر الٰہی نازل ہو گا۔ اس لئے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے۔ چنانچہ سب نے اس خیال کی تائید کی اور سب کے اتفاق رائے سے وہ کنواں فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہ بابل کے مفروضہ ملائکہ کی طرح ان بے گناہ فرشتوں کا دائمی محبس قرار پایا۔ معلوم نہیں کہ تینوں رازدار مریدوں کی ہلاکت ان کی رضا مندی سے معرض عمل میں آئی۔ یا ان سے ظلماً و خدعاً ایسا سلوک کیا گیا۔ بصورت اوّل مریدان صادق الاعتقاد کا اس طرح سے جان دینا کچھ تعجب انگیز نہیں۔ چنانچہ حسن بن صباح کے باطنی فدا کاروں کے کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ اب قتل و استہلاک کا خون آشام ہنگامہ شروع ہوا۔ ونشریسی جس کے پاس منکریں و مخالفین مہدی کی فہرست موجود تھی۔ میدان میں کھڑا ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں اور ہم مشربوں کو جنتی قرار دے کر داہنی طرف کھڑا کرتا اور فہرست سے مخالفوں کے نام دیکھ دیکھ کر انہیں جہنمی کا لقب دیتا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاد تیغ برہنہ کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک قبیلہ بلایا جاتا اور ارباب ایمان جہنمی کے کردار الخلد کو بھیج دیئے جاتے۔ غرض سیکڑوں ہزاروں عاشقان حق تہ تیغ کئے گئے۔ بقیۃ السیف اس کے پکے جان نثار اور مخلص مرید تھے۔

شاہی تحصیل داروں کا قتل عام

اب ابن تومرت نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ ہر وقت سلاطین وقت کو خاطی، ظالم، نابکار اور دشمنان دین و ملت ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا اور کہتا کہ انہوں نے احکام الٰہی کے اجراء میں کوتاہی کی ہے۔ اس لئے نہ صرف ان کی اطاعت حرام ہے۔ بلکہ ان کے خلاف غزاد جہاد فرض ہے اور برملا کہتا کہ میں سلطنت مراکش کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور یہ کہ جو کوئی دنیا اور عقبیٰ میں سرفراز و کامگار ہونا چاہتا ہے وہ اس جہاد میں میرا ساتھ دے گا۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا عقیدت مند جان بازی و سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اب ابن تومرت سلطان مراکش کے خلاف علم

بغاوت بلند کرنے کے لئے حیلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ اکثر دیکھتا تھا کہ خود تو اہل کوہ سانولے ہیں اور ان کی بعض اولاد گربہ چشم اور بھورے رنگ کی ہے۔ ایک دن ان سے دریافت کرنے لگا کہ اولاد اور والدین کے اختلاف رنگ کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لئے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سلطان کے غلام ہر سال تحصیل خراج کے لئے ان پہاڑوں پر آتے ہیں جو عموماً یونانی رومی اور افرنجی ہیں۔ بادشاہ کو تو غالباً اس کی خبر نہ ہوگی۔ مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہیں۔ آتے ہی ہمیں ہمارے گھروں سے خارج کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ہمیں ان کی دست برد سے بچنے کی قدرت نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری عورتوں کی بعض اولاد ان غلاموں کے رنگ پر ہوتی ہیں۔ ابن تومرت طیش میں آکر کہنے لگا تمہارے لئے ایسی شرمناک زندگی سے مر جانا بہتر ہے اور مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ایسے شجاع و جانباز لوگ ایسی بے عزتی اور بے غیرتی پر کیوں کر خاموش رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بھلا لشکر سلطانی سے مقابلہ کرنے کا کیونکر حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہنے لگا اچھا اگر کوئی شخص اس بارہ میں تمہاری دادرسی کرے تو اس کا ساتھ دو گے۔ انہوں نے کہا ساتھ دینا کیسا ہم اس کے حکم پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ مگر ایسا فریادرس کہاں مل سکتا ہے؟ ابن تومرت تو خدا سے یہی چاہتا تھا ان سے وعدہ کیا کہ میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ انہوں نے اس کی سرپرستی نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ ابن تومرت نے ان کو سمجھایا کہ اب کی مرتبہ جب بادشاہ کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے اختلاط کا قصد کریں تو تم ان کے پاس شراب کی بوتلیں رکھ دینا اور جب وہ پی کر نشہ میں سرشار ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض جب بادشاہ کے غلام حسب معمول خراج سلطنت کی تحصیل کے لئے آئے تو انہوں نے ان کو خوب شراب پلائی۔ جب بدمست ہوگئے تو ابن تومرت کو خبر کی۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سب غلام مار ڈالے گئے۔ البتہ ایک غلام جو حسن اتفاق سے کسی کام کے لئے اپنی فرودگاہ سے باہر گیا تھا باہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا اور دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو صورتحال سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہی محمد بن تومرت جو یہاں سے نکالا گیا تھا وہاں پہنچ کر سب کا پیشوا بنا ہوا ہے اور اسی کے حکم سے یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اپنی مال نااندیشانہ رواداری اور سہل انگاری پر بہت پچھتایا اور تسلیم کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے واقعی نہایت صائب تھی۔

شاہی فوج کی ہزیمت

ابن تومرت کو یقین تھا کہ شاہی فوج انتقام کے لئے ضرور آئے گی اس لئے اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے پیروؤں کی ایک زبردست جمعیت پہاڑوں پر دروں کی دونوں طرف بٹھا دی اور حکم دیا کہ جیسے ہی بادشاہی فوج آئے تم لوگ پوری قوت اور شدت کے ساتھ پتھر لڑھکانا شروع کر دینا اور اتنی سنگباری کرنا کہ ایک شخص بھی زندہ سلامت واپس نہ جا سکے۔ ابن تومرت کا یہ خیال صحیح نکلا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس خونریزی کی سزا دینے کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا جو فوراً مراکش سے چل کر تینمل کی گھاٹیوں میں گھسا۔ جونہی شاہی فوج دروں میں سے گزرنے لگی اوپر سے اتنی سنگباری ہوئی کہ ہزار ہا سوار پتھروں کے نیچے کچل کچل کر ہلاک ہو گئے۔ اسی حالت میں رات کی سیاہ چادر نے اس ہنگامہ آرائی کو موقوف کر دیا اور بچی کھچی فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب یہ ہزیمت خوردہ لشکر دارالسلطنت میں پہنچا اور بادشاہ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا اور اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ آئندہ ابن تومرت سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس شاندار فتح نے موحدین کے دل بڑھا دیئے اور انہیں بیش از پیش اس بات کا یقین ہوا کہ واقعی ان کا مقتداء سچا مہدی موعود ہے۔ اب ابن تومرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا اور ان

سے کہا کہ ان کافروں اور دین مہدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں۔ ان کو بدکرداری سے اعراض، اعمال حسنہ کے احیاء، ازالہ بدعت، قیام سنت اور اپنے مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمہاری دعوت کو قبول کریں تو تمہارے بھائی ہیں ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ سنت نبوی ﷺ نے ان کے خلاف جہاد کرنا تم پر فرض کر دیا ہے۔ اس نے عبدالمؤمن کو سرعسکر بنا کر کہا تم موحدوں کے امیر ہو۔ اس دن سے عبدالمؤمن کو امیر المؤمنین کہنے لگے۔ یہ تمام لشکر مراکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دارالسلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ ابھی دارالسلطنت سے دور ہی تھے کہ بحیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گراں آتی دکھائی دی۔ بادشاہ کا بیٹا زبیر بن علی اس کا سرعسکر تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو عبدالمؤمن نے اپنے مہدی کے حکم سے تمام امور کی دعوت کے لئے اپنا قاصد بھیجا۔ مگر شاہی لشکر نے اس دعوت کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب عبدالمومن نے امیر المسلمین علی بن یوسف کو دعوت مہدی کے موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا۔ امیر المسلمین نے اس کے جواب میں مسلمان بادشاہ کی عدول حکمی اور تفرقہ جماعت کی وعیدیں جو احادیث نبویہ میں وارد ہیں۔ لکھ بھیجیں اور خونریزی و فتنہ انگیزی کے بارہ میں خدا یاد دلایا۔ مگر عبدالمؤمن ان باتوں کو کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس جواب کو امیر المؤمنین کی کمزوری پر محمول کیا۔ اب جانبین نے ہتھیار سنبھالے اور لڑائی شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موحدوں کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبدالمؤمن اور چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر ابن تومرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی اور جب عبدالمؤمن پہنچا تو اس سے کہنے لگا کہ لڑائی میں شکست ہوئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ معرکہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آج کوئی غالب ہے اور کل کو کوئی اور۔ مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

مردوں سے ہم کلام ہونے کا معجزہ

اب ابن تومرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر دس ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا۔ لیکن چونکہ پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی اور موحدین کی بہت بڑی تعداد میدان جانستان کی نذر ہوئی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ خصوصاً تینمل کے روساء ساتھ جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن تومرت نے کہا کہ جس کسی کو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہمارا ساتھ دینا منظور ہو وہ ہماری موافقت کرے ورنہ خدا خود حزب اللہ اور مددگار ہے۔ خدائے مہیمن اس مرتبہ ہمیں ایسی عظیم الشان فتح دے گا کہ متخلفین بعد کو عدم رفاقت کی وجہ سے سخت شرمسار ہوں گے اور اب کی مرتبہ میدان جنگ میں جا کر ہر شخص خود اپنے کانوں سے سنے گا کہ مردے قبروں میں سے ہمیں فتح کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے جنہیں شریک جنگ ہونے میں تأمل تھا۔ اب ابن تومرت نے یہ انتظام کیا کہ اس میدان جنگ کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا۔ جہاں اس سے پیشتر اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی اور عبدالمؤمن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے بعض رازدار پیروؤں کو ان میں زندہ دفن کرا دیا اور ہوا کی آمد و رفت کے لئے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوا دیئے اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم سے تمہارا حال دریافت کیا جائے تو کہہ دینا کہ جن امور کا خدائے برتر نے وعدہ فرمار کھا تھا سب باتیں پوری ہوئیں۔ تم لوگ دشمن کے جہاد میں جانیں لڑا دو۔ غرض قبریں کھدوا کر اپنے خاص رازداروں کو دفن کرا دیا اور ان سے وعدہ کیا کہ اس کے بعد تمہیں قبروں سے نکال لیا جائے گا اور تمہیں اس خدمت کی وجہ سے بہت بڑا تقرب حاصل ہو گا۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو ابن تومرت نے اپنے لشکر کو خطاب کر کے کہا اے گروہ موحدین! تم اللہ کا لشکر دین الٰہی کے انصار اور حق کے معاون ہو۔ عنقریب فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اور

اگر تمھیں کچھ تردد ہو تو چلو اپنے ان اہل قبور بھائیوں سے جو پچھلی مرتبہ درجہ شہادت پا کر یہاں دفن ہوئے دریافت کرلیں کہ ان پر خدائے قدوس نے کیا، کچھ نوازش فرمائی؟ یہ کہہ کر قبروں پر آیا اور کہنے گا اے گروہ شہداء! تم لوگوں نے منجانب اللہ کیا کچھ مشاہدہ کیا؟ قبروں میں سے آواز آئی خدا نے ہمیں نوازا اور اتنا بڑا اجر عطاء فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا اور اگر تم لوگ بھی ان مدارج علیاء پر فائز ہونا چاہتے ہو تو امام مہدی کی متابعت کرو۔ یہ سن کر دام افتادگان مہدویت کو یقین آ گیا کہ واقعی شہداء ان سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ اس بناء پر ہر شخص جانبازی پر آمادہ ہوا اور سر بکف لڑنے کو نکلا۔ ۳/ شعبان ۵۱۶ھ کو وہاں زبردست لڑائی ہوئی۔ جس میں ابن تومرت کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت موحدین کے ہاتھ آیا۔

سلسلۂ فتوحات اور ابن تومرت کا سفر آخرت

جب دارالسلطنت میں اس تخت و تاراج کا علم ہوا تو بادشاہ نے ایک زبردست کمک روانہ کی۔ لیکن شاہی فوج کو مکرر شکست ہوئی۔ موحدین نے شاہی فوج کا تعاقب کیا اور اس کو مارتے کاٹتے دارالسلطنت کے قریب تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد شہر تلمسان کے قریب جبل کیلز پر حملہ کیا۔ یہ ایک نہایت مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔ ابن تومرت نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے تین سال تک یعنی ۵۱۶ھ سے ۵۱۹ھ تک طول کھینچا۔ آخر ابن تومرت محاصرہ اٹھا کر واپس آ گیا۔ لیکن واپسی پر متعدد شہر فتح کر لئے۔ ان مہموں سے فارغ ہو کر ابن تومرت اس غرض سے تینمل چلا آیا کہ لشکر آرام کرے۔ دو مہینہ تک سستانے کے بعد ابن تومرت از سر نو تیس ہزار فوج کے ساتھ شہر ہزرجہ کی طرف بڑھا۔ اس کو فتح کیا اور خدا کی سیکڑوں بے گناہ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہاں سے اہل درن کا رخ کیا۔ اس سرزمین کے سارے قلعے اور حصون فتح کر لئے اور وہاں کے تمام قبائل نے ابن تومرت کی اطاعت کر لی۔ اس کے بعد ابن تومرت تینمل کو واپس چلا آیا تا کہ فوج استراحت کر لے۔ ان تمام معرکوں میں ابن تومرت کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آتا اسے محض اس جرم میں گرفتار کر لیا جاتا کہ وہ مہدی موعود کا منکر ہے اور اس پر اس وقت تک رحم نہ کرتا۔ جب تک وہ اس کی مہدویت کو تسلیم نہ کر لیتا اور اگر وہ کسی طرح نہ مانتا تو اسے جرعہ مرگ پلا دیا جاتا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبدالمؤمن کے زیر قیادت ایک اور زبردست فوج مراکش پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ بادشاہ کا بیٹا ابوبکر بن علی مقابلہ پر آیا۔ لیکن ہزیمت کھائی۔ اس کے بعد موحدین نے جا کر دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن آٹھ روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر تینمل چلے آئے۔ جب ۵۲۴ھ میں یہ لشکر مظفر و منصور واپس آیا تو ابن تومرت نے کہا کہ اب میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ میں اسی سال رفیق اعلیٰ سے جاملوں گا۔ یہ سن کر سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبدالمؤمن کو اپنا جانشین اور امام صلوٰۃ مقرر کیا اور دنیائے رفتنی و گذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبدالمؤمن کو یہ مژدہ سنایا کہ اقلیم مراکش عنقریب تمہارے عمل و دخل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزائن سلطانی کے مالک ہو گئے۔

ابن تومرت کی قبر پر ایک مرید کی قصیدہ خوانی

ابن تومرت کی موت کے بعد اس کے ایک فراق زدہ مرید نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار ہیں۔

سلام علیٰ قبر الامام المسجد　　　سلالۃ خیر العالمین محمد

اس صاحب مسجد امام کی قبر پر سلام ہو جو تمام عالموں کے بہترین فرد محمد ﷺ کی اولاد میں سے ہے۔

مشبہ فی خلقہ ثم فی اسمہ　　　وفی اسم ابیہ والقضاء المسدد

اپنے اخلاق، اپنے نام، اپنے باپ کے نام میں اور اپنی قضاء محکم میں ان کے مشابہ ہے۔

ومحییی علوم الدین بعد مماتہا ومظہر اسرار الکتاب المسدد

جو علوم دین کی موت کے بعد ان کو حیات تازہ بخشنے والا اور کتاب محکم کے اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اثنبابہ البشرٰی بان یملأ الدنیا بقسط وعدل فی الانام مخلد

ہمیں اس سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ وہ مخلوق میں اپنے عدل وانصاف پائندہ سے دنیا کو معمور کر دے گا۔

ویفتح الامصار شرقاً ومغرباً ویملک عرباً من مغیر ومنجد

وہ مشرق ومغرب میں ہر طرف کے شہروں کو فتح کرے گا اور عرب کے تمام نشیب وفراز کے باشندوں کا مالک ہو گا۔

فمن وصفہ اقنیٰ واجلیٰ وانہ علاماتہ خمس تبین لمہتدی

وہ جس کی تعریف میں اقنیٰ واجلیٰ کہا گیا ہے۔ اس کی پانچ علامتیں ہیں جو ہر ایک طالب ہدایت کے لئے ظاہر ہیں۔

زمان واسم المکان ونسبۃ وفعل لہ فی عصمۃ وتاید

زمانہ، نام، مکان، نسب اور اس کا وہ فعل جو گناہ سے مبرا اور خدا کی مدد سے بہرور ہے۔

ویلبث سبعا اوتسعاً یعیشہا کذا جاء فی نص من النقل مسند

صحیح حدیثوں میں لکھا ہے کہ وہ یعنی مہدی سات یا نو سال تک امر حکومت پر قائم رہے گا۔

فقد عاش تسعاً مثل قول نبینا فذ الکم المہدی باللہ یہتدی

چنانچہ وہ ہماری نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قول کے بموجب نو سال تک رہا۔ تمہارا وہ مہدی یہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھا۔

وتتبعہ للنضر طائفۃ الہدی فاکرم بہم اخوان ذی الصدق احمد

اس کی مدد کے لئے ارباب ہدایت کی ایک جماعت اس کی پیرو ہے۔ یہ اہل صدق کس قدر قابل ستائش ہیں؟

ہی الثلۃ المذکور فی الذکر امرہا وطائفۃ المہدی بالحق تہتدے

یہی وہ جماعت ہے جس کا امر قرآن میں مذکور ہے۔ یہی مہدی کا گروہ ہے جو حق سے ہدایت کرتا ہے۔

ویقدمہا المنصور والناصر الذی لہ النصر حزب اذیروح ویغتدے

اور جس کا امام وہ منصور وناصر شخص ہے کہ فتح ونصرت شام وپگاہ اس کے ہمرکاب ہے۔ (منصور اور ناصر اس کے مقدمۃ الجیش ہیں)

ھو المنتقی من قیس عیلان مفخرا ومن مرہ اہلا الجلال الموظد

وہ بنی قیس عیلان اور اہل جلال بنی مرۃ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے اور اس بات پر اسے فخر ہے۔

خلیفۃ مہدی الالہ وسیفہ ومن قد غدا بالعلم والحلم مرتدی

وہ مہدی خدا کا خلیفہ اور اس کی تلوار ہے۔ جس نے علم وحلم کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

بہم یقمع اللہ الجبارہ الالیٰ یصدون عن حکم من الحق مرشد

انہی کے ذریعہ سے خدا ان جابروں کا قلع قمع کرے گا جو ایک مرشد بر حق کے حکم احکام کی پیروی سے روکتے ہیں۔

ویفتحون الروم فتح غنیمۃ ویقتسمون المال بالترس عن ید

وہ روم کو غنیمت کے طور پر فتح کریں گے اور اپنے ہاتھ سے ڈھال بھر بھر کر مال تقسیم کریں گے۔

ویغدون للدجال یغزونہ ضحا یذیقونہ حد الحسام المہند

وہ دجال سے دن دہاڑے جنگ کریں گے اور دجال کو ہندی تلوار کا مزا چکھائیں گے۔

وینزل عیسیٰ فیہم وامیرہم امام فیدعوہم لمحراب مسجد

عیسیٰ علیہ السلام ان میں نازل ہوں گے اور ان کا امام انہیں محراب مسجد کی طرف بلائے گا۔

یصلی بہم ذاک الامیر صلاتہم بتقدیم عیسیٰ المصطفیٰ عن تعمد

مسلمانوں کا امیر مسیح علیہ السلام کی تقدیم کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائے گا۔

ویقتلہ فی باب لد وتنجلی مشکوک امالت قلب من لم یوحد

وہ اسے باب لد میں قتل کریں گے اور کفار کے وہ شکوک مٹ جائیں گے جو ان کے دلوں میں موجزن ہیں۔

وماان یزال الامر فیہ وفیہم الیٰ اٰخر الدھر الطویل المسرمد

مسیح علیہ السلام اور مسلمانوں کی یہ حالت آخر دہر تک ایسی ہی رہے گی۔

ابن تومرت کے اخلاق وعادات

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چرخہ کاٹ کر سوت بیچا کرتی تھی۔ اسی پر بھائی بہن دونوں کی گذر اوقات کا مدار تھا۔ ابن تومرت اٹھ پہر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفاء کرتا۔ جس کے ساتھ تھوڑا سا مکھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور مہاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سابقہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ مدت العمر حصور رہا اور شادی نہ کی۔ ایسا زاہد اور تارک الدنیا تھا کہ جب اسے ابتداء میں ایک شاندار فتح ہوئی اور اس کے پیروؤں نے امیرانہ ٹھاٹھ بنانا چاہا تو بہت ناخوش ہوا اور تمام مال غنیمت جمع کر کے نذر آتش کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جو کوئی دنیا کا طالب اور خطوط فانی کا دلدادہ ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہاں صرف آخرت ہے جس کا نفع عاقبت میں ملے گا۔ ابن تومرت سنت اولیٰ کی طرح حدود شرعی کی نگرانی میں تشدد پر تلا رہتا تھا۔ شراب خوری پر نہایت سخت سزائیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حالت بدمستی میں ابن تومرت کے پاس لایا گیا۔ اس نے سزا کا حکم دیا۔ ایک ذی عزت حاشیہ نشین یوسف بن سلیمان نے کہا حضور والا! اگر اس پر اس وقت تک برابر سختی کی جائے جب تک یہ نہ بتادے کہ اس نے کہاں سے شراب لی تو یقین ہے کہ اس فتنہ کا استیصال ہو جائے گا۔ یہ سن کر ابن تومرت نے منہ پھیر لیا۔ یوسف نے مکرر یہی کہا تو پہلے کی طرح پھر روگردانی کی۔ جب اس نے تیسری مرتبہ ایسا ہی کہا تو ابن تومرت نے جواب دیا کہ اگر بالفرض ملزم نے یہ کہہ دیا کہ میں نے یوسف بن سلیمان کے گھر سے شراب پی ہے تو پھر کیا کروگے؟ یہ سن کر یوسف نے سر جھکا لیا۔ لیکن بعد کو یہ راز فاش ہونے پر سب کو حیرت ہوئی کہ یوسف ہی کے نوکروں نے اسے شراب پلائی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کو مہدی (ابن تومرت) کے کشف و کرامت پر محمول کیا گیا۔ ابن تومرت میں جہاں بیسیوں خوبیاں تھیں۔ وہاں دعوائے مہدویت

سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزارہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ کے سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن قیم نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفا کیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانشین چھوڑے وہ عدل وانصاف کا پیکر اور ترویج اسلام میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا دھندلا عکس تھے۔ ابن تومرت نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقائد پر مشتمل تھی جس کا نام مرشدۃ تھا۔ ایک کا نام کنز العلوم تھا۔ ایک اعز مایطلب کے نام سے موسوم تھی۔ مؤخر الذکر کتاب الجزائر میں چھپ چکی ہے۔

عبد المؤمن کی خلافت

کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ابن تومرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جارہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ وابستگان اسوۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عشرہ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ابن تومرت نے بھی اپنے دس بڑے حواری بنا رکھے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد ان دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی خلافت کے متعلق "رسہ کشی" شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت واطاعت پر راضی نہ تھا۔ آخر بہت سی کش مکش کے بعد عبد المؤمن پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کا مہدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبد المؤمن غریب الدیار تھا۔ قبائل کی باہمی آویزش سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبد المؤمن نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق حیلہ سازی سے بھی کام لیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے ایک طوطا اور شیر پال رکھا تھا۔ طوطے کو اس نے یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ جونہی ایک لکڑی اس کے سامنے کھڑی کی جائے وہ یوں کہنے لگے۔ "النصر والتمکین لعبد المؤمن امیر المؤمنین "(نصرت و تمکین امیر المؤمنین عبد المؤمن کے ساتھ ہے) اور شیر کو یہ سکھا رکھا تھا کہ جونہی عبد المؤمن کو دیکھے دم ہلانے اور اس کے پیر چاٹنے لگے۔ جب ابن تومرت کے سپرد خاک کئے جانے کے بعد اس کے تمام پیرو ایک مقام پر جمع ہوئے تو عبد المؤمن نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں موحدین کو اختلاف و انزاع کے خوفناک عواقب و نتائج سے متنبہ کرتے ہوئے محبت و آشتی کی تلقین کی۔ جب عبد المؤمن خطبہ دے رہا تھا تو اس کے ایماء کے بموجب اس کا سائیس وہاں طوطا اور شیر لے آیا۔ سائیس نے لکڑی اٹھائی تو طوطا عبد المؤمن کی نصرت و تمکین کی رٹ لگانے لگا اور شیر دم ہلاتا ہوا عبد المؤمن کی طرف بڑھا اور اس کے پیر چاٹنے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حاضرین کو سخت حیرت ہوئی اور عبد المؤمن کی یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ اس کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

عبد المؤمن کے فتوحات اس کی بادشاہی اور سلطنت موحدین

ابن تومرت کی موت کے بعد عبد المؤمن مدت تک تجہیز لشکر میں مصروف رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ۵۳۴ھ میں دوبارہ مراکش پر حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں موحدین کا پلہ بھاری رہا۔ اس وقت سے عبد المؤمن کے فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ۵۳۷ھ میں اس نے سپاہ مرابطین کو منہزم کر کے سلطان یوسف بن علی کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور دو سال کے بعد اوران تلمسان فیض، سیوٹ غمات اور سالی پر قابض ہو گیا۔ ۵۴۱ھ میں مراکش کا دوبارہ محاصرہ کر کے خاندان مرابطین کی شاہی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا آخری تاجدار اسحاق بن علی بن یوسف موحدین کے ہاتھ سے دار البقا میں جا پہنچا۔ ۵۴۰ھ میں عبد المؤمن نے ایک لشکر ہسپانیہ (اسپین) بھیجا اور پانچ سال کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد سارا اسپین اس کے علم اقبال میں آ گیا۔ مراکش اور ہسپانیہ پر قابض و متصرف ہو کر اس نے اپنی عنان توجہ مشرقی مہمات کی طرف پھیر دی۔ ۵۴۷ھ

میں الجزائر کا حمادیہ خاندان بھی عبد المؤمن کے ہاتھوں تخت دیہم سے محروم ہوا۔ ۵۵۲ھ میں اس نے زیدی خاندان کے جانشین نارمنوں کو ٹیونس (تونس) سے نکال دیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کیا۔ اس فتح کے بعد سرحد مصر سے لے کر بحر الکاہل کے تمام ساحلی ممالک اور ہسپانیہ پر اس کا پھریرا اڑانے لگا۔ غرض اب عبد المؤمن سے بڑا کوئی بادشاہ افریقہ میں موجود نہ تھا۔ حضرات! نیرنگ ساز قدرت کی اعجوبہ نمائیاں دیکھئے کہ یہ عبد المؤمن اسی غریب کمہار کا لڑکا ہے۔ جو مٹی کے برتن بنا کر اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

عبد المؤمن نے ۵۴۷ھ میں ابن رشد اندلسی کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کیا۔ اندلس سے مراکش تک کے تمام علاقے اس کے حدود قضا میں داخل تھے۔ عبد المؤمن نے ابن تومرت کی موت کے بعد اس کی مہدویت کے سارے افسانے طاق نسیان پر رکھ دیئے اور اپنی سلطنت کو منہاج نبوت پر قائم کر کے خالص اسلامی سلطنت بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن تومرت کی مہدویت کا دل سے کبھی قائل نہ تھا۔ عبد المؤمن کے عہد سلطنت میں اور اس کے بعد بھی موحدین کا دربار ہمیشہ فقہاو محدثین کے ہاتھ میں رہا اور تمام ممالک محروسہ پر اسی مقدس گروہ کے خیالات محیط تھے۔

مصحف عثمانی مراکش میں

عبد المؤمن نے ۵۲۸ھ ہی سے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لقب صدر اسلام میں صرف مشرق کے خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عبید اللہ مہدی نے اس لقب میں مزاحمت کی اور خلفائے بنو امیہ وبنو عباس کی طرح امیر المؤمنین کہلانے لگا۔ عبید اللہ کے بعد عبد المؤمن نے یہ لقب اختیار کیا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن عزیز کی چار نقلیں کرا کر مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں بھجوا دی تھیں۔ ان میں سے شامی نسخہ قرطبہ اسپین چلا گیا تھا۔ جب عبد المؤمن نے اسپین پر عمل ودخل کیا تو ۱۱ر شوال ۵۵۲ھ کو یہ نسخہ مراکش لے آیا۔ چونکہ ایک مرتبہ عبد المؤمن کی جان لینے کی کوشش کی گئی اور قلمرو میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کا دم بھرتا۔ اس لئے اس نے اسی دن ارادہ کر لیا کہ اپنے تمام قرابت داروں کو اپنے دارالسلطنت میں بلا لے۔ چنانچہ ۵۵۷ھ میں نہ صرف اس کے دور نزدیک کے تمام رشتہ دار بلکہ ہزار ہا اہل وطن بھی تینمل چلے آئے۔ عبد المؤمن کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ہوئی۔ لیکن اس سے اگلے سال بتیس سال بادشاہی کر کے آغوش لحد میں جا سویا اور تینمل میں ابن تومرت کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ اس بادشاہ کے اقبال وتجمل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی فوجوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ بجز پہلی شکست کے جو ابن تومرت کی زندگی میں کھائی تھی۔ کبھی ہزیمت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ عبد المؤمن کی اولاد میں بارہ بادشاہ قریباً ایک سو گیارہ سال تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ جن میں سب سے پہلا حکمران عبد المؤمن کا بیٹا یوسف تھا۔ جس نے قریباً بائیس سال تک سلطنت کر کے ۵۸۰ھ میں انتقال کیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور اورنگزیب شہنشاہ ہوا۔ منصور بھی اپنے دادا کی طرح نہایت عالی حوصلہ اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ موحدین کی سلطنت اس کے عہد حکومت میں منتہائے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ یہ بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا ہم عصر تھا۔ اس کی طبیعت میں عجب وخود پسندی کا مادہ اس درجہ سرایت کر گیا تھا کہ بعض اوقات اس کے عزم اور عقل وفہم پر بھی غالب آجاتا تھا۔ چنانچہ جن ایام میں شاہان یورپ نے متفق ہو کر بیت المقدس کو اسلام کے اثر سے آزاد کرانا چاہا اور یورپ کے تمام ملکوں سے فوجوں کا سیلاب عظیم بیت المقدس کی طرف امنڈ آیا تو سلطان صلاح الدین نے اسلام کی اخوت عمومی کا لحاظ کرتے ہوئے منصور کو بھی شرکت جہاد کی دعوت دی اور لکھ بھیجا کہ سارا یورپ اسلام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا

ہوا ہے۔ اس لئے ضرورت کہ تم اپنا لاؤ لشکر لے کر اسلام کی حمایت میں بیت المقدس کی طرف بڑھو۔ گو منصور ہر طرح سے امداد کے قابل تھا اور مدد دینا بھی چاہتا تھا لیکن اتنی سی بات پر برہم ہو کر خدمت اسلام اور تائید ملت سے محروم رہا کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے خط میں اس کو امیر المؤمنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔

ابن ابی زکریا طمامی

ابن ابی زکریا طمامی ایک فاسق فاجر نوجوان تھا۔ جس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ بیرونی نے اس کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ مگر نہ زمانہ بتایا ہے اور نہ مقام خروج ہی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ ابن ابی زکریا کو دعوائے خدائی کے بعد بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ بہت لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اس کو معبود برحق یقین کرنے لگے۔ اس نے جو آئین جاری کیا اس میں حکم تھا کہ تمام مرنے والوں کے شکم چاک کر کے اندر خوب صاف کریں اور اس میں شراب بھر کر سی دیں۔ اس کے مذہبی قوانین کا بانکپن ملاحظہ ہو کہ اس نے آگ بجھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ حکم تھا کہ جو کوئی آگ کو ہاتھ سے بجھائے اس کا ہاتھ قطع کیا جائے اور جو پھونک مار کر بجھائے اس کی زبان کاٹی جائے۔ اس کے مذہب میں اغلام یعنی لواطت جائز تھی۔ مگر حکم تھا کہ کوئی شخص اس فعل میں مبالغہ وشدت سے کام نہ لے۔ جو شخص اس فعل میں غیر محتاط ثابت ہوتا اسے زمین پر لٹا کر منہ کے بل بیس گز تک گھسیٹا جاتا تھا اور اس کے آئین مذہب میں لواطت نہ صرف جائز تھی بلکہ واجبات میں داخل تھی اور اس کا تارک قتل کا مستوجب تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جاتا کہ وہ اغلام سے پہلو تہی کرتا ہے تو اسے قصاب سے ذبح کرا دیا جاتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص دنیا کو بے حیائی اور فحش کاری کا گہوارہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو آگ کی پرستش اور تعظیم کی بھی تاکید کر رکھی تھی۔ اس شخص کی شیطنت کا ایک نہایت دل آزار پہلو یہ تھا کہ انبیاء سلف اور ان کے اصحاب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ وہ سب گم کردگان راہ اور (عیاذاً باللہ) پرفن وعیار تھے۔ بیرونی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ جن کی شرح کتاب اخبار المبیضہ والقرامطہ میں کر چکا ہوں۔ ان بداعمالیوں کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خدائے شدید العقاب نے اس پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جس نے اس پر قابو پاتے ہی بکری کی طرح ذبح کر دیا اور اس طرح اس کی سیہ کاریوں کا شجر خبیث کشت زار عالم سے بالکل مستاصل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے پیرو بھی خاک ہلاک پر ڈال کر کیفر کردار کو پہنچا دیئے گئے۔

حسین بن حمدان خصیبی

حسین بن حمدان ایک خانہ ساز نبی تھا جو خصیب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ کتاب الدعاۃ میں اس شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اواخر میں ظاہر ہوا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا اوسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاری غارتگروں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ ابن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے ممدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان ابن خلکان ۳۳۸ھ میں انتقال کیا تھا۔ غرض دونوں مدتوں میں قریباً تیس سو سال کا بعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاۃ نے حسین بن حمدان

کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقہ کے بیان کے بموجب فرقہ نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فہری تھا۔ بہر حال خصیبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا۔ اس نے مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور بصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی۔ اس لئے بھاگ کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا۔ موئخر ذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ حکام نے اس کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید وبند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے داروغۂ جیل پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں تک کہ داروغہ اس کی نبوت پر ایمان لاکر ہر وقت اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر یہاں تک گرویدہ ہوا کہ نوکری تک چھوڑ دی اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی دعوت کی طرح ڈالی۔ لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک اغوا کو شیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز کے بعد گرفتار کر کے سجن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے۔ قید سے نکال کر اپنے مداحوں اور حاشیہ نشینوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصیبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ہدایہ رکھا اور اس کو سیف الدولہ کے نام نامی پر معنون کیا۔ کتاب الدعاۃ میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ بھی انجام کار اس کے متنبیانہ ہتھیاروں کا گھائل ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اس کی اغوا کو شیوں میں مداہنت کرتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شہر و مضافات حلب میں اس کا مذہب جڑ پکڑ گیا۔ بلکہ کوہ حماہ اور لاذقیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی۔ اس کی موت کے بعد اس کے پیرو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے۔ کتاب الدعاۃ میں لکھا ہے کہ اس کے پیرو آج بھی دمشق، حماہ، حلب، عراق، سوریہ اور کیلیکیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے پیشروؤں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد وزندقہ سے ہمکنار ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت اڑادی اور بتایا کہ اولاد علیؓ کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس نے عورتوں کو اوامر دین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔

ابوالقاسم احمد بن قسی

ابوالقاسم احمد بن قسی شروع شروع میں جمہور مسلمین کے مذہب و مسلک پر کاربند تھا۔ لیکن پھر مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح تاویل بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور عام زندیقوں کی طرح نصوص پر اپنی نفسانی خواہشات کا روغن قاز ملنے لگا۔ آخر بڑھتے بڑھتے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ جب علی بن یوسف بین تاشفین شاہ مراکش کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ وہاں جا کر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ بلکہ سخن سازی سے کام لے کر بادشاہ کو مطمئن کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد اس نے شلبہ کے پاس ایک گاؤں میں مسجد تعمیر کرائی اور اپنے اباطیل کو شہرت دینے لگا۔ جب جمعیت زیادہ ہوئی تو مقامات شلب الیلہ اور مزیلہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد خود اس کا ایک فوجی سردار محمد بن وزیر نام اس کا مخالف ہو گیا اور فوج لے کر اس نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ اس لئے تمام پیرو اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کے قتل واستہلاک پر اتفاق کر لیا۔ ان ایام میں مراکش کی حکومت علی بن یوسف کے ہاتھ سے نکل کر عبدالمؤمن کے عنان اختیار میں چلی گئی تھی۔ یہ شخص بھاگ کر عبدالمؤمن کے پاس پہنچا۔ عبدالمؤمن نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نبوت کے مدعی ہو؟ کہنے لگا کہ جس طرح صبح صادق بھی ہوتی ہے

اور کاذب بھی اسی طرح نبوت بھی دو طرح کی ہے صادق و کاذب، میں نبی ہوں۔ لیکن نبی کاذب ہوں۔ ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمؤمن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کے سوا اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ابن قسی ۵۵۰ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیان کسی سال مرا ہے۔ شیخ ابوالحسن سقہ کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ ابوالقاسم احمد بن قسی کے خلاف غبار کدورت تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ابن قسی کو زدو کوب کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہے۔ یہ دیکھ کر ابن قسی نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ کیونکہ خدا نے مجھے دو وجہوں سے بخش دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ وجوہ کیا ہیں؟ کہنے لگا ایک تو میں ظلماً قتل ہوا دوسرے کتاب خلع النعلین تصنیف کی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور خواب بھی سچا تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن قسی تائب ہو کر مرا تھا۔

علی بن حسن شمیم

ابوالحسن علی بن حسن بن عنبر معروف بہ شمیم مشہور شاعر، ادیب اور نحوی الوہیت کا مدعی تھا۔ اس کا مولد و منشا معلوم نہیں۔ بغداد آکر ابو محمد بن خشاب وغیرہ ادیبوں سے علم ادب کی تحصیل کی۔ اس کو اشعار عرب بکثرت یاد تھے۔ خود بھی شعر خوب کہتا تھا۔ حسب بیان ذہبی ایک ادیب کا بیان ہے کہ میں ۵۹۴ھ میں آمد کے مقام پر پہنچا اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بڑے گرویدہ ہیں۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ بڑا ضعیف العمر ہے اور جسم بالکل نحیف ہو چکا ہے۔ اس کے سامنے کتابوں کا ایک جزدان رکھا تھا۔ جس میں سب اسی کی تصنیفات تھیں۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علوم میں سے کچھ اقتباس کروں۔ کہنے لگا۔ تمہیں کون سا علم مرغوب ہے؟ میں نے کہا ادب۔ بولا ادب میں میری تصانیف بکثرت ہیں اور حالت یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے تو اپنی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھر لئے۔ لیکن میری کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ میرے ہی نتائج فکر ہیں۔ اس کے بعد متقدمین پر طعن تشنیع کرتے ہوئے خودستائی کرنے لگا۔ پہلے لوگوں کے شعر پڑھ پڑھ کر کہتا کہ فلاں گدھے نے یوں بکا اور فلاں کتا اس طرح بھونکا۔ غرض دوسروں کی تفضیح اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے کہا اچھا کچھ اپنا کلام بھی سنائیے۔ اس نے اپنے اشعار پڑھے۔ میں نے خوب داد دی اور تحسین میں بہت مبالغہ کیا۔ چین بجبیں ہو کر کہنے لگا کہ بجز استحسان کے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا اچھا کیا کروں؟ کہنے لگا یوں کرو اور اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ آخر تالیاں بجاتے اور ناچتے ناچتے تھک گیا۔ پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ کائنات میں صرف دو خالقوں کا وجود ہے اور بس۔ ایک خالق آسمان میں ہے اور ایک زمین پر۔ آسمان پر تو اللہ ہے اور زمین پر میں۔ پھر بولا کہ عوام میری خالقیت کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلام کے سوا میں کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہوں۔ ابن النجار کہتے ہیں کہ شمیم بڑا ادیب شاعر اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ لیکن ساتھ ہی پرلے درجے کا احمق اور بے دین تھا اور لطف یہ کہ مجسمۂ حمق ہونے کے باوجود ہر شخص کا مذاق اڑاتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیا میں نہ کبھی میری مثل کوئی پیدا ہوا اور نہ ابدالآباد تک پیدا ہوگا۔

محمود واحد گیلانی

جو معاندین اسلام و دشمنان دین خاک ایران سے اٹھے۔ ان میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شخص موضع مسجوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعویٰ مہدویت کے ساتھ ۶۰۰ھ میں ظہور کیا۔

ایرانی شجر عناد کا ایک نفرت انگیز ثمر

محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مفخر موجودات حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جناب محمد ﷺ کا دین منسوخ ہو گیا۔ اب یہ محمودی دور ہے۔ ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کہتا تھا کہ عربوں کے لئے جناب محمد ﷺ کی ذات گرامی باعث صد فخر و مباہات تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہل عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصہ پارینہ ہو گیا۔ چنانچہ بڑے ناز و تبختر سے کہا کرتا تھا۔

1. رسید نوبت رندان عاقبت محمود گزشت آں کہ عرب طعنہ بر عجم مے زد

لیکن یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ محمود گیلانی جیسے ہزاروں بوالہوس آسمان شہرت پر نمودار ہوئے اور شہاب ثاقب کی طرح چمک کر آناً فاناً غائب ہو گئے اور بعض ہرزہ درایان کوئے نادانی کسی قدر اوج و عروج سے بھی ہمکنار ہوئے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کوئے محمد ﷺ کے کتوں کی بھی برابری کر سکتا۔ گو محمود خود ستائیوں اور ژاژ خائیوں میں مرزا غلام احمد کادیانی سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا۔ لیکن اس کی شہرت اور بقائے دوام کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے نام تک سے آشنا نہیں۔ لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت سید عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سید کائنات ﷺ کے در کی غلامی اور آپ کی کفش برداری کے طفیل وہ مقبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی کہ آٹھ نو صدیاں گذر جانے کے باوجود عرب و عجم میں ان کی عظمت کا ڈنکہ بج رہا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولی تھا؟ کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اس قدیم مخالفت وعداوت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کے ساتھ تھا۔ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے اعلانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خط تنسیخ کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنا دے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گہوارہ سرزمین ایران ہے۔ پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف و کربلا کو حرمین شریفین پر اور آب فرات کو آب زم زم پر فضیلت دے دی گئی۔ جیسا کہ مستند شیعی مجتہدوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

محمود کے دوسرے خرافات

اب دوسری محمودی خرافات ملاحظہ ہوں۔ کہتا تھا کہ جب جسد محمد ﷺ کمال کو پہنچ گیا تو میں پیدا ہوا۔ چنانچہ قرآن کی آیت "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا "(اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ عطا فرمائے گا) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ میاں محمود احمد کادیانی خلیفہ کادیان بھی آج کل اپنے تئیں اس آیۃ کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں۔ لیکن انہی دو پر کیا موقوف ہے۔ معلوم نہیں ابھی قیامت تک کتنے اور زندیق اپنے آپ کو اس آیۃ کا مصداق ٹھہراتے رہیں گے۔ محمود گیلانی اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے معدنی صورت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے۔ پھر قوت کو اور ترقی و نمو حاصل ہوتا ہے تو اسے صورت حیوانی ملتی ہے۔ پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت بخشی جاتی ہے۔ پھر ان عناصر نے جن کو صورت انسانی حاصل ہو چکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزاء حضرات ابو البشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے۔ یہاں تک کہ ان کو درجہ محمدی عطاء ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزاء صاف و شفاف ہو کر انتہائی کمال کو پہنچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بناء پر کہتا تھا۔

از محمدؐ گریز در محمود　　　　　کاندراں کاست واندرین افرمود

محمد ﷺ سے بھاگتا ہے تو محمود کی طرف چلا جاتا ہے، کیونکہ وہاں (محمد میں) حقیقت ہے اور یہاں (محمود میں) اس کی بتائی ہوئی بات۔

محمود کا بیان تھا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ "انا و علی من نور واحد "(میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ "لحمک لحمی و جسمک جسمی "(اے علی رضی اللہ عنہ! تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزائے اجساد کی صفوت و قوت مل گئی تو اس سے محمد ﷺ اور علی کرم اللہ وجہہ کا جسم تیار ہوا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزائے جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کہتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے اور نقطۂ خاک ہی واجب اور مبداء اوّل ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ ہے اور چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود ہنود کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دورے چونسٹھ چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے اور کہتا تھا کہ جب ذی روح مر کر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسانی یا جانور کی غذا بن کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناسخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں۔ ان سے اگلے جنم کی عادات معلوم ہو جاتے ہیں۔ واحدیہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو محصی کہتے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالید ثلثہ میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منہ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے جنم میں وہ ہی چیز تھا۔ کہتا تھا کہ پیدائش اوّل میں امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور یزید فرعون تھا۔ اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رود نیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام امام حسین رضی اللہ عنہ ہو گئے اور فرعون یزید بنا اور یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو فرات کا پانی نہ دیا اور انہیں شہید کر دیا اور کہتا تھا کہ کتا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا اور اس کی ٹیڑھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لوہے کا کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یا ولی شہید کیا جائے اور کہتا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبائی کربلائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں اور مکر و تزویر ان کا خاصہ ہے۔ جب مریں گے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہوں گے تو گلہری بنائے جائیں گے اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار تربوز بنیں گے اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کہتا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلچی ہے جو بتدریج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کا رنگ کالا ہے۔ وہ پہلے سیاہ فام تھے اور جو اب سفید ہیں۔ وہ سپید رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تحریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا اور مرزائیوں کی طرح نصوص کی ایسی رکیک اور لچر تاویلیں کیں کہ جن سے سلف اور خلف کے کان ہرگز آشنا نہ تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی ملحدانہ جسارت ہر دروغ باف مدعی کا خاصہ شاملہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تاویلوں پر قائم ہے۔ کیونکہ اگر وہ قرآن و حدیث کے مطلب و مفہوم کے بگاڑنے سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ایران میں زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے۔ اس لئے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعا رائج ہے جسے آفتاب رو ہو کر پڑھتے ہیں۔ انکا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ

کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفا، درویش بقائے واحد، درویش اسمعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب، تراب اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بلکہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی واحدی لوگ افتراء محمود ہی کے پیرو بتاتے ہیں۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا۔ چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رودارس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اے صبا گر بگذری بر ساحل رودارس　　　بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

اے صبا! اگر کبھی تو رودارس کے ساحل سے گزرے، تو اُس وادی کی خاک کو بوسہ دینا اور اپنی سانس کو اُس کی خوشبو سے مہکا دینا۔

شاہ عباس صفوی کے ہاتھوں فتنہ واحدیہ کا قلع قمع

جب واحدیوں کی شر انگیزیاں زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ خدا بندہ صفوی نے دار و گیر کا سلسلہ شروع کیا اور ان میں سے ہزاروں کو دارالبوار پہنچا دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ باوجود اس اخذ و بطش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کر لیا تھا۔ مگر پھر دنیاداری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مرواڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا۔ لیکن کامل نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف ایک واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا۔ وہ جس کسی کو دیکھتا کہ دین واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ اسے ہلاک کرا دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا۔ میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زادراہ اور توشہ دے کر رخصت کر دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ جب شاہ عباس پیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمہاری ونارت طبع ہے۔ کیونکہ یہ امام جس کے لئے تم جادہ پیما ہو۔ اگر پیوستہ بحق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہنچو۔ شاہ عباس پوچھنے لگا زندہ امام کہاں ہے۔ کمال نے کہا زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا اچھا میں تجھے نشانۂ بندوق بناتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہاری طرف رجوع کر لوں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضا ایک دانہ انگور سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ میں بندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر نذرانۂ اجل کر دیا اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنوائی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کر دیا۔ (دبستان مذاہب ص ۳۰۳،۳۰۰)

عبدالحق بن سبعین مرسی

قطب الدین ابو محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد بن نصر بن محمد بن سبین مرسی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو سبعینیہ کہلاتے ہیں مَلک مغرب کے ایک قصبہ مرسیہ میں ظاہر ہوا۔ اکابر صوفیہ کی طرح اس کا کلام بھی بڑا غامض و دقیق تھا۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ تقی الدین بن دقیق العید چاشت سے لے کر ظہر تک ابن سبعین کے پاس بیٹھے رہے۔ اس اثناء میں وہ مسلسل گفتگو کرتا رہا۔ علامہ تقی الدین اس کلام کے مفرد الفاظ تو سمجھتے تھے۔ لیکن مرکبات ان کے مبلغ فہم سے بالاتر تھے۔ عبدالحق ایک کلمۂ کفر کے باعث ملک مغرب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ امر نبوت میں بڑی وسعت اور گنجائش تھی۔ لیکن ابن آمنہ (حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) نے "لا نبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا) کہہ کر اس میں بڑی تنگی کر دی۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ شخص اسی ایک کلمہ کی بناء پر ملت اسلام سے خارج ہو گیا تھا۔

حالانکہ رب العالمین کی ذات برتر کے متعلق اس کے جو خیالات تھے وہ کفر میں اس سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہ تو عقائد کا حال تھا۔ اعمال کے متعلق امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک صالح آدمی نے جو سبعینیوں کی مجلسوں میں رہ چکا تھا۔ بیان کیا کہ یہ لوگ نماز اور دوسرے مذہبی فرائض کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب عبد الحق وطن سے نکلا تو اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی۔ اس وقت طلبہ اور اس کے پیروؤں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ جن میں بڑھے بڑھے آدمی بھی داخل تھے۔ جب دس دن کی مسافت طے ہو چکی تو مرید اسے ایک حمام میں غسل کے لئے لے گئے۔ حمام کا خادم اس کے پیر ملتے وقت پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرسیہ کے۔ خادم نے کہا وہی مرسیہ جہاں ابن سبعین نام ایک زندیق ظاہر ہوا ہے؟ ابن سبعین نے اپنے مریدوں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص اس سے ہم کلام نہ ہو۔ ابن سبعین نے کہا ہاں ہم اسی مرسیہ کے رہنے والے ہیں۔ اب یہ خادم ابن سبعین کو گالیاں دینے اور اس پر لعنتیں برسانے لگا۔ ابن سبعین نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ خادم سے باتیں کرتا جاتا تھا اور وہ اسے گالیاں دیئے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عبد الحق کے ایک مرید کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا۔ تیرا برا ہو تو اسی شخص کو گالیاں دے رہا ہے کہ جس کی تو خدمت میں مشغول ہے اور حق تعالیٰ نے تجھے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس کے پیروں کے نیچے ڈال رکھا ہے۔ یہ سن کر خادم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا۔ استغفر اللہ!

ابن سبعین میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ محتاجوں کا مربی اور مسکینوں کا خدمت گذار تھا اور یتیموں اور بیواؤں کی کفالت میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دور میں ابن سبعین مکہ معظمہ چلا گیا۔ حاکم مکہ کو کوئی مرض تھا۔ ابن سبعین کے علاج معالجہ سے وہ تندرست ہو گیا۔ اس لئے وہ اس کی بہت کچھ عزت و توقیر کرنے لگا۔ شیخ صفی الدین ہندی کا بیان ہے کہ ۶۶۶ھ میں اس سے مکہ معظمہ میں میری ملاقات ہوئی۔ علم فلسفہ میں باہم گفتگو رہی۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہیں مکہ جیسے مقدس مقام میں نہیں رہنا چاہئے۔ میں نے کہا پھر تم یہاں کیوں اقامت گزیں ہو؟ بولا کہ یہاں کا قیام میرے مقدر ہو چکا ہے۔ کیونکہ حاکم مجھے چاہتا ہے اور شرفائے مکہ سے میرے مراسم قائم ہیں اور حاکم یمن بھی میرا معتقد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص سیمیا اور کیمیا جانتا تھا اور اس نے سونا بنا بنا کر اسی ہزار دینار اہل مکہ پر خرچ کئے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً ① کتاب الاحاطہ۔ ② لابد للعارف منہ۔ ③ رسالۃ العہد۔ ④ مجلدۃ فی الجوہر۔ ان کتابوں کے الفاظ فصیح اور معنی بلیغ تھے۔ ۶۶۸ھ میں اس نے فصد کھلوایا۔ لیکن خون کو بند نہ کیا۔ آخر اتنا خون نکل گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ (فوات الوفیات لمحمد بن شاکر ج ا ص ۲۴۷، دائرۃ المعارف ج ا ص ۵۰۶)

احمد بن عبد اللہ ملثم

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن ہاشم معروف بہ ملثم رمضان ۶۵۸ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا تو ابتدائی تعلیم کے بعد شیخ تقی الدین بن دقیق العید کی خدمت میں فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحصیل اور سماع حدیث میں مشغول ہوا۔ بیس سال تک شیخ تقی الدین کے حلقۂ درس میں حدیث نبوی سنتا رہا۔ علاوہ ازیں انماطی سے صحیح مسلم اور شیخ تقی الدین بن دقیق العید سے متعدد بڑی بڑی کتابیں سنیں۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اس نے عبادت و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔ جو شخص ریاضت کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ابلیس کی طرف سے اس کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جنود ابلیس مختلف نوری شکلوں میں رونما ہوتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اور مدارج علیا کے مژدے سنا کر راہ حق سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی مسیحا نفس مرشد کا ظل عاطفت سر پر پر تو افگن ہو تو عابد شیطانی دام تزویر سے محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ وہ ایسی بری طرح پٹخنی دیتے ہیں کہ عابد صراط مستقیم کی حبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہلاکت کے اسفل السافلین میں جا پڑتا ہے۔ اگر عابد کسی

ہادی طریقت کے برکت انفاس سے محروم ہو تو جنود ابلیس سے محفوظ رہنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت اور مسلک سلف صالح کی میزان حق کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھے اور اپنے تمام انکشافات کو منجانب اللہ یقین کرنے سے پہلے اس کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا کرے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ بہت سے عابد نوری شکلیں دیکھتے اور طرح طرح کی دل آویز صدائیں سنتے ہیں۔ تو تمام قوائے عقلیہ کھو بیٹھتے ہیں اور کتاب وسنت اور مسلک سلف صالح کے معیار حق کو طاق نسیان پر رکھ کر اپنی بدبختی سے شیاطین کے آگے کٹ پتلی کی طرح ناچنے لگتے ہیں۔ جب احمد پر شیاطین نے حسب معتاد پنجۂ اغوا مارا تو عامۂ عباد کی طرح اس کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ ۶۸۹ھ میں بڑے لمبے چوڑے دعوے کر دیئے۔ پہلے تو کہنے لگا کہ میں نے بارہا خداوند عالم کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ تو خیر کچھ بعید نہ تھا۔ کیونکہ اہل اللہ رب العالمین کو خواب میں بے کیف دیکھا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اس نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مجھے حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے عرش اعظم تک پہنچا۔ اس وقت جبریل امین اور ملائکہ کا ایک جم غفیر میرے ساتھ تھا۔ خدا تعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہوا اور مجھے بتایا کہ تم مہدی موعود ہو۔ ملائکہ نے مجھے بڑی بڑی بشارتیں دیں اور خود سرور کائنات ﷺ مجھ سے ملاقی ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور تم ہی مہدی موعود ہو۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی مہدویت کا اعلان کر دو اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ جب احمد کے ان بلند بانگ دعوؤں کا شہرہ ہوا تو حاکم قاہرہ نے اس کو گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے قید خانہ میں جا کر اس کا گلا گھونٹ دینے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ انہی ایام میں اس کے استاد قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اس کے پاس محبس ہو گئے اور دیکھا کہ اس نے پانی کا گھڑا اور کھانے کے برتن توڑ دیئے ہیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو دیوانہ قرار دے کر رہا کرا دیا۔ جب شیخ نصیر منجی کو اس کا علم ہوا تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ انہوں نے بیبرس سے جو ان کا معتقد تھا۔ اس کی شکایت کی اور اسے مشورہ دیا کہ جام زہر پلا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کو پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی شراب میں ملا کر اس کو زہر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہی شراب ایک واجب القتل قیدی کو پلائی گئی تو وہ معاً ہلاک ہو گیا۔ لیکن مقام مسرت ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد خدا تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں وہ مہدی نہیں ہوں۔ جن کے ظہور کی حضرت مخبر صادق ﷺ نے بشارت دے رکھی ہے۔ بلکہ میں صرف مہدی بمعنی ہدایت یافتہ ہوں۔ آخر ۷۰۴ھ میں مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ (درر کامنہ الشیخ ابن حجر العسقلانی نسخہ قلمی ج ا ص ۶۳، ۶۲)

عبداللہ راعی شامی

یہ ایک شامی چرواہا تھا۔ جس کا نام اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کا نام عبداللہ تجویز کر دیا ہے۔ شہر طبریہ میں رہتا تھا اور وہاں کے باشندے اسے عموماً چرواہا کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں وہی شخص ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ علامہ عبدالرحمن بن ابو بکر دمشقی معروف بہ جابری نے لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی۔ جس سے خوارق عادات ظہور میں آتے تھے اور ابنائے زمانہ کی عقل ان خوارق پر حیران تھی۔ اس لاٹھی میں متعدد اعجازی تصرفات ودیعت تھے۔ جب اس کو گرمی کے وقت زمین میں گاڑتا تو معاً ایک درخت بن جاتا۔ جس میں آناً فاناً شاخیں اور پتے نمودار ہوتے اور یہ اپنی بکریوں سمیت اس کے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اس کا ایک خاصہ یہ تھا کہ درندوں اور جنگلی جانوروں کو اس سے ایک شعلہ نکلتا دکھائی دیتا۔ جس کی وجہ سے یہ راعی وحوش اور درندوں کو جدھر چاہتا بکریوں کی طرح

ہانک لے جاتا تھا اور شیر چیتا وغیرہ کسی درندہ کی مجال نہ تھی کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس لاٹھی میں یہ خاصیت بھی ودیعت تھی کہ جب اس کو زمین پر ڈالتا تو ایک بڑا اژدہا بن کر اس کے سامنے دوڑنے لگتا۔ جابریؒ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس لاٹھی کا راز معلوم نہیں کر سکا۔ (کتاب المختار وکشف الاسرار قلمی، کتاب الدعاۃ ص ۸۲)

عبدالعزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز ایک پہاڑی شخص تھا۔ جس نے ۷۱۷ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے جہلاء خصوصاً نصیریہ فرقہ کے پیروؤں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح یہ بھی کئی رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفی ہوں، کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور کبھی مہدئ منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیریہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیرو نعرہ تکبیر کی جگہ یہ آواز بلند کیا کرتے تھے۔ "لا الہ الا علی، لا حجاب الا محمد، لا باب الا سلمان "(علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمان رضی اللہ عنہ فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں۔ اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو سجدہ کرو۔ جو کوئی اس نابکار کے سامنے سربسجود ہو جاتا۔ اس کی جان بخشی کی جاتی۔ ورنہ معاً حلف تیغ بنا دیا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آکر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا اور اس کی جماعت کو بھی تباہ وبرباد کر دیا۔ (کتاب الدعاۃ ص ۱۱۴، ۱۱۳)

اویس رومی

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "المشرب الوردی فی مذہب المہدی" میں جو انہوں نے ۹۶۵ھ میں مکہ معظمہ میں تالیف کی۔ لکھا کہ ایک شیخ نے جسے اویس کہا کرتے تھے (ترکی) سلطان بایزید کے عہد سلطنت میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ اس کے اسی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفاء کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ تم بھی اپنے باطن کی طرف توجہ کرو اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو اس سے مجھے اطلاع دو۔ خلفاء اپنی اپنی جگہ توجہ باطنی کرتے رہے۔ آخر سب نے آکر بیان کیا کہ ہمارے نزدیک آپ اس دعویٰ میں حق پر ہیں۔ اس کے بعض خلفاء نے سلطان بایزید سے یہ واقعہ عرض کیا۔ سلطان بڑا دیندار بادشاہ تھا۔ اس نے سن کر کہا بہتر ہے کہ تم لوگ خروج کرو۔ میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ لیکن جب اویس نے تھوڑے دن کے بعد از سر نو باطن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ الہام ربانی نہ تھا۔ بلکہ القائے شیطانی تھا۔ جھٹ دعوائے مہدویت سے رجوع کیا۔ اپنے خلفاء کو اس کی اطلاع کرائی اور سلطان کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۲) تاہم غنیمت ہے کہ جلد سنبھل گیا ورنہ نہ صرف خود ابدالآباد تک ورطۂ خسران میں پڑا رہتا۔ بلکہ جب تک اس کے اغوا واضلال کا کوئی شائبہ معمورہ عالم میں پایا جاتا۔ اس کے پیروؤں کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن اویس کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد کادیانی کی حرمان نصیبی قابل افسوس ہے۔ یہ بیچارے پہلے دن جن بھول بھلیوں میں پھنسے دم واپسین تک انہی میں سرگشتہ وحیران رہے اور ان سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ اویس کی ہدایت یابی اور مرزا کادیانی کی شقاوت پسندی قضاء وقدر سے وابستہ تھی۔ میں اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا

کہ خوبیٔ قسمت کو خلوص و حسن نیت سے اور شومیٔ تقدیر کو سوئنیت سے گہرا تعلق ہے۔ اویس اور مرزا کادیانی کے نصب العین اور زاویہ ہائے نگاہ میں بین فرق تھا۔ اویس بے چارہ، رب غفور کا مخلص بندہ تھا۔ خدائے کروگار کی نصرت بخشیوں نے اس کے خلوص اور حسن نیت کی برکت سے اسے شیاطین کے پنجۂ اغواسے نجات دلائی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مرزا کادیانی کو للّٰہیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا نصب العین دنیا پرستی اور عیش وراحت تھا اور وہ از سرتابقدم خواہشات نفسانی اور حظوظ فانی کے غلام تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ مرزا کادیانی نے حسب بیان الفضل کی ایک لڑکی عائشہ بیگم بنت شادی خان کو پیر دبانے پر متعین کررکھا تھا۔ پلومر کمپنی لاہور سے پورٹ وائن منگوایا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود صاحب کے لئے جو پلاؤ تیار کیا جاتا تھا۔ اس میں گھی کی جگہ روغن بادام ڈالا جاتا تھا۔

احمد بن ہلال حسانی

احمد بن ہلال حسانی وقت کا ایک مشہور زندیق تھا۔ جو ابن سبعین کے بعد ظاہر ہوا۔ اس نے دمشق میں نشوونما پایا۔ اٹھویں صدی کے اختتام پر حلب پہنچا۔ اور قاضی شرف الدین انصاری سے کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے قاہرہ جاکر کچھ مدت اقامت گزیں رہا۔ قاہرہ سے حلب واپس آیا اور مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی ائمہ کبار کی شان میں دریدہ دہنی کرنے لگا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ میں براہ راست خدائے برتر سے علوم حاصل کرتا ہوں اور میں ہی دائرہ کائنات کا نقطۂ ہوں۔ اس سے بہت سے کفریات صریحہ نقل کئے گئے ہیں۔ کہتا ہے کہ مجھے حالت بیداری میں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ تمام انبیاء سے حالت بیداری میں میرا اجتماع ہوتا ہے اور بیداری ہی میں ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہوں اور کہا کرتا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو مقام تکلیم اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام تکمیل عطاء کئے گئے۔ لیکن مجھے یہ دونوں مقام بخشے گئے ہیں۔ بااین ہمہ نہ تو نماز کا پابند تھا اور نہ اسے جماعت ہی کی پرواتھی۔ بہت لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے فتنہ نے نہایت خوفناک صورت اختیار کرلی۔ آخر ۹/شوال ۸۲۳ھ کو دست اجل نے اس کا ٹینٹوا آدبایا اور خدا کی مخلوق اس کے فتنہ سے مأمون ہوئی۔ (لسان المیزان لابن حجر عسقلانی ج ا ص ۳۲۰)

سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کی ولادت ۸۴۷ھ میں بمقام جون پور ہوئی۔ جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے پیرو جو مہدویہ کہلاتے ہیں۔ اپنے مقتداء کو میراں سید محمد مہدی موعود کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خاں اور والدہ کے نام بقول مؤلف مطلع الولایت بی بی اخاملک تھا۔ لیکن متاخرین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جونپوری کے آباواجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا۔ محمد کے باپ کا نام سید عبد اللہ لکھنا شروع کردیا۔ تاکہ سید کا دعویٰ مہدویت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے روسے باطل نہ ٹھہرے۔ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزمان کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا اور ان کے والد کا نام میرے والد کے اسم گرامی سے مطابقت رکھے گا۔ بلک برہان الدین مہدی مؤلف شواہد الولایت نے توماں کا نام بھی آمنہ تجویز کر کے اپنے پیر مغاں کو پوری طرح مہدویت کے قالب میں ڈھال دیا۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا کہ اس کے والد کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے۔ بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ "یواطیٔ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی" (مہدی رضی اللہ عنہ کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا) اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ کیا خدائے قادر وتوانا اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سید خاں کے بیٹے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے؟ اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے زور استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید

محمد سخت برہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خان کے لڑکے کو مہدی بنا دیا؟ سید محمد موزوں اندام، کشیدہ، قامت اور نہایت خوبرو تھا۔ بچپن ہی سے طباعی اور فطانت کا جوہر چہرۂ بخت پر چمک رہا تھا۔

اسد العلماء کا خطاب

کہتے ہیں کہ سید نے سات ہی سال کی عمر میں کہ آغاز ادراک و شعور کا زمانہ ہے کلام الٰہی حفظ کر لیا اور بارہ کے سن میں تمام علوم درسیہ سے فراغت پا کر دستار فضیلت باندھ لی۔ سید عنفوان شباب ہی سے برجستہ گوئی اور حسن تقریر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ دانیال چشتیؒ اور علمائے وقت نے اس کی دقت نظری اور علمی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے اسد العلماء کا خطاب دیا۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضاء پر اہل تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے اور صوفیانہ مذاق کی گرم بازاری تھی۔ اس لئے اب سید کو اہل طریقت کے چشمۂ فیض سے سیر اب ہونے کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ شیخ دانیال چشتیؒ کے دست حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی اور ایک مدت تک ریاضات شاقہ اٹھا کر جویائے حق رہا۔ اس ادراک سعادت سے پیشتر تو صرف علوم قالی میں کمال پیدا کیا تھا۔ شیخ کے فیض صحبت نے اس جوہر کو اور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالا مال کر دیا۔ اب سید علائق دنیوی سے آزاد ہو کر انتہائی تبتل وانقطاع کے ساتھ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پروانہ وار ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بن گئی۔ سید اوائل میں کسی سے ہدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور بزرگان سلف کی طرح نہایت عسرت کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا۔ اس کی پوشش و خورش فقیرانہ تھی۔ اس کی ہر ادا سے بزرگانہ انکسار اور درویشی کی شان نمایاں تھی اور باوجودیکہ سلاطین اسلام اس کی خدمت و ملازمت سے شرف اندوز سعادت ہونا چاہتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ ان کی مملکت میں قدم رنجہ فرمائیں۔ مگر سید نے پیران چشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سلاطین اور اہل ثروت سے راہ و رسم پیدا کرنا پسند نہ کیا۔

راجہ دلیپ رائے اور حاکم داناپور

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود بیکرہ جیسے با اقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بحری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند دیسی خود مختار ریاستیں تھیں۔ جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضۂ اقتدار میں تھیں۔ جونپور کا علاقہ ریاست داناپور کی عملداری میں داخل تھا۔ ہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجگذار تھا۔ ان ایام میں امیر حسین والئ داناپور کی محبوب ترین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح آزادی و خود مختاری کی نعمت سے کامگار ہو اور گونہاں خانۂ دل حریت و خود مختاری کی امنگوں سے لبریز تھا۔ لیکن اپنی بے سروسامانی اور قلت سپاہ کا احساس رکھتے ہوئے کسی طرح سرتابی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ امیر حسین نے سید محمد کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو دل میں زیارت کا شوق سر سرایا۔ چنانچہ ایک روز سیر و شکار کے بہانے جونپور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت والتفات میں ممتاز ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ جونپور آیا اور سید سے کہنے لگا کہ خاکسار کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضور کے قدموں میں پڑا رہوں۔ لیکن اس صورت میں امور سلطنت کا انصرام محال ہے۔ چونکہ ایک لمحہ بھی مفارقت گوارا نہیں اس لئے یا تو حکم ہو کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے یہاں چلا آؤں اور حضور کی کفش برداری اختیار کروں اور اگر اس عرضداشت کو شرف پذیرائی نہ بخشا جائے تو پھر درخواست کروں گا کہ حضور پر نور خاکسار ہیچمیرز کے غربت کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے

منور فرمائیں۔ سید نے اس کے جذبۂ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر مؤخر الذکر التماس کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ داناپور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو داناپور میں تبلیغ واشاعت اسلام کا بہت زریں موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں داناپور اور مضافات کے ہزار ہا ہنود شرف اسلام سے مستسعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہنچتی تھیں۔ لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہاء درجہ کا مدبر فرمانروا تھا۔ شجاعت وبسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف وہراس اس کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ لیکن وہ امر جس کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور بت پرستی کا شغف تھا۔ گو ہندوستان کے کئی ایک علاقوں میں اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب، کفر وثنیت کے خس وخاشاک کو بہالے جا رہا تھا۔ تاہم اس کی عملداری میں ہر ہندو کا گھر بہت الصنم تھا۔ اس بت پرستانہ رسم کہن کے مؤسس ومؤید برہمن تھے۔ جنہیں مسلمانوں سے دلی نفرت وعداوت تھی۔ کیونکہ اہل توحید نہ صرف شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے بلکہ جب کبھی موقع ملتا بت شکنی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں ہر ایک معرکہ پر جو ہندو راجاؤں اور مسلم سلاطین میں ہوتا مذہبی رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ راجہ دلیپ رائے اپنی شجاعت کے نشہ میں چور تھا اور اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بپھر رہے تھے۔ تاہم اسے اس بات کا یقین تھا کہ جانبازی کے میدان میں اہل توحید سے گوئے سبقت لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے چاروں طرف مسلمان بادشاہ حکمران تھے جو اسے سر اٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے۔ دلیپ رائے نے ہزار جتن کئے کہ اس کی قلمرو میں کوئی ہندو حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہو۔ لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

راجہ دلیپ رائے سے جنگ آزما ہونے کی تحریک

ایک دن سید محمد مریدان باصفا کے حلقہ میں بیٹھا ہوا توحید کے محاسن اور کفر وشرک کے قبائح بیان کر رہا تھا۔ اس وقت امیر حسین بھی موجود تھا۔ یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور حالت بے خودی طاری ہو گئی۔ اس حالت جذبہ میں حسین کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کہا اے امیر! ارباب حکومت کو خدا نے دفع اعداء کے لئے تلوار دی ہے۔ مگر آج صفحہ ہستی پر تجھ سے زیادہ محروم القسمت انسان کوئی نہ ہو گا کہ تیری ذات سے اسلام رسوا ہو رہا ہے اور تو طاغوت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کفر کے غلبہ و تفوق کا باعث بنا ہوا ہے۔ امیر سید کو جوش غضب میں دیکھ کر سہم گیا۔ حاضرین بھی عالم ہراس میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سید کے رخ انور پر ایسا جلال برس رہا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ سید نے دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بوالہوسی کا ذکر کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت بیان کرنی شروع کی اور آیات وروایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرائے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کے جیے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید بآواز بلند کہنے لگا اے عیش پرست کاہلو اور اے نفس امارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو۔ آؤ ہم سب مل کر خدائے برتر کی راہ میں سربکف ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر وشرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نور توحید سے منور کر دیں۔ اس پیام میں حق وصداقت کی جو روح تھی اس نے بڑا کام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ یہ اعلان برقی قوت وسرعت کے ساتھ اکناف ملک میں پھیل گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر جرار امیر حسین کے جنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑ کی طرف پیش قدمی کی جو دلیپ راؤ کا صدر مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیڑھ ہزار نفراء کے ساتھ جنہیں فوج بیراگیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عجلت پسندی اس جوش وولولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جہاد میں پیدا ہو گیا۔ ورنہ اگر نوجوان سید ایک تجربہ کار قائد کے اوصاف

حزم واحتیاط سے عاری نہ ہوتا تو وہ اس بے سر و سامانی کے عالم میں اس قلیل فوج کے ساتھ ایک خوفناک دشمن پر حملہ آور ہونے کی کبھی ترغیب نہ دیتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر چندے اور توقف کیا جاتا تو اس سے دوگونہ کلمہ گوؤں کی جمعیت شوق شہادت میں فراہم ہو سکتی تھی۔ لیکن سید کا جوش جہاد اسے صبر وانتظار کی کشمکش میں پڑنے کی ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔ امیر حسین گو بادی النظر میں اس بات کو سمجھتا تھا کہ دشمن اس کی قلیل التعداد فوج کو مار مار کر بالکل نابود کر دے گا۔ لیکن امیر حسین کی ہمت و جرأت محض خلوص عقیدت پر مبنی تھی۔ وہ لطیفہ غیبی کا منتظر تھا اور اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ سید کا تصرف اسے ضرور فائز المرام کرے گا اور سچ پوچھو تو سید کی نظر بھی فوج اور مادی طاقت پر نہ تھی۔ بلکہ اس کا بھروسہ اس ذات بیچوں کی غیبی امداد پر تھا کہ فتح وشکست اور عزت وذلت جس کے دست اختیار میں ہے۔ دلیپ راؤ کو بھی اس اعلان جنگ نے چونکا دیا۔ مگر بہادر راجہ کی جبیں استقلال پر ذرا شکن نہیں پڑی۔ اس نے امراء کو جمع کر کے مجلس مشاورت آراستہ کی اور معاً حرب وضرب کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ بیدار مغز راجہ کو اس روز سیاہ کا پیشتر ہی سے علم تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت فوج کو سر و سامان سے آراستہ رکھتا تھا۔ گو اسے اپنی حربی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور کامل امید تھی کہ جس وقت چاہے گا والی داناپور کی طاقت کو کچل دے گا۔ مگر جب اس کی نظر چاروں طرف ان ممالک کی طرف اٹھتی تھی جہاں بڑے بڑے پرشکوہ مسلمان بادشاہ برسر اقتدار تھے اور باوجود باہمی اختلافات کے ایسے موقع پر متفق ہو جاتے تھے تو اسے سلطان حسین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سنی تو جاسوس دوڑائے اور جب پتہ لگا کہ سلطان حسین تیس ہزار کی جمعیت سے آرہا ہے تو سخت حیرت زدہ ہوا۔ کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ امیر حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرأت کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی گھٹا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی اور والیٔ داناپور کے مقابلہ میں بڑھتا چلا آیا۔ جب اہل توحید کو معلوم ہوا کہ راجہ کی فوجیں سیاہ آندھی کی طرح بڑھتی آرہی ہیں تو وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت کوہ پیکر ہاتھی اور ستر ہزار جری سپاہی اور ہزاروں جرار سوار راجہ کے ہمرکاب تھے۔ راجہ کی فوج اس دھوم دھام اور آرائش ونمائش سے نکلی کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ گئے۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور ہنگامۂ رزم گرم ہوا۔ دونوں طرف کے بہادر دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ امیر حسین نے اس جنگ میں بڑے بڑے معرکے کئے اور گو دشمن کی غیر معمولی قوت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطاء ہو رہے تھے۔ تاہم کمال جانبازی کے ساتھ داد شجاعت دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسین سید کی طرف بار بار دیکھ کر زبان حال سے اس کو دشمن کی خوفناک جمعیت اور اس کے جان ستان حملوں کی طرف متوجہ کرنے لگا۔ لیکن سید کی یہ حالت تھی کہ وہ غنیم کی حربی قوت اور شجاعانہ رزم جوئی کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔

راجہ کا قتل

تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پرزور حملوں کی تاب نہ لا کر نہایت ابتری اور سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہونے لگے۔ حسین عالم اضطراب وبدحواسی میں سید کی طرف آیا جو فوج بیراگیاں کو لئے ایک طرف سوار کھڑا تھا۔ فوج بیراگیاں کی ہیئت کذائی گو نہایت مضحکہ خیز تھی۔ لیکن یہی بے سر و سامان جماعت دراصل اسلامی جمعیت کی روح رواں تھی اور یہی وہ مقدس گروہ تھا جس نے امیر حسین کی کشتی اقبال کو ڈوبنے سے بچایا اور اسلام کی لاج رکھ لی۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کر جان بچالیں۔ مگر سید نے خشمناک ہو کر منہ پھیر لیا اور نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ کوہ ودشت گونج اٹھے۔ یہ لوگ

سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاطف کی طرح پہلے ہی حملہ میں غنیم کے میمنہ کو فنا کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اسلامی فوج کے لئے یہ ایک غیبی کمک تھی جس کے گئے ہوئے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ پسپا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور قوت مجتمع ہو کر حریف کے قلب پر ہلہ بول دیا۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر دلیپ راؤ نے اپنے بہادر راجپوتوں کو للکارا اور ایسا پر جوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت اپنا آخری قطرۂ خون بہانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آ گئیں کہ معاملہ تیر و تفنگ سے گزر گیا اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سید محمد اسی جوش و خروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا۔ گو اس کے پیروؤں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے پے در پے حملوں نے غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ آخر سید دلیپ راؤ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بکف ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لئے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ مہدوی کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملائکہ نے تھام لیا تھا۔ اس اثناء میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر راجہ کو نہ دیکھا تو اس میں تلاطم مچ گیا اور سپاہی بے سر و سامان بھاگ نکلے۔ امیر حسین نے سجدہ شکر ادا کیا کہ بگڑی بات بنانے والا وہی خدائے کردگار ہے۔ اسلامی سپاہ نے غنیم کو خوب پامال کیا۔ بہت سے امیر اسیر ہوئے اور غنیمت بے شمار اہل توحید کے ہاتھ لگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی علمداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہوئی۔ بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل و دخل ہو گیا۔ اب سید محمد کا حلقہ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی روز میں اس کے ارادت مندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ دلیپ رائے کے اکثر قرابت دار بطیب خاطر مسلمان ہوئے اور سید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر عوائق و موانع تھے اس فتح کے بعد اٹھ گئے۔ اسیران جنگ میں راجہ کا ایک ہمشیر زادہ بھی داخل تھا۔ جو دستگیر کر کے سید محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ چند روز کے بعد راجہ کا خواہر زادہ مشرف باسلام ہوا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر و فکر میں مصروف رہ کر سید کے خرقۂ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔ وقائع حرب کے سلسلہ میں یہ ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب سید کی شمشیر خارا شگاف نے راجہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور جسم دو نیم ہو کر زمین پر گر پڑا تو دلیپ رائے کا دل سینہ سے باہر نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ رائے کے دل پر اس بت کی شبیہ منقوش تھی۔ جس کی وہ ہمیشہ عبادت کیا کرتا تھا۔ یہی امر سید کے جذبہ واستغراق کا ذریعہ بن گیا کہ جب معبود باطل اس قدر اثر رکھتا ہے تو معبود حقیقی کی تاثیر کیا کچھ ہونی چاہئے۔ سات برس تک سید کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ ہر وقت جذب واستغراق کی حالت طاری تھی۔ البتہ نماز پنجگانہ کے وقت کچھ ہوش آجاتا تھا۔ مہدویہ کہتے ہیں کہ اس سات برس کی مدت میں ایک دانہ اناج اور ایک قطرہ پانی کا سید کے حلق میں نہ گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، مہدویہ کہتے ہیں کہ ایک روز سید کی زوجہ محترمہ نے کہا کیا سبب ہے کہ ہر وقت بیہوش رہتے ہو اور تحمل نہیں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجلی الوہیت کی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ اگر ان بحور تجلیات کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو مدت العمر کبھی ہوش میں نہ آئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول جس سے انبیاء کرام کی تنقیص اور اپنی تفضیل ظاہر ہوتی ہے کسی مہدوی کا دماغی اختراع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلمہ بھی مثل دوسرے شطحیات کے سکر و جذب کی حالت میں زبان سے نکلا ہو۔ غرض سات سال کے بعد کچھ ہوش آیا۔ لیکن اب بھی یہ حالت تھی کہ کبھی ہوش آجاتا اور کبھی مدہوشی کی حالت طاری رہتی۔ پانچ سال اسی طرح گذر گئے۔ مہدویہ کا بیان ہے کہ اس پانچ سال کی مدت میں سید نے غلہ گوشت اور روغن بقدر ساڑھے سترہ سیر کھایا ہو گا۔

دعویٰ مہدویت

اب سید نے ہجرت کا قصد کیا اور وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر زن و فرزند اور چند مریدان جانثار کی معیت میں دشت غربت کی راہ لی اور جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کا طریقہ اختیار کیا۔ یہاں سے سید کی زندگی کا نیا دور اور اس کے مشن کا تاریک ترین حصہ شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ سید نے اسی موقع پر داناپور کے جنگل میں پہنچ کر پہلی مرتبہ اپنی مہدویت کے الہام ہم راہوں سے بیان کئے۔ جنہوں نے بے چون وچرا ان کی تصدیق کی۔ افسوس کہ سید کے رفقائے سفر میں کوئی بھی ایسا ذی علم اور صاحب عقل وخرد نہیں تھا۔ جو حق گوئی سے کام لے کر سید سے کہتا کہ صاحب! آپ کی مہدویت کے جملہ الہامات شیطانی ہیں۔ کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے سچے مہدی کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں اور جو ذات شریف آپ کو منصب مہدویت بخش رہی ہے وہ ابن آدم کی بدترین دشمن ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی بیان کردہ مہدویت کو احادیث نبویہ پر پیش کر کے حق وباطل میں امتیاز کر لیں۔

لیکن یہ ضعفائے ایمان آناً فاناً جونپوری رو میں بہ گئے۔ مہدویہ لکھتے ہیں کہ سید نے عالم رویاء یا نیم بیداری کی حالت میں ایک شخص کو دیکھا جس کے چہرہ پر آثار تقدس وبزرگی ہویدا تھے۔ وہ سید کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ سید نے ضرور کسی ایسی ہستی کو دیکھا ہوگا جس کے چہرہ پر تقدس وبزرگی کے آثار ہویدا تھے اور اس نے واقعی سید سے کہا ہوگا کہ تو ہی مہدی موعود ہے۔ لیکن نادان مہدوی اتنا نہیں سمجھتے کہ سید کو مہدویت کی بشارت دینے والا بزرگ صورت اس شیطان رجیم کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ جس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے اور جو مختلف رنگوں میں ظاہر ہو کر عباد وزہاد کو راہ حق سے پھیرنے میں ہر وقت منہمک ہے اور اگر کوئی حق فراموش مہدوی اعتراض کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اتنا بڑا پیر طریقت شیطان کے دام تزویر میں پھنس کر گمراہ ہو جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عزلت کو گمراہ کرنا شیطان کا فرض منصبی ہے۔ وہ اضلال واغوا کی ساری صلاحتیں استعمال میں لاتا ہے۔ اس کے پنجہ اغوا سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو اپنے ہر الہام والقاء کو تعلیمات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے اور جو کوئی اپنے الہامات کو ارشادات نبویہ اور مسلک سلف صالح کے معیار پر پرکھنے کا عادی نہیں۔ ممکن نہیں کہ وہ شیطان کی دستبرد سے بچ سکے۔ خیر القرون کے بعد حضرت قطب الاقطاب سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے بڑھ کر عارف ربانی کون ہوگا؟ شیطان نے ان کو بھی اپنی کمند خدع میں پھانسنا چاہا تھا۔ لیکن وہ صاحب فراست تھے۔ انہوں نے شیطانی آواز کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں جانچا تو معاً ان پر حقیقت حال کھل گئی اور وہ جھٹ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کہہ کر پناہ خداوندی میں آ گئے اور بچ گئے۔ ورنہ شیطان بسا اوقات اچھے اچھے ہادیان طریقت کو پھسلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب شیخ شیوخ العالم حضرت عبد القادر جیلانیؒ اس کے پنجۂ اغوا سے بچ نکلے اور اس کا وار خالی گیا تو شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے الفاظ میں شیطان ان سے کہنے لگا۔ اے عبد القادر! نجات یافتی تواز من بواسطہ علم تو باحکام پروردگار تو وفقہ تو باحوال منازلات خود ومن بمثل ایں واقعہ ہفتاد تن از اہل ایں طریق از راہ بردم کہ یکے ازانہا بجائے خود نایستاد۔ ایں جہ علم وہدایت است کہ حق تعالیٰ تراعطا فرمودہ۔ شیخ محی الدین عبد القادرؒ "گفت اللہ الفضل والمنۃ ومنہ الہدایۃ فی البدایۃ والنہایۃ" اگر جونپوری بھی نورانی پیکر کو دیکھ کر احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسے اسلام کے شارع عام سے ہجر وبعد نصیب ہوتا۔ لیکن شیطان کے ایک ہی پرتو جمال سے اس کی آنکھوں میں ان احادیث نبویہ کی طرف سے چربی چھاگئی۔ جن میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی بہت سی ایسی علامتیں اور خصوصیتیں مذکور ہیں جو سید جونپوری کی ذات میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

چندیری، مندو، چمپانیر، اور احمد نگر میں ورود

وطن کو الوداع کہہ کر سید چندیری گیا۔ وہاں کے لوگوں میں اس کے فضل و کمال کا شہرہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اہل چندیری نے بڑی آؤ بھگت کی اور سیکڑوں عقیدت مند اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مگر جب علماء و مقتدایان ملت کو اس کے دعوائے مہدویت کا علم ہوا تو وہ مخالفت پر کمربستہ ہوئے اور بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہوا۔ چونکہ شرع اسلام کی حکومت تھی۔ تمام اسلامی ممالک میں احتساب جاری تھا اور ہر شخص کے لئے شریعت کی پابندی لازم تھی۔ اس لئے سید کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے شہر مندو دارالسلطنت مالوہ میں آیا۔ وہاں بھی اس کے وعظ و بیان میں ہجوم خلائق حد سے زیادہ ہوا۔ سلطان غیاث الدین جسے اس کے فرزند سلطان ناصر الدین نے ان ایام میں قصر شاہی کے اندر نظر بند کر رکھا تھا۔ نہایت درجہ کا اعتقاد بہم پہنچا کر سید کا مرید ہو گیا۔ اس نے سید کے دو مریدوں سید سلام اللہ اور ابو بکر کو بلا کر باعزاز تمام رخصت کیا اور بیش قیمت تحائف سید کی خدمت میں بھیجے۔ یہاں سلطان غیاث الدین کا ایک مصاحب الہ داد نام بھی ترک امارت کر کے سید کا مرید ہو گیا۔ وہ سید سے اس درجہ مانوس ہوا کہ سفر و حضر میں تادم مرگ اس کے ہمرکاب رہا۔ الہ داد صاحب تصانیف تھا۔ اس نے رسالہ بار امانت، رسالہ ثبوت مہدویت، مرثیہ شیخ اور دیوان غیر منقوط لکھ کر فصاحت وبلاغت کو حیات جاوید بخشی۔ یہ شخص سید محمد کا چھٹا خلیفہ شمار کیا جاتا ہے۔ صاحب دیوان مہری بن خواجہ طہ اسی کا شاگرد ہے۔ اسی شہر میں سید محمد کا چھوٹا فرزند سید اجمل کھانے کی دیگ میں گر پڑا اور رہگرزائے عالم بقا ہوا۔ سید محمد نے مندو سے روانہ ہو کر چمپانیر کا عزم کیا جو گجرات کا دارالسلطنت تھا۔ مندو سے بہت سے لوگ معتقد ہو کر سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں پہنچ کر سید نے جامع مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی سید کے ترک وانقطاع کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بیکرہ ایسے الوالعزم اور خدا پرست بادشاہ نے بھی سید کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کی ٹھان لی۔ لیکن چند علماء اور مقتدان ملت جو حسب الحکم پہلے آ کر سید سے ملاقات کر گئے تھے۔ مانع آئے اور بتایا کہ یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ اس لئے بادشاہ نے مرید ہونے کا عزم فسخ کر دیا۔ مگر باوجود علماء کرام کی مخالفت کے یہاں کئی شخص سید کے مرید ہو گئے۔ کیونکہ جن محرومان قسمت کا جذبۂ حق فراموشی ضلالت پسندی اور کج روی کے لئے بے قرار ہو وہ کسی طرح زیغ وضلال سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ ان نئے ارادت مندوں میں سے ایک نوجوان طالب علم میاں نظام الدین نام نے زمرۂ خدام میں داخل ہو کر سید کی خدمت ورفاقت اختیار کی اور ہر سفر میں سید کے ساتھ رہا۔ اسی جگہ سید کی بیوی کا پیمانۂ حیات بھی آب مرگ سے لبریز ہو گیا۔ جب راحت جان رفیقۂ حیات نے گرداب فنا کی گود میں جابسیرا کیا تو سید نے امور خانہ داری کے مخمصوں سے نجات پا کر فتوحات میں تقسیم بالسویہ کا طریقہ جاری کیا۔ وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام پیشتر ہی مہدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے دارالسلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ بحری سید کا مرید ہو گیا۔ کسی بادشاہ کا ایک فقیر بے نوا و مسافر خستہ پا کے ہاتھ پر بیعت کرنا بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حسن عقیدت کی وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص وعام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقۂ ارادت میں آ گئی۔ بادشاہ کے قبول مہدویت کا ساحرانہ اثر یہاں تک جاری وساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر اپنے قوائے ذہنیہ کو بدعت وضلالت کے مہدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب مہدویہ دکن میں بالاستقلال قائم ہو گیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک اولاد سے محروم تھا فرزند کی آرزو میں سید کے پاس آ کر دعاء کا طالب ہوا۔ سید نے دعاء کی۔ نہال امید بارور ہوا۔ بیگم کو حمل کے آثار نظر آنے لگے اور چند ماہ کے بعد بادشاہ کے پاس یہ نوید جانفزا پہنچی کہ

مشکوئے معلی میں وارث تاج وتخت پیدا ہوا۔ یہی مولود بعد کو برہان نظام الملک کے نام سے احمد نگر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ مہدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ سید محمد کے انتقال کے بعد اس نے شاہ نظام، میاں دلاور اور میاں نعمت وغیرہ کو جو سید جونپوری کے اخص مرید تھے گجرات کاٹھیاواڑ سے احمد نگر مدعو کیا اور کمال اعتقاد سے سید محمد کے پوتے میراں جی کو اپنی قمر طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس کتخدائی سے مہدویہ کا پایۂ رفعت فرق فرقد تک بلند ہو گیا اور مہدویت سلطنت کی آغوش میں تربیت پانے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہ روی کو دیکھ دیکھ کر علمائے حق لہو کے گھونٹ پیتے تھے۔ مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا۔ لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف واکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس لئے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہرا اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد بیدر پایۂ تخت برید شاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاؤالدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیر دی جو خاندان بہمنیہ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں آکر اس نے سید گیسو دراز چشتیؒ کے مزار مبارک پر جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ فاتحہ پڑھی۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعوؤں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ گلبرگہ سے روانہ ہو کر قصبہ رائے پاک ہوتے ہوئے بندر دابھول پہنچا اور وہاں سے ۹۰۱ھ میں بیت اللہ کے شوق زیارت میں جہاز پر سوار ہوا۔ بعد طے منازل حرم محترم میں پہنچا۔ یہاں جناب سرور عالم ﷺ کی یہ مشہور پیش گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لئے سید محمد نے بھی اس مقام پر کھڑے ہو کر دعویٰ "من اتبعنی فھو مومن " (جس کسی نے میری پیروی کی وہ مؤمن ہے) کا کیا۔ میاں نظام الدین اور قاضی علاؤالدین نے آمنا وصدقنا کہہ کر جھٹ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اس طرح سید محمد کو اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا گیا۔ یہاں سے سید محمد جناب ابوالبشر آدم علیہ السلام کے مرقد منور کی زیارت کو گیا اور کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام سے معانقہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خوش آمدی صفا آوردی۔ وہاں سے بندر دیو گھاٹ پر اتر کر شہر احمد آباد گجرات آیا اور مسجد تاج خاں سالار میں فروکش ہوا۔ یہاں ڈیڑھ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی مسجد میں ایک روز مجمع عام میں بڑے طمطراق سے دعویٰ مہدویت کیا۔ برہان الدین اور ملک گوہر نے مرید وتارک الدنیا ہو کر رفاقت اختیار کی۔ ملک برہان الدین کو مہدویہ خلیفہ ثالث اور مؤخر الذکر کو خلیفہ چہارم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی خاک پرستش وعقیدت کے خمیر سے بنی ہے اور یہاں کے باشندے خوش اعتقادی میں تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے سید جہاں جاتا تھا لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے تھے۔ احمد آباد میں ہزارہا مرد وزن سید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ جب اس کے دعوائے مہدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص وعام ہوا تو علماء مشائخ گجرات نے بیحد مناقشہ کیا اور سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شیخ نووارد لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے وجود سے بے شمار مفاسد ومضار پیدا ہو رہے ہیں۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا اور اس طرح ایک بڑھتا ہوا طوفان آناً فاناً رک گیا۔ یہاں سے نکل کر ایک گاؤں سولہ سانیج نام میں اترا۔ یہاں ایک بیباک وسفاک رہزن نعمت نام جو ایک حبشی کو قتل کر کے مفرور ہو رہا تھا آکر سید کی جماعت میں داخل ہوا۔

نہروالہ سے اخراج

یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہروالہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزیں رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کارخ کرتا تھا ہر طرف سے طلباء مناظرہ ومباحثہ کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بری طرح مغلوب ومقہور ہوا۔ تاہم ایک دنیا پرست مولوی میاں خوند میر یہیں حاضر خدمت ہو کر مرید وتربیت پذیر ہوا اور ملک نجن برخوردار اور ملک الہہ داد اور ملک حماد بھی دامن مہدویت سے وابستہ ہو کر ہمراہ ہوئے۔ جب مبارزالملک نے دیکھا کہ اس کے اکثر اعزاء واقارب سید محمد کے دام تسخیر میں گرفتار ہو گئے اور ہزارہا مخلوق سیل الحادوبدعت کی نذر ہوئی تو سلطان محمود کی طرف سے ایک فرمان ثانی صادر کرا کے پیران پٹن سے بھی سید کو خارج کرادیا اور سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکم اخراج پہنچتا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا حکم یہاں سے رخصت ہونے کے لئے پہلے ہی سے آچکا ہے۔ اس لئے میں خود بخود حسب ارشاد خداوندی جاتا ہوں۔ پیران پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا اور ایک موقع پر کہا مجھے برابر اٹھارہ سال سے خدا کا بلاواسطہ حکم ہوتا رہا کہ مہدویت کا دعویٰ کر لیکن میں حکم الٰہی کو ٹالتا رہا۔ اب مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اے سید محمد مہدویت کا دعویٰ کرو ورنہ تو ظالمان میں شامل کر دوں گا۔ اس لئے میں بصحت عقل وحوال دعویٰ کرتا ہوں کہ "انا مہدی مبین مراد اللہ " اور اپنے جسم کا چمڑا دو انگلیوں سے پکڑ کر کہا کہ جو شخص اس ذات کی مہدویت سے منکر ہو وہ کافر بے دین ہے۔ مجھے خدائے برتر سے بیواسطہ احکام ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے علم اوّلین وآخرین اور بیان یعنی معانی قرآن کا فہم اور خزانہ ایمان کی کنجی عطاء کی۔ جو شخص تجھ پر ایمان لایا وہ مؤمن موحد ہے اور جو منکر ہوا وہ کافر ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں رب الارباب کی طرف منسوب کیں۔ اسی وقت مجمع مریدان بااخلاص کی زبان سے آمنا وصدقنا کی صدا بلند ہوئی۔ جب یہ خبر شہر نہروالہ جو وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ زبان زد خاص وعام ہوئی کہ نہروالا سے خارج البلد ہونے کے بعد اب سید قصبہ بدلی میں مہدیت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو چند علماء قصبہ مذکور میں آئے اور سید کو بہتر اسمجھایا کہ وہ اس ہرزہ درائی سے باز آئے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ حاملین شریعت مایوس ہو کر احمد آباد آئے اور بادشاہ کو اس قضیہ سے مطلع کر کے یقین دلایا کہ یہ شخص لوگوں کو ضلالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے اس کے شر سے خلق خدا کو بچانا لابد ہے۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہو کر آوارہٗ دشت ادبار ہوا۔ چلتے وقت عالم آشفتگی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا کہ جہاں جاؤں گا لوگوں کو گمراہ کرتا پھروں گا اور اس کا وبال ان کی گردن پر رہے گا۔ جو میرے قتل واستہلاک سے مجتنب رہے۔ اب سید جالور پہنچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایت سندھ کے شہر نصر پور میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر میاں نعمت اور میاں خوند میر کو تو گجرات واپس جانے کی خود اجازت دی۔ لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو اس دین جدید کی سختیوں کو جھیلتے جھیلتے سخت بیزار اور بداعتقاد ہو گئے تھے۔ ترک رفاقت کر کے گجرات کو واپس چلے آئے۔ سید محمد نے ان کو لاکھ ڈرایا دھمکایا کہ تم جادہٗ سداد سے منحرف ہو کر منافق ومرتد ہوئے جاتے ہو۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور سید ھاراستہ گجرات کا لیا۔ بی بی شکر خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی۔

چوراسی مہدویہ کی عالم گرسنگی میں ہلاکت

نصر پور سے شہر ٹھٹہ دارالحکومت سندھ میں آیا۔ چونکہ علمائے سندھ دعویٰ مہدویت کے آغاز سے ہی لوگوں کو جونپوری فتنہ سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ نصیب نہ ہوا۔ بلکہ اس بناء پر کہ سید کے قدوم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ وغضب کی لہر دوڑ رہی تھی اور

تعذیب وتعزیر کی تمنا مدت سے بے قرار تھی۔ لوگوں نے سید اور اس کے رفقاء کو فاقوں مارنے کی ٹھان لی۔ اس قرارداد کے بموجب سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق میں نہ پہنچنے دیں گے۔ سید نے اس پیغام کی کوئی پروانہ کی اور حسب معتاد لوگوں پر اپنی مہدویت کے جال ڈالنے شروع کئے۔ لوگوں نے عدم تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے محدود آرزوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سید کے رفقاء میں سے چوراسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے جان دے دی۔ سید نے آتش رنج وغم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بشارت دی کہ فاقہ کش جان سپاروں کو انبیاء ومرسلین اولوالعزم کے مدارج ومقامات عطاء ہوئے ہیں۔ جب علمائے حق نے دیکھا کہ سید بدستور قوانین الٰہیہ کا نظام درہم برہم کر رہا ہے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بکھیرنے کی کوششیں جاری ہیں تو انہوں نے ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ سندھ سید کے ہفوات ومزخرفات کی اطلاع پاکر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقاء کے حق میں حکم قتل صادر کیا۔ لیکن دریاخان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ مہدویہ نے یہاں جو طرز دعوت اختیار کیا تھا وہ خود ایک خونی منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ مگر غنیمت ہے کہ جان بخشی ہو گئی۔ انجام کار جب سید نے دیکھا کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ لوگ ہر جگہ خشونت ودرشتی سے پیش آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی دوسری ولایت کے آغوش عاطفت میں رہ کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سندھ کو الوداع کہہ کر خراسان کا رخ کیا۔ خراسان فارس وعراق کے مشرقی حصہ کو کہتے ہیں۔ مہدویوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نوسو آدمی سید کے ہمراہ رکاب تھے۔ جن میں سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جن کا لقب اصحاب ومہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ بہزار خرابی وبربادی قندھار پہنچا۔ اس وقت سید کی حالت بہت زبون تھی اور کوہ مصائب بادلوں سے بھی بلند تر ہو گیا تھا۔ جب مرزا شاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمعہ کے دن مسجد جامع میں طلب کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے۔ چنانچہ حسب الحکم پیادے دوڑے اور سید کو کمربند سے پکڑ کر جبراً وقہراً اس عجلت سے لے چلے کہ جوتا پہننے کی بھی مہلت نہ دی اور جب مریدوں نے ہمراہی کا ارادہ ظاہر کیا تو انہیں سختی سے روک دیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ جب سید محمد مسجد میں داخل ہوا تو علماء نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی۔ لیکن سید کی طرف سے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ جواب دیا گیا۔ شہ بیگ حاکم قندھار جو جوان بست سالہ تھا۔ سید کے بیان پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے حسن اخلاق فروتنی اور سحر بیانی سے گرویدہ ہو کر نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔

فراہ میں ورود اور سفر آخرت

سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلصی پاکر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر حزن وغم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بیکسی قابل رحم تھی۔ لیکن

ہر کس کہ چنیں کند چناں آید پیش

فراہ میں بھی نہایت سخت بازپرس ہوئی اور سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عہدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفتہ مزاج تھا آکر سید محمد اور اس کے رفقاء کے تمام اسلحہ چھین لئے اور گوشہ کمان ہر ایک کے سر پر رکھ کر ایک ایک کو شمار کر کے کہنے لگا کہ کل کے روز تم سب زندان بلا میں ڈالے جاؤ گے۔ تاکہ لوگ تمہارے خبائث ورذائل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بعد امیر ذوالنون حاکم شہر سید کی حالت معلوم کرنے کے لئے بذات خود آیا۔

لیکن ملاقات کے بعد سید کا معتقد ہو کر علماء کو اجازت دی کہ اس کی مہدویت کا امتحان کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ پھر علمائے اسلام سے مناظرہ ومباحثہ کی ٹھہری۔ چنانچہ بہت دن تک آپس میں بحثیں ہوتی رہیں۔ امیر ذوالنون نے یہ تمام ماجرا مرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ بادشاہ نے خراسان کو ہندوستان کی وبائے عالمگیر سے پاک رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چار سربر آوردہ عالم بغرض مناظرہ روانہ کئے۔ یہ چاروں حضرات علم وفضل کے ستون اور میدان مناظرہ کے شہسوار ہوں گے۔ لیکن ایسے شخص کے مقابلہ میں جس کی ساری عمر مذہبی اکھاڑوں اور جھگڑوں قضیوں میں گذری تھی اور مرزائی مناظرین کی طرح جس کے چوبیس گھنٹے اسی سوچ بچار میں گذرتے تھے کہ فریق مقابل کے استدلال میں کیا کیا الجھنیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور حضرت شارع علیہ السلام کے ارشادات گرامی کو مسترد کرنے کے لئے بساط مناظرہ میں کون کون سے مہرے کام دے سکتے ہیں۔ خود علمائے ہندوستان کے طلب کئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر یہاں سے ایک آدھ مناظر بھی چلا جاتا تو جاتے ہی سید کا ناطقہ بند کر دیتا۔ سید محمد، مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح سخن سازیوں اور تاویل بازیوں کے ہتھیار چلا کر برابر مقابلہ کرتا رہا اور علمائے خراسان اس کو ساکت ومغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جب فراہ میں تین مہینے گذر چکے تو خوندمیر اور میاں نعمت جو نصرپور سے اپنے وطن کو واپس گیا تھا۔ میاں محمود فرزند سید محمد کے ہمراہ فراہ کو آیا۔ ان کے آنے کے بعد سید چھ مہینے تک اور زندہ رہا۔ آخر وہ دن آگیا جس کا دھڑکا ہر ایک ذی روح کو اس عالم رفتنی وگزشتنی میں لگا ہوا ہے۔ یعنی سید نے بروز پنجشنبہ ۹۱۰ھ میں جب کہ اس کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی۔ سالہا سال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی ودرماندگی کے عالم میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی۔ اس وقت موت کا پیغام سید کے لئے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعوائے مہدویت کے بعد سے جسمانی اور روحانی صدمے اٹھاتے اٹھاتے سخت بدحال ہو گیا تھا۔ مصنف شواہد الولایت جو مہدوی ہے لکھتا ہے کہ سید بروز انتقال ایک بیوی کے گھر میں تھا اور عادت یہ تھی کہ نوبت ازواج کی شناخت کے لئے زمین میں میخیں گاڑ رکھی تھیں۔ جب ان میخوں پر سایہ پہنچتا تھا تو ایک بیوی کے گھر سے دوسرے کے مکان پر جانے کی باری آتی تھی۔ اس روز جب سایہ میخ پر پہنچا تو کہا مجھے بی بی ملکہ کے گھر لے چلو۔ بی بی ملکہ وہاں موجود تھی۔ اس نے عرض کی کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہیں اور میں خود یہاں موجود ہوں تاہم میں نے اپنی باری بخش دی۔ آپ یہیں رہیں اور جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ خدام ومریدین نے بھی نہایت الحاح واصرار کے ساتھ یہی درخواست کی۔

سید نے جواب دیا تم نے تو اپنا حق بخش دیا لیکن شرع محمدی کی حد کو جس کے لئے رب العزت نے حکم فرمایا کون بخش سکتا ہے؟ اس کے بعد دو تین مرتبہ بی بی ملکہ نے بھی نہایت تضرع ودلسوزی سے یہی بات عرض کی لیکن سید نے قبول نہ کی اور کہا کہ برادران ملت ہماری رعایت کرتے ہیں۔ شریعت مصطفوی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ غرض نہ مانا اور بہزار دقت وپریشانی اپنے تئیں بی بی ملکہ کے قیام گاہ پر پہنچایا اور تھوڑی دیر کے بعد شہر خموشاں کی راہ لی جہاں بڑی افسردگی اور بے بسی کے ساتھ کنج لحد میں سلا دیا گیا۔ ایک قوی عذر کی موجودگی میں سید نے شریعت اسلامی کا نام لے کر بی بی ملکہ کے گھر جانے پر جو اصرار کیا اس سے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ حسب روایت امام بخاریؒ ایک کوفی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں مکھی مار دے تو اس پر دم (فدیہ) لازم آتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل عراق مجھ سے مکھی مارنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور یہ وہی اہل عراق میں جنہوں نے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسنین رضی اللہ عنہما میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔ جب سید نے اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور اسلامی عقائد سے روگردانی کر کے ایک نئے فرقہ کی بنا ڈالی تو ایسے نام نہاد تقویٰ کا اظہار بالکل لایعنی تھا۔ اسی طرح کادیان کے خلیفہ المسیح مرزا

محمود احمد کادیانی نے ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبہ حال میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے مسواک کو سنت رسول اللہ بتاتے ہوئے اس کا فلسفہ بیان کرنا شروع کیا۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آگئی کہ سبحان اللہ! مینڈک کو بھی زکام لگا۔ جب مرزا محمود احمد کادیانی اور ان کے پیروؤں کا باطن ہزارہا کفریات کا منبع و معدن ہے تو ایک سنت زائدہ کی آڑ لے کر تقویٰ کی نمائش کرنا سخت مضحکہ خیز حرکت ہے۔ انتقال کے بعد سید کی نماز جنازہ پرانی عید گاہ میں پڑھی گئی اور شہر فراہ اور موضع رج کے مابین ایک مقام پر نعش سپرد خاک کی گئی۔ میاں الہ داد بن جنید مہدوی نے سب کے سامنے قبر پر مرثیہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فضلش کہ بر جمیع پیمبر شد از خدا   بادا بروز حشر شفاعت گر از خدا

۹۸۰ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فراہ نے قبر پر ایک گنبد عالی کی تعمیر و تاسیس شروع کی۔ لیکن گنبد نامکمل رہا۔ اس کے بعد یکان سلطان حاکم فراہ نے اس کی تکمیل کی۔

سید کا جانشین

سید محمد کے فرزند کلاں سید محمود نے ایک سال فراہ کی سختیاں جھیلنے کے بعد گجرات میں آکر مقام بھلوٹ میں توطن اختیار کیا۔ اب سید کے تمام خلفاء و مریدین سید محمود کی طرف رجوع ہوئے۔ اس لئے باپ کے اوائل عہد کی طرح اب اس کا ستارۂ اوج چمکنے لگا۔ جب سلطان محمود بیکرہ کو مہدویہ کے بدعات واستبداد کا حال معلوم ہوا تو سید محمود کو احمد آباد کے محبس میں قید کر کے نہایت وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں ڈلوائی۔ اکتالیس روز کے بعد راجی سون راجی مرادی خواہران بادشاہ کی سفارش سے کہ دونوں سید محمد کی معتقد تھیں۔ قید محن سے نجات ملی۔ لیکن زخم زنجیر کی وجہ سے پاؤں سڑ گیا۔ یہاں تک کہ ڈھائی مہینہ کے بعد پاؤں کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکا اور والد کی رحلت کے نو سال بعد ۹۱۹ھ میں جب کہ اس کی عمر پچاس سال کی تھی۔ موضع بھلوٹ میں محنت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر ملک بقاء کی راہ لی۔

میاں خوندمیر

جب سید محمد خرابۂ دنیا سے معمورۂ عقبیٰ کی طرف روانہ ہوا تو میاں خوندمیر نے اپنے پیر و مرشد کا دسواں کرتے ہی ایران سے اپنے وطن مالوف گجرات کاٹھیاواڑ کو مراجعت کی اور نہروالا میں قیام کیا۔ خوندمیر نے اپنی تعجیل معاودت کا یہ عذر پیش کیا کہ میران محمد کی روح نے اسے بعجلت تمام گجرات جانے کا حکم دیا ہے۔ سید محمود کی رحلت کے بعد یہی خوندمیر فرقہ مہدویہ کا سرگردہ اور خلیفہ ثانی قرار پایا۔ اس نے بڑے طمطراق سے مذہب مہدویہ کی تبلیغ شروع کی اور لوگ بڑی تعداد میں اس کے دام تزویر میں پھنسنے لگے۔ تھوڑے دن شہر پٹن میں اقامت گزیں رہا۔ جب وہاں سے خارج کیا گیا تو ملک پیارے نام ایک مہدوی نے اسے اپنی جاگیر موضع کھانبیل میں لاکر رکھا۔ وہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ ۹۳۰ھ میں ایک دن اس کو خبر پہنچی کہ شہر احمد آباد کے حاکم نے ایک مہدوی رنگریز کو جرعہ مرگ پلا دیا ہے۔ خوندمیر نے چار سوار اس غرض سے روانہ کئے کہ جاکر ان علماء کی جان لے لیں۔ جنہوں نے مہدوی رنگریز کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ سوار علمائے موصوف کو جام شہادت پلا کر موضع بھولارہ میں واپس آئے۔ جب سلطان محمود گجراتی کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے مہدویہ کی سرکوبی کے لئے ایک دستۂ فوج عین الملک کی قیادت میں روانہ کیا۔ کچھ شہری بھی بہ نیت حصول ثواب فوج کے شریک حال ہو گئے۔ انہوں نے پہلے کھانبیل جاکر مہدویہ کے مکانات جلائے۔ اس کے بعد خوندمیر اور اس کے پیروؤں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خوندمیر ساٹھ سوار اور چالیس پیادے لے کر مقابلہ کو نکلا۔ اس معرکہ میں مہدویہ کے اکتالیس آدمی

کام آئے۔ خوند میر کی ایک آنکھ میں ایسا تیر لگا کہ دوسری آنکھ بھی کاسہ سر سے باہر نکل آئی۔ اتنے میں شرف الدین مہدوی بھی اسی سواروں کے ساتھ کمک لے کر آیا۔ لیکن مہدویہ کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور موضع سدراسن کی طرف جو وہاں سے بارہ کوس کی مسافت پر ہے ہٹ گئے۔ لیکن شاہی فوج نے پیچھا نہ چھوڑا اور سدراسن پہنچ کر خوند میر اور اس کے بیٹے جلال الدین اور داماد وغیرہ اقرباء اور مریدین کو ملا کر چون آدمی قتل کئے۔ مہدویہ اس معرکہ کو جنگ بدر ولایت سے نامزد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت "انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت "میں امانت سے یہی جنگ مراد ہے اور انسان سے مراد میاں خوند میر ہے۔

سلطنت احمد نگر سے مہدویہ کا اخراج

جن ایام میں سپاہ گجرات مہدویوں کا ستھراؤ کر رہی تھی۔ انہی دنوں سلطنت احمد نگر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ سلاطین احمد نگر کو سید اور اس کے پیروؤں سے اس درجہ عقیدت و شیفتگی ہوئی کہ برہان نظام شاہ بحری نے اپنی قمر جمال لڑکی سید محمد جونپوری کے پوتے کے عقد ازدواج میں دے دی۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ لیکن ۹۲۸ھ میں جب شاہ طاہر نام ایک عالم احمد نگر آ کر برہان نظام شاہ کے سلک وزارت میں منتظم ہوا تو اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت مہدی آخر الزمان رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث نبویہ پیش کر کے مہدویت کا سارا طلسم توڑ دیا اور اس مذہب کا بطلان ایسے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا کہ برہان شاہ کا مزاج اس فرقہ کی طرف سے سخت برہمہ ہوا اور بادشاہ کو اس عقد سے کہ ایک مہدوی کو اپنی لڑکی دے بیٹھا تھا۔ سخت کوفت و پشیمانی ہوئی۔ بادشاہ نے اس جماعت کو قرب واختصاص سے یکسر محروم کر دیا اور علمائے احمد نگر کو سرزنش کی کہ جس خوبی سے شاہ طاہر نے اس مذہب کا بطلان میرے ذہن نشین کیا ہے تم نے کیوں نہ کیا؟ اب بادشاہ نے سید جونپوری کے پوتے سے اپنی بیٹی کی طلاق حاصل کی اور حکم دیا کہ تمام مہدوی میرے حدود مملکت سے نکل جائیں۔ اس طرح مدت کے بعد سلطنت احمد نگر کو مہدوی شرور وفتن کے گرداب سے نکلنا نصیب ہوا۔ اس وقت مہدویہ کی شکست حالی قابل عبرت تھی۔ مسلمان حکمرانوں نے ان کے خلاف مواخذہ واحتساب کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔ خصوصاً گجرات میں لوگ سب سے زیادہ تشدد وسخت گیری کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ کیونکہ ۹۵۲ھ میں حضرت شیخ علی متقی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد الاستاد اور حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" کے جامع ومؤلف تھے۔ مکہ معظمہ سے ائمہ اربعہ کے مفتیوں کے چار فتوے جن میں ایک فتویٰ شیخ ابن حجر مکی مؤلف صواعق محرقہ کا بھی تھا۔ شاہ گجرات کے پاس بھجوائے۔ ان میں لکھا تھا کہ اگر مہدویہ اپنے عقائد باطلہ سے توبہ نہ کریں تو شاہ اسلام پر (بجرم ارتداد) ان کا قتل واجب ہے۔ شاہ گجرات نے ان فتوؤں کے بموجب سید جونپوری کے خلیفہ شاہ نعمت کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جب سرکاری پیادے شاہ نعمت کو گرفتار کر کے لے چلے تو راستہ میں سید علی بن سید محمد جونپوری نے سرکاری پیادوں سے پوچھا کہ اگر اس بزرگ کے بجائے تمہیں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہاتھ لگے تو اسے رہا کر دو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ضرور رہا کریں گے۔ سید علی کہنے لگا کہ میں مہدی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں۔ انہوں نے شاہ نعمت کو چھوڑ کر سید علی کو پکڑ لیا اور گاڑی پر ڈال کر دارالسلطنت میں لائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قید محن میں ڈال دو۔ سید زادہ عرصہ تک قید رہا۔ یہاں تک کہ سلطان مظفر نے قضا کی اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ جب بادشاہ نے مہم دکن سے خاطر خواہ فراغت پائی تو ملک پیر محمد مہدی نے جس سے اس جنگ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے تھے۔ اپنے حسن خدمات کے صلہ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمارے پیرزادہ کو جو زمانہ دراز سے شاہی قید خانہ میں محبوس ہے۔ مخلصی بخشی جائے۔ بادشاہ نے صدر خان وزیر اعظم کو حکم دیا کہ پیرزادہ مذکور کو رہا کر دو۔ صدر خان نے عرض کیا کہ وہ تو مدت سے نہنگ اجل کا لقمہ بن چکا اور مخفی طور پر اپنے رازدان

مصاحب کو دوڑا کر حکم بھیجا کہ مہدی زادہ کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دو۔ چنانچہ داروغۂ محبس نے اسے فوراً نیچے اوپر تختے رکھ کر عدم کے تہ خانہ میں پہنچا دیا۔ شاہ نعمت جو اس دن اپنے پیرزادہ کو بطور فدیہ دے کر خود بچ گیا تھا۔ وہ بھی سولہ مریدوں کے ساتھ تیر اجل کا نشانہ بن گیا۔ اس کے بعد سرکاری عہدہ داروں نے ملک الہ داد مرید سید جونپوری سے جو خوند میر کا تربیت یافتہ تھا کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ وقت سے مقابلہ کیا۔ اب تم لوگ اس ملک میں ہرگز اقامت گزیں نہیں ہوسکتے۔ اس لئے ملک الہ داد بھی نہایت اضطراب وپریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل بھاگا اور مارواڑ پہنچ کر موضع پاڑ کر میں دائرہ باندھ کر رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو بڑے بڑے مصائب ونوازل سے سابقہ پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال ومقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی تسلی وتثبیت کی آنکھیں روشن کرلیتا تھا۔ شاہان اسلام کے محکمۂ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر اغوا کو شیوں کا موقع نہ دیا۔ اس لئے اطراف واکناف ملک میں منتشر ہو کر دام تزویر بچھاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے تقدس کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ شاہان شریعت پناہ اس قسم کے اختلاف انگیز وفتنہ خیز تحریک کا بارآور ہونا کیونکر گوارا کرسکتے تھے۔ جو فساد فی الدین کے ساتھ سیاسیات میں بھی ہلاکت آفرین انقلاب پیدا کرسکتی تھی۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں گجرات اور دکن سے اڑ اڑ کر دہلی اور آگرہ تک جا پہنچیں۔ بلکہ ایک بگولہ بنگالہ میں بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بروقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے کا موقع نہ دیا۔ یہاں ان دو ممتاز وسربرآوردہ مہدویوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔ جن کے انقطاع ومہاجرت الی اللہ کے واقعات تواریخ ہند کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبداللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علائی۔

عبداللہ نیازی افغان

شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو مہدویت کے پہلو میں لا بٹھایا۔ پس ترک وانقطاع کے متعلق ان کے جو جذبات وامیال تھے وہ خانوادہ چشت کے فیضان صحبت کے شرمندۂ احسان تھے۔ مہدوی لوگ ان حالات کو اتباع مہدویت کا اثر بتایا کرتے ہیں۔ مگر یہ انتہاء درجہ کی کج فہمی ہے۔ اگر ترک وانزوا کی یہ کیفیت انہیں قبول مہدویت کے بعد حاصل ہوئی ہوتی تو اس کو مہدویت کا فیض خیال کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پس میں مہدویہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر کسی مہدوی نے اہل سنت وجماعت کے مشائخ طریقت کی صحبت نہ اٹھائی ہو اور اس کے احوال ومواجید اہل اللہ کے حالات وکیفیات سے مطابقت رکھتے ہوں تو اس کا نام پیش کریں۔ نیازی شیخ سلیم چشتیؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ اس طرح علائی بھی پہلے ہی سے فضائل کمالات سے متصف تھا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتے ہیں: "شیخ علائی کہ ارشد اولاد شیخ حسن بود وبفضائل وکمالات انصاف داشت قائم مقام پدر گشتہ بارشاد طالبان مشغول شد"۔

(طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ ج ۲ ص ۱۱۵)

پس ان دونوں کی ذات پر فخر کرنا عقل وخرد کا منہ چڑانا ہے۔ بعض حضرات اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔ میاں عبداللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ ہی سے خداشناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ عبداللہ حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر جونپوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے فقروں میں آکر مہدوی مذہب قبول کر لیا۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دیئے بغیر مہدوی پنتھ اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے لیتے یا کم از کم اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کرتے جنہوں نے ان کو ورطہ، ہلاکت اور قعر ضلالت میں گرایا تھا تو بچ جاتے۔ آخر خودرائی کا جو نتیجہ ہوسکتا تھا وہ ظاہر ہو کر رہا۔ شیخ عبداللہ نے مہدوی مذہب اختیار کر

کے قصبہ بیانہ ریاست جے پور میں آبادی سے دور ایک باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دل عشق و محبت کی حرارت سے گداز اور تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لئے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی کی اب تک یہ حالت تھی کہ خود حوض سے گھڑے بھر کر سر پر اٹھالاتے۔ نماز کے وقت راہ گیروں، کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جو ادھر آنکلتے جمع کر کے نماز باجماعت ادا کرتے اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تأمل ہوتا اس کی تالیف قلب کے لئے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ جب شیک علائی دکن کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ چنانچہ آگے چل کر انشاء اللہ بیان کیا جائے گا تو سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ نیازیوں کا فتنہ دفع کرنے کے لئے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے بالمقابل بھر سور کی منزل پر پہنچا تو مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنہ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لئے نجات ملی۔ لیکن فتنۂ کبیر یعنی شیخ عبد اللہ نیازی جو شیک علائی کا پیرو اور نیازیوں میں ایک ممتاز سربر آوردہ شخص ہے۔ ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔ سلطان، سلیم شاہ نیازیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ سن کر اس کی آتش خشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم بیانہ کو جو شیخ عبد اللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔ حاکم بیانہ شیخ عبد اللہ کے پاس گیا اور کہنے لگا میری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو چل دیں میں کوئی بہانہ کر دوں گا۔ شاید بادشاہ کو دوبارہ اس طرف آنے کا اتفاق نہ ہو اور آپ کو بھول جائے۔ لیکن میاں عبد اللہ نے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور کہا کہ بادشاہ غیور واقع ہوا ہے۔ اگر میں زیادہ دور چلا جاؤں اور وہاں سے میری طلبی ہو تو اور زیادہ پریشانی کا سامنا ہو گا۔ بادشاہ ابھی دس ہی کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابھی جا کر ملاقات کر لوں۔ مرضئ مولیٰ تو یہاں بھی اور وہاں بھی حال واستقبال میں مساوی ہے۔ غرض شباشب بیانہ سے روانہ ہوئے اور حاکم بیانہ کے ہمراہ علی الصباح بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا۔ شیخ عبد اللہ بے باکانہ گردن اٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیک کہا۔ حاکم بیانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا۔ شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبد اللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگے۔ میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔ لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایماء سے شیخ کو پیٹنا شروع کیا۔ جب تک حواس بجا تھے کلام الٰہی کی یہ آیت وردزبان تھی۔ "ربنا اغفرلنا ذنوبنا وثبت اقدامنا وانصرنا علے القوم الکفرین "سلیم شاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ مخدوم الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔ بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زدوکوب کا حکم دیا۔ شیخ عبد اللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ آخر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبد اللہ کو اٹھالے گئے۔ شیخ عبد اللہ نے بیانہ کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سرنو اپنے حوزہ تصرف میں لایا۔ شیخ عبد اللہ نے بیانہ سے رخصت ہو کر جہاں گردی اختیار کی اور عرصہ تک اطراف واکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے۔ لیکن انجام کار قائد توفیق الٰہی نے آخر عمر میں مہدویت سے تائب کر کے اہل حق کی صف میں لا کھڑا کیا اور سرہند میں عزلت گزیں ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علائی اس وقت تک زندہ ہوتا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیرو مرشد کی توبہ وانابت کے پیش نظر وہ بھی مہدویت سے تائب ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ وہ ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا۔ جب کہ شیخ عبد اللہ ہنوز مہدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبد اللہ کو سرہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبد اللہ سے ان کے مہدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے مہدویت سے اظہار برأۃ کی اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا۔ اس لئے مہدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ

کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں بیزار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد ۹۹۳ھ میں جب اکبر بادشاہ عازم اٹک ہوا تو سرہند پہنچ کر شیخ عبداللہ نیازی کو دوبارہ بلا بھیجا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی۔ لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبوراً فرمان لے لیا لیکن ہمت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز متمتع نہ ہوئے اور ساری عمر توکل و قناعت میں گزار دی۔ آخر ۱۰۰۰ھ میں عمر کی نوے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے۔

شیخ علائی مہدوی

شیخ علائی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں بیانہ کے اندر سجادۂ مشیخت وارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علائی جو علمی و عملی فضائل سے متصف تھا۔ عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا۔ لیکن سوء اتفاق سے انہی ایام میں میاں عبداللہ نیازی نے مذہب مہدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ بیانہ میں بودوباش اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونہال کا بھی اس باغ کی طرف گذر ہوا۔ جس کے پاس میاں عبداللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ نیازی سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا طور وطریقہ دیکھا تو ترک دنیا کا وہی سماں نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو کر ان سے بیعت کر لی اور جو کچھ گھر میں تھا سب لٹا دیا۔ اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہا کہ میں نے اپنی قسمت حضرت محمد جونپوری مہدی موعود کے دامن سے وابستہ کر لی ہے اور دین وایمان جس چیز کا نام ہے وہ حقیقت میں طریقہ مہدویہ کی پیروی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خیال کچھ اس سحر زدۂ مہدویت کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ علائی کی طرح ہر باطل پرست دروغ باف اپنے محدث طریقہ کو برسر حق بتاتا ہے۔

مرزائیوں کو دیکھو انہیں اپنی حقانیت اور صداقت کا کس درجہ یقین ہے؟ لیکن ان گم کردگان راہ کو معلوم ہو کہ ہر وہ راستہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح کے طریق قویم سے بال بھر بھی ہٹا ہوا ہے وہ سیدھا جہنم کو جاتا اور غضب خداوندی کا مستوجب ہے۔ غرض علائی اپنی مسند مشیخت کو نذر آتش کر کے عبداللہ نیازی کے پاس جا رہا اور جاتے وقت اسباب دنیوی جو کچھ تھا یہاں تک کہ کتابیں بھی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیں اور بیوی سے کہا کہ اگر فقر وفاقہ منظور ہو تو بسم اللہ میری مشایعت کرو۔ ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لے لو اور جہاں چاہو جا رہو۔ مگر بیوی نے علیحدگی پر غربت ومسکنت کی نعمت گرامی کو ترجیح دی اور شوہر کے ایما سے تمام زر وزیور اہل حاجات میں بانٹ کر اپنا دامن توکل آلائش دنیا سے پاک کر لیا۔ اس کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد بھی ساتھ ہو لی اور سب کے سب زاویۂ غربت وانفراد میں پڑے۔ بزعم خود تزکیہ نفس میں مصروف ہوئے توکل و تفویض پر سب کا قدم ہمت استوار تھا اور زخارف دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کفر سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ شیخ علائی ہر روز نماز صبح کے بعد تفسیر قرآن کے درس وافادہ میں مصروف ہوتا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ طرز بیان ایسا موثر ودل نشین تھا کہ جو کوئی ایک دفعہ سن لیتا قطعاً اہل وعیال کو ترک کر کے دائرہ مہدویت میں داخل ہو جاتا۔ بہ شادیٔ، ہست سے دلشاد، نہ غم نیست سے دل فگار کنج عزلت میں آسودہ دل اور بافراغ بیٹھتا۔ اگر زیادہ توفیق نہ ہوتی تو مناہی ومعاصی سے تائب ہو کر سید جونپوری کے قرب روحانی کا معترف اور گرویدہ ہو جاتا۔ باپ نے بیٹے سے بھائی نے بھائی سے اور بیوی نے شوہر سے مفارقت اختیار کر کے فقر وقناعت کا شیوہ اختیار کیا۔ علائی کے متوسلین میں سے کسی کو حرفۂ تجارت یا ملازمت سے سروکار نہ تھا۔ اس کے پاس جو کچھ نذر وفتوح آتی اس میں سب خورد وکلاں برابر کے شریک وسہیم تھے اور اگر کوئی کسب معاش بھی کرتا تو اس میں سے کم از کم دسواں حصہ راہ خدا میں صرف کرتا۔ یہ لوگ ایسے متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے انزہاق روح تک نوبت پہنچتی تو فاقے کرتے۔ مگر اس کا اظہار نہ

کرتے تھے۔ بااین ہمہ فقر وفاقہ سے ہمیشہ مسلح رہتے۔ بازاروں میں امر معروف و نہی منکر کی غرض سے گشت لگاتے۔ شہر کے گلی کوچوں میں یا جہاں کہیں کوئی نامشروع بات دیکھتے پہلے نرمی سے سمجھاتے۔ اگر رفق و مدار مفید نہ ثابت ہوتا تو جبر و تشدد کر کے منکرات سے باز رکھتے۔ حکام و روسائے شہر میں جو لوگ ان کے موافق تھے وہ تو ان کی ہر طرح معاونت کرتے۔ لیکن مخالفین جو ان کو اس تشدد آمیز طریق عمل سے روکنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ اس طرح اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ جب میاں عبد اللہ نیازی نے دیکھا کہ اس کے پیروؤں کا تشدد بہت بڑھ گیا اور عنقریب فساد برپا ہوا چاہتا ہے تو شیخ علائی سے کہا کہ ہجوم خلائق سے میرے اوقات میں خلل واقع ہوتا ہے اور حق گوئی اس زمانہ میں حنظل سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یا تو خاموش رہ کر کنج عزلت اختیار کرو یا سفر حج کی تیاری کرو۔ شیخ علائی زیارت بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ ستر گھرانے بھی اس بے سروسامانی کے عالم میں ساتھ ہولئے۔ جب یہ قافلہ خواص پور میں جو جودھ پور کے حدود میں واقع ہے۔ پہنچا تو خواص خاں خیر مقدم کے لئے آیا اور مہدی مذہب قبول کیا۔ لیکن جب چند روز کے بعد مذہب مہدویت کی برائی اس پر روشن ہوگئی تو تائب ہو گیا۔ شیخ علائی نے اس کی برگشتگی کا لحاظ کر کے یہ حلہ تراشا کہ خواص خاں امر معروف و نہی منکر میں میری موافقت واطاعت نہیں کرتا۔ غرض اس سے بگاڑ پیدا کر کے خواص پور سے رخصت ہوا اور سفر حجاز کی عزیمت فسخ کر کے بیانہ کو لوٹ آیا۔

سلیم شاہ سوری بادشاہ دہلی انہی دنوں آگرہ میں اورنگ سلطنت پر بیٹھا تھا۔ مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری نے سید رفیع الدین محدث میاں ابوالفتح تھانیسری اور بعض دوسرے علماء کو جمع کر کے بادشاہ سے شیخ علائی کی فتنہ انگریزیوں کا شکوہ کیا۔ بادشاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ شیخ علائی اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو ہر وقت ہتھیار لگائے رہتے تھے۔ بیانہ سے روانہ ہو کر حاضر دربار ہوا اور بادشاہوں کے رسوم وآداب کو بالائے طاق رکھ کر سنت نبوی کے مطابق تمام حاضرین مجلس کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے بڑی نفرت واستکراہ کے ساتھ وعلیک السلام جواب دیا۔ شیخ کی یہ جسارت مقربان درگاہ پر سخت شاق گذری۔ اعیان دولت نے سلیم شاہ کے پہلے ہی کان بھر رکھے تھے کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ روئے زمین کی بادشاہت کریں گے اور یہ مبتدع خود بھی مہدویت کا مدعی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اس شخص کی نیت بھی خروج وبغاوت کی ہو۔ عیسیٰ خاں نے جو بادشاہ کے منہ لگا ہوا تھا۔ شیخ علائی کی شکستہ حالی رنگیں کپڑوں اور پھٹی جوتی دیکھ کر پھبتی اڑائی کہ یہ حالت وہیئت اور بادشاہی کی امنگیں؟ اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ ہم افغان دنیا سے نابود ہوگئے ہیں کہ ایسے ایسے گدا بھی بادشاہی کی ہوس کریں۔ شیخ علائی کے دل پر درباریوں کے طعن وتعریض اور بادشاہ کی برافروختگی کا کوئی اثر نہ ہوا اور مجلس بحث منعقد ہونے سے پہلے بموجب عادت معہود کلام الٰہی کی چند آیتیں پڑھ کر ایک نہایت برجستہ اور فصیح وبلیغ تقریر شروع کر دی۔ جس میں دنیا کی بے ثباتی، احوال حشر ونشر کی تصویر ایسے رنگ میں کھینچی کہ دل پانی ہوگئے۔ سلیم شاہ اور مقربان درگاہ جن کے جذبات سخت مشتعل ہو رہے تھے۔ بجائے قہر وغضب کی بجلیاں گرانے کے زار وقطار رونے لگے۔ آخر بادشاہ اٹھ کر محل سرائے میں چلا گیا اور وہاں سے شیخ علائی اور اس کے رفقاء کے لئے خود اپنے سامنے کھانا بھجوایا۔ مگر نہ تو شیخ نے کھانا تناول کیا اور نہ بادشاہ کی آمد پر تعظیم بجالایا۔ اپنے ساتھیوں سے صرف اتنا کہا کہ جس کا جی مانے وہ کھائے۔ جب بادشاہ کا یکساں حق ہے اور تو حکم شرع کے خلاف اپنے حق سے زیادہ پر متصرف ہو رہا ہے۔ اس لئے تیرے ہاں کا کھانا حرام وناجائز ہے۔ سلیم شاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کیا اور تحقیق مبحث علماء کے سپرد کر دی۔

بعد ازاں وہ علماء جو اپنے تبحر علمی کے نقارے بجایا کرتے تھے۔ شیخ علائی سے مسئلہ مہدویت میں الجھنے لگے۔ میر سید رفیع الدین صفوی نے وہ احادیث

بیان کیں۔ جن میں حضرت مہدی ؓ کے علائم و خصوصیات مذکور ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ تم شافعی المذہب ہو اور ہم حنفی ہیں۔ ہمارے تمہارے اصول میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے تمہاری توجیہ و تاویل ہمارے لئے سند نہیں ہو سکتی۔ سید صفوی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ ظہور مہدی ؓ کا عقیدہ ان فروعی مسائل میں سے نہیں جن میں حنفی و شافعی مختلف ہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ اجماعی اور مسلم الثبوت ہے اور تم حنفیت کی آڑ میں کیونکر پناہ لے سکتے ہو۔ جب کہ تم نے حنفی عقائد سے منہ موڑ کر ایک مبتدع مذہب کی پیروی اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا عبد اللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک نے جو بادشاہ کے مقربوں میں سے تھے۔ علائی کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ لکھا۔ یہ دیکھ کر علائی دشنام دہی پر اتر آیا اور مخدوم الملک طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو سگ دنیا اور خود فاسق و فاجر ہے اور عہدۂ قضا کے کسی طریق لائق نہیں۔ تیری کیا بساط ہے کہ مجھے واجب القتل ٹھہرائے۔ تیرے گھر سے تو علی الاعلان ساز و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ نجاست پر بیٹھنے والی مکھی اس عالم سے بدرجہا بہتر ہے۔ جس کا پیشہ سلاطین و امراء کی خوشامد و چاپلوسی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر احکام شریعت اور حدود اللہ کے اجراء میں سلاطین اسلام سے تعاون کرنا تملق و چاپلوسی ہے تو ہر شیدائی حق کو اس کا مرتکب ہونا چاہئے۔ عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ آگرہ کا ملا جلال بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ بساط جرأت پر قدم رکھ کر وہ حدیث بیان کرنے لگا۔ جس میں جناب مہدی آخر الزمان کا حلیہ مذکور ہے اور اس میں لفظ اجلیٰ الجبہۃ کی بجائے اجل الجبہۃ (بفتح جیم و تشدید لام) جو لفظ جلال سے مشتق اور جلیل کی تفضیل ہے پڑھا۔ شیخ علائی نے مسکراتے ہوئے کہا تو عوام الناس میں اپنے آپ کو بڑا فاضل مشہور کرتا ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ تو حدیث کے نکات اور اشارات کو کیا خاک سمجھے گا۔ یہ لفظ اجلی الجبہۃ جلا کی تفضیل ہے۔ نہ کہ تیرے نام جلال کی۔ بیچارہ ملا جلال ایسا خفیف ہوا کہ پھر لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر بدایونی کا یہ بیان کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ علم حدیث کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ حدیث میں حضرت مہدی ؓ کو اجلی الجبہۃ (روشن پیشانی والا) کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ملا جلال جو علمائے دربار میں داخل تھے اتنے جاہل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایک ایسی معمولی چیز سے بھی بے خبر ہوتے۔ جس کو عربی کے ادنیٰ طالب العلم بھی جانتے ہیں۔ سلیم شاہ سخت ضغطہ میں تھا کہ شیخ علائی کی نسبت کیا حکم صادر کرے؟ آخر شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم جونپوری کو مہدی موعود ماننے سے باز آجاؤ اور آہستہ سے میرے کان میں اس عقیدہ سے اظہار برأت کر دو تو اپنی قلمرو میں تمہیں محتسب مقرر کر دیتا ہوں۔ اب تک میری اجازت کے بغیر امر معروف و نہی منکر کرتے رہے۔ اب میرے حکم سے کرتے رہو۔ ورنہ علماء تمہارے قتل و صلب کا فتویٰ دے ہی چکے ہیں۔ گو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون گراؤں۔ علائی نے جواب دیا کہ تمہارے کہنے سے میں اس عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ شیخ چند روز آگرہ میں رہا۔ جاسوس سلیم شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے کہ آج فلاں افغان سردار نے مذہب مہدویہ قبول کیا اور آج فلاں امیر نے شیخ کا مرید ہو کر ترک علائق کیا اور آج شیخ کے حلقۂ ارادت کو اس قدر وسعت ہوئی۔ سلیم شاہ مخدوم الملک کے فتویٰ کے باوجود حکم قتل میں مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر بصد مشکل قصبہ ہندویہ کی طرف جو سرحد دکن پر واقع تھا۔ جلاوطنی کا حکم دیا۔ شیخ یہ حکم سن کر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اسے کئی سال سے دکن کی سیر اور ان بلاد کے مہدویہ کی ملاقات کا شوق دامنگیر تھا۔ ہندویہ میں پہلے ہی مہدوی بدمذہبی کی گرم بازاری تھی۔ جب شیخ علائی یہاں پہنچا تو یہاں کا حاکم جس کا نام بہار خان اور لقب اعظم ہمایوں شروانی تھا۔ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور اس کا تعصب سے زیادہ لشکر بھی مہدوی ہو گیا۔ بادشاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو بڑا تلملایا۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ علائی کو ہندویہ سے طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی جائے۔ چنانچہ شیخ کو سرحد سے واپس بلا لیا گیا۔ اس مرتبہ سلیم شاہ نے علماء کو پھر جمع کر کے اس قضیہ کے متعلق

انتہائی تحقیق وتفتیش کا حکم دیا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ سے کہا کہ یہ شخص خود بھی مہدویت کا مدعی اور حضرت مہدی آخر الزمان روئے زمین کے فرمانروا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے لشکریوں کا اس شخص سے اس درجہ شیفتگی ہے۔ حتیٰ کہ حضور کے بہت سے اعزاء واقارب بھی درپردہ اس کے مذہب میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لئے قوی احتمال ہے کہ اس کی ذات سے نظام سلطنت میں فتور واقع ہو۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ مخدوم الملک علائی سے بغض وعناد رکھتا ہے اور ہر طرح سے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس کی تخریب وبیخ کنی میں کامیاب ہو۔ اس لئے چاہتا تھا کہ کسی دوسرے عالم بے غرض سے اس قضیہ کا فیصلہ کرائے۔ ان ایام میں دہلی اور آگرہ کے اندر اس پایہ کا کوئی جامع عالم نہیں تھا۔ جس کی طرف رجوع کیا جاسکتا۔ اس لئے بادشاہ نے مخدوم الملک کے فتوائے قتل کو نظر انداز کر کے ۹۵۵ھ میں حکم دیا کہ شیخ علائی کو علامہ بڈھ طبیب کے پاس بہار لے جائیں تا کہ ان کے فتوے کے بموجب عمل کیا جائے۔ ان دنوں علامہ شیخ بڈھ کے علم وفضل کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ بڈھ صاحب تصنیف تھے۔ قاضی شہاب الدین جونپوری کی کتاب الارشاد پر ایک اچھی شرح لکھی تھی۔ شیر شاہ سوری ان کا ایسا معتقد تھا کہ ان کے پاؤں کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علائی بہار پہنچا تو اتفاقاً شیخ بڈھ کے ہاں کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ گانے بجانے کی آواز گھر سے آرہی تھی اور ایسے رسوم ادا ہو رہے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر صحبت سے سیکھے ہیں۔ علائی نے جوش غضب میں آکر شیخ بڈھ کو ملامت شروع کر دی۔ شیخ اس وقت اس قدر معمر اور کہن سال تھے کہ یارائے گفتار بھی نہ تھا۔ علامہ کے بیٹوں نے جواب دیا کہ ملک میں ایسے عادات ورسوم رائج ہیں کہ اگر ان سے روکا جائے تو ناقص العقل عورتیں خیال کرتی ہیں کہ جان یا مال یا بدن میں ضرور کوئی آفت آئے گی اور اگر سوء اتفاق سے کوئی خرابی ظہور پذیر ہو جائے تو کہنے لگتی ہیں کہ سارا وبال فلاں رسم کے ادا نہ کرنے کا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ پر کافر ہو جاتی ہیں اور کافر ہونے سے ان کا فاسق رہنا غنیمت ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب شروع ہی سے یہ اعتقاد ہے کہ گناہ نہ کرنے سے وبال آتا ہے اور سنت نبوی کی پیروی موجب ہلاکت ہے تو ایسا اعتقاد رکھنے والی عورتیں شروع ہی سے کافر ہیں تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ضرور ہے۔ بلکہ ان کی صحت نکاح میں کلام ہے۔ چہ جائیکہ ان کے اسلام کا غم کھایا جائے اور جب ایسے مرجع انام اور فاضل دہر کا یہ حال ہو تو عوام کا تو بس خدا ہی حافظ ہے۔ شیخ بڈھ خوف خدا کا درد دل میں رکھتے تھے۔ استغفار کر کے اشکبار ہو گئے اور شیخ علائی کی تحسین وآفرین کر کے اعزاز واکرام سے پیش آئے۔ حسب بیان عبد القادر بدایونی شیخ بڈھ نے اب سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ مسئلہ مہدویت ایمان کا موقوف علیہ نہیں ہے اور تعیین علامات مہدی رضی اللہ عنہ میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بناء پر شیخ علائی کے کفر وفسق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ علائی کے شبہات دور کئے جائیں۔ وہاں علماء کے کتب خانوں میں حدیث کی کتابیں بکثرت ملیں گی۔ احادیث مہدی رضی اللہ عنہ نکال کر ان کے ذہن نشین کی جائیں۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں۔ ورنہ میں شیخ پر اس کی غلطی اور کج روی واضح کر دیتا۔ شیخ بڈھ کے لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ مخدوم الملک صدر الصدر رہیں۔ ان کے خلاف رائے دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسی حالت میں اگر انہوں نے بادشاہ سے کہہ کر آپ کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے آگرہ طلب کرایا تو اس پیرانہ سالی میں ناحق سفر کی زحمت اٹھاؤ گے۔ یہ بات بڈھ کے دل پر اثر کر گئی۔ چنانچہ پہلی چٹھی چاک کر کے دوسرا مراسلہ اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ مخدوم الملک طبقۂ علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور انتہاء درجہ کے محقق ہیں۔ اس لئے ان کا قول اور فتویٰ قابل اعتماد ہے۔

لیکن بدایونی نے منتخب التواریخ کے مختلف مقامات پر مہدویہ کی تعریف میں جس مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ

انہوں نے مہدوی گم کردگان راہ کی زبان سے جو کچھ رطب دیا بس سنا اسی کو وحی منطوق سمجھ کر بلا تحقیق اپنی تاریخ میں درج کر لیا۔ خود عبد القادر کو تسلیم ہے کہ شیخ بڈھ اس وقت اعلم علمائے ہند تھے اور ان کی علمی عظمت اور عملی تقدس کے نقش دلوں پر اس درجہ مرتسم تھے کہ شہنشاہ ہند سلطان شیر شاہ سوری ان کی جوتیاں اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے میں اپنا فخر سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا علامہ دہر ایسی لغو اور تمسخر انگیز بات زبان قلم پر کیونکر لا سکتا تھا کہ تعیین علامات مہدی رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہے۔ اس سے قطع نظر اتنے بڑے عالم حق اور وارث علوم نبوت سے یہ بھی بعید تھا کہ وہ آگرہ تک کا سفر اپنے دوش ہمت پر قبول نہ کرے۔ لیکن کسی عالم حق کے بے گناہ ہلاک و برباد ہو جانے کو چپ چاپ گوارا کرے۔ الغرض شیخ بڈھ کی دو چٹھیوں کا افسانہ محض لغو اور حامیان شریعت کے دشمنوں کا دماغی اختراع ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد مؤرخ نے تاریخ طبقات اکبری میں پہلی چٹھی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں: "سلیم خان گوش بسخن مخدوم الملک نکردہ باز شیخ علائی را در بہار پیش شیخ بڈھ طبیب دانشمند کہ شیر خاں متعقد او بود و کفش پیش پائے او می نہاد فرستاد تا بموجب فتویٰ او عمل نماید و سلیم خاں بجانب پنجاب توجہ نمودہ بتعمیر قلعہ مانکوٹ مشغول شد۔ چون شیخ علائی بہ بہار رفت شیخ بڈھ موافق فتویٰ مخدوم الملک نوشتہ بقاصد ان سلیم خان داد"۔ (طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ ج ۲ ص ۱۱۱۸، ۱۱۷)

اور لطف یہ ہے کہ ایک نام نہاد عالم نے جو الحاد و نیچریت کی طرف مائل ہے۔ بدایونی بیانات کی بنائے فاسد پر دشنام دہی کی بڑی بڑی بلند عمارتیں کھڑی کر لی ہیں اور ملاحدۂ مہدویہ کی تائید میں حامیان شریعت مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) کو معاذ اللہ علمائے سوء قرار دے کر ایسی شرمناک گالیاں دی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایک غیور مؤمن جسے ماجاءبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی محبت ہے۔ سخت روحی صدمہ محسوس کرتا ہے اور پھر دیانت داری اور حق پسندی کا کمال دیکھو کہ اس نے نیازی اور علائی کی تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملائے۔ لیکن مقدم الذکر کی انابت اور رجوع الیٰ الحق کا کہیں بھول کر بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ خود بدایونی نے نیازی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ: "عاقبت بہ سرہند آمدہ ازراہ وروش مہدویہ ابا آوردہ وسائر مہدویہ را ازاں اعتقاد باز داشتہ بروش متشرعان عامہ واہل اسلام سلوک می ورزید"۔ (منتخب التواریخ بدایونی ص ۱۱۰، طبع ۱۸۶۶ء)

ان دنوں سلطان سلیم شاہ پنجاب آیا ہوا تھا۔ جب شیخ بڈھ کا سربمہر خط بادشاہ کو ملا تو پڑھ کر شیخ علائی کو اپنے پاس بلایا اور نزدیک کر کے آہستہ سے کہا کہ تم تنہا میرے کان میں کہہ دو کہ میں اس عقیدہ سے تائب ہوتا ہوں۔ بس اتنا کہہ کر مطلق العنان اور فارغ البال ہو جاؤ علائی نے کچھ التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر مخدوم الملک سے کہا اچھا تم جانو۔ اس اثناء میں شیخ علائی پر مرض طاعون کا حملہ ہوا۔ جو ملک میں پھیل رہا تھا اور اس کی وجہ سے حلق میں زخم ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ میری موجودگی میں تازیانے لگاؤ۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ روح نے تن سے مفارقت کی۔

مہدوی خرافات وکفریات

تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں حیدرآباد دکن کے مہدویہ نے اہل اسلام کی مذمت میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ علمائے امت نے اس کتاب کو ناقابل التفات سمجھ کر اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مہدویوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علمائے اہل سنت نے ہماری کتاب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جب ان کی زبان درازیاں حد اعتدال سے متجاوز ہوئیں تو مولانا محمد زمان خان شاہجہان پوری نے جو مولانا عبد الحئ مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور اعلیٰ حضرت شاہ دکن کے استاد تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں ان کی غرور شکنی اور احقاق حق کا عزم فرما کر ایک کتاب بنام "ہدیہ مہدویہ" تصنیف کی جس میں مہدوی اقوال کو خود انہی کے مسلمات سے مسترد کر کے ان کے مذہب کا بطلان واضح فرمایا۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف تھی کہ اس نے مہدوی حلقوں

میں ہلچل ڈال دی۔ چونکہ مہدویہ کے پاس ہدیہ مہدویہ کی تحریروں کا کوئی علمی جواب نہ تھا۔ انہوں نے زبان قلم کے بجائے زبان تیغ سے اس کا جواب دینا چاہا۔ چنانچہ مہدوی پیشوایان مذہب نے اپنے پیروؤں میں اعلان کیا کہ جو کوئی (مولوی) زمان خاں (صاحب) کو جام مرگ پلائے گا ہم اسے جنت میں مروارید کے دو عالیشان محل اور خرما کے چار سو درخت دیں گے۔ اس ابلہ فریبی پر ایک مہدوی نوجوان مولانا ممدوح کی جان کے در پے ہوا۔ چنانچہ بتاریخ ۶/ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مولانا زمان خان حسب معمول دو خدمت گاروں کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب دوزانو بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مصروف ہوئے۔ اس وقت مہدوی نوجوان ستون مسجد کی آڑ میں موقع کا منتظر کھڑا تھا۔ جب ایک خدمت گار کسی کام کے لئے مسجد سے باہر گیا تو مہدی نابکار نے بڑھ کر زور سے ایک کٹار مولانا ممدوح کے مونڈھے پر مارا۔ پھر ایک کٹار سر پر اور دو شاہ رگ پر مارے۔ مولانا نے کلام اللہ پر سر رکھ کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ یہ فرقہ حیدرآباد دکن ریاست ٹونک، جے پور وغیرہ مقامات میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں پایا جاتا ہے اور مرزائیوں کی طرح بڑا مفسد گروہ ہے۔ اس نے گذشتہ زمانہ میں جو جو فساد انگیزیاں کی ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب ہدیہ مہدویہ میں موجود ہے۔ اس گمراہ فرقہ کے چند عقائد وخیالات ہدیہ مہدویہ سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مہدویہ کہتے ہیں کہ:

۱ ... سید محمد جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض ہے اس کا انکار کفر ہے اور ۹۰۵ھ سے جب کہ جونپوری صاحب نے دعوائے مہدویت کیا آج تک جس قدر اہل اسلام دنیا میں گذرے یا قیامت تک پیدا ہوں۔ بہ سبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں۔

۲ ... گو سید محمد جونپوری امت محمدی میں داخل ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور تمام دوسرے صحابہ سے افضل ہیں۔

۳ ... سید جونپوری حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء ومرسلین حضرت ابراہیم خلیل، حضرت موسیٰ کلیم، حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہم (علیہم السلام) سے افضل ہیں۔

۴ ... گو سید محمد جونپوری محمد ﷺ کے تابع تام ہیں۔ لیکن رتبہ میں حضرت خاتم المرسلین ﷺ کے برابر ہیں۔ دونوں میں سرمو بھی کمی بیشی نہیں ہے۔

۵ ... احادیث رسول اللہ گو کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں۔ لیکن وہ اس وقت تک صحیح اور قابل اعتماد نہیں جب تک سید جونپوری کے اقوال، احوال اور الہامات کے مطابق نہ ہوں۔

۶ ... سید محمد جونپوری اور محمد ﷺ پورے مسلمان ہیں۔ ان کے سوا دوسرے لوگ حضرت آدم، ابراہیم، نوح، موسیٰ عیسیٰ (علیہم السلام) ناقص الاسلام تھے۔ کوئی پیغمبر نیم مسلم تھا کوئی ثلث مسلمان کوئی ربع مسلمان۔ چنانچہ کتاب پنج فضائل میں شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ نوح علیہ السلام زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ ابراہیم وموسیٰ زیر سینہ سے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰ علیہ السلام زیر ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوسری مرتبہ دنیا میں آئیں گے تو پورے مسلمان ہو جائیں گے اور مہدوی کتاب انصاف نامہ کے بارھویں باب میں لکھا ہے کہ میاں خوندمیر نے سید محمد جونپوری سے کہا کہ تمام دنیا میں دو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے آپ میراں محمد جونپوری نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ بعض انبیاء کا سر مسلمان ہوا تھا۔ بعض کا داہنا پہلو۔ کسی کے دونوں پہلو۔ مگر دونوں از سرتا پا مسلمان ہوئے ہیں۔

۷ ... تصحیح مہدی رضی اللہ عنہ کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ تصحیح کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء، رسل، اولیاء اور تمام مؤمنین و مومنات کی روحیں آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سید جونپوری کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان ارواح کو حکم دیتا ہے کہ تم نے جس خزانہ سے نور لیا تھا۔ پھر اس محل سے مقابلہ کر کے تصحیح کرو پس جو شخص یہاں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو یہاں مردود ہوا وہ عند اللہ بھی مردود ہے اور کتاب پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے داماد خوندمیر سے فرمایا کہ جس طرح بندہ کے پاس ارواح کی تصحیح ہوتی ہے میاں خوندمیر کے پاس بھی ہوا کرے گی۔

۸ ... سید محمد جونپوری رسول صاحب شریعت ہیں۔ ان کی شریعت شرع محمدی کے بعض احکام کی ناسخ ہے۔

۹ ... سید جونپوری منصب نبوت ورسالت کے علاوہ بعض صفات الوہیت میں حق تعالیٰ کے شریک ہیں۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس بندے کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور اسے ہر طرف پھرا کر کماحقہ، پہچانے اور واقف ہو اور مہدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم ہیں جس طرح صراف سونے چاندی کو ہاتھ میں لے کر ہر طرف پھراتا ہے اور کماحقہٗ پہچانتا ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید جونپوری نے اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور پر عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اس طرح روشن ہے جس طرح ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

۱۰ ... عالم کائنات میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا خالق خدا نہیں۔ کائنات میں بعض چیزیں من کل الوجوہ غیر مخلوق ہیں۔ بعض من وجہ مخلوق اور من وجہ غیر مخلوق ہیں۔ چنانچہ سید قاسم مہدوی نے لکھا کہ: "جوہر اوّل وروح حقیقی وولایت محمدی وجملہ کتب وصحائف ایں ہمہ غیر مخلوق اند ومن دون ہذا کل اشیاء بری وبحری علوی وسفلی مخلوق اند اختی خاتمین"۔ (یعنی خاتم الرسالۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخاتم الولایۃ مہدی جونپوری) "فی المعنی غیر مخلوق وفی الصور مخلوق اند پس اہل تمیز ہمہ علمائے اہل شریعت ولایت را مخلوق گویند وہمہ اولیائے اہل حقیقت قدیم وغیر مخلوق گفتہ اند"۔ مہدویہ کا یہ عقیدہ آریوں کے خیال سے ملتا ہے جو روح اور مادہ کو خالق کردگار کی مخلوق نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایزد متعال کی طرح قدیم خیال کرتے ہیں۔

۱۱ ... مہدی جونپوری کے اصحاب کا درجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کے برابر فرمایا ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک روز میاں عبدالرحمن نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی کے اصحاب میرے بھائی اور مرتبہ میں میرے برابر ہیں۔ شاہ نظام نے سن کر کہا کہ یہ صفت عوام اصحاب مہدی کی ہے۔ بڑے اصحاب کا مرتبہ اس سے بھی اور آگے ہے اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک دن سب آدمی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفہ جونپوری نے اپنی بیوی خوندبوا سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو مرسلین کا مقام رکھتے ہیں اور کہا کہ مرسل اسے کہتے ہیں کہ مہتر جبرئیل اس پر وحی لائیں۔ لیکن بارہ آدمی ان سے بھی فاضل تر ہیں۔

۱۲ ... اگر دربار نبوت میں ایک صدیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) تھے تو مہدی کے دربار میں دو ہیں۔ سید محمود اور خوندمیر اور اگر خلفائے راشدین وہاں چار تھے تو یہاں پانچ ہیں۔ سید محمود، خوندمیر، میاں نعمت، میاں نظام اور میاں دلاور اور اگر وہاں عشرہ مبشرہ تھے تو یہاں بارہ مبشر ہیں۔

۱۳ ... مہدی جونپوری کے نواسے سید محمود بن خوندمیر کے ساتھ لڑکپن میں (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا۔

۱۴ ... شواہد الولایت کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ شیخ مہاجر نے مردہ زندہ کیا اور حضرت مہدی موعود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بتایا۔ مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ ذات مہدی کے فیضیاب کو چاہیئے کہ مقام عیسیٰ علیہ السلام پر فائز ہونے کے باوجود قم باذن اللہ سے احتراز کرے۔ یہ باب ہدیہ مہدویہ منتخب التواریخ اور دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اکثر مندرجات کا مأخذ مہدوی بیانات ہیں۔ اس لئے ان میں مبالغہ کا رنگ نمایاں ہے۔ ہدیہ مہدویہ کے منقولات کتاب مذکور کے صفحات ۴۴، ۳۴ پر ملاحظہ ہوں۔

مولانا زمان خاں شہید نے اس قسم کے مہدوی خرافات اور بھی جمع کئے ہیں۔ جو حضرات ان کفریات کے جوابات معلوم کرنا چاہیں۔ وہ کتاب ہدیہ مہدویہ کا مطالعہ فرمائیں۔

حاجی محمد فرہی

حاجی محمد فرہی سید محمد جونپوری کا مرید اور مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا۔ مہدویہ کی کتاب شواہد الولایت میں لکھا ہے۔ حضرت مہدی موعود (سید جونپوری) نے فرمایا کہ اکثر انبیاء اور اولوالعزم رسول دعاء مانگا کرتے تھے کہ بار خدایا ہمیں امت محمدی میں پیدا کر کے مہدی کے گروہ میں داخل فرما۔ انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سوا کسی کی دعاء قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ عنقریب آکر بہرہ یاب ملاقات ہوں گے۔ چنانچہ دیوان مہدی میں جو ایک مہدوی کا کلام ہے۔ لکھا ہے۔

بل چہ عالم کہ زآدم و موسیٰ — زیحییٰ و خلیل از موسیٰ

کیا ہی عجیب عالم ہے! کہ آدم و موسیٰ، اور یحییٰ و خلیل (ابراہیمؑ) سب — اپنی کامل ترین حقیقت میں بھی، موسیٰؑ کی شان تک پہنچنے کی آرزو رکھتے تھے۔

بودہ غایت بصحبتش موسیٰ — ہر چہ ہست از ولایت است ظہور

لیکن جو کچھ بھی (انبیاء کی شان و کمال) ظاہر ہوا ہے، وہ سب دراصل ولایت ہی کا ظہور ہے۔

نقطۂ آں دائرہ مفضلاں — شد متمنائے ہمہ مرسلاں

وہ ولایت ہی ہے جو تمام فضیلت یافتہ لوگوں کے دائرے کا مرکز و نقطہ ہے، اور وہی تمام رسولوں کی آرزو اور تمنا رہی ہے۔

خواست ز حق ہر یکے از اولین — رب اجعلنی لمن الآخرین

ہر ایک نبی نے ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی: "اے رب! مجھے آخری آنے والوں میں شامل فرما۔

اور مہدویہ کی کتاب پنج فضائل میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میراں (سید جونپوری) قضائے حاجت کے لئے جارہے تھے۔ راستہ میں حاجی محمد فرہی نے پوچھا کہ میراں جیو! خدام تو آئے، عیسیٰ کب آئیں گے؟ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے ظاہر ہوں گے۔ اس لفظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاجی محمد کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا مقام حاصل ہو گیا۔ حاجی محمد میراں کی زندگی میں تو خاموش رہا اور کوئی دعویٰ نہ کیا۔ مرنے کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی مسیحیت کی دعوت دینی شروع کی۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو وہاں کے حاکم نے گرفتار کر کے اس کی گردن ماردی۔ جب حاجی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو سید محمود کو فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں میری دکانداری پھیکی نہ پڑ جائے۔ اس لئے دو آدمیوں کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حاجی محمد مارا گیا تو لوٹ آئے۔ شاہ دلاور نے بشارت دی کہ حاجی محمد ایمان سلامت لے گیا۔ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول ہو گئی۔ سید محمود کہنے لگا کہ چونکہ مہدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی تھی ضائع نہ ہوا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۲۴۵، ۲۴۴)

شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی

دو مسیحان کاذب

اکثر حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کادیانی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم مسیحیت بلند کر کے خلق خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان سے پہلے بھی سرزمین ہند میں مسیحان کذاب گزر چکے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید محمد جونپوری نام ایک صاحب نے جنہیں ان کے پیرو میراں جی کہا کرتے تھے۔ ۹۰۱ھ میں یعنی آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پہلے ہندوستان میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے پیرو مہدوی کہلاتے ہیں۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور مہدی رضی اللہ عنہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب سید محمد جونپوری کو دعوائے مہدویت کئے کچھ عرصہ گذر چکا تو ان کے پیرو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ ہوئے۔ لیکن ان کے خلاف توقع مسیح علیہ السلام نے قدم رنجہ نہ فرمایا۔ کیونکہ ان کی تشریف آوری سچے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخر سید جونپوری کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ بھیک نام مسیحیت کا مدعی بن بیٹھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب تک شیخ بھیک کو سید جونپوری کی بارگاہ سے مسیحیت کی سند صداقت نہ ملتی وہ مہدویہ میں سچا مسیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب شیخ بھیک، میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میراں جی نے فرمایا کہ تجھ کو عیسیٰ کس نے بنایا؟ اس نے کہا اسی نے جس نے آپ کو مہدی بنایا۔ میراں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے۔ کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی۔ آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہوں گے اور ڈانٹ کر کہا کہ اگر تو پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ شیخ بھیک پر اس وقت تو اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے رجوع کر لیا۔ میراں جی نے کہا کہ اب بالائے آسمان سے کس طرح اتر آئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۳)

مہدویہ میں سید محمد جونپوری کے انتقال کے بعد دو اور خانہ ساز مسیحان موعود کا پتہ چلتا ہے۔ حسب بیان مولانا محمد زمان خاں شہید مہدویہ کی ایک کتاب انصاف نامہ کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری کے ایک خلیفہ خوندمیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میاں خوندمیر نے فرمایا۔ "کہ میں آج رات بتوجہ تمام بیٹھا تھا اور میراں جی کو بچشم خود دیکھتا تھا۔ میں نے پوچھا میراں جی! مہتر عیسیٰ کس وقت آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ میں نے پوچھا آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ پھر پوچھا آپ کے پچاس برس بعد آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا آپ سے چالیس برس کے بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ میں نے دریافت کیا کہ تیس سال بعد آجائیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا دس سال کے بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ دیکھو مہتر عیسیٰ حاضر ہیں۔ خود ان سے پوچھ لو۔ میاں خوندمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں۔ لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے؟ اس مکاشفہ کے بیس سال بعد جونپوری کے ایک مرید شیخ محمد خراسانی نے سندھ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسلامی حکومت تھی۔ اس قسم کی فتنہ پردازی ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ خراسانی زیر حراست کر لیا گیا اور بادشاہ شریعت پناہ کے حکم سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۳، ۱۷۲)

اسلامی سلطنتوں میں فتنہ پرداز مسیحوں اور خانہ ساز مہدیوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اسی انجام کے پیش نظر مسیح کادیان نے نہ کبھی حج کے لئے مکہ معظمہ جانے کی جرأت کی اور نہ امیر افغانستان کی دعوت پر سرزمین افغانستان کا رخ کیا۔

ایک اور مسیح دجال

اسی انصاف نامہ میں مذکور ہے کہ جونپوری کے مریدوں میں ابراہیم بزلہ نے بھی عیسویت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے بھی یہی کہا گیا کہ آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہیں اور تیرے ماں اور باپ فلاں ہیں۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۳)

معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہو گیا یا مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہ کر بدستور اغوائے خلق میں مصروف رہا؟

جلال الدین اکبر شاہ

جلال الدین اکبر شاہ بھی ان آئمہ فساد میں سے ہے۔ جنہوں نے ملت اسلام میں رخنہ اندازیاں کر کے ناموس شریعت کو چرکا لگایا۔ اکبر ۹۴۹ھ میں سندھ کے ریگستان میں امر کوٹ کے مقام پر اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کا باپ سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ سلطان شیر شاہ کے ہاتھ سے آوارۂ دشت غربت تھا۔ ہمایوں بادشاہ خود تو ایران چلا گیا۔ لیکن اکبر کو جو اس وقت پورا ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اپنے بھائی عسکری مرزا حاکم قندھار کے ہاتھ میں چھوڑ گیا۔ اکبر قریباً بارہ سال تک قندھار میں اپنے چچا کے دست اختیار میں رہا۔ جب ۹۶۱ھ ہمایوں بادشاہ فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا ہندوستان کی طرف بڑھا تا اس وقت اکبر بارہ برس ۸ مہینے کا تھا اور جب ۹۶۳ھ میں ہمایوں بادشاہ نے دہلی میں کوٹھے پر سے گر کر داعی حق کو لبیک کہا اور اکبر تخت نشین ہوا تو اس وقت اکبر کی عمر پونے چودہ سال کی تھی۔ غرض اس بناء سے کہ اکبر کے ایام طفلی میں اس کے والدین دشت ادبار میں پڑے تھے۔ اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوا اور وہ بالکل جاہل وامی رہ گیا۔ تخت نشینی کے بعد اکبر قریباً اکاون سال تک برسر حکومت رہا۔ میں اس زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ پہلا وہ آوان سعید تھا۔ جب کہ اکبر بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل تھا۔ دوسرا وہ عصر جہل وفساد جس میں اس نے اسلام کا ربقۂ عقیدت گلے سے اتار کر کھلم کھلا کفر وارتداد اختیار کیا۔ ان میں سے پہلے زمانہ کا دورہ انیس سال کا تھا اور دوسرے عہد ظلمت کی مدت قریباً بائیس سال تھی۔

پیروی مذہب کا دور ہدایت

جلال الدین اکبر ابتداء میں ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ اکبر اوائل میں احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدق دل سے بجالاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا۔ خود ہی اذان دیتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔ علماء وفضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ ان کے گھر جاتا تھا۔ بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا۔ مقدمات سلطنت شریعت کے فتوے سے فیصل ہوتے تھے۔ جابجا قاضی و مفتی مقرر تھے۔ اکبر صوفیانہ خیالات کا دلدادہ اور فقراء واہل دل کا نیازمند تھا۔ ان کے برکت انفاس سے استفاضہ کرتا تھا۔ ۹۶۸ھ میں گوّیوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کرامات میں گیت گائے۔ اکبر پر ایسا ذوق و شوق طاری ہوا کہ اسی وقت اجمیر کو روانہ ہوا۔ مزار پر بیٹھ کر خواجہ کے توسل سے دل کی مرادیں بارگاہ رب العالمین میں عرض کیں۔ قضائے کردگار سے جو کچھ مانگا تھا اس سے بھی زیادہ پایا۔ اس لئے اس کا اعتقاد پہلے سے دوچند ہوا اور باوجودیکہ ۹۸۲ھ سے جب کہ وہ مرتد ہوا اس کے دل میں حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ حسن عقیدت کا جذبہ باقی نہ رہ گیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادب ہو گیا تھا۔ لیکن خواجہ اجمیری کے ساتھ مرتے دم تک وہی اعتقاد رہا اور اہل نظر اسے دیکھ کر حیران ہیں کہ خواجہ صاحب کے ساتھ تو یہ اعتقاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے دامن کے سایہ سے لاکھوں کروڑوں کو خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سا درجہ مل جائے ان کی شان میں ایسا سوء اعتقاد۔ اوائل میں اکبر علماء ومشائخ طریقت کی صحبت میں بڑے آداب سے بیٹھتا تھا۔ ان کے ارشادت کو موجب ہدایت و سعادت یقین کرتا تھا۔ ان کو بہت کچھ دیتا تھا۔ ان ایام میں اس کے انعام واکرام اور جود وسخا کی کچھ حد نہ تھی۔ چنانچہ عبد القادر بدایونی اس کے ارتداد سے پہلے کی کیفیت لکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے شاہان سلف کی تمام بخشش ایک

پلڑے میں رکھی جائے اور اکبر بادشاہ کے انعامات دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں تو دوسرا پلڑا جھک جائے گا۔ ۹۷۱ھ میں اکبر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوا۔ خواجہ سلیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی اولاد تھے۔ ان ایام میں وہ آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں جسے سیکری کہتے تھے قیام فرماتے تھے۔ اکبر ۲۸،۲۷ برس کی عمر تک لاولد تھا۔ اس لئے اولاد کی بڑی آرزو تھی۔ اکبر خود سیکری جا کر کئی دن رہا اور اولاد کے لئے دعاء کرائی۔

شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی

سلطان سلیم عرف نورالدین جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ ایک دن اثنائے توجہ اور بے خودی کے عالم میں میرے والد (اکبر بادشاہ) نے ان سے پوچھا کہ حضرت میرے ہاں کتنے فرزند ہوں گے؟ فرمایا خدا تمہیں تین فرزند عطاء کرے گا۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد شہزادہ سلیم ۹۷۷ھ میں، شہزادہ مراد ۹۷۸ھ میں اور شہزادہ دانیال ۹۸۰ھ میں متولد ہوئے۔ سلطان نور الدین جہانگیر توزک میں لکھتا ہے کہ جب شیخ سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے تین فرزندوں کی بشارت دی تو والد نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے منت مانی ہے کہ پہلے فرزند کو آپ کے دامن تربیت اور توجہ میں ڈالوں گا۔ تھوڑے دن کے بعد معلوم ہوا کہ حرم سرا میں فلاں بیگم حاملہ ہے۔ سن کر بہت خوش ہوا اور حرم کو حریم شیخ میں سیکری بھیج دیا۔ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتے ہیں کہ شہزادہ سلیم ۱۷ ربیع الاوّل ۹۷۷ھ کو متولد ہوا۔ حضرت خواجہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد شیخ ابراہیم اس مژدہ کے ساتھ دارالسلطنت آگرہ پہنچے اور مراحم خسروانہ سے سرفرازی پائی۔ بادشاہ نے اس نعمت عظمیٰ اور موہبت کبریٰ کے شکرانہ میں خلائق کو انعامات سے بہرہ مند فرمایا۔ کل ممالک محروسہ کے قیدی آزاد کئے گئے۔ سات دن تک جشن مسرت منایا گیا۔ شعراء نے تاریخ اور قصیدے کہہ کر بڑے بڑے انعام پائے۔ بادشاہ نے اسی دن سے موضع سیکری جارہنے اور اسی کو دارالسلطنت بنانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سیکری جا کر شیخ کے لئے ایک نئی خانقاہ اور ایک عالی شان سنگین قلعہ اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرائے۔ امراء واعیان سلطنت نے بھی محل تعمیر کرائے اور وہاں شہر آباد کر کے سیکری کو فتح پور کا خطاب دیا۔ بادشاہ نے یہ نذرمان رکھی تھی کہ اگر خداتعالیٰ فرزند نرینہ عطاء فرمائے گا تو اجمیر تک پیادہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ ۱۲ر شعبان ۹۷۷ھ کو دارالخلافہ آگرہ سے پیدل روانہ ہوا۔ اجمیر وہاں سے ایک سو بیس کوس ہے۔ روزانہ چھ سات کوس چلتا تھا۔ شیخ سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے مولود مسعود کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔ لیکن اکبر کی یہ حالت تھی کہ پیر کے نام کا احترام کرتے ہوئے فرزند کو سلیم کہہ کر نہیں پکارتا تھا۔ بلکہ شیخو جی کہا کرتا تھا۔ جہانگیر توزک میں لکھتا ہے کہ ایک دن کسی تقریب سے میرے والد نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہوگی اور آپ کب ملک آخرت کو انتقال فرمائیں گے؟ فرمایا واللہ اعلم! پھر ایک دن زیادہ اصرار کر کے پوچھا تو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب شہزادہ اتنا بڑا ہوگا کہ کسی کے یاد کرانے سے کچھ سیکھ لے تو سمجھ لینا کہ ہمارا وصال قریب ہے۔ والد نے یہ سن کر تمام خدام کو حکم دیا کہ شہزادہ کو نظم ونثر کوئی کچھ نہ سکھائے۔ اس طرح قریباً ڈھائی سال گذر گئے۔ محلہ میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ دفع نظر بد کے لئے مجھے ہر روز حرمل کی دھونی دے جاتی تھی اسے کچھ صدقہ خیرات مل جاتا تھا۔ ایک دن اس نے خدام کی غیر حاضری میں مجھے یہ شعر یاد کرادیا۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا گلے از روضۂ جاوید بنما

اے اللہ! امید کے غنچے کو کھلنے دے، اور ہمیں جنتِ جاوید کے باغ کا کوئی پھول دکھادے۔

اس کے بعد میں حضرت شیخ کے پاس گیا اور انہیں یہ شعر سنایا۔ حضرت مارے خوشی کے اچھل پڑے اور والد بزگوار سے فرمایا لو بھئی وعدہ وصال پہنچ گیا۔ رخصت ہوتا ہوں۔ چنانچہ اسی رات کو بخار ہوا۔ یہاں تک کہ ۹۷۹ھ میں ۹۵ برس کی عمر پاکر رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ ۵/ جمادی الآخر ۹۸۱ھ کو بادشاہ نے شہزادوں کے ختنہ کا حکم دیا۔ بہت بڑا جشن ترتیب دیا گیا۔ علماء، سادات، مشائخ، امراء وارکان دولت جمع ہوئے۔ سنت ختنہ ادا ہوئی۔ بادشاہ نے خوب داد دہش اور فیض رسانی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد اسی سال ۲۲/ رجب کے دن ایک بہت بڑی مجلس ترتیب دی گئی اور شہزادہ سلیم کو مولانا میر کلاں ہروی کی خدمت میں بغرض تعلیم لے گئے۔ انہوں نے شہزادہ کو کلمۂ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** جو خزائن ومعارف کی کنجی ہے پڑھائی۔ چاروں طرف سے تہنیت ومبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا۔

اتھرون وید میں اصول اسلام کی تائید

سرزمین دکن میں ایک برہمن نے جو بھاون کے نام سے مشہور تھا ایک مرتبہ کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے افق دل پر اسلام کا کوکب ہدایت پر توافگن ہوا۔ اس کے بعد اس نے دوسری کتابوں کا مطالعہ کر کے اسلامی تعلیمات میں اچھی بصیرت حاصل کی اور باقاعدہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر بڑے بڑے برہمنوں نے جن کے علم وفضل کی ملک میں دھوم تھی۔ اس کو ہندو دھرم میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے تمام برہمنوں کو مذہبی مناظروں میں زک دی۔ قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد یہ نومسلم دارالخلافہ فتح پور سیکری آیا اور بادشاہ کے مقربوں میں داخل ہو گیا۔ ایک دن اکبر نے حکم دیا کہ ہنود کی چوتھی کتاب اتھرون وید کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ کیونکہ اس کے بعض احکام ملت اسلام کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی۔ اس کتاب میں مندرج ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ جب تک اس کا کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ نہ پڑھیں نجات نہیں مل سکتی۔ دوسرا یہ کہ گائے کا گوشت چند شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ تیسرا میت کو دفن کرنا چاہئے جلانا نہ چاہئے۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا۔ اس تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ چند سال سے بادشاہ کو پے درپے فتوحات حاصل ہو رہے تھے اور دائرہ مملکت دن بدن وسیع ہوتا جارہا تھا۔ چونکہ تمام کام منشاء ومراد کے مطابق روبراہ تھے اور کوئی دشمن ایسا نہ رہ گیا تھا۔ جس میں سر اٹھانے کا حوصلہ ہو۔ اب بادشاہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ قال اللہ وقال الرسول کی علمی مجلسوں میں گزارنے لگا۔ ہر وقت تصوف کی باتیں، علمی مذاکرہ، حکمی وفقہی مسائل کی تحقیق میں مصروف رہتا۔ رات کو اٹھ اٹھ کر عبادت الٰہی کرتا۔ شیخ سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین کے بموجب یاہو یاہادی کے ذکر میں مصروف رہتا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ نماز جمعہ شیخ سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی نئی خانقاہ میں پڑھ کر عبادت خانہ میں آتا اور علماء ومشائخ کے ساتھ علمی گفتگو میں مصروف ہوتا۔ اسی طرح جمعہ کی شب کو بھی علماء ومشائخ جمع ہوتے اور ان سے علمی استفادہ کرتا۔ بادشاہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ عبادت خانہ کی جنوبی طرف علماء، شمالی جانب مشائخ غربی سمت سادات اور پورب رخ امراء واعیان دولت بیٹھتے تھے اور خود نوبت بہ نوبت چاروں جماعتوں کے پاس جاکر ان کی مصاحبت اختیار کرتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی شیخ عبد النبی کے مکان پر حدیث سننے کے لئے چلا جاتا تھا اور ان کا اس درجہ احترام کرتا تھا کہ دو ایک مرتبہ ان کی جوتیاں اٹھا کر بھی ان کے آگے رکھی تھیں۔ شہزادہ سلیم ان ہی کے زیر تربیت وتعلیم تھا۔ شہزادہ نے مولانا عبدالرحمن جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی تھی۔ ان حالات واقعات سے معلوم ہوگا کہ اکبر بادشاہ کے سارے طور طریقے اسلامی تھے اور وہ ایک متشرع آدمی تھا۔ جس طرح کہ ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔ لیکن اب میں یہ دیکھانا چاہتا ہوں کہ ۹۸۲ھ کے بعد سے جبکہ سرخیل الحاد ابوالفضل داخل دربار ہوا۔ اکبری حکومت کی مذہبی حالت کس حضیض ادبار میں گرنے لگی اور اسلام ابوالفضل اور چند دوسرے دشمنان دین کے ہاتھوں کس

طرح مظلومی و بیکسی کی حالت میں مبتلا ہوا۔

دین الٰہی (اکبری) کا آغاز

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اکبر بادشاہ بالکل جاہل وناخواندہ تھا اور اسے مذہبی امور میں بصیرت حاصل نہ تھی۔ چونکہ اس وقت دربار اہل الحاد کے وجود سے خالی تھا۔ حامیان شریعت اور وابستگان اسوۃ الرسول ﷺ بادشاہ کے دل ودماغ پر حاوی تھے۔ بادشاہ بھی ان کے فیض صحبت سے مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ لیکن جب ابوالفضل جیسے ملحدوں نے بھی دربار میں بار پایا اور یہ لوگ بادشاہ کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرنے لگے تو وہ بیچارہ سخت کشمکش میں مبتلا ہوا۔ علماء مشائخ اسے دین کی طرف کھینچتے تھے اور اہل الحاد اسے آزادی اور مطلق العنانی کی راہ دکھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ آہستہ آہستہ ان کا اثر بھی قبول کرنے لگا اور اس کی طبیعت قیود شریعت کو توڑ کر آزادی کی طرف مائل ہونے لگی۔

جواز متعہ کا فتویٰ

ان ایام میں بادشاہ نے علماء سے کہا کہ میں اپنے حرم شاہی میں کتنی عورتیں رکھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ چار تک رکھ سکتے ہیں۔ کہنے لگا میں نے تو ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی سے سنا تھا کہ بعض کے نزدیک نو تک کی اجازت ہے۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ اگر راہ خلاف اختیار کی جائے تو بعض لوگوں نے اٹھارہ تک بھی حلال بتائی ہیں۔ بادشاہ نے شیخ عبدالنبی سے دوبارہ پچھوا بھیجا۔ شیخ عبدالنبی نے جواب دیا کہ میں نے چار سے زیادہ کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ بلکہ صرف اختلاف کا ذکر کیا تھا۔ یہ جواب بادشاہ کی طبع پر شاق گذرا اور کہنے لگا کہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شیخ نے ہم سے نفاق برتا تھا۔ جب کچھ اور کہا تھا اور اب کچھ اور بتا رہے ہیں۔ غرض بادشاہ کا دل بہت مکدر ہوا اور اس بات کو دل میں رکھا۔ اب یہ بھی ضرور تھا کہ علماء میں سے جو لوگ دنیا پرست تھے وہ بادشاہ کی خوشنودی خاطر کا لحاظ کرتے ہوئے قانون شریعت کو اس کی خواہش پر قربان کر دیتے۔ چنانچہ اس قسم کے مولویوں نے ادھر ادھر سے رطب ویابس جمع کر کے فتویٰ دیا کہ بادشاہ جس قدر عورتوں کو چاہے بطریق متعہ رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں متعہ جائز ہے اور شیعہ تو اہل سنت وجماعت کی مخالفت میں منکوحہ بیوی کی اولاد کی نسبت اس اولاد کو عزیز رکھتے ہیں۔ جو متعہ سے پیدا ہوئی ہو۔ نقیب خان مؤطا امام مالکؒ اٹھا لائے اور ایک مرفوع حدیث نکال کر دکھائی۔ جس میں صراحۃً متعہ کی ممانعت تھی۔ ابوالفضل متعہ کے جواز پر زور دینے لگا اور رطب ویابس کے اس انبار کو پیش کیا جو اس کے باپ مبارک نے جواز متعہ میں ترتیب دیا تھا۔ اب اکبر نے عبدالقادر بدایونی جامع منتخب التواریخ کو بلا کر پوچھا کہ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اتنی مختلف روایات اور مذاہب گوناگوں کا مآل ایک بات میں تمام ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ متعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور شیعوں کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اور گو امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن اگر مالکی مذہب کے قاضی سے فتویٰ لے لیا جائے تو حضرت امام اعظمؒ کے مذہب میں بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب قیل وقال جنگ اور جدال ہے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ قاضی یعقوب نے جواز متعہ سے انکار کیا۔ لیکن عبدالقادر بدایونی نے اسے فسوں وفسانہ سے رام کر لیا۔ آخر قاضی یعقوب کہنے لگا میں کیا کہتا ہوں؟ مبارک ہو جائز ہے۔ بادشاہ بولا میں اس مسئلہ میں قاضی حسین عرب مالکی کو منصف ٹھہراتا ہوں۔ قاضی حسین بھی ایک دنیا پرست مولوی تھا۔ اس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ نے ان تمام علمائے حق کو جنہوں نے اسے متعہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی نظروں سے گرا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے کشت زار پر خزاں اور عہد خریف کی عملداری شروع ہو گئی۔ بادشاہ نے قاضی یعقوب کو گور بھیج دیا اور ان کی جگہ مولانا جلال الدین ملتانی کو آگرہ سے طلب کر کے ممالک محروسہ کا عہدۂ قضا تفویض فرمایا۔

یہاں یہ بتادیناضرور ہے کہ شیعوں نے تو متعہ جائز کرر کھاہے۔ لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں متعہ زنا کی طرح قطعاً حرام ہے اور جواز متعہ کے متعلق جو روایت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ یکسر موضوع و مردود ہے۔ غرض ائمہ اربعہ اور اہل سنت وجماعت کے تمام دوسرے امام اس مسئلہ میں متفق ہیں۔

ایک شوریدہ پیر برہمن کا واقعۂ قتل

شیخ عبد النبی بن شیخ احمد بن شیخ عبد القدوس گنگوہی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل وطن اندری علاقہ گنگوہ ضلع سہارنپور تھا۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے۔ وہیں علم حدیث کی تحصیل کی۔ ان کے آباواجداد کی محفل حال و قال میں غنا اور سماع بھی معمول تھا۔ لیکن انہوں نے حرمین سے واپس آکر سماع و غنا کو ترک کر دیا۔ ۹۷۲ھ میں اکبر بادشاہ نے انہیں محکمہ امور مذہبی کا صدر الصدور بنایا۔ علم حدیث کے متعلق ان کا قول حجت مانا جاتا تھا اور چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی میں کوئی شخص امامت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ کا مزاج ان سے برہم ہوا تو اعداء جو ہر وقت فرصت کے منتظر تھے۔ ان کی بن آئی۔ خصوصاً ابوالفضل اور فیضی ہر وقت آگ پر تیل ڈالنے لگے۔ اب ایک اور واقعہ ایسا پیش آیا کہ شیخ عبد النبی کا رہاسہا وقار بھی رخصت ہو گیا۔ انہی دنوں میں متھرا کے قاضی نے شیخ صدر (شیخ عبد النبی) کے پاس استغاثہ کیا کہ مسجد کی جگہ پر ایک شورہ پشت برہمن نے قبضہ کر کے شوالہ بنالیا اور جب روکا گیا تو اس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی اور مسلمانوں کو بھی بہت گالیاں دیں۔ شیخ صدر نے طلبی کا حکم بھیجا وہ نہ آیا۔ آخر نوبت بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ نے خاص قاصدوں کے ہاتھ اس کو دارالسلطنت میں بلوا بھیجا۔ جب وہ آیا تو معتبر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اس نے واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ چونکہ اسلام میں نبی کی توہین کی سزا قتل ہے۔ اس لئے شیخ صدر بادشاہ سے قتل کی اجازت چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ صاف حکم نہ دیتا تھا۔ اتنا کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ شرعی احکام تمہارے متعلق ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ برہمن مدت تک قید رہا۔ محل میں رانیوں نے بھی بادشاہ سے سفارشیں کیں۔ مگر بادشاہ نے منہ میں گھنگنیاں ڈالے رکھیں۔ آخر جب شیخ نے بار بار پوچھا تو اکبر کہنے لگا کہ بات وہی ہے جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ جو مناسب جانو وہ کرو۔ غرض شیخ نے وہاں سے جا کر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب اکبر کو یہ خبر پہنچی تو بہت بگڑا۔ اندر سے رانیوں نے اور دربار میں ابوالفضل فیضی اور دوسرے اعداء نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضور نے ان ملانوں کو اتنا سر پر چڑھار کھا ہے کہ اب حضور کی خوشنودی خاطر کی بھی پروا نہیں کرتے اور اپنی حکومت و جلال دکھانے کی خاطر لوگوں کو بے حکم قتل کر ڈالتے ہیں۔ غرض اشتعال انگیزیوں سے اس قدر کان بھرے کہ بادشاہ کو تاب نہ رہی اور جو مواد بادشاہ کے دل میں بہت دن سے پک رہا تھا وہ یکبارگی پھوٹ بہا۔ رات کو انوپ تلاؤ کے دربار میں آکر پھر اس مقدمہ کا تذکرہ چھیڑا۔ ابوالفضل اور فیضی نے پھر آتش فتنہ پر تیل ڈالنا شروع کیا۔ بعض نے یہ کہنا شروع کیا۔ شیخ سے تعجب ہے کہ وہ اپنے تئیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کہتے ہیں۔ حالانکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ اگر ذمی (یعنی غیر مسلم رعایا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد نہیں ٹوٹتا اور ابرا و ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ کتب فقہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ شیخ نے اپنے جد امجد کی مخالفت کیوں کی؟ بادشاہ نے شیخ عبد القادر بدایونی کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے بھی سنا ہے کہ اگر ننانوے روایتیں قتل کی مقتضی ہوں اور ایک روایت رہائی کی اجازت دیتی ہو تو مفتی کو چاہئے کہ مؤخر الذکر روایت کو ترجیح دے۔ انہوں نے کہا ہاں درست ہے۔ حدود ادنیٰ شبہات سے مرتفع ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ نے افسوس کے ساتھ پوچھا کہ کیا شیخ کو اس مسئلہ کی خبر نہ تھی کہ بیچارے برہمن کو مار ڈالا؟ بدایونی نے کہا کہ شیخ بہت بڑے عالم ہیں۔ اس روایت کے باوجود انہوں نے دیدہ و دانستہ قتل کا حکم دیا۔ ضرور کوئی وجہ وجیہ اور مصلحت

ہو گی۔

بادشاہ نے پوچھا وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے؟ بدایونی نے کہا یہی کہ فتنہ کا سد باب ہو اور عوام میں جرأت کا مادہ نہ رہے۔ بدایونی نے اس کی تائید میں شفائے قاضی عیاض کی ایک روایت بیان کی۔ ابوالفضل اور فیضی کہنے لگے کہ قاضی عیاضؒ تو مالکی ہیں۔ ان کا قول حنفی ملکوں میں سند نہیں ہو سکتا۔ ہر چند کہ ان عیاروں کو حنفیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لیکن چونکہ شیخ صدر کو ذلیل کرانا منظور تھا۔ حنفیت کی آڑ لینے لگے اور اصل یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سوا تمام ائمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ ذمی پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کرے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ابراء ذمہ نہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ ذمی نے سید کون و مکان ﷺ کی علی الاعلان توہین نہ کی ہو اور اگر علی الاعلان مسلمانوں کے سامنے ایسا کیا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی وہ واجب القتل ہے اور متھرا کے برہمن نے حضور ﷺ کی علی الاعلان توہین کی تھی۔ اس لئے وہ بالاتفاق گردن زنی تھا۔ بہر حال اکبر نے بدایونی سے کہا کہ تم ان لوگوں کے اعتراض کا کیا جواب دیتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگرچہ قاضی عیاض مالکی ہیں۔ لیکن اگر مفتی محقق سیاسی ضروریات کا لحاظ کر کے کسی غیر حنفی امام کے فتوے پر عمل کرے تو شرعاً جائز ہے۔ اس وقت بادشاہ غضبناک تھا اور شیر کی طرح اس کی مونچھیں کھڑی تھیں۔ لوگ بدایونی کو پیچھے سے منع کر رہے تھے کہ کچھ مت بولو۔ بادشاہ نے بگڑ کر بدایونی سے کہا۔ تم کیا نامعقول باتیں کرتے ہو؟ بدایونی خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس دن سے شیخ عبد النبی مسلوب الاختیارات ہونے لگے۔

اکبر بحیثیت مجتہد اعظم

ابوالفضل اور فیضی کا باپ مبارک ناگوری ایک بڑا فتنہ انگیز ملحد تھا۔ عہد اکبری کے اوائل میں جبکہ شیخ الاسلام مولانا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی صدر الصدور کا دربار میں طوطی بول رہا تھا۔ اکبر ان لوگوں کے قلع قمع کی فکر میں تھا۔ جن کی طرف سے کسی فتنہ انگیزی کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی اور دوسرے علمائے دربار نے بادشاہ سے کہا کہ مبارک ناگوری مہدوی بھی ایک بڑا الحاد پسند اور مبتدع ہے۔ اس کی ذات سے بہت لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ غرض برائے نام اجازت لے کر اس کے رفع و دفع کے درپے ہوئے۔ کوتوال کو حکم دیا گیا کہ مبارک کو گرفتار کر کے حاضر کرے۔ لیکن وہ اپنے دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل سمیت روپوش ہو گیا اور کسی طرح ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس کی مسجد کا منبر ہی توڑ ڈالا گیا۔ شیخ سلیم چشتی ان دنوں جاہ و عظمت کی اوج پر تھے۔ مبارک نے سب سے پہلے ان سے التماس کر کے شفاعت چاہی۔ انہوں نے کسی خلیفہ کے ہاتھ کچھ خرچ اور پیغام بھیجا کہ تمہارے لئے ان دیار سے چمپت ہو جانا ہی مناسب ہے۔ گجرات چلے جاؤ۔ اس نے ناامید ہو کر مرزا عزیز سے توسل کیا۔ اس نے اکبر کے پاس جا کر مبارک کی ملائی اور درویشی کی تعریف کی اور اس کے دونوں لڑکوں کی فضیلت کا بھی اظہار کیا اور کہا کہ مبارک ایک متوکل آدمی ہے۔ اسے حضور کی طرف سے کوئی زمین انعام میں نہیں ملی۔ ایسے فقیر کی ایذا رسانی سے کیا فائدہ؟ غرض مخلصی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مبارک کا بخت خفتہ بیدار ہوا اور پہلے فیضی اور پھر ابوالفضل کی دربار تک رسائی ہو گئی۔ اب تینوں باپ بیٹوں کی یہ حالت تھی کہ شب و روز علماء سے انتقام لینے کے لئے دانت پیس رہے تھے اور ایسے منصوبے سوچتے رہتے تھے کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور کو نیچا دکھائیں۔ ان ایام میں مبارک کی بھی دربار میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مبارک سے کہا کہ جہاں علماء باہم مختلف الخیال ہوں وہاں کون سا مسلک اختیار کرنا چاہیئے؟ اس نابکار کو شر انگیزی کا سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کہنے لگا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہیں۔ اختلافی مسائل میں حضور جو مصلحت وقت دیکھیں۔ حکم فرمائیں۔ حضور کو ان ملانوں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو

پھر ان ملاؤں سے مجھے کلی نجات دلا دو۔ مبارک یہ پٹی پڑھا کر واپس آیا اور جھٹ مسودہ تیار کر کے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ اس محضر نامہ میں لکھا تھا کہ عادل بادشاہ مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے۔ معاملات شرعی میں اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے اور کسی کو اس کی رائے سے اختلاف وانکار کی مجال نہیں۔ کیونکہ امام عادل مذہبی معاملات کو مجتہدین سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے وہ دنیا عقبیٰ میں عذاب وعقاب کا سزاوار ہے۔ امام عادل اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔ جو نصوص اور احکام قطعی الثبوت کے خلاف ہو۔ بشرطیکہ اس کی نظر میں اس کے اندر خلق کی رفاہیت ہو اور ایسے اجتہادی احکام میں ہر شخص پر امام عادل کا اتباع واجب ہے اور اس امام عادل سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ علماء کو اس محضر نامہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اسلام اور علماء اسلام کے حق میں اس فتنہ کی بھی وہی حیثیت تھی جس میں علماء مامون عباسی کے عہد میں مبتلا کئے گئے تھے۔ اکبری محضر نامہ پر مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی صدر الصدور قاضی القضاۃ قاضی جمال الدین ملتانی، صدر جہاں، شیخ مبارک ناگوری اور غازی خاں بدخشی کی مہریں اور دستخط ثبت کرائے گئے۔ ان میں سے بعض نے توطیب خاطر اور بعض نے طوعاً و کرھاً دستخط کئے تھے۔ لیکن وہ علمائے راسخین جن کے دین کی راہ میں قدم ہمت استوار ہے۔ انہوں نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کیا اور انکار کے صلہ میں اپنے تئیں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی عقوبتیں سہنے کے لئے پیش کر دیا۔ مجتہد اعظم تھر تھر کانپنے لگا لیکن اس ستم ظریفی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ ایک جاہل مطلق جو لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مجتہد اعظم بن بیٹھے اور اسے نصوص اور قطعی الثبوت احکام میں ترمیم و تنسیخ کا حوصلہ ہو۔ بعض لوگوں میں علمی بے مائیگی کے باوجود خطابت کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ لیکن اکبر اس قوت واستعداد سے بھی قطعاً عاری تھا۔ چنانچہ بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اکبر نے سنا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور بعض سلاطین ذوی الاقتدار مثلاً امیر تیمور صاحبقران اور مرزا الغ بیگ وغیرہم خود خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس لئے وہ بھی اپنے مجتہد اعظم ہونے کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لئے غرہ جمادی الاوّل ۹۸۷ھ کو جمعہ کے دن جامع مسجد فتح پور میں جو قصر شاہی کے پاس تھی منبر پر جا چڑھا اور خطبہ دینا چاہا۔ لیکن بمشکل ایک دو لفظ منہ سے نکالے تھے کہ زبان بند ہوگئی اور بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آخر سخت تشویش واضطراب کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہوئے فیضی کے یہ شعر دوسروں کی مدد سے نیم تمام پڑھ کر منبر سے اتر آیا اور حافظ محمد امین خطیب کو امامت کا حکم دیا۔ وہ بیت یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروے داد	دل داناو بازوئے قوی داد
اس خدا نے ہمیں ایسا بادشاہ عطا کیا	جس کا دل دانا اور بازو طاقتور ہے۔
بعدل وداد مارا رہنموں کرد	بجز عدل از خیال ما بروں کرد
اس نے ہمیں عدل وانصاف کے ذریعے راستہ دکھایا،	اور عدل کے سوا ہر خیال سے ہمیں پاک کر دیا۔
بودو صفش زحد فہم برتر	تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

اس کی صفات انسان کی فہم وطاقت سے بھی بلند تر ہیں، بلند ہے اُس کا مقام—اللہ اکبر!

مبارک کا تیار کردہ محضر نامہ اسلامی احکام کے سراسر منافی تھا۔ اس لئے علمائے دربار کا فرض تھا کہ وہ عواقب و نتائج سے خالی الذہن ہو کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے۔ جان چلی جاتی مگر اس محضر کو مسترد کرتے۔ لیکن انہوں نے اکبر کے دباؤ میں آکر دستخط کر دیئے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودلی۔ اس محضر کے رو سے نہ صرف حاملین شریعت عضو معطل بن کر رہ گئے۔ بلکہ سرے سے شریعت مطہرہ ہی بالائے طاق رکھ

دی گئی۔ کیونکہ احکام شرع کی جگہ اکبر کا حکم ناطق ہو گیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو مبارک اور اس کے بیٹوں کو اپنے حریف علماء کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔ اس دن سے ابوالفضل اور فیضی دربار کے سیاہ و سپید کے مالک ہو گئے۔ علماء کی مسند عزت الٹ گئی اور مبارک کے گھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

اسلام سے علانیہ بغاوت

اکبر نے یہ فتویٰ حاصل کر کے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے گمراہ مصاحبوں کی مدد سے احکام الٰہی میں قطع و برید شروع کر دی اور انسانی عقل نارسا کو وحی الٰہی پر ترجیح دی گئی۔ اسلام پر تعریض کرتے ہوئے دین حق کو تقلیدی مذہب سے تعبیر کرنے لگے اور یہ کہنا شروع کیا کہ اہل علم اور اصحاب بصیرت تمام ادیان میں موجود ہیں اور ارباب ریاضت و کشف و کرامات دنیا کے ہر گروہ میں پیدا ہوتے ہیں اور حق و صدق ہر جگہ دائر وسائر ہے۔ پس اسے ایک ہی دین وملت میں جسے ظاہر ہوئے ابھی ہزار سال کا زمانہ بھی نہیں گذرا کیوں محدود رکھا جائے؟ ایک کے اثبات اور دوسروں کی نفی سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے اتنا نہ سمجھا کہ حق و صدق تمام مذاہب میں موجود ہے تو اختلاف کی صورت میں کسی نہ کسی مسلک کو غلط قرار دینا ناگزیر ہو گا۔ مثلاً اہل اسلام مانتے ہیں کہ دنیا کا موجودہ نظام ایک نہ ایک دن تباہ ہو جائے گا اور لوگوں کو عالم آخرت میں ان کے عملوں کی جزا ملے گی۔ ہنود کا خیال ہے کہ اعمال کی جزا دنیا ہی میں بصورت تناسخ ملتی رہتی ہے اور ملتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مختلف عقیدوں میں سے ایک نہ ایک ضرور غلط ہے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی لغو ہے کہ اسلام اس وقت سے عرصۂ وجود میں آیا۔ جب کہ سید العرب والعجم حضرت محمد مصطفی ﷺ نے مبعوث ہو کر اس عالم ظلمانی کو منور فرمایا۔ کیونکہ اسلام اس وقت سے چلا آتا ہے۔ جب کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کا منصب عطاء فرمایا گیا تھا۔ گمراہی کی طرف ایک اور قدم یہ تھا کہ اکبر کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے سوء ظن پیدا کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس فساد عقیدہ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص ملا یزدی جسے ملا یزیدی کہا کرتے تھے خراسان کی طرف سے آکر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگا اور کمال ڈھٹائی سے بہت سی ناروا باتیں ان نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کیں۔ یہ اتہامات سن کر بادشاہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے بدعقیدہ ہو گیا۔ یزدی نے چاہا کہ بادشاہ کو رافضی بنا لے۔ لیکن جب ابوالفضل حکیم ابوالفتح اور بیر بل کو معلوم ہوا تو وہ آدھمکے اور بادشاہ سے کہنے لگے جہاں پناہ! آپ سنی شیعہ کے قصوں میں نہ پڑیئے۔ سرے سے نبوت وحی معجزہ کرامت وغیرہ ہی بے بنیاد اور ملانوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ یہ سن کر جاہل بادشاہ کو خود مذہب کی طرف سے شک پڑ گیا۔ ابوالفضل نے بادشاہ سے کہا کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب تقلیدی اور غیر معقول چیزیں ہیں۔ دین کا مدار تو نقل کے بجائے عقل پر ہونا چاہئے۔ لیکن ایسے عقل فروشوں کو معلوم نہیں کہ اگر انبیاء کی تعلیمات سے دست بردار ہو جائیں تو خسران اخروی سے قطع نظر خود دنیا میں بھی انسان بہائم ووحوش سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

ہر خیالے کہ عقل شاں بندد   چرخ بر عقل اہل آں خندد

جو خیال اُن لوگوں کی عقل کو بند کر دیتا ہے (یعنی جس میں وہ پھنس جاتے ہیں)، آسمان خود اُن کی عقل پر ہنستا ہے (یعنی وہ اپنی حماقت سے دنیا میں مذاق بن جاتے ہیں)۔

اور عقل انسانی کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان جس جماعت اور جس قسم کی صحبت میں نشو و نما پاتا ہے۔ اسی کے قالب میں اس کے قوائے عقلیہ ڈھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ نقلی اور تقلیدی ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر آپ

کو معلوم ہو گا کہ ابو الفضل اور دوسرے اشقیاء نے اکبر کو احمق بنا کر جو مضحکہ خیز عقلی مذہب بنام دین الٰہی بنایا تھا اور جس کی بناء محض چند ملحدانہ خیالات اور عقلی ڈھکوسلوں پر رکھی تھی۔ وہ اکبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی کس طرح قعر گمنامی میں مستور ہو گیا؟

رنڈیوں کی کثرت

اکبر شاہ نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال اعلان کیا کہ بعثت پیغمبر ﷺ کو ہزار سال کا زمانہ جو دین محمدی کی مدت بقاء تھی گذر چکا۔ اس لئے (معاذ اللہ) اسلام کے احکام وارکان باطل ہو گئے اور ان کی جگہ اکبری دین کے ضوابط و قواعد نافذ ہوتے ہیں۔ ہجرت کے ہزارویں سال جو سکے تیار ہوئے حکم دیا کہ ان پر ہزار سال کی تاریخ ثبت کریں۔ رعایا کے لئے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ مے خواری جائز ہو گئی۔ لیکن اس جواز کی یہ شرط قرار دی گئی کہ مستی مفرط نہ ہو اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کرے گا۔ اسے سزا دی جائے گی۔ اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھنے کے لئے شراب فروشی کی سرکاری دکان کھولی گئی اور آب حرام کا سرکاری نرخ مقرر ہو گیا۔ بااپں ہمہ بڑے بڑے فتنے اور فساد رونما ہوتے رہتے تھے۔ دین اکبری میں زنا بالکل جائز فعل تھا اور اس دور حکومت کی ایک بڑی برکت یہ تھی کہ ہزاروں لاکھوں عورتوں نے عفت وحیا کی چادر اتار کر فاسقانہ زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ لیلائے اکبر کے قیس جناب محمد حسین آزاد صاحب بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ خصوصاً دارالخلافہ میں (دربار اکبری ص ۷۶) فتح پور میں خلیفۃ المسلمین یہیں رہتا تھا۔ اس لئے دارالخلافت سے آزاد صاحب کی مراد دارالحکومت سمجھنی چاہئے۔ آسمان کے ستاروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے آزاد صاحب کی غرض ایک تو اظہار کثرت تھی۔ دوسرے شاید یہ بھی مقصد ہو کہ اکبری دور کی رنڈیاں کوئی تھرڈ کلاس عورتیں نہیں تھیں۔ بلکہ یہ عشوہ فروش جھلملاتے تاروں کی طرح منور و درخشاں تھیں اور یہ کہ جس طرح ستارے آسمان کی زیبائش کا باعث ہیں۔ اس طرح یہ رنڈیاں اکبری دور حکومت کی زینت وآرائش تھیں۔ الغرض شہر فتح پور سے باہر ایک بازار تعمیر کر کے اس میں رنڈیاں بٹھائی گئیں اور اس چکلہ کا نام شیطان پورہ رکھا گیا۔ اس اہتمام کے لئے ایک داروغہ متعین کیا گیا تاکہ جو کوئی ان سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے مکان پر لے جائے اپنا نام درج کرادے۔ اگر کوئی اچھوتی اور مرد نارسیدہ رنڈی چکلے میں داخل ہوتی تھی اور اس کا خواستگار مقربان بارگاہ میں سے کوئی رئیس ہوتا تھا تو اس کے لئے داروغہ کو براہ راست بادشاہ سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ ڈاڑھی منڈانا بھی شریعت اکبری کا ایک موکد حکم تھا۔ ریش تراشی کی تمسخر انگیز دلیل یہ پیش کی گئی کہ ڈاڑھی خصیوں کی رطوبت جذب کر لیتی ہے اور اس طرح قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابتداء ملازمت میں حکیم ابو الفتح نے میری ڈاڑھی مقدار معہودہ سے چھوٹی دیکھی تو ابو الغیث بخاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لئے ڈاڑھی کا کم کرانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔ کہنے لگا اچھا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ نہایت نازیبا حرکت ہے اور چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود اس ناصح نے اکبری احکام کے ماتحت ڈاڑھی بالکل صفاچٹ کرادی۔

دین اکبری میں خنزیر کی طرف دیکھنا عبادت تھا

دین اکبری میں کتا اور خنزیر دونوں جانور حلال وطیب تھے۔ یہ جانور حرم سلطانی میں اور شاہی محل کے نیچے بندھے رہتے۔ ہر صبح ان کی طرف دیکھنا عبادت تھا۔ واقعی یہ لوگ اسی قابل تھے کہ علی الصباح ان کی پہلی نظر کتے اور خنزیر پر پڑتی۔ ہنود نے اکبر بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ خنزیر بھی ایک اوتار ہے اور وہ ان دس مظاہر میں سے ایک ہے جن میں (معاذ اللہ) ذات باری نے حلول کیا ہے۔ بعض امراء کا یہ معمول تھا کہ اپنے کتوں کو

دستر خوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ درست ہے **کند ہم جنس باہم جنس پرواز** اور عقل و خرد کے بعض دشمن بڑے فخر و مباہات سے کتے کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستے تھے۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کتے کتوں کا منہ چاٹا ہی کرتے ہیں۔

بگو بامیر کاندر پوست سگ داری وجیفہ ہم　　　　سگ از بیرون در گرود تو ہمکاسہ بگر دانش

اے امیر! اسے جا کر بتادو کہ تو کتے کی کھال پہنے ہوئے ہو اور مرا ہوا گوشت (حرام لقمہ) کھاتا ہے، کتے کو تو دروازے سے باہر نکال دیتے ہو، مگر خود اس کے پیالے ہی کے گرد چکر لگاتے ہو!

غسل جنابت کی فرضیت بھی اڑادی گئی۔ اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان کا خلاصہ نطفۂ منی ہے۔ جو نیکوں اور پاکوں کا تخم آفرنیش ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ پیشاب اور پاخانہ سے تو غسل واجب نہ ہو اور منی جیسی لطیف شے کے اخراج سے غسل ضروری ہو جائے۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کریں۔ اس کے بعد مجامعت میں مشغول ہوں۔ اس کے متعلق معلوم ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو حدث سے پاک ہونا۔ دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کی نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنا۔ تیسرے بدن پر جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان سے طہارت حاصل کرنا جیسے موئے زیر ناف ناخن یا میل کچیل۔ شریعت اسلام نے طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لئے اس بناء پر مقرر کیا کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر التلوث ہے۔ تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں مبتلا ہونے کے بعد ایک عمل شاق یعنی غسل سے تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر یعنی پیشاب پاخانہ کے لئے مقرر فرمایا۔ کیونکہ وہ کثیر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہو چکا ہو وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں۔ ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت ہوتی ہے اور اس حالت سے جس کو طہارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سرور اور انشراح صدر محسوس ہونے لگتا ہے۔ مجامعت کے بعد غسل ایک ایسا عمل ہے۔ جس پر ملل سابقہ یہود، نصاریٰ، مجوس وغیرہ بھی ہمیشہ سے عمل پیرا چلی آئی ہیں۔ پیشاب اور پاخانہ کا تعلق سارے جسم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختص المقام فضلات ہیں۔ اس لئے ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہی دو نجس مقامات کا دھولینا کافی سمجھا گیا۔ مگر مجامعت کا تعلق تمام جسم سے ہے۔ اس لئے حکیم یکتا کی حکمت نوازی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کے بعد تمام جسم کو دھویا جائے۔ عضو تناسل جو ایک نجس مقام میں داخل ہو کر کثافت آلود ہو جاتا ہے۔ بظاہر اسی کا دھولینا کافی تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ فعل جماع میں تمام اعضاء برابر کے شریک ہو کر متاثر ہوتے ہیں۔ غسل ضروری قرار دیا گیا۔ اکبری شرع میں خنزیر اور شیر کا گوشت کھانا مباح تھا۔ اباحت کی علت یہ قرار دی گئی کہ ان کے کھانے سے انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے؟ لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ کیونکہ شجاعت وبسالت میں خنزیر خور قومیں دوسروں سے فائق نہیں ہیں۔ دنیا میں چین کے اندر خنزیر سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔ لیکن انکا شمار دنیا کی پست و کم ہمت اقوام میں ہے۔ لحم خنزیر فساد عقل کا مورث ہے اور اس کا کھانے والا دیوث وبے غیرت ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اور بہت سی دوسری مضرتیں جو کتب طب میں مذکور ہیں۔ اس میں موجود نہ ہوتیں تو بھی اس کا کھانا کسی طرح روا نہ تھا۔ کیونکہ سور نہایت کثیف جانور ہے۔ اس کو نجاست خوری میں جو شغف وانہاک ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خون کا ہر قطرہ اور جسم کا ہر عضو نجاست ہی سے نشوونما پاتا ہے اور شیر کا گوشت کھانے والا اس حد تک درشت خو، سنگ دل اور قسی القلب ہو جاتا ہے کہ انجام کار اس میں اور خونخوار بھیڑیئے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

اسلامی عبادات کا تمسخر

اکبر کے شریعت گروں نے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے زعم میں میلان کم ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مجوس کے بعض فرقوں میں ماں، بہن، خالہ، پھوپھی جیسی محرمات سے بھی شادی جائز ہے۔ اس کے برعکس ہنود میں دور کے رشتہ داروں سے بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے جاتے۔ لیکن یہ دونوں قومیں افراط سے ہمکنار ہیں۔ صحیح اور معتدل طریقہ وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ چچا، پھوپھی وغیرہ کی بیٹیوں کی طرف یقیناً میلان ہوتا ہے اور جن عورتوں کی طرف میلان نہیں ہوتا ان سے شادی کرنے کی خود شریعت حقہ نے ممانعت فرمادی ہے۔ آئین اکبری میں مستطیع مردوں کے لئے سونے چاندی کا زیور اور ریشمین لباس ضروری قرار دیا تھا۔ حالانکہ یہ زنانہ زینت کی چیزیں ہیں۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں نے ممالک محروسہ کے اکبری مفتی کو دیکھا کہ اس نے خالص ریشمین لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے کہا شاید آپ کو اس کے جواز کی کوئی روایت مل گئی ہو گی؟ کہنے لگا ہاں جس شہر میں ریشمین لباس رائج ہو جائے وہاں اس کا پہننا مباح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مفتی مفت خور کا اپنا دماغی اختراع تھا۔ شریعت محمدی نے مرد کے لئے ریشمین لباس کسی حالت میں جائز نہیں رکھا۔ نماز، روزہ، حج، کو پہلے ہی ساقط کیا جا چکا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ملا مبارک نام ایک ولد الزنا نے جو ابوالفضل کا شاگرد رشید تھا ایک رسالہ لکھ کر نماز وغیرہ اسلامی عبادات کا تمسخر اڑایا۔ اہل ارتداد میں یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور مؤلف پر تحسین وآفرین کے پھول برسائے گئے۔ ہجری تاریخ برطرف کر دی گئی اور ملوک عجم کی طرح اکبر کی ابتداء جلوس یعنی ۹۶۳ھ سے تاریخ شروع کی گئی۔ زریشیوں (پارسیوں) کی طرح عیدین سال میں چودہ مقرر کی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی۔ البتہ جمعہ کا دن بحال رہنے دیا گیا۔ تاکہ ضعیف العمر لوگ جا کر اکبر شاہی خطبہ سن لیا کریں۔ برس اور مہینہ کا نام سال الٰہی اور ماہ الٰہی رکھا گیا۔ مہر پر اس غرض سے ہزار کی تاریخ ثبت کی گئی کہ وہ (معاذ اللہ) انقراض دین متین محمدی ﷺ پر دلالت کرے۔ عربی زبان فقہ، تفسیر، حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور جاننا عیب میں داخل ہو گیا اور علوم نجوم طب ریاضی شعر گوئی، تاریخ وافسانہ کی ترویج ہوئی۔ عربی زبان کے خاص حروف مثلاً ثا خا عین صاد ضاد طا قاف تلفظ سے برطرف کر دیئے گئے۔ عبداللہ کو ابداللہ اور قوم کو کوم تلفظ کیا گیا۔ یہ دشمنان دین شاہنامہ کے دو بیت جنہیں فردوسی طوسی نے بطریق نقل درج کیا ہے۔ اپنے استدلال میں پیش کرتے تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو باد بر چرخ گرداں تفو

یہ مشہور فارسی شعر **فردوسی شاہنامہ** سے منسوب ہے، جس میں شاعر نے عرب فتوحات پر سخت طنزیہ ردِّ عمل ظاہر کیا ہے۔

اونٹ کا دودھ پینے اور چھپکلیاں کھانے والی قوم (یعنی صحرائی عرب) آج اس مقام تک پہنچ گئی ہے،

کہ وہ اہلِ عجم (ایرانیوں) کی سلطنت پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھنے لگی ہے۔ افسوس! گردشِ زمانہ پر تھوکنے کو جی چاہتا ہے (یعنی زمانہ کتنا بدل گیا ہے!)۔

تمام اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، رویت، تکلیف و تکوین، حشر و نشر سے تمسخر واستہزاء کیا جاتا اور اگر کوئی مسلمان جواب دینا چاہتا تو اکبری ملاعنہ اسے شکنجۂ عذاب میں کس دیتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ کی شان پاک میں دریدہ دہنی کی جاتی تھی۔ ارباب تصنیف خطبۂ کتاب میں حمد الٰہی کے بعد بادشاہ کے لمبے چوڑے القاب لکھتے تھے اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کا اسم گرامی لکھ سکے۔ گو مذہب کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ تاہم اہل سنت وجماعت کے مقابلہ میں رفض کی تائید کی جاتی تھی۔ اس بناء پر شیعہ غالب اور اہل سنت مغلوب تھے اور عام حالت یہ تھی کہ اخیار

خائف اشرار یمن، مقبول مردود، مردود مقبول، نزدیک دور اور دور نزدیک ہوگئے تھے۔ عامۃ الناس بات بات میں اللہ اکبر کہتے تھے اور تکبیر خالق کردگار کی تکبیر نہیں تھی۔ بلکہ اکبر اکفر کے نام کی تکبیر بلند کی جاتی تھی۔

اہل علم وفضل کا میخواری پر مجبور کیا جانا

مجالس نوروزی میں اکثر علماء وصلحاء، قاضیوں اور مفتیوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور قدح نوشی پر مجبور کرتے تھے۔ رندوں کی بزم میں مے خوار شراب نوشی کے وقت کہتے تھے کہ میں اس پیالہ کو کوریٔ فقہاء کے ساتھ پیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبری دور الحاد میں لوگوں کا ایمان بھی بہت کچھ کمزور ہوگیا تھا۔ گو سرکاری علماء، اوائل میں جام بادہ کو بحالت مجبوری اور سخت نفرت واستکراہ کے ساتھ منہ سے لگاتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ حالت جاتی رہی۔ چنانچہ ابوالفضل اکبر نامہ میں پینتیسویں جلسوس کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس مہینہ کے جشن میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ میر صدر جہاں مفتی میر عبدالحیٔ اور میر عدل نے بھی ایک ایک ساغر اڑایا۔ یہ دیکھ کر گیتی خدیو (اکبر) نے یہ شعر پڑھا

دردور پادشاہ خطابخش وجرم پوش　　قاضی قرابہ کش شدو مفتی پیالہ نوش　　(اکبر نامہ ج۳ص۳۸۹)

بادشاہ کے زمانے میں خطائیں بخش دینے اور جرائم پر پردہ ڈالنے کا رواج ہوگیا ہے،　　قاضی رشتہ داروں کا طرف دار بن گیا ہے، اور مفتی شراب نوشی میں مشغول ہوگیا ہے۔

غرض یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبدہ تھا کہ مولوی کہلانے والے لوگ بھی علی رؤس الاشہاد منہیات ومحرمات کے مرتکب ہوتے تھے۔ لیکن یہ وہ علماء جن کے قدم ہمت دین کی راہ میں استوار تھے وہ اب بھی پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھے۔

ابوالفضل کی طرح اس کا باپ مبارک بھی بڑا ملحد و بے دین تھا۔ ایک مرتبہ وہ بادشاہ کے سامنے بیربر سے کہنے لگا کہ جس طرح تمہاری کتابوں میں تحریفات ہیں۔ اسی طرح دین اسلام میں بھی بہت تحریفات ہوچکی ہیں۔ اس لئے اسلام شایان اعتماد نہیں رہا۔ لیکن یہ ناہنجار اتنا نہ سمجھ سکا کہ اگر دین اسلام بھی تحریفات سے ہمکنار ہے تو پھر دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں رہ جاتا جو بے داغ اور قابل اتباع ہو۔ اکبری ملاحدہ نے اکبر شاہی دین اختراع کیا تھا۔ لیکن ہر ذی ہوش اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ وہ محض فواحشات کا مجموعہ اور بدمعاشیوں کا مصدر ومعدن تھا۔ اس سال قاضی جلال الدین ملتانی فتح اللہ خاں بدخشی کے ساتھ جو نہایت متعصب اور بدمذہب رافضی تھا۔ بدیں خیال دکن بھیج دیا گیا کہ وہاں کے حکام کو رفض میں بڑا تعصب وغلو ہے۔ وہ لوگ قاضی جلال الدین کو انواع عقوبت ورسوائی کے ساتھ قصر ہلاک میں ڈال دیں گے۔ لیکن جب انہیں روافض نے دیکھا کہ قاضی جلال الدین اسلام میں راسخ قدم اور کذابوں کے خلاف کلمۂ حق کے اظہار میں سیف قاطع ہیں تو رفض کو چھوڑ کر ان کے معتقد ہوگئے۔ یہاں تک کہ انہیں مدد معاش کے لئے متعدد گاؤں دیئے اور ان کی خدمت گذاری کو سعادت اور ان کی خاک پا کو سرمہ چشم یقین کرنے لگے۔ اکبری دین میں دوسرے فواحش کی طرح جوا بھی حلال تھا۔ دربار میں ایک قمار خانہ قائم کیا گیا اور قمار بازوں کو خزانۂ عامرہ سے سود پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا۔ شیخ تاج الدین نام ایک مبتدع کو اہل تصوف کے شطحیات پر بڑا عبور تھا۔ بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اس کو بلا بھیجا رات کو اس سے شطحیات سنا کرتا۔ اسی طرح مسئلہ وحدت وجود جو عوام الناس کو اباحت والحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ درمیان میں لایا گیا اور اس سے ملحدانہ استدلال کئے جانے لگے اور لطف یہ کہ گم کردگان راہ ان خرافات وکفریات کو دین الٰہی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

وہ الٹا نام رکھ دیتے ہیں ــــ سیاہ فام (زنگی) کو "کافور" کہتے ہیں!

مفہوم: اصل میں طنز ہے کہ کسی چیز کی حقیقت اس کے برعکس ظاہر کرنا، یا کالی چیز کو سفید نام دینا، یعنی حقیقت بدل کر دکھا

لاہور میں خنزیروں کی لڑائی

اکبر نے منادی کرادی تھی کہ کوئی مسلمان پندرہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بیٹے کا ختنہ نہ کرے۔ تاکہ اس عمر پر پہنچ کر وہ اپنے لئے جس دین کو چاہے پسند کرلے۔ پادری پیریئے کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ نے ۳ر ستمبر ۱۵۹۵ء کو پادری پنہیرو کے نام ایک خط لاہور سے بھیجا جس میں لکھا کہ میں نے اس ملک میں اسلام کا نام نشان نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ لاہور میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں رہی۔ جسے مسلمان استعمال کر سکیں۔ تمام مسجدیں میرے حکم سے اصطبل اور گودام بنادی گئی ہیں۔ اکبر بادشاہ فتح کشمیر کے بعد لاہور چلا آیا تھا اور سالہاسال یہیں رہ کر فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہا۔ پادری پیریئے لکھتاہے کہ لاہور میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کا متبرک دن ہے اکبر کے سامنے چالیس پچاس خنزیر لاکر باہم لڑائے جاتے تھے۔ اس نے ان کے اگلے دانتوں پر سونے کے پترے چڑھوا رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سوروں کی لڑائی کا مقصد محض اسلام کی تحقیر تھی۔ کیونکہ مسلمان خنزیر کو نہایت ناپاک سمجھتے ہیں۔(اکبر اینڈ دی جیزٹس مطبوعہ پلائی ماؤتھ ص ۶۷)

یہ بدنصیب جس قعرِ ہلاک میں خود پڑا تھا دوسروں کو بھی اسی ورطہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اکبر اور اس کے ندیم قطب الدین خاں اور شہباز خاں سے جو اعلیٰ عہدہ دار تھے کہنے لگے کہ دین اسلام کی تقلید چھوڑ دو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ قطب الدین خاں اکبر سے کہنے لگا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ مثلاً سلطان روم وغیرہ جو دین اسلام کے عاشق زار ہیں۔ یہ باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اکبر کہنے لگا کہ تو سلطان روم کا نمائندہ بن کر اس کی طرف سے ہمیں دھمکی دیتا ہے؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے جاکر سلطان کے پاس کوئی عہدہ حاصل کرلوگے۔ اگر یہی خیال ہے تو اچھا وہیں چلے جاؤ۔ جب شہباز خاں کو دین اسلام سے دست بردار ہونے کی ترغیب دی گئی تو وہ بڑا بگڑا۔ بیر بر لعین دین حنیف کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور علانیہ گالیاں دینے لگا۔ شہباز خاں کی رگ غیرت جوش میں آگئی اور ڈانٹ کر کہا اے کافر ملعون! تو بھی اسلام کو مطعون کرنے کا منہ رکھتا ہے؟ اچھا ہم تجھے سمجھ لیں گے۔ غرض دربار میں بہت ہلچل مچی اور تو تو میں میں ہوئی۔ اکبر شہباز خاں سے بالخصوص اور دوسروں سے بطریق اجمال کہنے لگا کہ میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ نجاست بھری جوتی لاکر تمہارے منہ پر ماریں۔ یہ سن کر قطب الدین خاں اور شہباز خاں دربار سے چلے آئے۔ ایک مرتبہ اعظم خاں جو خان اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ گجرات سے فتح پور آیا اور یہ دیکھ کر کہ دربار اکبری کا مذہبی زمین وآسمان ہی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ اسے سخت حیرت ہوئی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اہل دربار کے مارقانہ اقوال وافعال پر بے تحاشہ اعتراض کر کے صدق گوئی اور نہی ومنکر کا حق ادا کیا۔ اکبر کو یہ مداخلت سخت ناگوار ہوئی۔ حکم دیا کہ خان اعظم اتنے دن تک کورنش کے لئے نہ آئے اور اس پر اس غرض سے چوکیدار مقرر کردیئے کہ عمایدِ سلطنت میں سے کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے۔ اس کے بعد محض اس جرم میں کہ کلمۂ حق زبان پر لایا۔ معزول کر کے اسے آگرہ بھیج دیا۔ وہ بیچارہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے باغ کے ایک زاویہ تنہائی میں جابیٹھا۔ غرض اس سیل الحاد میں کشتی شکستگان اسلام کا ملجا وماوی بجز ذات رب العالمین کے اور کوئی نہ تھا۔

اکبر کے مرید

اکبر نے مشائخ طریقت کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص کسی سے بیعت نہ لے اور اگر کسی کی نسبت معلوم ہو تا کہ وہ پیری مریدی کرتا ہے یا اس کے ہاں

مجلس سماع قائم ہوتی ہے تو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا یا بنگالہ کی طرف جو اس زمانہ میں کالے پانی کا حکم رکھتا تھا جلاوطن کر دیا جاتا۔ مشائخ کی جگہ بادشاہ لوگوں سے خود بیعت لینے لگا۔ اکبر کے مرید جو چیلے کہلاتے تھے ترک چہار گانہ کا اقرار کرتے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین جو شخص صفات چہار گانہ سے متصف ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا مکمل مرید خیال کیا جاتا تھا اور جس میں ایک یا دو یا تین صفات ہوتے تھے وہ چوتھائی آدھا یا پون مرید ہوتا تھا۔ بیربر کا دعویٰ تھا کہ میں صفات چہار گانہ کا حامل اور پورا مرید ہوں۔ لیکن اس کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ بہن بیٹی تک سے بھی درگزر نہیں کرتا تھا۔ بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی آکر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھی۔ بعض مشائخ طریقت میں شجرہ کارواج ہے۔ اکبر شجرہ کی جگہ مریدوں کو اپنی تصویر دیتا تھا۔ اس تصویر کا پاس اور زیر زیارت رکھنا بہت کچھ رشد وسعادت اور ترقی اقبال کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ مرید اس تصویر کو ایک غلاف میں لپیٹ کر جو جواہر سے مرصع ہوتا تھا عمامہ کے اوپر ڈالے رہتے تھے۔ اکبر نے اسلامی سلام کو بھی برطرف کر دیا تھا۔ سلام کی جگہ معمول تھا کہ جب اکبری مرید آپس میں ملاقات کرتے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ پکارتا۔ یہ لوگ جس وقت اور جہاں کہیں اکبر کو دیکھتے سربسجود ہو جاتے اور صرف انہی ارادت مندوں پر موقوف نہیں۔ رعایا میں سے ہر شخص سجدہ کا مامور تھا۔ سجدہ کو یہ لوگ زمین بوس کہتے تھے۔ رعایا کو سجدہ پر سخت مجبور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ دنیا کے خالق ورازق اور احکم الحاکمین کا اصل حق ہے۔ اسلام نے مساوات کا جو اصول قائم کیا ہے۔ اس کے رو سے بادشاہ ورعایا امیر وغریب اعلیٰ وادنیٰ سب کا ایک درجہ ہے۔ لیکن اکبر کے دربار میں بجز طریقہ عبودیت کے کوئی شخص کچھ عرض معروض نہیں کر سکتا تھا۔ شعراء اکبر کی مدح وتوصیف کہہ کر لاتے تھے اور اسے خدائے واحد کا ہمسر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاتا تھا۔ اکبر ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ جو اسے خدائے برتر کا مظہر بتاتے یا دین حنیف سے اظہار برأۃ کرتے تھے۔ انجام کار ارتداد وبے دینی نے یہاں تک خوفناک صورت اختیار کر لی کہ بہت سے اہل ارتداد جیسے مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے اعداء اللہ نے اس مضمون کے خطوط لکھ کر اکبر کے پاس بھیج دیئے کہ میں جو فلاں بن فلاں بن فلاں ہوں۔ طوع ورغبت اور شوق قلبی کے ساتھ دین اسلام سے کہ مجازی اور تقلیدی ہے اور اپنے آباء واجداد سے حاصل کیا تھا۔ اظہار بیزاری کرتا ہوں اور اس سے کلیۃً منقطع ہو کر دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوتا ہوں اور اخلاص کے چہار گانہ مراتب ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔ اس مضمون کے لعنت نامے جن لوگوں نے لکھ کر مجتہد جدید اکبر کو دیئے تھے وہ دربار اکبری میں بڑے معزز ومحترم تھے۔

اکبر کا سب سے بڑا مرید

اکبر کا سب سے بڑا مرید جو فی الحقیقت اس کا گرو تھا۔ ابوالفضل تھا۔ ابوالفضل کا باپ شیخ مبارک ابتدائً سندھ سے نقل مکان کر کے ناگور چلا آیا تھا۔ جو اجمیر سے شمال مغرب میں واقع ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مبارک نے دریائے جمنا کے بائیں کنارے جا کر آگرہ کے بالمقابل بودوباش اختیار کر لی تھی۔ اس کے دونوں بیٹے فیضی اور ابوالفضل یہیں پیدا ہوئے تھے۔ مبارک مذہباً مہدوی تھا۔ یعنی سید محمد جونپوری کو مہدی موعود مانتا تھا۔ فیضی ۹۷۵ھ میں دربار اکبری میں پہنچ کر سلک امراء میں منسلک ہوا۔ اس کے سات سال بعد یعنی ۹۸۲ھ میں فیضی کی سعی وسفارش سے اس کا چھوٹا بھائی ابوالفضل بھی درباریوں میں آشامل ہوا۔ یہی ابولفضل اکبر کا گمراہ کنندہ تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابوالفضل سے راستہ میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ ادیان وملل عالم میں سے کس دین ملت کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہے۔ کہنے لگا میری خواہش ہے کہ کچھ عرصہ وادئ الحاد کی سیر وسیاحت کروں۔ میں نے کہا اگر عقد مناکحت کی قید برطرف کر دو تو کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی — از گردن زمانہ علیٰ ذکرہ السلام

الٰہی تائید سے شریعت کا بوجھ (یا فتنہ وفساد) زمانے کی گردن سے اُتار دیا گیا، علی علیہ السلام کے ذکرِ مبارک کے طفیل۔

یہ سن کر ہنس دیا اور جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ جس طرح ابو الفضل کے دل میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت بھرا تھا۔ اسی طرح ارباب ایمان کو بھی اس سے بڑی نفرت تھی۔ چنانچہ حکیم الملک، ابو الفضل کو فضلہ کہا کرتا تھا۔ اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے حکیم الملک کے لئے جلاوطن کا حکم دیا۔ بیچارے بری طرح نکالے گئے۔ گو ابو لفضل پیروان مذاہب کو اچھا نہیں جانتا تھا۔ لیکن چونکہ اہل سنت وجماعت کا بغض اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ہر باطل مذہب کی تائید ضروری خیال کرتا تھا۔ ملا احمد نام ایک رافضی ابو الفضل کے متوسلین میں سے تھا۔ جو ابو الفضل کی شہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علی رؤس الاشہاد گالیاں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا۔ ملا احمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف سب وشتم کی غلاظت اچھالنے لگا۔ ایک غیور مسلمان مرزا فولاد بیگ برلاس نے اس کو کسی بہانہ سے بلا کر عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کی دو تاریخیں نکالی گئیں۔ ایک یہ تھی، ان زہے خنجر فولاد۔ دوسری یہ تھی خوک سقری۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ وہ کتا کئی دن تک حالت نزع میں دم توڑ تا رہا۔ اس اثناء میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سوّر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ بہت لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ میں بھی گیا تو اسے خنزیر کی شکل میں پایا۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ مرزا فولاد کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں پھرائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور مرحوم نے جنت الفردوس کی راہ لی۔ قاتل مقتول سے تین چار روز پہلے زیر خاک پہنچا۔ ابو الفضل نے اس کی قبر پر محافظ مقرر کر دیئے۔ بااین ہمہ اہل لاہور نے اس کے جسم ناپاک کو قبر سے نکال کر جلا دیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ابو الفضل نے علماء، صلحاء، ضعفاء، یتامیٰ، مساکین سب پر چر کے لگائے تھے۔ جس کسی کو سرکار کی طرف سے مدد معاش ملتی تھی اور وظائف مقرر تھے۔ سب بند کرا دیئے۔ اکثر یہ رباعی پڑھا کرتا تھا۔ رباعی

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش — چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی کھیت میں آگ لگالی، جب میں نے خود ہی یہ کام کیا، تو پھر دشمن سے کیا شکوہ؟

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش — اے وائے من دست این ودامن خویش

میرا کوئی دشمن نہیں—دشمن تو میں خود اپنے آپ ہوں، ہائے افسوس! میرے ہی ہاتھ اور میرا ہی دامن مجھ پر گرفت کر رہے ہیں۔

ہندوپن کا اظہار اور مشرکانہ رسوم کی پیروی

اپنے اختراعی دین کے علاوہ اکبر بہت سی باتوں میں ہنود کا ہمرنگ وہمنواء تھا۔ ان کے اصول دھرم اپنے مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ پرکھوتم نام ایک برہمن دارالسلطنت میں آیا۔ اکبر اس کو خلوت میں لے گیا اور اس سے موجودات کے ہندی نام سیکھے۔ اس طرح ایک برہمن کو جو مہابھارت کا معبر ومفسر تھا۔ ایک چارپائی پر بیٹھا کر اوپر کو اٹھوایا اور اپنی خواب گاہ کے پاس معلق رکھ کر اس سے ہندی افسانے سیکھے اور اس سے بت پرستی، آتش پرستی، آفتاب پرستی اور تعظیم کواکب کی تعلیم لی۔ اسی طرح برہما، مہادیو، بشن، کشن، رام وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا طریقہ معلوم کیا۔

آفتاب کی پرستش

بیربل نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کی تھی کہ آفتاب مظہر تام ہے۔ غلہ، زراعت، میوہ اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی واہل عالم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے بجائے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرف آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گوبر تک جملہ مظاہر کا احترام اور قشقہ اور زنا کی جلوہ گری چاہیئے اور بتایا کہ حکماء وفضلاء کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیرّ اعظم، تمام عالم کا عطیہ بخش اور بادشاہوں کا مربی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر

ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے پیرو اس دن ایسا لباس پہنتے تھے۔ جو سبع سیارہ میں سے کسی کوکب کی طرف منسوب تھا۔ آدھی رات اور طلاع آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی اس دعاء کا ورد کیا جاتا تھا۔ جو اکبر نے برہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصباح بیداری کے بعد شرق رویہ کھڑکیوں میں جا بیٹھتا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لئے مردوں کو قبر میں شرق رویہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا۔ اس کی قبر ایک خاص وضع پر بنائی گئی اور لاش کو بدیں خیال نیرّ اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو محو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹا چکے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرایا گیا تھا۔ شاید اس کا یہ مقصد ہو گا کہ آگ ان گناہوں کو جھلس دے جو منہ نے کئے۔ جب اکبر کے پیرووَں کے سامنے آفتاب کا ذکر آتا تھا تو یہ گم کردگان راہ جلت عظمتہ و عزشانہ کہہ اٹھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو خالق کون ومکان یا کم از کم خالق بیچون کا مظہر گمان کرتے تھے۔ جس طرح ہم لوگ باقاعدہ پانچ وقت خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح دین اکبری کے پیرو روزانہ چار مرتبہ آفتاب کی پوجاپاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ چار اوقات یہ تھے۔ سحر، دوپہر، شام اور نیم شب۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی نام دوپہر کے وقت بحضور قلب پڑھے جاتے تھے۔ طریق عبادت یہ تھا کہ دونوں کانوں کو پکڑ کر تھوڑا سا ہینٹھتے تھے۔ پھر بنا گوش کو مٹھیوں سے آہستہ آہستہ کوٹتے تھے۔ عبادت کے وقت اسی قسم کی بعض اور تمسخر انگیز حرکتیں بھی ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ اکبر اور اس کا ہر چیلا ڈاڑھی منڈاتا اور قدامت پسند ہنود کی طرح پیشانی پر قشقہ لگاتا تھا۔ بھدرا کا بھی پابند تھا۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ مریم مکانی بادشاہ کی والدہ مر گئیں۔ امرائے دربار وغیرہ پندرہ ہزار آدمی نے بادشاہ کے ساتھ بھدرا کیا۔ انایعنی خان اعظم مرزا عزیز کا کلتاش خاں کی ماں مر گئی۔ اس کا بڑا ادب تھا اور نہایت خاطر کرتے تھے۔ خود (اکبر) اور خان اعظم نے بھدرا کیا۔ خبر پہنچی کہ لوگ بھی بھدرہ کروا رہے ہیں۔ کہلا بھیجا کہ اوروں کو کیا ضرورت ہے۔ اتنی دیر میں چار سو سر اور منہ صفاچٹ ہو گئے۔ (دربار اکبری ص ۸۰)

آٹھ پہر میں دو مرتبہ نقارہ بجایا جاتا تھا۔ ایک نصف شب میں اور دوسرا طلوع آفتاب کے وقت مسجدوں اور صومعوں پر ہندو قابض و متصرف ہو گئے۔ مساجد میں نماز باجماعت کی جگہ جماع ہوتا تھا۔ جمعہ کے روز جو مضحکہ خیز اذان دی جاتی تھی۔ اس میں حی علی الصلوٰۃ، حی علیٰ الفلاح کا مذاق اڑانے کے لئے حی علیٰ یللا تللا کہا جاتا تھا۔ اکبر کے چیلے آفتاب کی عبادت کے وقت جب تک جھروکہ میں سے بادشاہ کا چہرہ نہیں دیکھ لیتے تھے مسواک نہیں کرتے تھے اور ہاتھ منہ نہیں دھوتے تھے۔ اس وقت تک پانی اور ناشتہ بھی ان پر حرام تھا۔ ہر کس وناکس کو بار عام تھا کہ وہ بادشاہ کے درشن کے انتظار میں جمع ہو۔ جونہی اکبر نیرا عظم کے ہزار اور ایک نام پڑھنے کے بعد برآمد ہوتا۔ تمام لوگ سر بسجود ہو جاتے۔ برہمنوں نے اکبر کے بھی ہزار اور ایک نام مدون کر دیئے تھے۔ یہ لوگ اپنے اسلام کی زبانی ہندی شعر پڑھ پڑھ کر اکبر کو سناتے تھے اور ان کا مطلب یہ بتاتے تھے کہ ہندوستان میں ایک عظیم القدر بادشاہ پیدا ہو گا۔ جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی محافظت کرے گا اور معمورۂ عالم کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ بادشاہ بالکل جاہل وناخواندہ تھا۔ وہ بوسیدہ و کرم خوردہ کتابیں لا لا کر اسے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ان کتابوں میں آپ کی تعریف لکھ گئے ہیں۔ یہ سن کر اکبر کی باچھیں کھل جاتی تھیں۔ اکبر برہمنوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر قیامت کا منکر ہو گیا تھا۔ برہمنوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ اضمحلال بدن کے بعد طریق تناسخ کے بغیر روح کی بقاء بالکل محال ہے۔

تناسخ کا عقیدہ

جب محرم ۹۹۰ھ میں اعظم خان بنگالہ سے فتح پور وارد ہوا تو اکبر اس سے کہنے لگا کہ ہمیں حقیقت تناسخ کے قطعی دلائل مل گئے ہیں۔ شیخ ابو الفضل وہ دلائل تمہارے ذہن نشین کرے گا۔ یقین ہے کہ تم ان کو سن کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ لیکن ابو الفضل اسے مطمئن نہ کر سکا اور حقیقت یہ ہے کہ تناسخ کے جو دلائل آریہ لوگ یا ان کے ہم خیال پیش کیا کرتے ہیں وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ اکبر تالو کے بال منڈاتا اور دوسرے حصہ سر کے بال رکھتا تھا۔ برہمنوں کی تعلیم کے بموجب اس کا گمان تھا کہ کاملوں کی روح پیشانی کی راہ سے جو وہم و گمان کی گزر گاہ ہے نکلا کرتی ہے۔ برہمنوں نے اکبر کو بتلایا تھا کہ جب تمہاری روح اس کالبد سے نکلے گی تو ایک شی شوکت صاحب اقتدار حکمران کے جسم میں داخل کی جائے گی۔ عجب نہیں کہ بندہ بیراگی یا گورو گوبند سنگھ کے جسم میں اسی اکبر اکفر کی روح آ گھسی ہو۔ چونکہ جوگی لوگ جوق در جوق آتے رہتے تھے اور اکبر ان کے فیض صحبت سے سعادت اندوز ہوتا تھا۔ اکبر نے ان کے قیام کے لئے ایک محلہ آباد کرا دیا تھا۔ جسے جوگی پورہ کہتے تھے۔ بادشاہ رات کے وقت اپنے چند ندیموں کے ساتھ جوگی پورہ جاتا۔ ان کے پاس بیٹھتا اور ان کے مجہولات حقائق اور مخصوص جوگیانہ اشغال سیکھتا۔ سال میں ایک مرتبہ جوگیوں کا میلہ لگتا۔ جسے سیورات کہتے تھے۔ اکبر ان کے پاس جا کر ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوتا تھا۔ جوگیوں نے اکبر کو یقین دلایا تھا کہ تم عمر طبعی سے چہار چند عمر پاؤ گے۔ اکبر نے اس بشارت کے بعد ان کی تقلید و موافقت کے خیال سے اکل و شرب اور مباشرت میں کمی کر دی تھی۔ خصوصاً گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ عمر طبعی اسی سال ہی لی جائے تو اکبر عمر طبعی کو بھی نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ وہ ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۶۰۵ء میں مرا۔ اس طرح اس نے کل ۶۳ سال کی عمر پائی۔ یہ صحیح ہے کہ اکل و شرب اور مباشرت کی تخفیف و تقلیل ایسے اسباب ہیں۔ جن کو قیام صحت بقائے جوانی اور قوت جسمانی میں بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن یہ چیزیں عمر کو کسی طرح بڑھا نہیں سکتیں۔ ان دنوں گجرات کاٹھیاواڑ میں نوساری نام ایک شہر پارسیوں کا مذہبی مرکز تھا۔ پارسی لوگ زرتشت (یازردشت) کے پیرو ہیں۔ ان لوگوں کو اکبر کی لامذہبی اور الحاد پسندی کا علم ہوا تو وہ اس کوشش میں فتح پور پہنچے کہ اسے پارسی مذہب کا پیرو بنالیں۔ انہوں نے آ کر اسے بتایا کہ دنیا میں دین زرتشت ہی حق ہے اور آگ کی تعظیم بہت بڑی عبادت ہے۔ انہوں نے اکبر کو جوزن قحبہ کی طرح اپنے ہر نئے خواستگار سے تعلق پیدا کر لیتا تھا۔ اپنی طرف مائل کر لیا۔

آتش کدہ کا قیام اور آگ کی پرستش

اکبر نے حکم دیا کہ ملوک عجم (مجوسی حکمرانوں) کی روش کے مطابق آتش کدہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ابو الفضل کے اہتمام میں ایک آتش کدہ جاری کیا گیا۔ جس میں رات دن کے چوبیس گھنٹے بدیں خیال آگ محفوظ رکھی جاتی تھی کہ یہ بھی آیات اللہ میں سے ایک آیت اور انوار خداوندی میں سے ایک نور ہے۔ جب سے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں حرم میں آئی تھیں۔ محل میں ہوم کا معمول ہو گیا تھا۔ ہوم سے مراد وہ آتش پرستی ہے جو ہندو طریق عبادت کے بموجب ہو۔ پہلے تو اکبر اور اس کے پیروؤں میں صرف آفتاب پرستی معمول بہا تھی۔ لیکن پارسیوں کی آمد کے بعد آگ کی بھی پرستش ہونے لگے۔ چنانچہ پچیسویں سال جلوس میں ایام نوروز کے اندر آفتاب کی طرح آگ کو بھی علانیہ سجدہ کیا گیا۔ تمام مقربان بارگاہ شمع اور چراغ روشن کرتے وقت تعظیماً سروقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ معمول تھا کہ آٹھویں سنبلہ کی عید کے دن تمام اعیان دولت ہنود کی رسم کے بموجب پیشانی پر قشقہ لگا کر قصر شاہی میں جاتے۔ وہاں برہمن موجود ہوتے۔ وہ عمائد سلطنت میں سے ہر ایک کو جواہر دار مالا بطور تبرک عطاء کرتے۔ یہ لوگ نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ اس کو ہاتھوں پر لپیٹ لیتے۔ اس کے بعد امراء بھی مروارید اور زرد جواہر برہمنوں کی نذر کرتے۔ اس وقت حالت یہ

تھی کہ ہنود عیسائی، پارسی وغیرہ غیر اسلامی ادیان کے مذہبی سرگردہ جو کچھ بھی کہہ دیتے اسے نص قاطع شمار کیا جاتا۔ لیکن ملت حنیفی کے تمام احکام ان سرگشتگان کوئے ضلال کی نظر میں (معاذ اللہ) نامعقول اور ناقابل اتباع تھے۔ جلوس کے چھتیسویں سال کے آغاز میں اکبر نے اعلان کیا کہ گائے بھینس، گھوڑے اور اونٹ کا گوشت حرام ہے۔ کوئی شخص قصاب کے ساتھ کھانا نہ کھائے۔ جو شخص کسی قصاب کے ساتھ کھانا تناول کرے گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر قصاب کی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھائے گی تو اس کا انگوٹھا قطع کیا جائے گا۔ یہ بھی اعلان ہوا کہ اتوار کے دن مطلقاً کوئی جانور ذبح نہ ہو۔ ماہ آبان کے اٹھارہ دن اور ہنود کے خاص خاص دنوں میں ممالک محروسہ کے اندر جانور ذبح کرنے کی خاص طور پر ممانعت کی گئی۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی اور اس کا خانماں برباد کر دیا جاتا۔ اکبر نے خود ایک سال تک گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ بتدریج گوشت سے دست بردار ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ بڑے بڑے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں جو قصر شاہی کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ اکبر کے مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ انہیں گاؤ خوار وریش دار مرد سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے ان کے پاس خاطر سے نہ صرف ان چیزوں سے پرہیز کرتا تھا۔ بلکہ ان کی خوشنودئ طبع کی خاطر ہنود کے رسم ورواج کا پابند ہو گیا تھا۔ اس جذبہ نے یہاں تک افسوسناک حالت اختیار کر لی تھی کہ محمد، احمد مصطفی اور اس قسم کے دوسرے اسماء گرامی بیرونی ہندوؤں اور اندرونی اہل حرم کی رعایت سے قابل نفرت ہو گئے تھے۔ مقربان بارگاہ میں سے جن جن لوگوں کے نام اس وضع کے تھے۔ ان کو بدل دیا گیا۔ مثلاً محمد امین کو امین الدین، یار محمد خاں کو یار خاں، اور محمد خاں کو رحمت خاں لکھتے اور بولتے تھے۔ واقعی یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ ان مقدس ناموں سے موسوم ہوتے۔ اچھا ہوا کہ جواہر دلآلی نجاست کی آلودگی سے پاک ہو گئے۔ خنزیر کی گردن میں بیش بہا جواہر کا لٹکانا انتہا درجہ کا ستم ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہندو عورت کو مسلمان ہونے سے روکا جائے اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے جبراً و قہراً اس کے ہندو اقرباء کے حوالے کیا جائے۔ اکبر نے جو ہندو پنتھ کی پیروی اور ہندو نوازی کا مسلک اختیار کیا ظاہر ہے کہ اس کے سایہ حمایت ہندوؤں کے تسلط واقتدار اور جوروستم کا مقیاس الحرارت کس درجہ تک پہنچ گیا ہو گا۔ ملک کے پچانوے فی صدی تجارت پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اکبر نے انہیں باقی ماندہ پانچ فی صدی بھی حاوی کر دیا۔ ضروریات لشکر کی فراہمی سب ہنود کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری سرکاری ضروریات کے بھی ہندو ہی اجارہ دار تھے۔ فرش فروش، سواریاں دربار اور قصر شاہی کے سامان آرائش سب ہندوانے تھے۔ غرض اس نے ہندوانی ریت رسول کا رنگ دے کر ہر چیز کو ہندو بنا دیا۔

دعوائے نبوت ومہدویت اور علماء پر تشدد

اکبر پختہ مغزی کے جوہر سے بالکل عاری تھا۔ جس طرح سرخ کپڑا بیل کو غضبناک کر دیتا ہے۔ اسی طرح کلمۂ حق اس کو از خود رفتہ اور مغلوب الغضب کر دیتا تھا۔ ایک طویل پر شکوہ فرماں روائی اور تملق شعار مصاحبوں کی خوشامدوں نے اس کا دماغ نشۂ باطل سے معطل اور اس کے جذبات ہیجان خود پرستی سے مجنونانہ کر دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل حق میں سے کوئی شخص اس کو دینداری اور توجہ الی اللہ کی ترغیب دینے کا حوصلہ کر بیٹھتا تھا تو یہ عالم غیظ میں نہایت وحشیانہ طریق پر ناصح سے انتقام لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عبد النبی نے جن کی نسبت ابو الفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے: "و شیخ عبد النبی صدر کہ کوس شیخ السلامی بنام اومی زوند"۔ (اکبر نامہ ج ۳ ص ۱۴۰، مطبوعہ نولکشور)

اور خود اکبر کسی زمانہ میں ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی کلمۂ حق اکبر سے کہہ دیا۔ مغلوب الغضب درندے کی طرح شیخ پر جھپٹ پڑا اور سر دربار اس زور سے ان کے چہرے پر گھونسے اور مکے مارنے شروع کر دیئے کہ ان کا برا حال کر دیا۔ آخر شیخ عبد النبی کہنے

لگے کہ اس فضیحت سے تو بہت ہے کہ چھری لے کر مجھے ذبح کر ڈالو۔ خدائے احکم الحاکمین دنیاوی حکام کو اس لئے حکومت سپرد کرتا ہے کہ وہ اس کی مخلوق کو اپنے ظل عاطفت میں جگہ دیں۔ لیکن اس کینہ جو بھیڑیئے نے اسی جفاکاری پر اکتفانہ کیا۔ بلکہ سالہا سال پیشتر جو رقم حج کے لئے دی تھی نہایت خساست کے ساتھ اس کا حساب مانگنے لگا۔ آخر قید کر دیئے تھے اور ایک رات قید خانہ میں گلا گھونٹ کر ان کو قید زندگی سے آزاد کر دیا گیا۔

اکبر کی خوشامد پسندی

الغرض یہ کم حوصلہ بادشاہ سچی بات سن کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ البتہ فخار اور خوشامد پسند انتہاء درجہ کا تھا۔ اس لئے خوشامدی اہل کار اس کی خوشنودئ خاطر کے لئے اسے ہر وقت آسمان رفعت پر چڑھا چڑھا کر بیوقوف بناتے رہتے تھے اور یہ کوڑ مغز خوشامد کو حق الیقین جان کر اسی پر عمل درآمد شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ بعض عالم نما جہلا نے اکبر سے کہا کہ صاحب زمان مہدی رضی اللہ عنہ جو ہندو مسلمان کے اختلاف وانشقاق کو مٹانے کے لئے دنیا میں مبعوث ہونے والے تھے۔ وہ حضرت ہی کی ذات گرامی ہے تو اس پر یقین کر بیٹھا۔ ایک شخص شریف نام نے جو بر عکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق تھا۔ محمود بسخوانی کے رسائل سے استشہاد کرتے ہوئے اکبر سے کہا کہ ان میں صاف لکھا ہے کہ ۹۹۰ھ میں باطل کا مٹانے والا ظاہر ہو گا۔ چنانچہ شریف نے جو الفاظ پیش کئے ان سے بحساب جمل نوسونوے عدد نکلتے تھے۔ یہ سن کر اکبر کے دل کا کنول کھل گیا اوراس کو انعام واکرام سے بہت کچھ نوازا۔ اسی طرح خواجہ شیرازی لقب ایک جفردان ملحد کہیں سے ایک رسالہ لے آیا اور کہا کہ احادیث صحیحہ کے بموجب ایام دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور چونکہ یہ مدت گذر چکی ہے۔ اس لئے اب حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ یہ سن کر اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو انعام و بخشش سے مالا مال کر دیا۔ لیکن یاد رہے کہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ بلکہ یہ محض اسرائیلی ڈھکوسلہ ہے۔ شریف نے اکبر کے مہدی موعود ہونے کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ مارا۔ شیعوں نے بھی اسی قسم کے بعض خرافات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش کی۔ بعض لوگوں کی زبان پر یہ رباعی تھی جو حکیم ناصر خسرو کی طرف منسوب ہے۔

ورنہ صد وہشتاد ونہ از حکم قضا   آیند کواکب از جوانب یک جا

ورنہ (اگر ایسانہ ہوا) تو قضاوقدر کے حکم سے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی، اور ستارے چاروں طرف سے یکجا ہو کر ایک ہی سمت ظاہر ہوں گے۔

در سال اسد ماہ اسد روز اسد   از پردہ بروں خرامد آن شیر خدا

سالِ اسد میں، برجِ اسد میں، اور دن بھی اسد کا ہو گا، تب پردے سے باہر جلوہ گر ہو گا وہ "شیر خدا"۔

حکیم ناصر خسرو کی یہ رباعی بھی دام افتادگان الحاد کے ورد زبان تھی۔

ورنہ صد و تسعین دو قران می بینم   وز مہدی و دجال نشاں مے بینم

ورنہ میں تو سن ۱۹۰۲ (یا ۱۹۰۰ کے بعد کے دور) کے آثار دیکھ رہا ہوں، اور مہدی اور دجال کے فتنوں کی نشانیاں بھی نظر آ رہی ہیں۔

یا ملک بدل گردد یا گردد دین   سرّے کہ نہاں است عیاں می بینم

یا پھر دین اور دنیا کی حالت بدل جائے گی، گویا سلطنت ہی الٹ جائے، کیونکہ ایک ایسا راز جو چھپا ہوا تھا، اب واضح ہوتا نظر آ رہا ہے۔

کثیر التعداد عورتوں والا مہدئ کذاب

محمد شاہ رنگیلے کا نام بوجہ کثرت مے خوری بدنام ہے۔ لیکن میرے نزدیک اکبر اس سے زیادہ عیاش تھا۔ کتاب "اکبر اینڈ دی جیزٹس" میں لکھا ہے

کہ اکبر کی محل سرا میں قریباً سو حرم میں تھیں۔ یہ تو وہ عورتیں ہیں جو باقاعدہ حرم میں داخل تھیں۔ لیکن ان لڑکیوں کا تو شاید کوئی شمار ہی نہ ہو گا۔ جن سے اکبر شیعی اصول کے ماتحت متعہ کرتا رہتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ عبد الواسع نام ایک شخص کی بیوی حسن و جمال میں بے عدیل تھی۔ اکبر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ لٹو ہو گیا۔ عبد الواسع کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ اس بیچارے نے طلاق دے دی۔ یہ عفیفہ حرم شاہی میں داخل کر لی گئی۔ ایک مرتبہ اکبر دہلی آیا اور دائیوں اور خواجہ سراؤں کو اس غرض سے محلوں میں پھیلا دیا کہ گھروں میں پھر کر صاحب جمال باکرہ لڑکیوں کا پتہ لگائیں۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے شہر میں ہلڑ مچ گیا اور لوگوں پر ہول عظیم طاری ہوا۔ خدا جانے کتنے بیگناہوں پر کیا کچھ آفتیں ڈھائی گئیں ہوں گی اور لوگوں کی عزت و عصمت اور ناموس پر کیا کچھ گذری ہو گی؟ جن ایام میں اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ ایک دنیا طلب خوشامدی نے کہیں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کوئی پرانا کرم خوردہ رسالہ حاصل کر کے اس پر بخط مجہول لکھ لیا کہ صاحب زمان مہدی رضی اللہ عنہ کثیر التعداد بیویاں ہوں گی اور ڈاڑھی منڈائے گا۔ اسی طرح خلیفۃ الزمان رضی اللہ عنہ کے بعض اور من گھڑت صفات درج کر کے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو باریافتگان پایۂ قرب کے سلک میں منسلک کر لیا۔ اسی طرح ایک حاجی صاحب نے شیخ امان پانی پتیؒ کے برادر زادہ ملا ابو سعید کی کتابوں میں سے ایک پرانا رسالہ حاصل کیا اور اپنے دماغ سے یہ حدیث گھڑ کر اس میں درج کر لی کہ ایک صحابی کا بیٹا ڈاڑھی منڈوا کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اہل جنت کی یہی وضع ہو گی۔ بہر حال یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے اکبر کو دعوائے نبوت پر مائل کیا۔ چنانچہ وہ مدعی نبوت بن بیٹھا۔ لیکن جس طرح مرزا غلام احمد کادیانی نے ظلی نبی اور بروزی نبی کی من گھڑت اصطلاحوں کی آڑ لے کر دعویٰ نبوت کیا۔ اسی طرح اکبر نے بھی اپنے حق میں کوئی اور لفظ جو نبوت کا مترادف تھا۔ استعمال کرنا شروع کیا۔ ملا شیری نے ایک قطعہ کہا جس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یابزاید ہر زماں کشور بر انداز آفتے — فتنہ در کوے حوادث کتخدا خواہد شدن

یا ہر زمانے میں کوئی سلطنت اُلٹ دینے والی نئی آفت جنم لے گی، یا حادثات کی گلی میں کوئی نیا فتنہ اپنا مالک بن کر اُبھرے گا۔

یا بر آید قرض خواہے تیغ در ارباب شرک — بار سر از ذمہ گردن ادا خواہد شدن

یا پھر شرک کے سرداروں پر تلوار لے کر قرض خواہ (یعنی عذاب الٰہی) آئے گا، اور گردنوں پر پڑے ہوئے ذمہ کے بوجھ کو اُتار کر حساب پورا کر دے گا۔

فیلسوف کذب را خواہد گریباں پارہ شد — خرقہ پوش زہد را تقویٰ دا خواہد شدن

جھوٹے فلسفی کا گریبان چاک ہو کر رہ جائے گا، اور زہد کا خرقہ اوڑھنے والے کا اصلی تقویٰ ظاہر ہو کر رہے گا۔

شورش مغزاست گر در خاطر آرد جاہلے — کز خلائق مہر پیغمبر خدا خواہد شدن

جاہل اگر دل میں شورشِ خیال پیدا کرے گا، تو وہ بھی یہی چاہے گا کہ مخلوقِ خدا اس سے پیغمبرِ خدا جیسی محبت کرے۔

شاہ ما امسال دعویٰ نبوت کردہ است — گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

ہمارے "بادشاہ" نے اس سال نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے، اور اگر خدا نے چاہا تو اگلے سال خود کو خدا بھی بنوانے کی کوشش کرے گا!

علماء کا قلع قمع اور جلاء وطن

اکبر کی کفر پسندیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں آتش غیظ شعلہ افگن ہوتی اور حامیان اسلام اکبر کے خلاف علم مخالفت بلند کرتے۔ چنانچہ غیور مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں مدت تک ستیزہ جو رہے۔ لیکن چونکہ حکیم علی الاطلاق جل اسمہ کو یہی منظور تھا کہ اکبری فتنہ کو پوری طرح نشوو

نماپانے کا موقع دیا جائے۔ اس لئے کوئی مخالفت سر سبز نہ ہو سکی۔ مخالفت کا سب سے زیادہ زور بنگالہ میں تھا۔ جہاں کے اکبری گورنر مظفر خاں کو قتل کر دیا گیا۔ ۹۸۷ھ میں اکبر نے ملا محمد یزدی کو پوربی اضلاع کا قاضی القضاۃ بنا کر جونپور روانہ کیا۔ اس نے وہاں جا کر فتویٰ دیا کہ بادشاہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد معصوم کابلی، محمد معصوم خاں فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دوسرے عمایداٹھ کھڑے ہوئے اور اکبری حکومت کے خلاف مصاف آرائی شروع کر دی۔ اکبر نے کسی تقریب پر میر معز الملک اور ملا محمد کو جونپور سے فتح پور طلب کیا۔ جس صورت میں کہ وہ اس سے پیشتر علم مخالفت بلند کر چکے تھے۔ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ بادشاہ کے بلاوے کی تعمیل کرتے۔ دونوں از راہ نادانی چل پڑے۔ جب فیروز آباد پہنچے تو اس اثناء میں وہاں اکبر کا حکم پہنچ گیا کہ ان کو سواروں سے علیحدہ کر کے دونوں کو کشتی میں بٹھائیں اور دریائے جمنا میں نکال کر گوالیار کی طرف لے جائیں۔ اس کے بعد اکبر نے دوسرا حکم بھیجا کہ دونوں کو دریا میں ڈبو دیں۔ آخر ملاحوں نے دونوں کو ایک پرانی کشتی میں بٹھا کر قعر آب میں پہنچا دیا اور دونوں کی کشتی عمر گرداب فنا میں غرق ہو گئی۔ اس کے بعد اکبر کو ممالک محروسہ کے جن جن علماء سے بے اخلاصی کا ادنیٰ وہم بھی ہوا ان کو نہاں خانہ عدم میں بھیج دیا۔ علمائے لاہور کے لئے جلاوطن کی سزا تجویز کی گئی۔ چنانچہ یہ حضرات لاہور سے اس طرح پراگندہ و منتشر ہوئے جس طرح تسبیح ٹوٹنے سے اس کے دانے بکھر جاتے ہیں۔ قاضی صدرالدین لاہوری جو علم و فضل میں مخدوم الملک سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ بھڑوچ کے قاضی بنا کر بھیج دیئے گئے۔ مولانا عبدالشکور لاہوری کو جونپور کی قضا سپرد کی گئی۔ ملا محمد معصوم کو بہار کا قاضی بنایا گیا۔ شیخ منور لاہوری مالوہ کی طرف جلاء وطن کئے گئے۔ شیخ معین الدین لاہوری کو جو مشہور واعظ مولانا معین کے نواسہ تھے۔ کبر سنی کی وجہ سے حکم جلاوطنی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ وہ لاہور ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ ۹۵۰ھ میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ حکیم الملک گیلانی کا بھی ان لوگوں میں شمار تھا۔ جو مذہب و مسلک میں ناموافق خیال کئے جاتے تھے۔ ان کو مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد بار بار فرامین بھیج کر انہیں واپسی کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے ان فرمانوں کی طرف التفات نہ کیا۔ آخر اسی بلدۂ مطہرہ میں اپنے تئیں حق کے سپرد کر دیا۔ اکبر نے ارباب طریقت کی توہین وایذارسانی میں بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ حکم دیا کہ صوفیاء و مشائخ کے دیوان کی پڑتال ہندو دیوان کریں۔ ان پریشانیوں میں وہ بیچارے سب حال و قال بھول گئے۔ چونکہ علمائے امت کی طرح صوفیائے کرام بھی حامیٔ دین تھے۔ حاملین شریعت کی طرح وہ بھی اکبری جور و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ محمد حسین صاحب آزاد نے اس اکبری کارنامہ کو بہت سراہا ہے اور عالم مسرت میں لکھا ہے کہ انہی دنوں میں اکثر سلسلوں کے مشائخ بھی حکومت سے اخراج کے لئے انتخاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کو ایک قندھاری کارواں کے سلسلے میں روان کر دیا۔ کاروان باشی کو حکم دیا کہ انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔ کاروان مذکور قندھار سے ولایتی گھوڑے لے آیا کہ کارآمد تھے اور انہیں چھوڑ آیا کہ نکمے تھے۔ بلکہ کام بگاڑنے والے۔ (دربار اکبری ص ۲۷) لیکن اگر یہ حضرات خدانخواسہ الحاد بیدینی میں اکبر کی ہمنوائی اختیار کرتے اور جناب محمد حسین صاحب آزاد کی طرح دین وملت سے آزاد ہوتے تو آزاد صاحب کی بارگاہ معلی سے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جاتے۔ لیکن چونکہ یہ حضرات حامیان دین مبین تھے۔ انہیں اسلام کی توہین گوارا نہ تھی۔ اس لئے یہ آزاد صاحب کی نظر میں سخت نکمے اور کام کے بگاڑنے والے تھے۔ انہی ایام میں اکبر نے ایک شیخ طریقت کو جنہیں شیخ کاسی کہتے تھے پنجاب سے طلب کیا۔ یہ اپنی خانقاہ سے شاہی قاصدوں کے ساتھ بمقتضائے امتثال پیادہ روانہ ہوئے۔ ان کا محفہ ان کے پیچھے پیچھے لا رہے تھے۔ فتح پور میں شیخ جمال بختیار کے ہاں فروکش ہوئے اور اکبر کے پاس پیغام بھیجا کہ آج تک کسی بادشاہ کو میری ملاقات بابرکت اور مثمر خیز ثابت نہیں ہوئی۔ اکبر اس پیغام کو سن کر گھبرایا اور ان کو بغیر ملاقات کے فتح پور سے رخصت کر دیا۔ اس باب کی پہلی چار فصلوں

کے مضامین زیادہ تر عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ سے ماخوذ ہیں۔ دیکھو حالات اکبر شاہ۔

گو آکا مسیحی مشن اور اس کی ناکام جدوجہد

اگر کوئی نوخیز وطرحدر عورت اپنے شوہر سے قطع تعلق کر کے آوارگی کی زندگی اختیار کرلے تو ہر ناکام محبت کو طمع دامنگیر ہوتی ہے کہ اسے آغوش وصل میں لے کر متمتع وکامگار ہو۔ اکبر نے سعادت اسلام سے محروم ہو کر اس ذات گرامی کے نور سے اقتباس کو چھوڑ دیا۔ جس کی برکت قدوم نے سمک سے سماک تک کفر وظلمت کا نام نہ چھوڑا تھا تو تمام غیر اسلامی مذاہب کے منہ سے رال ٹپکنے لگی کہ جس طرح ہو اس تر نوالہ کو منہ میں ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اوپر پڑھا کہ کس طرح برہمنوں اور مجوس کے مذہبی مقتداؤں نے اس صید پر توسن ڈال کر اپنے کام ودہان کی تواضع کی؟ بمبئی سے جنوب کی طرف جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر گو آنام اہل پرتگال کی ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ جب گو آکے پرتگیزی گورنر کو معلوم ہوا کہ اکبر نے اسلام سے علاقہ توڑ کر بدمذہبی کے دامن میں پناہ لی ہے تو اسے بھی یہ ہوس دامنگیر ہوئی کہ اکبر کو نصرانی بنا کر ہندوستان میں تثلیث کی حکومت قائم کرے۔ چنانچہ اس کوشش میں چند پادری دارالسلطنت فتح پور روانہ کئے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن مغربی اقوام نے ہندوستان آکر اپنی بستیاں قائم کیں۔ ان میں سے اہل پرتگال کو فخر اولیت حاصل ہے۔ پرتگیزوں نے بابر بادشاہ کی چڑھائی سے بھی سولہ سال پہلے یعنی ۱۵۱۰ء میں گو آپر قبضہ کیا تھا۔ پادریوں کا پہلا مشن ۱۷؍ نومبر ۱۵۷۹ء کو گو آ سے چل کر بتاریخ ۲۸؍ فروری ۱۵۸۰ء فتح پور پہنچا۔ اس مشن کا سرگروہ پادری مانسیریٹ تھا۔ اکبر نے بڑی گرمجوشی سے اس وفد کا استقبال کیا اور ابوالفضل اور حکیم علی جیلانی کو ان کی مہمانداری تفویض کی۔ اکبر نے وفد کو جو اعزاز بخشے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنے منجھلے بیٹے مراد کی اتالیقی مانسریٹ کے تفویض فرمائی۔ یہ وفد تقریباً دو سال تک مصروف دعوت رہا۔ آخر اپریل ۱۵۸۲ء کو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد خود اکبر نے گورنر گو آکے نام چٹھی بھیج کر ایک اور وفد بھیجے جانے کی خواہش کی۔ اس درخواست کے بموجب دوسرا مشن ایک سخت بدلگام پادری ریوڈولفو نام کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اکبر نے پہلی ہی مجلس میں پادری سے کہا کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ ہوں کہ آپ لوگوں کے زعم میں ایک خدا کی تین شخصیتیں ہیں اور خدا رحم مادر سے پیدا ہوا اور اسے یہود نے قتل کر دیا۔ پادریوں سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ بن پڑا۔ اس لئے انہوں نے رفع خجالت کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا نغمہ چھیڑ دیا۔ خیر یہ مجلس توجوں توں گذری۔ دوسری نشست میں پادری ریوڈولفو نے اپنی سیاہ باطنی اور بدگوہری کا خوب مظاہرہ کیا اور بجائے اس کے کہ مسیحیت کی صداقت کا کوئی پہلو پیش کر سکتا۔ اس نے بازاری لفنگوں کی طرح حضرت سرور دوجہاں ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف دریدہ دہنی شروع کر دی اور حضور ﷺ کی شان اقدس میں ایسے ناپاک الفاظ استعمال کر کے اپنی فرومائیگی کا ثبوت دیا کہ کوئی حیادار آدمی کسی معمولی سے مذہبی پیشوا کے خلاف تو درکنار کسی شریف آدمی کے حق میں بھی استعمال نہ کرے گا۔ چہ جائیکہ دونوں جہان کے اس ملجاوماویٰ کی شان اقدس میں گستاخی کی جائے جو دنیا کی نصف ارب آبادی کا محبوب ترین مقتداء ہے۔ عفونت بیان پادری کے اس لفنگا پن کی تصدیق کرنا چاہو تو انگریزی کتاب موسومہ بہ کومینٹری اوف فادرمان سیریٹ مطبوعہ کٹک کا صفحہ ۳۷ دیکھ لو۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس علمائے اسلام کے وجود سے خالی تھی۔ ورنہ پادریوں کی بطالت فروشیوں کی تصویر ہر شخص کے سامنے آجاتی۔ ایسی حالت میں بیچارے پادریوں کی کیا بساط تھی کہ اہل حق کے سامنے لب کشائی کر سکتے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو بادشاہ پادریوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہاری باتوں سے بہت مسرور ہوا۔ لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے لب ولہجہ میں محتاط رہو۔ کیونکہ تمہارے مدمقابل کندۂ

ناتراش شریر لوگ ہیں۔(بجا ارشاد ہوا شریروں کو ہر شخص شریر ہی نظر آتا ہے) شاہ مرتد کی اس نصیحت کا یہ مطلب تھا کہ تم نے جو بر سر عام پیغمبر اسلام (ﷺ) کی توہین کی تو آئندہ اس سے باز رہو۔ روڈولف نے کہا کہ ہم آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔ بلکہ محض اس بناء پر کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارے لئے ضروری ہے۔ اس کے بعد اکبر نے پادری سے کہا کہ تمہاری اور باتیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ قادر مطلق جو زمین وآسمان اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے وہ تین بھی اور ایک بھی کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور اس کے یہاں ایسے فرزند کا تولد کیوں کر ممکن ہے۔ جو رحم مادر سے پیدا ہوا ہو؟ پادری یہ سنکر دم بخود رہ گیا۔ آخر کہنے لگا کہ خدا سے دعاء کرو کہ وہ تمہارے دل پر اس مسئلہ کی حقیقت آشکارا کر دے۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ موجودہ مسیحیت کی دیواریں محض خیالی تک بندیوں کی بنیادوں پر کھڑی ہیں اور اس کو صداقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ گوآ جیسے دور دست مقام سے محض گالیوں کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہی اکبر اور اس کے درباریوں کا کشور دل فتح کرنے چلے آئے تھے۔ باوجودیکہ ریوڈولفو نے اکبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ طریق گفتگو میں محتاط رہے گا۔ لیکن اس باحیا پادری نے اس وعدہ کا قطعاً ایفانہ کیا۔ چنانچہ آئندہ مجلس میں یہ سینہ سیاہ پادری پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ کی شان پاک میں دشنام دہی کی بیش از پیش غلاظت اچھالتا رہا۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو کتاب مذکور کا انتالیسواں صفحہ پڑھ جاؤ۔ کاش اکبر کی جگہ کوئی مسلمان حکمران ہوتا تو اس بدلگام پادری کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے بغیر دم نہ لیتا اور تعجب ہے کہ حکومت ہند نے اس سخت دل آزار کتاب کو جو اوڑیسہ مشن پریس کٹک میں چھپ کر ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔ اب تک ضبط کیوں نہیں کیا؟ ہم اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے خلاف ہر اعتراض سننے اور اس کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ اعتراض کرنے والا دائرہ انسانیت میں رہ کر اعتراض کرے۔ گو سنجیدہ جواب بدلگامی کا منہ بند نہیں کر سکتا تاہم ہمارا اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے دے کر لفنگوں کے ہمناں ہوں۔

آگ میں داخل ہو کر صدق وکذب کے امتحان کا اسلامی مطالبہ

اس وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو سیاہ باطن پادری برہان مقدس (قرآن) اور دین حنیف اور دنیا وعاقبت کے سردار سیدنا محمد مصطفی ﷺ کی شان اقدس میں بدزبانی کر کے اپنی مسیحیت کی قلعی کھول رہے تھے۔ دوسری طرف مرتدین کا ناپاک گروہ ہر بات میں اہل تثلیث کی تائید کر کے نیشن زنی میں مصروف تھا۔ ایسی حالت میں مظلوم وسینہ ریش مسلمان حاضرین کے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ صداقت اسلام کے ثبوت میں کوئی ایسا قابل اندفاع طریق عمل اختیار کریں جو اہل باطل کی خدع پرور آرزوؤں کا گور غریباں بن جائے۔ مسلمانوں نے حسب بیان پادری مانسریٹ اکبر سے کہا کہ سچے دین اور آسمانی کتاب کی صداقت کے امتحان کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آگ جلائی جائے۔ ایک پادری بائبل لے کر اور ہم میں سے ایک آدمی قرآن مجید لے کر گھس پڑے اور آگ کے بلند شعلوں میں کھڑا رہے۔ ان میں سے جو شخص اپنی کتاب سمیت زندہ سلامت نکل آیا۔ اس کا دین سچا ہے اور جو وہیں جل کر ہلاک ہو گیا۔ اس کا مذہب جھوٹا ہے۔ اکبر نے اس تجویز کی تائید کی اور پادریوں سے کہا کہ یہ محل امتحان بالکل فیصلہ کن ہے۔ مگر باطل کی کیا مجال تھی کہ اس جان ستان تجویز کو منظور کرتا۔ پادریوں نے کہا کہ مسیحیت کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے کسی اعجازی امتحان کی ضرورت نہیں۔ اکبر نے کہا اچھا جانے دو۔ یہی گفتگو جو ہو چکی کافی ہے۔ حاضرین نے بادشاہ سے کہا کہ آگ میں داخل ہونے کی تجویز نہایت موزوں اور فیصلہ کن ہے۔ اسی پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔ ان کی یہ خواہش شاید اس یقین پر مبنی تھی کہ مسلمان آگ میں جل کر بے نام ونشان ہو جائیں گے اور فتح کا سہرا مسیحیت کے سر پر ہو گا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل باطل تھا۔ ایسے نازک امتحان میں خدائے قادر وتوانا بالیقین اپنے سچے دین کی لاج رکھ لیتا۔ آگ آتش نمرود کی طرح مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جاتی اور مشرک

عیسائی ہمیشہ کے لئے خاک مذلت میں سلا دیئے جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل باطل اس امتحان کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے اور آگ کا نام سن کر پادریوں کی روح فنا ہو رہی تھی۔ پادری ریوڈولفو ایک طویل لاطائل قصہ خوانی کے بعد کہنے لگا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم گنہگار ہیں۔ اس لئے اعجاز نمائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم خدا کے محبوب ہیں یا اس کے راستہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ اس سے قطع نظر اس امر کا امتحان کرنے کے لئے کہ یہ بائبل کلام الٰہی ہے یا نہیں؟ اس کو آگ میں لے جانا مسیح کی تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اے بادشاہ! آپ کو اعجاز بینی کی خواہش کر کے ان یہودیوں کے نقش قدم پر نہ چلنا چاہئے۔ جن کو مسیح (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں سرزنش فرمائی تھی کہ شریر اور حرامزادے مجھ سے معجزہ لے طلب کرتے ہیں اور یہ مسلمان جو آگ میں داخل ہونے کی شرط لگا رہے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق یقین ہے کہ ان میں سے ایک بھی اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر کا اس درجہ شیدائی اور معتقد نہ ہوگا کہ ایسے جانبازانہ امتحان کو اپنے دوش ہمت پر لے۔ واقعی یہ چیز مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے کہ یہ معجزات کا مطالبہ کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہمارے مذہب کا کوئی صالح و متقی آدمی کوئی معجزہ دکھائے گا تو یہ لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادو ہے اور پھر اسے قتل کر دیں گے۔ اکبر نے کہا آپ لوگ مطمئن رہیں۔ آپ کا کوئی بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ اصل یہ ہے کہ یہاں ایک مولوی ہے جو اپنے تقدس کی ڈینگیں مارا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ بہت سے گناہوں کا بھی مرتکب ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ میں اس کو اس عجب و پندار کی سزا دوں۔ اگر آپ حضرات اپنے مذہب کا کوئی ایسا پیرو پیش کر سکیں جو اس امتحان میں پورا اترے تو مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ میری آرزو ہے کہ آپ لوگ اس خواہش کی تکمیل میں میری امداد کریں۔ پادری ریوڈولفو نے کہا ہم اس کام میں آپ کو کچھ مدد نہیں دے سکتے۔ (کومینٹری اوف فادر ما تسریٹ ص ۴۳،۴۰)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ۹۸۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ شیخ قطب حلبیسری نام ایک مجذوب کو شیخ جمال بختیار کے ذریعہ سے بلا کر پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز و ذی اقتدار لوگ بھی جمع کئے گئے۔ شیخ قطب نے کہا کہ آگ جلاؤ۔ تاکہ میں اور میر افریق مقابل آگ میں داخل ہوں۔ دونوں میں سے جو زندہ سلامت نکل آئے گا وہ برسر حق ہوگا۔ چنانچہ آگ جلائی گئی۔ شیخ قطب نے جا کر فرنگی پادری کو کمر سے پکڑ لیا اور آگ کی طرف کھینچ کر کہنے لگا کہ ہاں بسم اللہ! چلو آگ میں داخل ہوں۔ لیکن کسی پادری کو آگ کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر شیخ قطب اور چند دوسرے فقراء کو بھکر کی طرف جلاوطن کر دیا۔

گرجوں اور تبلیغی مشنوں کا قیام

پادریوں نے اپنی ہزیمت کے بعد بادشاہ سے کہا کہ انہیں اجازت دی جائے کہ جو لوگ عیسائی ہونا چاہیں ان کو عیسائی بنائیں اور نیز ایک خیراتی ہسپتال جاری کریں۔ اکبر نے دونوں درخواستیں منظور کیں اور پادریوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہارے کام میں مزاحم ہو تو اسکی اطلاع دو۔ پادری کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد گوآ واپس جانے کی اجازت چاہی۔ لیکن اکبر نے اجازت نہ دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے مذہب کی خوبیاں مجھ پر واضح ہوتی رہیں۔ اکبر بہت دن تک پادریوں کو اپنے قبول نصرانیت کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ لیکن پادریوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آفتاب پرستی چھوڑ کر دائرہ مسیحیت میں داخل نہ ہوا۔ اس اثناء میں پادریوں نے ملک میں جابجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کئے۔ پانچ سال اسی حالت میں گذر گئے۔ انجام کار گوآ سے پادریوں کے نام حکم آیا کہ تمہیں اکبر بادشاہ کے پاس گئے پانچ سال گذر گئے اور تم نے وہاں کی زبان بھی سیکھ لی۔ اگر بادشاہ دائرہ مسیحیت میں داخل ہوتا ہے تو بہتر ورنہ واپس چلے آؤ۔ یہ لوگ بادشاہ سے ملے اور کہا کہ یہ امر ہمارے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ کوئی کام انجام دیئے بغیر آپ کے دربار میں پڑے رہیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ آپ حسب وعدہ دین مسیحیت کو قبول فرمائیے۔ اس پر نہ

صرف آپ کی اپنی نجات منحصر ہے۔ بلکہ آپ کو دیکھ کر جو لاکھوں کروڑوں بندگان خدا عیسائی ہوں گے۔ ان کو بھی نجات ابدی نصیب ہو گی۔ اکبر ان دنوں لاہور میں تھا۔ کہنے لگا میں ابھی لاہور سے دکن جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر گو آ سے بالکل قریب ہی کسی مقام پر فروکش ہوں گا۔ میں اس جگہ دوسرے جھمیلوں سے فارغ رہ کر آپ لوگوں کی طرف زیادہ توجہ معطوف کر سکوں گا۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کیا کیا کہ ہم اتنی مدت تک یہاں بے مصرف پڑے رہے؟ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ملک میں اسلامی سلطنت تھی۔ اگر کوئی شخص منہ سے یہ الفاظ نکال دیتا تھا کہ یسوع مسیح (معاذ اللہ) خدا کا بیٹا ہے تو اسی وقت قتل کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اب تم نے جابجا گرجے اور تبلیغی مشن قائم کر لئے اور تم لوگ اپنی تبلیغ میں بالکل آزاد ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ پادریوں نے تسلیم کیا کہ واقعی ہمارے قیام سے مسیحیت کو خاصی رونق نصیب ہوئی۔ پادریوں نے لاہور میں بھی گرجا بنا رکھا تھا۔ یہاں ۱۵۹۷ء تک سینتیس آدمی عیسائی بنائے جا چکے تھے۔ جن میں بڑی تعداد جاروب کشوں کی تھی۔
(اکبر اینڈ دی جیزٹس ص ۹۱)

لاہور کی ہولناک آتشزدگی اور اکبر کی موت

متذکرۂ صدر واقعات سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ اکبر کا وجود شریعت الٰہی کی توہین اور دین خداوندی کی سب سے بڑی تذلیل تھا۔ اس نے احکم الحاکمین کے آسمانی آئین سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور خالق کردگار کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی گمراہی میں گرفتار تھا۔ بادہ سلطنت و فرمانروائی نے اسے اس درجہ متوالا کر رکھا تھا کہ اپنی چند روزہ عظمت کے مقابلہ میں خدا کی کبریائی اور رسولوں کی قدوسیت کو بالکل بھول گیا تھا۔ اس کی مملکت میں خدا کے نیک بندے ستائے جا رہے تھے۔ گمراہیاں اور تاریکیاں تمام سطح ارض پر چھائی ہوئی تھیں۔ دین حنیف بیکسی اور مظلومی کی حالت میں مبتلا تھا اور ملک فطرت میں ہر جگہ ابلیس اور نفس شریف کی حکومت جاری وساری تھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ مالک الملک عزاسمہ کی طرف سے کبھی نہ کبھی اس کے جسد غفلت و بے حسی پر عبرت کا تازیانہ رسید کیا جاتا۔ چنانچہ ۱۵۹۷ء (۱۰۰۵ھ) سے لے کر یوم مرگ تک وہ برابر ہموم و مصائب میں مبتلا رہا۔ خدا کے وہ بندے نہایت خوش نصیب ہیں جو خدائی تنبیہ کے وقت سنبھل جاتے ہیں اور رب العالمین کے ساتھ اپنا رشتۂ عبودیت استوار کرنے میں توقف واہمال گوارا نہیں کرتے۔ لیکن بدنصیب اکبر ان حوادث و نوازل سے جو اس پر پڑے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوا۔ ان پریشانیوں میں جن سے اکبر کو دوچار ہونا پڑا سب سے پہلی لاہور کی آگ تھی۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں بیالیسویں جلوس کے زیر عنوان اس آگ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کتاب اکبر اینڈ دی جیزٹس میں اس کو ذرا کھول کر بیان کیا ہے۔ مؤخر الذکر کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر لاہور کے قصر شاہی کے برآمدے میں تھا۔ شہزادہ سلیم اور تمام عمائد سلطنت موجود تھے۔ نوروز کا جشن منایا جا رہا تھا کہ اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہو کر قصر شاہی کی طرف آیا۔

سب سے پہلے شہزادہ سلیم کے پر تکلف خیمہ کو اس سرعت کے ساتھ جلا کر خاک سیاہ کیا کہ کسی کو آگ بجھانے کے لئے وہاں تک پہنچنے کی مہلت نہ دی۔ اس کے بعد تمام خیموں کو اور شاہی محل کو جس میں چند تخت اور بڑی بڑی بیش قیمت چیزیں تھیں جلایا۔ ان تختوں میں ایک طلائی تخت بھی تھا۔ جس کی لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپیہ) کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے قصر خاص کی طرف بڑھا جو خالص لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کو آناً فاناً جلا کر کوئلوں کا ڈھیر بنا دیا۔ غرض تمام سرکاری عمارتیں آگ بھبھوکا ہو گئیں۔ اکبر کو اس آتشزدگی کا بڑا قلق ہوا۔ کیونکہ تمام خزانے اور جواہرات اور یادگاریں بھی نابود ہو گئیں۔ اس روز چاندی، سونا اور دوسری دھاتیں پگھل پگھل کر لاہور کی گلیوں میں اس طرح بہ رہی تھیں جس

طرح پانی بدرو میں چلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ آگ کئی دن کے بعد بمشکل بجھائی جاسکی۔ اس آگ نے اکبر کو اس درجہ وحشت زدہ کر دیا کہ لاہور سے جھٹ کشمیر کا رخ کیا۔ لیکن وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ کشمیر میں ایسا عالمگیر قحط رونما ہوا کہ ماؤں نے اپنے کمسن بچوں تک کو جدا کر دیا اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہونے لگے۔ یہ مصیبت ہنوز دور نہ ہوئی تھی کہ اکبر بیمار پڑ گیا اور زندگی کی طرف ناامیدی ہو گئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور آیا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد دکن سے اطلاع آئی کہ اس کا جوان بیٹا مراد جس کی عمر ستائیس سال کی تھی دامن فنا میں غائب ہو گیا۔ اکبر کے دل پر اس کے مرنے کا ایسا گہرا زخم آیا کہ کسی مرہم سے التیام پذیر نہ ہو سکا۔ یہ صدمہ ابھی بھولا نہ تھا کہ ۱۰۱۱ھ میں اکبر کا تیسرا بیٹا دانیال بھی سرائے دنیا کو الوداع کہہ کر داغ مفارقت دے گیا اور پھر انہی ایام میں خبر ملی کہ اکبر کا دست راست ابوالفضل بھی رخت زندگی باندھ کر گٹھر کی گٹھر لعنتیں ہمراہ لے گیا۔ اسے شہزادہ سلیم (جہانگیر) نے قتل کرایا تھا۔ یہ وہ صدمے تھے جنہوں نے اکبر کو بالکل نڈھال کر دیا۔

(اکبر اینڈ دی جیزٹس ص ۷۷،۷۴)

لیکن اس کے دل پر بے حسی کی ایسی موٹی تہیں چڑھی ہوئی تھیں کہ توجہ الیٰ اللہ کی توفیق نہ ہوئی اور بدستور اپنی شقاوت پسندیوں کے گرداب میں پڑا رہا۔

عبرتناک حادثہ مرگ

یقینیات میں سے موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے۔ اسی بناء پر قرآن حکیم میں موت کو یقین کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسان کا فرض منصبی ہے کہ وہ برائیوں اور بے اعتدالیوں سے اپنا دامن بچائے اور ایسا سرمایہ جمع کرنے میں کوشاں رہے جو وطن اصلی میں کام آسکے:

اے کہ دستت می رسد کارے بکن　　　پیش ازاں کز تو نیاید ہیچ کار

اے شخص! جب تک تیرے ہاتھ کوئی کام کر سکتے ہیں، کوئی نیکی کر لے، اس سے پہلے کہ وقت آئے جب تیرے ہاتھ سے کچھ بھی نہ ہو سکے

پس جو لوگ عیش و نعم کی شدت انہماک میں خدا کو بھول بیٹھے ہیں اور دنیا میں خوف کا بیج بو رہے ہیں وہ کل کو خوف کے پھل سے کانپ اٹھیں گے۔ اکبر کو نعیم دنیا نے موت کی طرف سے بالکل اندھا کر رکھا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ موت کا فرشتہ کسی وقت اچانک آنمودار ہو گا اور اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ یہ وقت کا سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اس کا ٹینٹوا دبائے گا۔ عہد اکبری کے تمام مسلمان یا مرتد مؤرخ بدایونی، ابوالفضل، نظام الدین احمد وغیرہم اکبر کے ایام واپسیں سے پہلے پہلے ملک بقاء کا سفر اختیار کر چکے تھے۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات مرگ قلمبند نہ کر سکا۔ پس میں اس کے لئے ان پادریوں کے بیانات پر اعتماد کرتا ہوں جو اکبر کی موت کے وقت فتح پور میں موجود تھے اور جن میں ایک تو پانچ سال تک سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ اکبر نے قریباً بائیس سال تک ایوان مذہب میں تزلزل ڈالے رکھا۔ اس مدت میں کوئی شخص بالیقین معلوم نہ کر سکا کہ یہ شخص کس مذہب و مسلک کا پیرو ہے۔ تناسخ اور بہت سے دوسرے عقائد میں ہنود کا ہمنوا تھا۔ اسے آفتاب پرستی سے زیادہ شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی مؤرخ اسے عام طور پر آفتاب پرست لکھتے ہیں۔ بہر حال ۱۷/ اکتوبر ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ) کو وہ وقت آن پہنچا جبکہ اس کی اجل گریباں گیر ہو کر کشاں کشاں دار الجزاء میں لے گئی۔ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر کو دو بیٹوں کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ رات دن اسی غم میں گھلتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کمزور و ناتواں ہوتے ہوتے اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔ لیکن پادری ایگزیویر نے جو چٹھی ۲/ دسمبر ۱۶۰۶ء کو فتح پور سے گوآ بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ اکبر کی موت زہر سے ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ اکبر نے وہ جام زہر پی لیا جو اس نے دوسروں کے لئے مہیا کیا تھا۔

اکبر کا خاتمہ کس دین پر ہوا؟

سر ٹامس رو نے ۱۶۱۶ء میں اجمیر سے اطلاع دی تھی کہ اکبر حالت اسلام میں مرا۔ ان پادریوں نے جو اس وقت فتح پور میں موجود تھے رپورٹ کی

تھی کہ مسلمان بوقت نزع اسے کلمۂ شہادت پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ لیکن اس نے کلمہ نہیں پڑھا۔ البتہ ایک آدھ مرتبہ خدا کا لفظ زبان پر لایا۔ ایک روایت کے بموجب شہزادہ سلیم (سلطان نورالدین جہانگیر) نے بیان کیا تھا کہ مفتی میراں صدر جہان کی تلقین کے بعد میرے والد نے صاف لفظوں میں زور سے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد صدر جہاں اس کے تکیہ کے ساتھ لگے ہوئے۔ سورۂ یٰسین بار بار پڑھتے رہے۔ ایک فرانسی سیاح ہیئرڈڈے لاول نے اکبر کی موت کے چھ سات سال بعد بیان کیا کہ اکبر نے پادریوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ بشرطیکہ مجھے تمام عورتیں جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی رکھنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن ہنوز ایفائے عہد کا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ پادری انتھونی بوٹلہو جس نے آگرہ اور بیجاپور میں کئی سال گزارے تھے۔ ۱۶۷۰ء میں لکھا تھا کہ بیجاپور میں ہر شخص اس عقیدہ پر راسخ تھا کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا۔ چنانچہ سلطان عادل شاہ والی بیجاپور نے ایک مرتبہ پادری مذکور سے کہا تھا کہ کیا یہ بیان درست ہے کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا؟ تو پادری نے جواب دیا کہ خدا کرے وہ مسیحیت قبول کر کے مرا ہو۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس نے ہمیں قبول مسیحیت کے وعدوں ہی میں رکھا۔ آخر اس کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا۔ لیکن اس کے برخلاف پادری ایگزیوئیر نے ۱۶۱۵ء میں لکھا تھا کہ اکبر بوقت مرگ نہ تو مسلمان تھا اور نہ عیسائی۔ بلکہ ہندو تھا۔ چنانچہ ۱۷۳۵ء تک جب کہ پادری فگرے ڈو نے اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا اسی روایت نے عالمگیر حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ اکبر مرتے دم تک ہندو رہا اور اس کا خاتمہ بت پرستی پر ہوا۔ (دی جیزٹس اینڈ دی گریٹ معل سر ایڈورڈ میکلیگن ص ۶۵، ۶۴، مطبوعہ لندن)

بہر حل یہ چیز بالکل مشتبہ ہے کہ مرتے وقت وہ کس دین کا پیرو تھا۔ لیکن خاکسار راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو وہ بدستور آفتاب پرست تھا یا ہر مذہب وملت سے منقطع ہو کر دہریہ قسم کا لامذہب سارہ گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور کفن بھی نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی لاش محض ایک چادر میں لپیٹ دی گئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ لیکن مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نہ تو کوئی مسلمان اسے اپنے مذہب میں داخل کرنے پر آمادہ تھا اور نہ عیسائی یا ہندو ہی اس کی لاش کے دعویدار بنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی ہندو یا عیسائی ہی کی طرف سے کوئی مذہبی رسم ادا ہوئی۔ شہزادہ سلیم اور خاندان کے بعض افراد خود ہی لاش چارپائی پر ڈال کر لے گئے اور باغ میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے جنازہ کی مشایعت کی۔ اکبر پر کسی نے ماتم نہ کیا۔ البتہ ایک شہزادہ نے اسی دن شام تک ماتمی لباس پہنے رکھا۔

مولوی محمد حسین آزاد کی اکبر پرستی پر ایک نظر

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے کتاب دربار اکبری میں اکبر کی حمد وثنا میں جن عاشقانہ ووالہانہ جذبات کا اظہار کیا ہے اور جن شاعرانہ مبالغوں سے کام لے کر اسے اوج فرقد تک پہنچایا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آزاد صاحب کے نزدیک رب العالمین عزاسمہ کی طرح (معاذ اللہ) اکبر کی ذات بھی بالکل بے عیب تھی۔ جس میں کسی انسانی کمزوری کا شائبہ نہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں اس کی ثناء ومنقبت میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے۔ وہاں اس کی ایک کمزوری بھی ظاہر نہ کرتے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ عاشق کو محبوب کی ذات یکسر حسن اور سراپا جمال نظر آتی ہے۔ (اکبر اینڈ دی جیزٹس ص ۲۰۸)

اس لئے آزاد صاحب کی نظر اس کی کمزوریوں کی دید سے قاصر رہی۔ بلکہ معائب نے بھی ان کی نظر میں محاسن ہی کی جلوہ گری کی۔ اکبر اپنے مداحوں اور خوشامدیوں کا بڑا قدر شناس تھا۔ اگر آزاد صاحب اپنے ممدوح کے عہد سلطنت میں موجود ہوتے تو اس گدایانہ تملق شعاری ار مجنونانہ

منقبت خوانی کے صلہ میں انہیں وزارت نہیں تو پنج ہزاری منصب ضرور مل جاتا۔ مگر آزاد صاحب نے اپنے جذبہ عقیدت اور اخلاص کی سفارش پر اس مداحی کا بظاہر یہی صلہ کافی سمجھا کہ دنیائے الحاد واباحت میں ان کی یادگار رہ جائے اور ملحدین دہر دو چار لفظ ان کی تعریف میں کہہ دیا کریں۔ دربار اکبری کا مطالبہ کرنے سے معاً یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آزاد صاحب ہندوستان کو لامذہبی کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے اور عجب نہیں کہ وہ اسی خدمت پر مامور ہوں کہ مسلمانوں کی لوح دل سے شیفتگی اسلام کے نقش محو کر دیں اور انہیں ایسی تعلیم دیں کہ جس کی بدولت حمیت ملی اور غیرت دینی کی روح جسے مغربی سیاست دان "مذہبی جنون" سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ ان سے بالکل مفقود ہو جائے۔ آزاد صاحب نے اکبر کی بے دینی کی خوب تائید کی ہے اور ان کے نزدیک اس کے الحاد کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لانا گناہ ہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنی الحاد پسندی کے اقتضاء سے علمائے حق کو نہایت شرمناک طریق پر طعن و تشنیع کا آماجگاہ بنایا ہے۔ حالانکہ حاملین شریعت کا اس سے زیادہ کچھ قصور نہ تھا کہ مرتد بادشاہ اور ان کے بدمذہب مصاحبوں کی کفر پسندیاں ٹھنڈے دل سے گوارا نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر کوئی دین پناہ غیور بادشاہ موجود ہوتا تو وہ مرتدین مارقین کے خلاف لشکر کشی کرتا اور انہیں تیغ سیاست سے عدم کے تہ خانہ میں پہنچا دیتا۔ پس ظاہر ہے کہ جس جرم پر کسی دیندار بادشاہ کے لئے ان اعدائے دین کا قلع قمع ضروری تھا۔ اگر اسی جرم پر منزل ہدایت کے رہ نورد اس حق فروش طائفہ سے برسر خلاف ہوئے تو کیا برا کیا؟ اب میں آزاد صاحب کے عامیانہ خیالات واعتراضات لکھ کر ان کے جواب بر سبیل اجمال عرض کرتا ہوں۔

آزاد صاحب کے مزعومات واعتراضات

آزاد صاحب فرماتے ہیں:

۱ ...نوبت یہ ہوئی کہ شریعت کے اکثر فتوے تجویزات ملکی سے ٹکرانے لگے۔ علماء تو ہمیشہ سے زوروں پر چڑھے آتے تھے۔ وہ اڑنے لگے اور بادشاہ بلکہ امراء بھی تنگ ہوئے۔ (دربار اکبری ص ۴۸)

مگر یہ خیال سراسر باطل ہے۔ شریعت کا کوئی فتویٰ مصالح ملک اور مفاد رعایا سے متصادم نہیں ہو سکتا۔ اگر تجویزات ملکی انہی مشرکانہ رسوم کا نام ہے جن پر اکبر عمل پیرا تھا تو پھر واقعی خدا کا لازوال قانون ایسی تجویزات ملکی سے مزاحم ہو گا۔

۲ ... آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ حریف (علماء) کہتے تھے کہ سلطنت شریعت کے تابع ہے۔ اس واسطے صاحب سلطنت کو واجب ہے کہ جو کچھ کرے شریعت کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے مقابل میں ان (ابوالفضل، فیضی اور دوسرے ملاحدہ) کا دستور العمل یہ تھا کہ صاحب سلطنت خدا کا نائب ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے عین مصلحت ہے اور جو مصلحت ملکی ہے وہی شریعت ہے۔ (دربار اکبری ص ۳۶۲)

اس کے متعلق التماس ہے کہ خدا کے نائب انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔ جنہیں وحی الٰہی کی تائید و نصرت حاصل تھی۔ ان کی تمام تر تعلیمات وحی الٰہی کے تابع تھیں۔ نہ کہ دنیوی حکمران جو عامۃ الناس کی طرح تعلق باللہ اور روحانی قوت سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ ہر حکمران اس بات کا مامور ہے کہ رعایا کے سود و بہبود کے اسباب مہیا کرے اور وہی کام کرے جس میں خلق خدا کی بہتری ہو۔ لیکن اس اٹل اور لازوال قانون فطرت کی خلاف ورزی میں رعایا کی بہتری اور بہی خواہی متصور نہیں جو خود داعی اور رعایا کے خالق ورازق نے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے دنیا میں بھیجا۔ اگر مصلحت ملکی انہی بیہودگیوں کا نام ہے جن کا اکبر مرتکب تھا اور مصلحت ملکی ہی شریعت ہے تو پھر ایسی شریعت، شریعت خداوندی نہیں ہو سکتی جو رب العالمین نے دنیا میں بھیجی۔ بلکہ وہ شیطانی شریعت ہے۔ جو ابلیس رجیم کی طرف سے اکبر اور اس کے ہم مشرب ائمہ تلبیس پر القاء

ہوئی۔

۳ ... آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ نیک نیت بادشاہ جو سب سے اعلیٰ رتبے کی بات سمجھتا تھا۔ وہ یہ تھی کہ پروردگار رب العالمین ہے اور قادر مطلق ہے۔ اگر سارا حق ایک ہی مذہب کے حجرے میں بند ہوتا اور وہی خدا کو پسند ہوتا تو اسی کو دنیا میں رکھتا۔ باقی سب کو نیست و نابود کر دیتا۔ لیکن جب ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک مذہب نہیں۔ سب اسی کے مذہب ہیں۔ (دربار اکبری ص ۶۹)

اس کے متعلق یہ التماس ہے کہ معلوم نہیں آزاد صاحب قرآن کو کلام الٰہی اور جناب محمد ﷺ کو خدا کا پیامبر مانتے تھے یا نہیں؟ اگر مانتے تھے تو قرآن میں صاف لکھا ہے: "ان الدین عند الله الاسلام" (بلاشبہ سچا دین حق تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے) اور پیغمبر خدا ﷺ سے بے شمار احادیث صحیحہ اس مضمون کی مروی ہیں کہ جو شخص مجھے نبی نہیں مانتا اور میری شریعت کو منجانب اللہ یقین نہیں کرتا اس کی نجات ممکن نہیں اور اگر آزاد صاحب آئین اسلام سے آزاد و بے تعلق تھے تو پھر اپنے مسلک آزادی کے رو سے بھی وہ غلط رو تھے۔ کیونکہ جب ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں بر سر حق ہیں تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ دنوں کے متضاد و متبائن دعوؤں میں سے سچے دعوے کس کے ہیں اور جھوٹے کس کے؟ مثال کے طور پر ایک مسئلہ لے لو۔ ہنود کہتے ہیں کہ خدا کے بندے درگاہ رب العالمین میں کبھی پیش نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں یہیں دنیا میں چپ چاپ ان کے اعمال کا نیک یا بد ثمرہ تناسخ کے رنگ میں مل رہا ہے اور ملتا رہے گا۔ لیکن مسلمان اس بات پر جازم ہیں کہ تناسخ کا افسانہ بالکل مہمل ہے۔ دنیا کا موجودہ نظام کسی نہ کسی دن تباہ ہو جائے گا اور انسان یوم الجزاء کو مالک الملک عزاسمہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے جزائے اعمال کو پہنچیں گے۔ اب آزاد صاحب اور ان کے پیرو بتائیں کہ ان دونوں نظریوں میں اختلاف و تباین ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں نظریئے صحیح نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے کسی ایک کو غلط قرار دینا پڑے گا۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا کے سارے متخالف ادیان و ملل سچے نہیں ہو سکتے۔ آزاد صاحب کا بیان بھی سخت لغو ہے۔ کہ اگر سارا حق ایک ہی مذہب کے حجرے میں بند ہوتا اور وہی خدا کی پسند ہوتا تو اس کو رکھ کر باقی سب کو نیست و نابود کر دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر آزاد صاحب کے نزدیک زنا، اغلا، ڈاکہ، چوری وغیرہ قبیح افعال ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدائے حکیم و دانا زانیوں، لوطیوں، غارتگروں اور نقب زنوں کو دنیا سے نیست و نابود نہیں کر دیتا؟ اصل یہ ہے کہ حکمت خداوندی نے دنیا کو جامع الاضداد بنایا ہے۔ اس لئے کائنات کی ہر چیز خیر و شر سے ملی ہوئی ہے۔ خالق کردگار نے نور و ظلمت، نیکی و بدی، راحت و رنج، شیرینی و تلخی، شہد و زہر، ہر قسم کی چیزیں بنائی ہیں۔ اگر دنیا کا مزاج ترکیبی سراپا خیر یا سراپا شر ہوتا تو دنیا کا موجودہ نظام کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

۴ ... اور لکھتے ہیں کہ اکبر کو اس بات کا لحاظ بھی ضرور تھا کہ یہ ملک ہندوستان ہے۔ ہندوؤں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم پر ایک متعصب مسلمان حکومت کر رہا ہے۔ اس لئے سلطنت کے آئین اور مقدمات کے احکام میں بلکہ روزمرہ کاروبار میں اس مصلحت کی رعایت ضروری ہوتی ہوگی اور ایسا ہی چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اکبر شاہ اپنے اسلامی عقائد پر قائم رہ کر بھی ہنود سے بے تعصبی کا سلوک کر سکتا تھا اور انہیں ان کے واجبی حقوق دے کر خوش رکھ سکتا تھا۔ غرض یہ چیز قابل اعتراض نہیں۔ قابل ملامت یہ امر ہے کہ اس نے دین حنیف سے سرکشی کی اور راہ حق کو چھوڑ کر کھلم کھلا ارتداد اختیار کر لیا۔

۵ ... آزاد صاحب رقم فرما ہیں کہ مسجدوں کے بھوکوں کو جب تر نوالے ملے اور حوصلے سے زیادہ عزتیں ہوئیں تو گردنوں کی رگیں سخت تن گئیں۔ آپس میں جھگڑنے لگے۔ (دربار اکبری ص ۳۸)

اور فرماتے ہیں کہ ان نااہلوں کے کاروبار دیکھ کر نیک نیت بادشاہ کو ضرور خیال ہوا ہو گا کہ حسد اور کینہ وری علمائے کتابی کا خاصہ ہے۔ اچھا انہیں سلام کروں۔ (دربار اکبری ص ۶۴)

لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی طعن و تشنیع کچھ آزاد صاحب پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ اعتراض ابنائے تعلیم جدید میں سے ہر شخص کی زبان پر ہے کہ مولوی لوگ آپس میں جھگڑتے تھے۔ اس لئے اکبر کو اسلام سے نفرت ہو گئی۔ ان اعتراضات کے جواب میں التماس ہے کہ یہ خیال بالکل لغو بیہودہ اور سخت مضحکہ خیز ہے کہ مولویوں کی باہمی آویزش نے اکبر کو مرتد بنا دیا۔ کیونکہ پرائے شگون کے لئے کوئی شخص اپنی ناک نہیں کاٹ لیا کرتا۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے لڑائی جھگڑے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ سیاسی لیڈروں کو دیکھو۔ ان میں کس طرح سر پھٹول ہوا کرتا ہے۔ جرائد نگار جو قومی کشتی کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں۔ کس طرح اپنے معاصرین کی عزت کے خواہاں رہتے ہیں۔ پارلیمنٹ کی خبریں آپ نے پڑھی ہوں گی۔ وہاں کے ارکان جب آپس میں لڑتے ہیں تو ایوان کی کرسیاں تک اٹھا اٹھا کر ایک دوسرے پر مارتے ہیں۔ ہندوستان کی مجالس مقننہ کو دیکھ لو۔ ارکان میں کس طرح تو تو میں میں رہا کرتی ہے۔ کیا ان لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے کبھی کوئی شخص اپنے مذہبی معتقدات یا سیاسی مسلک سے دست بردار ہو گیا۔ مولوی صاحبان کے باہمی جھگڑے کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ہر زمانہ میں برپا رہے اور رہیں گے۔ کیا ان نزاعات کی وجہ سے سلاطین و خلفائے اسلام یا اعیان ملت میں کبھی کسی شخص نے اکبر کی طرح اسلام سے رشتۂ عقیدت منقطع کر لیا؟ ہرگز نہیں۔ اگر علمائے امت نے اہل بدعت اور پرستاران الحاد سے جھگڑا کیا تو انہوں نے اسی طرح اپنا فرض ادا کیا جس طرح پولیس ڈاکوؤں سے مزاحمت کر کے اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی زمین علماء سوء کے وجود سے بھی خالی نہیں۔ خصوصاً اس کفرزار و غلام آباد ہندوستان میں بہت سے دنیا پرست مولوی اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے اور فساد کی تخم ریزی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن تمام علماء کو مطعون کرنا انتہاء درجہ کی شقاوت و بدنصیبی ہے۔ علماء بشر ہیں وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ساری غلطیاں اور کمزوریاں اس ایک خوبی کے مقابلہ میں نظر انداز کر دینی چاہئیں کہ وہ شریعت اسلام کے حامی ہیں اور جب کبھی اہل الحاد اور ارباب نفاق کی طرف سے کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ جھٹ دین حق کی تائید میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

اکبر کے ارتداد کا اصل بانی و محرک

اکبر کے ارتداد کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ بدنصیبی سے ابوالفضل، فیضی اور ان کے باپ مبارک کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ یہ تینوں سخت ملحد تھے۔ یہ لوگ قدیم جذبہ، عناد کی بناء پر جو ہر وقت ان کے دل میں مشتعل تھا۔ نہ صرف علماء کے خلاف اکبر کے کان بھرتے رہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اسلامی اصول و عقائد میں الجھنیں ڈال کر بھی اکبر کو اسلام کی طرف سے متنفر کر دیا تھا۔ خود آزاد صاحب کا بیان میرے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ "ان ہی دنوں میں شیخ ابوالفضل بھی آن پہنچے۔ اس فضیلت کی جھولی میں دلائل کی کیا کمی تھی اور اس طبع خدا داد کے سامنے کسی کی حقیقت کیا تھی؟ جس دلیل کو چاہا چٹکی میں اڑا دیا۔ بڑی بات یہ تھی کہ شیخ (ابوالفضل) اور شیخ کے باپ (مبارک) نے مخدوم الملک اور صدر الصدور (مولانا عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی) کے ہاتھ سے برسوں تک زخم اٹھائے۔ جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے۔ علماء میں اختلاف وانشقاق کے رستے تو کھل ہی گئے تھے۔ چند ہی روز میں یہ نوبت ہو گئی کہ فروعی مسائل تو درکنار رہے۔ اصول و عقائد میں بھی کلام ہونے لگے اور ہر بات پر طرہ یہ کہ دلیل لاؤ اور اس کی وجہ کیا؟ رفتہ رفتہ غیر مذہب کے عالم بھی جلسوں میں شامل ہونے لگے اور خیالات یہ ہوئے کہ مذہب میں تقلید

(قرآن وحدیث کی پیروی) کچھ نہیں۔ ہر بات کو تحقیق کر کے اختیار کرنا چاہئے۔ ابوالفضل و فیضی کے طرفدار بھی دربار میں پیدا ہوگئے تھے۔ یہ دمبدم اکساتے تھے اور بات بات مین ان (علماء) کی بے اعتباری دکھاتے تھے"۔(دربار اکبری ص ۴۰)

اور لکھتے ہیں: "دربار میں بہت عالم ہندوستان، ایران، وتوران کے آکر جمع ہوگئے۔ چار ایوان کا عبادت خانہ علم کا اکھاڑا تھا۔ راتوں کو علمی جلسے ہوا کرتے۔ اکبر خود آکر شامل ہوتا۔ علمی مسائل پیش ہوتے تھے اور دلائل کی کسوٹی پر کسے جاتے تھے۔ جو جو ایذائیں ان بزرگوں کے ہاتھوں (ابوالفضل اور فیضی کے) باپ نے عمر بھر سہی تھیں اور انہوں نے بچپن میں دیکھی تھیں۔ وہ بھولی نہ تھیں۔ اس لئے ہمیشہ گھات میں لگے رہتے تھے اور حریف کی شکست کے لئے ہر مسئلہ میں دلائل فلسفی اور خیالات عقلی سے خلط مبحث کر دیتے تھے"۔(دربار اکبری ص ۳۴۹)

اسی طرح آزاد صاحب رقم فرماہیں۔ "عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے تمام مذہبوں کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھ لیا ہے اور اس کام پر کس کر کمر باندھی ہے۔ اس نے بادشاہ کی حمایت اور زور خدمت اور زمانہ سازی اور بے دیانتی اور مزاج شناسی اور بے انتہاء خوشامد سے جس گروہ نے چغلیاں کھائیں اور ناروا کوششیں کی تھیں۔ انہیں بری طرح رسوا کیا۔ بحث کے وقت اگر کسی مجتہد کا کلام سند میں پیش کرتے تو کہتا کہ فلانے حلوائی فلا نے موچی فلانے چرم گر کے قول پر ہم سے حجت کرتے ہو؟ بات تو یہ ہے کہ تمام مشائخ وعلماء کا انکار اسے مبارک ہو"۔(دربار اکبری ص ۴۶۹، ۴۶۸)

اور پھر یہ دونوں بھائی بادشاہ اور سلطنت کے بھی خیر خواہ نہیں تھے۔ بلکہ یہ خود غرض مطلب پرست اور عیار تھے۔ اکبر کو بے وقوف بنا کر انگلیوں پر نچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ خود آزاد صاحب لکھتے ہیں کہ: "فیضی اور ابوالفضل نے بھی بھدرا کیا۔ یہ سب باتیں بادشاہ کی دلجوئی اور اس کی مصلحت ملکی کے لئے تھیں۔ ورنہ فیضی اور ابوالفضل جو اپنی تیزی فکر اور زور زبان سے دلائل فلاطوں اور براہین ارسطو کو روئی کی طرح دھنکتے تھے۔ وہ اور دین الٰہی اکبر شاہی پر اعتقاد لائیں گے۔ توبہ توبہ۔ سب کچھ کرتے ہوں گے اور پھر اپنے جلسوں میں آکر کہتے ہوں گے کہ آج کیا احمق بنایا ہے۔ ایک مسخرہ بھی نہ سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے حریف ایسی تجویزوں کے بغیر ٹوٹ بھی نہ سکتے تھے"۔(دربار اکبری ص ۴۹۱)

غرض دربار اکبری کا مذہبی دنگل دراصل علمائے دربار اور ملاحدہ دربار کا اکھاڑہ تھا۔ جو ایک دوسرے کے حریف مقابل تھے۔ مثل مشہور ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی۔ پس جاتا ہے۔ ابوالفضل نے دربار میں گاؤزوریاں کر کے اور عقائد اسلام پر ملحدانہ اعتراض کر کے اکبر کو بھی اپنی طرح ملحد وبے دین بنا دیا۔ اس کی اپنی عاقبت تو تباہ ہی تھی۔ اپنے ساتھ بیچارے اکبر کو بھی لے ڈوبا ار ساتھ ہی ان ہزاروں لاکھوں حرمان نصیبوں کے لئے بھی قبریں کھود ڈالیں۔ جنہوں نے دین حق سے انحراف کر کے کھلم کھلا ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ ان تمام تر گمراہیوں کا وبال نکال اسی عدو اللہ ابوالفضل کی گردن پر ہے۔ گو فیضی بھی اس کا شریک کار تھا۔ لیکن اکبر کا اصل شیطان ابوالفضل تھا۔ جسے حکیم الملک فضلہ کہا کرتے تھے۔ اگر اس کی سرشت میں بدی نہ ہوتی تو وہ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی سے انتقام لینے کے بعد اکبر کو کوئی نیک مشورہ بھی دیتا۔ مگر اس خمیر مایۂ فساد نے اسے ہمیشہ غلط راستہ پر ڈالے رکھا اور کبھی بے لاگ مشورہ دے کر اکبر اور اس کی رعایا کی خیر خواہی نہ کی۔

آزاد کا بیان کہ خوشامد کوئی آسان کام نہیں

آزاد صاحب ابوالفضل اور فیضی کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش میں لکھتے ہیں کہ: "آج کل کے روشن دماغ کہتے ہیں کہ دونوں بھائی حد سے زیادہ خوشامدی تھے۔ درست ہے مگر انہیں کیا خبر ہے کہ موقع وقت کیا تھا اور ان کا میدان (دربار) کیسے پرانے پر زور اور جنگ آزمودہ دشمنوں (علماء) سے بھرا ہوا تھا۔ یہی آئین جنگ اور یہی توپ وتفنگ (روباہ بازی، عیاری اور خوشامد) تھے۔ جنہوں نے ایسے حریفوں (علماء) پر فتح یاب کیا۔ نئ

سلطنت کا بنانا (دربار میں) اختیارات حاصل کرنا اور اپنے حسب مطلب بنانا (بادشاہ کو اسلام سے متنفر کر کے اپنے ڈھڑے پر لگانا) اور پرانی جڑوں کو زمین کی تہ میں سے نکالنا (بادشاہ کے دل میں علماء کی طرف سے نفرت و عناد کی تخم رانی کرنا اور علماء کو اکھیڑ پھینکنا) انہی لوگوں کا کام تھا۔ جو کر گئے۔ خوشامد کیا آسان بات ہے؟ پہلے کوئی کرنی تو سیکھے "۔(دربار اکبری ص ۳۶۲)

سید محمد نور بخش جونپوری

سید محمد نور بخش جونپوری اولیائے مغلوب الحال میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عالم حال و وجد میں دیکھا کہ شخص خطاب کر رہا ہے۔ "انت مہدی" یعنی تو مہدی ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں مہدی موعود ہوں۔ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کر بیٹھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں وہی ہوں۔ جس کی بشارت جناب مخبر صادق ﷺ نے احادیث صحیحہ میں دی ہے۔ کچھ زمانہ تک اس دعویٰ پر قائم رہے۔ ہزارہا لوگوں نے ان کی متابعت کی۔ آخر حج بیت اللہ کا قصہ کیا۔ اثنائے راہ میں ان کو کشف ہوا کہ وہ مہدی موعود نہیں۔ بلکہ بایں معنی مہدی ہیں کہ عبادت الٰہی کی طرف خلق خدا کی راہنمائی کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کشف کے بعد دعوائے مہدویت سے تائب ہوئے اور اپنے مریدوں اور ہمراہوں کو بھی ہدایت کی کہ اس اعتقاد سے توبہ کریں اور کہا کہ سفر حج سے واپس چل کر اعلان عام کر دوں گا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں۔ لیکن اثنائے سفر میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ وہ مرید جو رفقائے سفر تھے۔ جب وطن کو لوٹے تو انہوں نے آ کر بتایا کہ سید نور بخش نے سفر واپسیں سے پیشتر دعوائے مہدویت سے رجوع کیا تھا۔ بعض لوگ اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور بعض پہلے عقیدہ پر اڑے رہے۔(ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۲، ناقلاً عن معارج الولایت)

موئخر الذکر جماعت کو نور بخشیہ کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ پہلے اہل کشمیر تمام حنفی المذہب تھے۔ لیکن فتح شاہ کے زمانہ میں عراق سے ایک شخص جس کا نام شمس الدین تھا۔ کشمیر آیا اور اپنے آپ کو میر محمد نور بخش کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو مذہب نور بخشیہ کی دعوت دینے لگا۔ یہ مذہب کفر و زندقہ سے ہمکنار ہے۔ اس کے پیرو روافض کی طرح خلفائے ثلاثہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتے ہیں۔ میر سید محمد نور بخش کو صاحب الزمان اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تمام عبادات اور معاملات میں بڑے بڑے تصرفات کئے ہیں۔ حالانکہ میں نے بدخشاں وغیرہ مقامات میں جن نور بخشیوں کو دیکھا تھا وہ شریعت ظاہری سے آراستہ اور سنن نبویہ سے پیراستہ تھے۔ وہ لوگ ہر بات میں اہل سنت وجماعت سے متفق تھے۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نور بخش کی اولاد میں سے ایک شخص نے ان کا ایک رسالہ بھی مجھے دکھایا تھا۔ اس میں بعض باتیں خوب لکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ سلاطین، امراء اور جہال کا گمان ہے کہ ظاہری سلطنت طہارت و تقویٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ اعظم انبیاء و رسل ﷺ منصب نبوت کے ساتھ بر سر حکومت تھے۔ اسی طرح حضرات یوسف، سلیمان، داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی فرمانروا تھے۔ شمس الدین مذکور نے نور بخشی مذہب میں تصرفات کر کے اپنے مذہب کی جو کتاب کشمیر میں رائج کی۔ اس کو (یااحوطہ) کہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب بغرض تنقید کشمیر سے ہندوستان بھیجی۔ علمائے ہند نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ اس کتاب کا مصنف باطل مذہب کا پیرو اور سنت مطہرہ سے دور ہے۔ اسے فرقۂ حقہ اہل سنت وجماعت سے کوئی واسطہ نہیں اور اس کا یہ دعویٰ "ان اللہ امرنی ان ارفع الاختلاف من بین ہذہ الامۃ اولا فی الفروع سنن الشریعۃ المحمدیۃ کما کانت فی زمانہ من غیر زیادۃ ونقصان وثانیا فی الاصول من بین الاسم وکافۃ اہل العلم بالیقین "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ امت کے اختلاف مٹادوں۔

بالکل جھوٹا ہے اس کتاب کا مؤلف زندقہ کی طرف مائل ہے۔ جن لوگوں کو قدرت ہو ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کو تلف کر دیں اور اس کے پیروؤں کو اس مذہب باطل سے ہٹا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب حق کی متابعت پر مائل کریں۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ جب یہ فتویٰ میرے پاس کشمیر پہنچا اور میں نے اس کا اعلان کیا تو بہت سے نور بخشی تائب ہو کر حنفی مذہب میں داخل ہو گئے اور بعض تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفی کہلانے لگے۔ حالانکہ وہ قطعاً صوفی نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہیں۔ جن کا کام لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

قومے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ   انگہ جہالت بہ بطالت آگاہ

ایک ایسی قوم ہے جو نہ ظاہر (دنیاوی حقیقت) سے واقف ہے نہ باطن (روحانی حقیقت) سے، ان کی جہالت اس حد تک ہے کہ باطل ہی کو حق سمجھ بیٹھے ہیں۔

مستغرق کفر ند و حقیقت گویند   لاحول ولا قوۃ الا باللہ

وہ کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر باتیں حقیقت کی کرتے ہیں   لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

انہیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ انہوں نے شب بیداری اور کم خواری کو تقویٰ طہارت سمجھ رکھا ہے۔ کرامات کی لاف زنی کرتے ہیں۔ غیب کی جھوٹی خبریں بتایا کرتے ہیں کہ اس سال یوں ہو گا اور فلاں سال یہ ہو گا۔ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور باوجود اس رسوائی کے چلے کھینچتے ہیں۔ علوم شریعت کو نہایت مذموم و مکروہ خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے شریعت سے الگ ہو کر اپنی خانہ زاد طریقت کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کیا سروکار؟ ان کی طریقت کو شریعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نور کا وجود آفتاب سے وابستہ ہے اور آفتاب ہماری صفائی واقعی عقیدہ سے قائم ہے اور ہمارا وجود اس کی نورانیت کا مرہون منت ہے۔ اگر ہم اپنی صفائی عقیدہ کو مکدر کر دیں تو آفتاب بھی نابود ہو جائے اور اگر آفتاب ہم پر فیض گستر نہ ہو تو وہ بھی قعر عدم میں جا پڑے۔ غرض جس طرح ہم اس کے ساتھ موجود ہیں اس طرح ہمارے بغیر اس کا وجود بھی محال ہے۔ چونکہ اس پر دن کے وقت ہمارے احوال روشن ہیں۔ ہمیں صلاح و خوبی کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا چاہئے۔ البتہ جب رات آ کر تاریکی کی ساہ چادر تان دیتی ہے تو وہ ہمیں نہیں دیکھتا اور ہمارے احوال پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رات کی تاریکی میں جو کچھ بھی کر لیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ غرض یہ فرقہ سخت گمراہ ہے۔ ایسے زنادقہ و ملاحدہ کسی اور جگہ نہ دیکھے گئے ہوں گے۔

سید محمد نور بخش صاحب تصانیف تھے۔ غیر مسلموں کو ان کی تصنیفات سے کس قدر شغف تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ پارسیوں کا مذہبی پیشوا شیدوش مؤبد جب ۱۰۴۰ھ میں کشمیر میں مرا ہے تو حالت نزع میں اس نے میر نور بخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔ جس کے آخری مصرعہ پر اس کا دم نکل گیا۔

یکے قطرہ ام از محیط وجود   اگر چند دارم کشف دستور

میں وجود کے وسیع سمندر کا محض ایک قطرہ ہوں،   اگرچہ کچھ نہ کچھ عرفان و کشف کا ذوق رکھتے ہیں۔

من از قطرہ کے گشت ام بس نفور   خدایا رسانم بہ دریائے نور

مگر میں اس قطرہ پن سے سخت گھبرا گیا ہوں،   اے خدا! مجھے نور کے بے پایاں سمندر تک پہنچا دے۔

بایزید روشن جالندھری

بایزید ابن عبداللہ انصاری ۹۳۱ھ میں بمقام جالندھر (پنجاب) پیدا ہوا۔ نبوت کا مدعی تھا۔ کہتا تھا کہ جبرائیل امین میرے پاس رب العالمین کی طرف سے پیغام لاتے ہیں اور میں خالق کون و مکان کو اپنی ان دو ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور بلا توسل جبریل بھی خدا سے بالمشافہ گفتگو کرتا

ہوں۔ بایزید نے اپنا لقب روشن پیر رکھا تھا۔ ایک دفعہ کہنے لگا کہ مجھے غیب سے ندا ہوئی ہے کہ تمہیں سب لوگ روشن پیر کہا کریں۔ چنانچہ اس کے پیرو اسے ہمیشہ اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔ مگر عامۃ المسلمین میں وہ تاریک پیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ بایزید صاحب تصانیف تھا بہت سی کتابیں عربی، فارسی اور پشتو میں مدون کیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام خیر البیان ہے۔ جسے عربی، فارسی، ہندی اور پشتو چار زبانوں میں لکھا تھا۔ کہتا تھا کہ خیر البیان کلام الٰہی ہے۔ اس میں صرف وہی باتیں ہیں جو رب العالمین نے مجھے مخاطب کر کے کہیں۔ اسی بناء پر اس کے پیرو اس کے صحیفۂ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس کی ایک کتاب کا نام حال نامہ تھا۔ اس میں اپنے سوانح حیات قلمبند کئے تھے۔ بایزید کلام الٰہی کے حقائق و معارف بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور لوگوں کے دل پر اس کے تبحر علمی کا سکہ جما ہوا تھا۔ اس کے دعویٰ نبوت سے پیشتر مرزا محمد حکیم خلف ہمایوں بادشاہ صوبہ دار کابل نے اپنے دربار میں علماء سے اس کا مناظرہ کرایا۔ فقہائے کابل جو علوم عقلیہ سے بالکل عاری تھے روایتوں کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مقابلہ کو آئے۔ مگر بایزید کے مقابلہ میں محض منقولات سے کیا کام چلتا تھا۔ علماء نے زک اٹھائی اور صوبہ دار اس کی خوبیٔ تقریر اور زور کلام کی وجہ سے معتقد ہو گیا۔

پیر کے برکت انفاس سے محرومی

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں۔ مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی و رفاہ خلائق اس کا مایۂ خمیر تھی۔ طفلی میں اگر اپنی زراعت کی نگرانی کے لئے جاتا تو دوسرے کاشتکاروں کے کھیت کی بھی خبر گیری کرتا۔ بیوہ اور بوڑھی عورتوں کو سودا سلف لا دیتا۔ ان کے گھڑے بھر لاتا۔ بیکس دورماندہ لوگوں کو کھانا پکا دیتا۔ اگر محتاج ہوتے تو آٹا بھی اپنے گھر سے پہنچا دیتا۔ ادنیٰ، اعلیٰ سب کا خدمت گار تھا۔ کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس میں اور کتے بلی میں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیز گار تھا۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ ان دنوں میں اس کے اقرباء میں سے خواجہ اسماعیل نام ایک صوفی جالندھر میں مسند ارشاد پر متمکن تھا۔ بہت لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا۔ مگر اس کا باپ عبد اللہ مانع ہوا اور کہنے لگا۔ میرے لئے یہ ننگ و عار ہے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرومایہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جا کر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے کسی کو اپنا ہادی بناؤ۔ بایزید کہنے لگا کہ شیخی اور بزرگی کوئی موروثی چیز نہیں ہے۔ غرض کہیں بھی مرید نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس پر پنجہ اغوا مارا اور تقدس کے دوسرے دوکانداروں کی طرح اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس کے عربی الہام دبستان مذاہب میں درج ہیں۔ جو صاحب ان کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

ملحد کی صحبت کا اثر اور بیٹے پر باپ کا قاتلانہ حملہ

جب بڑا ہوا تو وطن مالوف کو الوداع کہہ کر ماں کے ساتھ اپنے والد کے پاس کالی کرم واقع کوہ ہائے روہ کو چلا گیا۔ وہاں کوئی تجارت شروع کی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لئے سمرقند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالنجر پہنچ کر ملا سلیمان کالنجری نام ایک ملحد کی صحبت میں رہا۔ ملحد مذکور تناسخ کا قائل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تناسخی العقیدہ ہو کر نعمت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالنجر سے لوٹ کر کالی کرم پہنچا تو اپنے عقیدہ تناسخ کی نشر و توزیع شروع کر دی۔ عبد اللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیٹے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیٹے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے ننگرہار کو چلا گیا اور وہاں علاقہ مہمند میں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بد مذہبی کا حال معلوم ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اس

کی طرف سے سخت بدگمان کر دیا۔ اس لئے تمام لوگ اس سے دور دور بھاگنے لگے۔ غرض اس جگہ اس کا کسی پر جادو نہ چل سکا۔ یہاں سے بے نیل ومرام پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے۔ مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں بلاشرکت غیرے پیری و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خلیل اس کی مطیع ہو گئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا۔ یہاں بھی اس کی مشیخت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مگر علماء مباحثہ کرنے کے لئے امنڈ آئے۔ اخوند درویزہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ بایزید مغلوب ہو گیا۔ مگر اس کے مرید ایسے خوش اعتقاد اور طاقتور تھے کہ اخوند درویزہ کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خاں نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا۔ تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک وہاں زندان بلا کی مشقتیں سہتا رہا۔ آخر رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا اور وعظ و تذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور ورکزی پٹھانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

ایک عالم سے مذہبی چھیڑ چھاڑ

جس طرح ابلیس مرزا غلام احمد کادیانی کو اپنی نورانی شکل دکھایا کرتا تھا اور یہ بیچارے اس کو اپنا معبود برحق یقین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح بایزید بھی ابلیس کے رخ انور کے شرف دیدار سے مشرف ہو کر اس کو (معاذ اللہ) خدائے برتر سمجھ بیٹھا تھا۔ چنانچہ اسی اذعان و یقین کی بناء پر لوگوں سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ تم لوگ کلمۂ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ وہ کہتے "اشھد ان لا الہ الا اللہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا پرستش کے لائق کوئی نہیں۔

بایزید کہتا کہ جس کسی نے خدا کو دیکھا اور پہچانا نہیں وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا کو نہیں دیکھتا وہ اس کو پہچانتا بھی نہیں۔ مولانا زکریا نام ایک سرحدی عالم نے بایزید سے کہا کہ تمہیں کشف القلوب کا دعویٰ ہے۔ بتاؤ اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ بایزید نے ملحدانہ عیاری سے کام لے کر جواب دیا کہ میں تو یقیناً کاشف قلوب اور لوگوں کے خواطر و تخیلات سے آگاہ ہوں۔ لیکن تمہارے اندر تو دل ہی نہیں ہے۔ اگر تمہارے اندر دل موجود ہوتا تو میں ضرور اس کی اطلاع دیتا۔ مولانا زکریا نے کہا اچھا اس کا فیصلہ آسان ہے۔ یہ قوم کے لوگ سن رہے ہیں۔ تم مجھے قتل کر دو۔ اگر میرے سینہ میں سے دل برآمد ہوا تو پھر لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔ بایزید کہنے لگا کہ یہ دل جس کو تم دل سمجھ رہے ہو۔ یہ تو گائے بکری اور کتے تک میں موجود ہے۔ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ دل اور ہی چیز ہے۔ چنانچہ رسول عربی (ﷺ) نے فرمایا ہے" : قلب المؤمن اکبر من العرش واوسع من الکرسی "(مؤمن کا دل عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے) مگر بایزید کا یہ بیان بالکل لغو ہے۔ دل وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں لطیفہ قلب کہلاتا ہے اور حدیث صحیح میں پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جب اس میں فساد رونما ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ دل ہے۔ حضرات صوفیہ طرح طرح کے افکار و اشغال سے اسی قلب کی اصلاح میں کوشاں رہتے ہیں۔ جب یہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اس پر تجلیات الٰہیہ کا دردہ ہوتا ہے اور دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا اٹھتا

ہے۔ اسی دل کی آنکھوں سے اہل اللہ خدائے بیچوں کو بے کیف دیکھتے ہیں۔ اسی دل پر خواطر وخیالات اس طرح موجزن رہتے ہیں جس طرح سطح آب پر لہریں اٹھتی ہیں۔ چونکہ بایزید کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا۔ مولانا زکریا اس سے اپنے دل کا راز دریافت کرنے میں حق بجانب تھے۔ لیکن بایزید نے جیسا کہ دجالوں کا عام شعار ہے۔ اس سوال کو باتوں ہی میں اڑا دیا۔ مؤمن کے دل کے عرش سے زیادہ بڑے اور کرسی سے زیادہ وسیع ہونے کا مقولہ جو بایزید نے حضرت خیر البشر ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ محض افتراء ہے۔ یہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو ارشاد گرامی نہیں۔ البتہ ممکن ہے کہ کسی صوفی کا قول ہو۔ اس کے بعد مولانا زکریا نے کہا کہ تمہیں کشف قبور کا دعویٰ ہے۔ ہم تمہارے ساتھ گورستان چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی مردہ تم سے ہم کلام ہوتا ہے یا نہیں؟ بایزید کہنے لگا کہ مردہ تو یقیناً مجھ سے ہم کلام ہوگا اور میں اس کی باتیں سنوں گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کچھ نہ سنو گے۔ اگر تم مردے کی آواز سن سکتے تو میں تمہیں گبر کیوں کہتا؟ اس جواب پر لوگ کہنے لگے کہ پھر لوگ کس طرح یقین کریں کہ تم حق پرست ہو؟ بایزید بولا کہ تم میں سے ایک شخص جو سب سے بہتر اور فاضل ہو وہ میرے پاس رہے اور میرے آئین کے موافق عبادت وریاضت بجالائے۔ اگر اسے کچھ نفع ہو تو پھر میرا مرید ہو جائے۔ مرزا غلام احمد کادیانی نے بھی اسی قسم کی ایک مضحکہ خیز شرط پیش کی تھی کہ جو کوئی میرا معجزہ دیکھنا چاہے وہ کادیان آئے اور نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ ایک سال تک کادیان رہے۔ اس کے بعد میں معجزہ دکھادوں گا۔ ملک مرزا نام ایک شخص بایزید سے کہنے لگا کہ اے بایزید! لغو بیانی سے باز آؤ اور مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔ جو کوئی چاہے تمہاری پیروی اختیار کرے اور جو پسند نہ کرے وہ اپنی راہ پر گامزن رہے۔ بایزید بولا کہ اگر کسی مکان میں جانے کا ایک ہی راستہ ہو۔ بہت سے آدمی اس میں سو رہے ہوں اور اس گھر کو آگ لگ جائے۔ اچانک ان میں سے ایک آدمی کی آنکھ کھل جائے۔ کیا وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہیں؟ لیکن یہ تمثیل صحیح نہیں تھی۔ مسلمان تو پہلے سے بیدار تھے ان کو خواب گمراہی کا یہ مست بھلا۔ کیونکر بیدار کر سکتا تھا۔

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

لوگوں نے کہا اے بایزید! اگر حق تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تو بلا تامل کہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور میں مہدی ہوں۔ لیکن مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔

اکبر شاہ کا حریف مقابل

سرحدی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہو کر بایزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جمالئے۔ یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہو کر اس کا حریف ومقابل بن گیا اور کھلم کھلا علم سیتزہ کاری بلند کر دیا۔ بایزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ ہر جگہ آتش ہیجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہو گئے۔ جب بایزید کی چیرہ دستیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہو کر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور زیادہ بڑھے۔ افغانوں کی نظر میں شاہی فوج کی کچھ حقیقت نہ رہی اور سرحدی علاقوں میں اکبری حکومت کے خلاف ایسے ایسے مفاسد پیدا ہوئے جو شب سیاہ سے بھی زیادہ تاریک تھے۔ اکبر یہ دیکھ کر گھبرایا۔ لیکن وہ بھی بساط تدبیر کا پکا شاطر تھا۔ اس نے اہل تیراہ کو زر ومال کے اسلحہ سے رام کر کے اپنے ڈھب پر لگالیا۔ اب تیراہی ظاہر میں تو بایزید کا کلمہ پڑھتے تھے۔ مگر بباطن سلطنت مغلیہ کے ہوا خواہ تھے۔

جب بایزید کو تیراہیوں کے مکر و نفاق کا علم ہوا تو اس نے بہتوں کو خون ہلاک سے گلگوں کیا اور بعض کو ملک بدر کیا۔ انجام کار اس کے پیرو تیراہ پر پوری طرح متسلط ہو گئے۔ اب اس نے ننگرہار پر بھی قبضہ کر لیا اور جن بستیوں نے اس کے حکم سے ذرا بھی سرتابی کی انہیں لوٹ کر برباد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ سرحدی میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش باقی نہ رہی۔ مگر ان سفاکیوں کی وجہ سے فضائے ملک مکدر ہونے لگی اور بعض قبائل بایزید کی اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ مگر چونکہ اس کی شان و شوکت اور وسعت اقتدار غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی۔ اس لئے کوئی مخالفت بار آور نہ ہوئی۔ بایزید کا علم یکتائی دن بدن بلند ہوتے دیکھ کر اکبر بادشاہ ہر وقت انتقام کے لئے دانت پیس رہا تھا۔ آخر بایزید کے استیصال کا عزم صمیم کر کے ایک اور فوج گراں روانہ کی اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خان صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیار ہو کر بایزید پر چڑھ آیا اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کارزار گرم ہوا اور ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سر بکف جانباز بایزید کی تائید میں اڈے چلے آرہے تھے۔ لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ روبزوال ہو گیا تھا۔

دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عہدہ بر آنہ ہو سکا اور شکست فاش کھائی۔ اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو بس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیرو مارے گئے اور بعض دشوار گذار پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ خود بایزید نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔ اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور موت کے فرشتہ نے پیام اجل آسنایا۔ افغانستان کے سلسلہ کوہ میں بھتہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

بایزید کے بعض متصوفانہ اقوال

بایزید کے متصوفانہ اقوال جن کی بناء پر بعض سادہ لوح ظاہر بین اس کو عارف باللہ یقین کرتے تھے۔ بایزید کی کتاب حالنامہ میں درج ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں زبان سے کلمۂ شہادت کہنا اور اس کی تصدیق کرنا شریعت کا فعل ہے اور زبان کو ہر وقت تسبیح و تہلیل اور ذکر خداوندی میں مصروف رکھنا اور دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھنا۔ طریقت کا فعل ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور روزہ نفل سیری سے بچنا کم خوری کی عادت کرنا اور جسم کو برائیوں سے محفوظ رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ مال کی زکوٰۃ اور عشر دینا شریعت کا فعل ہے اور فقیر اور روزہ دار کو کھانا کپڑا دینا اور درماندوں کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے۔ بیت خلیل کا طواف کرنا اور ہر قسم کے گناہ اور لڑائی جھگڑے سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور خانہ خدا یعنی دل کا طواف کرنا اور نفس امارہ سے جنگ کرنا اور ملائکہ کی سی اطاعت کرنا طریقت کا فعل ہے۔ دائم یاد حق میں مصروف رہنا ماسوی اللہ کا پردہ دل سے دور کرنا اور جمال دوست کا نظارہ کرنا حقیقت کا فعل ہے۔ نور عقل کے ذریعہ سے اس کو ہر جگہ معلوم کرنا اور مخلوقات میں سے کسی کو مضرت نہ پہنچانا معرفت کا فعل ہے اور حق کو پہچاننا اور تسبیح کی آواز سننا اور اس کو سمجھنا قربت کا فعل ہے اور اپنے وجود کو ترک کرنا اور ہر فعل کا مصدر ذات باری کو یقین کرنا اور فضولیات سے بچنا وصال کو سمجھنا وصلت کا فعل ہے۔ اپنی ذات کو حق مطلق میں فانی کر دینا اور باقی مطلق ہو جانا اور احد کے ساتھ موحد ہو جانا شر سے پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے اور مسکن اور ساکن ہونا صفات باری تعالیٰ اختیار کرنا اور اپنے وصف کو چھوڑ دینا سکونت کا فعل ہے اور سکونت سے بالاتر کوئی درجہ نہیں۔ قربت، وصلت، وحدت اور سکونت وغیرہ اصطلاحیں خاص بایزید کی تراشی ہوئی ہیں۔ وحدان مراتب کو شریعت طریقت اور معرفت سے فائق جانتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ حسب دلخواہ عربی عبارتیں لکھ کر ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور پھر بات بات میں کہنے لگتا کہ حدیث میں یوں آیا ہے۔ مثلاً کہتا تھا کہ رسول

عربی (ﷺ) نے فرمایا ہے :"الشریعۃ کمثل اللیل والطریقۃ کمثل النجوم والحقیقۃ کمثل القمر والمعرفۃ کمثل الشمس ولیس فوق الشمس شئ "(شریعت رات کی مانند ہے۔ طریقت ستاروں کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت قمر کی طرح ہے اور معرفت آفتاب کی مانند ہے اور آفتاب سے فائق و برتر کوئی چیز نہیں) حالانکہ یہ دعویٰ بدیہی البطلان ہے کہ شریعت رات کی مانند ہے۔ ان خرافات کا قائل ملحدوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ان کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا جاسکے۔

بایزید کی شریعت

یہ تو اس کے متصوفانہ اقوال تھے۔ اب اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ بایزید مسلمانوں کا ذبیحہ حرام بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ جو شخص مجھے میرے تمام دعوؤں میں سچا نہیں جانتا اور وحدت وجود کے مسئلہ ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام و نجس ہے۔ بایزید خود نماز کا پابند تھا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تاکید کرتا تھا۔ مگر قبلہ کی تعیین کا پابند نہ تھا۔ بلکہ جدھر چاہتا منہ کر کے نماز پڑھ لیتا اور جب اس پر اعتراض ہوتا تو اس آیۃ قرآنی سے استدلال کرتا۔ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ "(تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے) مگر یہ استدلال قطعاً باطل ہے۔ اس آیۃ کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مجاز ہے کہ جدھر چاہے منہ کر لیا کرے۔ بلکہ اس آیۃ میں محض یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ آغاز اسلام تک اہل ایمان کا قبلہ بیت المقدس چلا آتا تھا۔ لیکن جب بیت المقدس کی جگہ کعبہ معلی قبلہ مقرر ہوا تو یہود نے تبدیل قبلہ پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارباب ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرف تم نے اب رخ کیا ہے۔ ادھر بھی اللہ ہی کا رخ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک کسی بندہ سے ممکن نہیں۔ اسی طرح اس کے صفات کی حقیقت بھی فہم انسانی سے خارج ہے۔ پس اس ارشاد سے کہ ادھر ہی کو اللہ کا رخ ہے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا کوئی جسم ہے یا اس کی ذات (معاذ اللہ) محیط ہے۔ ایسے مضامین پر بالاجمال ایمان لانا چاہئے۔ لیکن اس کی حقیقت کو خدائے برتر کے سپرد کر دینا چاہئے۔ بایزید نے غسل جنابت اڑا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ پانی کے ساتھ غسل کرنے کی حاجت نہیں۔ ہوا لگنے سے بدن خود بخود پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چاروں عنصر پاک کرنے والے ہیں۔ اس کا بیان تھا کہ جو کوئی خدا کا اور اپنی ذات کا عارف نہ ہو۔ وہ انسان نہیں بلکہ بھیڑیئے، شیر، سانپ، بچھو وغیرہ درندوں اور موذیوں کے حکم میں ہے۔ ایسے شخص کا مار ڈالنا واجب ہے اور اگر نیک کردار، عابد اور نماز گذار ہے تو وہ گائے، بکری، بھیڑ کے حکم میں ہے۔ اس کا مار ڈالنا جائز ہے۔ مگر واجب نہیں۔ اگر ایسے شخص کو نظر انداز کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ تو قول تھا لیکن عمل یہ تھا کہ اس کے پیرو ہر اس شخص کی لوح ہستی کو جو بایزید کی خانہ ساز نبوت و مہدویت کا منکر ہوتا نقش حیات سے پاک کر دیتے۔ اس اقدام پر بایزید اس آیۃ سے استدلال کرتا تھا۔ "اولئک کالانعام بل ہم اضل "یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

حالانکہ یہ آیت کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ اگر مسلمان بایزید کے حدود عملداری میں موت کے نقاب میں منہ چھپاتا تو اس کے وارثوں کو اس کا ترکہ نہ دیتا بلکہ متوفی کے وارث اس کے مرید قرار پاتے تھے اور اس ظلم و بیداد کی دلیل جواز یہ بیان کرتا تھا کہ جو کوئی خود شناس نہیں اور حیات جاوید سے بے خبر ہے وہ مردہ ہے۔ ایسے شخص کے وارث وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو خود بھی مردہ ہیں۔ بلکہ اس کی میراث زندوں (روشنیوں) کو پہنچتی ہے۔ وہ بسا اوقات مسلمانوں پر خود ناشناس ہونے کا فتویٰ لگا کر ملک عدم میں بھجوا دیتا تھا اور اس کی جائیداد پر خود قبضہ کر لیتا تھا اور اگر اپنے زعم فاسد میں کسی ہندو کو خود شناس پاتا تو خود ناشناس مسلمان پر اس کو ترجیح دیتا۔ اس نے اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مسلمانوں پر

لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ڈاکہ زنی اور غارت گری ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ یہ لوگ راستوں میں جس مسلمان کو پاتے لوٹ لیتے۔ بایزید ایسے مال میں سے خمس نکال کر بیت المال میں جمع کرتا۔ بایزید کہا کرتا تھا کہ میں خدا ناشناسوں کے قتل کے لئے منجانب اللہ مامور ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے تین بار حکم دیا کہ ان لوگوں کو قتل وغارت کروں۔ مگر میں نے ہتھیار نہ اٹھائے۔ آخر جب چوتھی مرتبہ حکم ہوا تو مجبوراً جہاد کو مستعد ہوا۔

بایزید کی اولاد جلالہ کی اکبر شاہی افواج سے معرکہ آرائیاں

بایزید اپنے بعد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مرا۔ بیٹوں کا نام شیخ عمر، کمال الدین، خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا اور بیٹی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند درویزہ تھے۔ اس لئے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عمر پر حملہ کیا۔ اس معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کام آئے۔ جلال الدین قید ہوا۔ خیر الدین میدان کارزار میں مردہ پایا گیا بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں سے لے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا اور اکبر سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ جلالہ فتح پور سے واپس آکر تیراہ کے پہاڑوں میں رہزنی کرنے لگا اور کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے ۹۹۴ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک برسر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپسیں اس کو قید رکھا۔ جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احداد بن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ احداد ۱۰۳۵ھ میں سلطان نور الدین جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قران کی سورۃ " قل ہو اللہ احد " احداد ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزارہا افغان اس کے پیرو تھے۔ پھر احداد کا بیٹا عبد القادر باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہداد شاہجہاں بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔ (دبستان مذاہب ص ۳۱۱، ۳۰۴)

احمد بن عبد اللہ سلجماسی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی محلی مؤلف کتاب عذراء الوسائل وہودج الرسائل مہدویت کا مدعی تھا۔ ۹۶۷ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فاس گیا اور ابو القاسم بن قاسم بن قاضی اور ابو العباس احمد قدومی اور سید محمد بن عبد اللہ تلمسانی، ابو مجیر، ابو محمد شقرون تلمسانی اور دوسرے علماء سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا۔ حج کر کے مصر گیا اور سنہوری لقانی طنانی، طہ بجیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے حضرت مہدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کئے۔ گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھرمار تھی۔ تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گویا دعوائے مہدویت کی تمہید تھی۔ آخر ۱۰۳۱ھ میں دعوائے مہدویت کر دیا۔ ہزارہا لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ روسائے قبائل وعمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی مہدئ منتظر ہوں جس کے ظہور کی حضرت

مخبر صادق ﷺ نے پیش گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مفلح وکامگار ہو گا اور جو کوئی تخلف کرے گا وہ قعر ہلاک میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب سے افضل ہو۔ کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمن حق میں کھڑے ہوئے تھے۔ جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی اور منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ بہتوں کو لوٹا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی ﷺ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو کہتا کہ میرا غیظ وغضب محض اللہ کے لئے ہے۔

ان ایام میں مراکش کی سرزمین سلطان زیدان کے زیر نگین تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیاں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ ابن ابی محلیٰ اس کے مقابلہ میں صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ ابن ابی محلیٰ کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سلجماسہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل وانصاف کا شیوہ اختیار کیا اور مظلوموں کی دادرسی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی اور اہل تلمسان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارک باد دینے آئے۔ ان وفود میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور معروف بہ زندہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد ابن ابی محلیٰ کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب سلطان زیدان کے سپہ سالار یونس کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے منقطع ہو کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ابن ابی محلیٰ کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار وخفایا سے مطلع کر کے کہا کہ تم زیدان پر چڑھائی کرو۔ اس کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ابی محلیٰ لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ پر آیا۔ پرتگالی نصاریٰ نے سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستہ فوج روانہ کیا۔ سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ سلطان حسن سلوک سے پیش آیا اور پرتگالی قیدیوں کو رہا کر کے ان کو دستہ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ ابن ابی محلیٰ نے اس کو شکست دی اور شہر مراکش میں داخل ہو کر وہاں قابض ومتصرف ہو گیا۔ زیدان جان بچا کر برالعدوۃ کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زیدان ایک مشہور عالم فقیہ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ دادودمی کے پاس گیا۔ جو کوہ درن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ ان میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابوزکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ۸؍رمضان ۱۰۲۲ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ نے موضع جیلیر مضافات مراکش کے پاس پہنچ کر کوہ مطل پر قیام کیا اور حرب وضرب کی تیاریاں شروع کیں۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اسے فنا کر دیا۔ غرض نسیم فتح فقیہ کے رایت اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلیٰ کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جانستان کی نذر ہوا۔ فقیہ ابوزکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے۔ اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ ابن ابی محلیٰ اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلیٰ کے پیرو کہتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے لئے نظروں سے

غائب ہوئے ہیں۔

شیخ یوسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلیٰ اپنے استاد ابن مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے۔ مگر یاد رکھو کہ اس اوج و رفعت کے بعد نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلیٰ صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا اور کہنا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں۔ ایک صاحب وجد و حال صوفی اس کے جواب میں کہنے لگا تین سال تین سال۔ چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک بر سر حکومت رہا اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ الٰہی! تونے کہا ہے اور تیرا قول حق ہے۔ "وتلک الایام نداولہا بین الناس "(اور ہم ان ایام کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں) جب یہ حالت ہے تو بار خدایا! تو مجھے لوگوں میں دولت و حکومت دے۔ ابن ابی محلیٰ نے بارگاہ خداوندی سے زوال پذیر حکومت تو مانگی۔ لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسے دولت سے تو چند روزہ سرفرازی بخشی۔ لیکن حسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ابن ابی محلیٰ صاحب تصانیف تھا۔ اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) منجنیق الصحور فی الرو علیٰ اہل الفجور۔ (۲)وضاح۔ (۳)قسطاس۔ (۴)اصلیت۔ (۵)ہووج۔(۶)ابو عمرو قسطلی کے رسالہ کا رد۔ وغیر ذالک!

(کتاب الاستقصاء لاخبار دول المغرب لاقصیٰ ج ۳ ص ۱۰۷، کتاب الیواقیت الثمینہ فی اعیان عالم المدینۃ تالیف محمد البشیر الازہری ج ۱ ص ۲)

احمد بن علی محیرثی

یمن کے علاقہ میں ایک قصبہ محیرث ہے۔ وہاں کا رہنے والا تھا۔ مہدویت کا مدعی تھا۔ انتہاء درجہ کا ذکی و ذی علم تھا۔ پہلے زیدی تھا۔ پھر حنفی ہو گیا۔ صنعاء(یمن) میں عرصہ تک حنفی مذہب کا قاضی رہا ہے۔ لیکن اخیر عمر میں راہ صدق و صواب سے ہٹ کر مہدئ منتظر بن بیٹھا۔ بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ احمد بن علی کی غیر معمولی ذکاوت ہی نے اس کی عقل ماردی اور جودت طبع ہی اس کے لئے وبال جان بن گئی۔

اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی

اے تیری طبیعت کی روشنی! تُو تو میرے لیے آفت بن گئی ہے۔(یعنی: تیری ذہانت / تیری چمک دمک ہی میرے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے۔)

چنانچہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کے ظہور کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو سید احمد بن امام قاسم اور اپنے برادر زادہ حسین کے نام مرقوم تھا۔ لکھتا ہے۔

من الامام المہدی المرتضیٰ للرشد الی الملیک احمد ثم الحسین الارشد

میں امام مہدی مرتضیٰ، جو ہدایت دینے والا ہے، کی نسل سے ہوں اور میری نسبت بادشاہ احمد، پھر اس سے آگے (اس کے فرزند) حسینِ ارشد تک پہنچتی ہے۔

اور کبھی مہدویت کا دعویٰ چھوڑ کر وہ دابہ بن بیٹھتا تھا۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیۃ میں ہے۔ "واذ اوقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بایتنا لا یؤقنون "(جب لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ (یعنی زمانہ) قریب آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے ایک (عجیب و غریب) جانور برآمد کریں گے جو ان سے ہم کلام ہو گا اور کہے گا کہ (کافر) لوگ حق تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے)

یہ شخص شعر و سخن میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

قاضی الجمال اتی یجر ذیولہ کالغصن حرکۃ النسیم الساری

خوبصورتی کا قاضی (یعنی حسن کا پیکر) آتا ہے، اپنی چادر کے دامن لہراتے ہوئے، جیسے لطیف نسیم چلتی ہوئی شاخ کو جنبش دیتی ہے۔

لبس السواد فعاد بدرا فی الدجیٰ　لبس البیاض فکان شمس النہار

جب وہ سیاہ لباس پہنتا ہے تو اندھیری رات میں چاند بن کر چمکتا ہے، اور جب سفید لباس پہنتا ہے تو گویا دن کے وقت کا سورج نظر آتا ہے۔

آخر عمر میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں ۱۰۵۰ھ میں موت کے دامن میں منہ چھپا لیا۔ (خلاصتہ الاثر فی اعیان القرآن الحادی عشر ج ا ص ۲۵۰)

محمد مہدی از مکی

برزنجی اشاعہ لاشراط الساعۃ میں لکھتے ہیں کہ جب میں صغیر سن تھا تو کوہ شہر زور کے ایک گاؤں میں جس کا نام ازمک ہے۔ ایک شخص محمد نام ظاہر ہوا۔ جو مہدویت کا مدعی تھا۔ بے شمار مخلوق اس کی پیرو ہو گئی۔ جب یہاں کے امیر احمد خاں کرد کو اس کے دعاوی واباطیل کی اطلاع ہوئی تو فوج لے کر چڑھ آیا۔ خانہ ساز مہدی خود تو بھاگ گیا۔ لیکن اس کا بھائی گرفتار کر لیا گیا۔ احمد خاں کی فوج نے موضع ازمک کو ویران کر کے اس کے بہت سے پیروؤں کو سخت بدحالی کے ساتھ ملک عدم میں بھیج دیا۔ غرض وہ سخت ذلیل ورسوا ہوا اور اس کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ دعویٰ مہدویت کے علاوہ اس کے مقالات میں سخت الحاد وزندقہ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے علمائے کرام اس کے کفر پر مفتق ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خاں کی فوج نے مہدی از مکی پر قابو پا لیا۔ جب وہ گرفتار کر کے احمد خاں کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے علمائے سے استصواب کیا۔ علماء نے بتایا کہ تجدید ایمان کرے اور بیوی کو از سر نو عقد نکاح میں لائے۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کی اور نکاح دوبارہ پڑھوایا۔ لیکن اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دل سے رجوع نہیں کیا ہے۔ اوائل میں تو اس کا بھائی جو قید ہوا تھا۔ اس سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن جب وہ فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس کی بدولت اس کے پیرو اور بستی والے ذلیل ہوئے تو بھائی اس سے بداعتقاد ہو گیا۔ اس کے بعد نہ صرف اس کی صداقت کا منکر تھا۔ بلکہ اسے اس دعویٰ مہدویت اور الحاد پسندی پر سخت ملامت کیا کرتا تھا۔ برزنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ۱۰۷۰ھ سے پیشتر میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں نے اسے بڑا عابد، کثیر الاجتہاد، پرہیزگار، اکل حلال کا پابند، حرام مشتبہ چیزوں سے متنفر اور خلوت گزین پایا۔

سباتائی سیوی

۸۹۷ھ میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی ملک ہسپانیہ (اسپین) سے خارج کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطنت آل عثمان کا اوج وعروج شباب پر تھا۔ یہود نے اسپین کو الوداع کہہ کر ترکی قلمرو کا رخ کیا اور دولت عثمانیہ کے ظل حمایت میں آکر شہر سلونیکا کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ آج تک ان یہود کی مادری زبان اسپینی زبان ہے۔ انہی یہودیوں میں سباتائی سیوی یا سباتائی زیبی نام ایک یہودی تھا۔ جو سمرنا میں پیدا ہوا اور ۱۶۶۶ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ سباتائی کا باپ سمرنا میں ایک انگریز تاجر کے کارخانہ کی دلالی کرتا تھا۔ مگر سباتائی کو ایام طفولیت سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ اس لئے سلونیکا کے ایک یہودی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ یہاں اس نے توراۃ اور طالمود کے تمام حصے پڑھے اور ہنوز پندرہ ہی سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

اب اس نے حصول شہرت کے لئے تذکیر وموعظة کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اچھی طرح شہرت ہو گئی تو چوبیس برس کی عمر میں یکایک مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہنے لگا کہ میں اسرائیلیوں کو اہل اسلام اور نصاریٰ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ ہزارہا مخلوق اسے مسیحا اور مظہر شان ایزدی تسلیم کرنے لگی۔ لیکن چونکہ اس دعویٰ کے ساتھ ہی سباتائی یہوا نام کا کلمہ علانیہ برسر مجمع عام زبان پر لایا اور یہود میں یہوا رب العزت کا وہ جلالی نام ہے جسے صرف یہود کا پیشوائے اعظم خاص مقام اقدس میں عید فسخ کے موقع پر سال میں صرف ایک مرتبہ ورد زبان کر سکتا تھا۔ اس لئے یہودی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ خبر ربیون کے دارالقضا میں جو پیشدرپن کہلاتا ہے پہنچی تو اس کے چند ارکان دارالقضاء کی جانب سے آکر سباتائی کو ڈرایا، دھمکایا اور کہا کہ اگر یہ گناہ تم سے پھر کبھی سرزد ہوا تو تم جماعت سے خارج کر دیئے جاؤ گے اور جو شخص تمہیں قتل کرے گا وہ عند اللہ اجر جزیل کا مستحق ہو گا۔ سباتائی بھلا ایسی دھمکیوں میں کب آنے والا تھا؟ کہنے لگا مجھے خدائے اسرافیل نے اپنا مخصوص پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے خاص طور پر اپنا جلالی نام ورد زبان کرنے کا مجاز کیا ہے۔ ربیون نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اس دن سے سباتائی کے پیرووں مہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ مگر دونمہ خود اپنے آپ کو مؤمن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ دونمہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اسلامی عقائد واصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے۔ جب سباتائی پر کفر کے فتووں کی بھرمار ہوئی اور ہر راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سمرنا کو خیر باد کہہ کر یورپ کا رخ کیا۔ پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہنچا۔ جہاں یہود کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سباتائی کے بعد مسلک میں اس اصول پر بہت زور دیا گیا تھا کہ جو مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہو یا اس کی ہم نشینی مرغوب خاطر نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر دوسری شادی کر لے۔ تاکہ یہ خدائی اصول پورا ہو کر شادی کی زندگی خوشگوار اور پر سرور ہونی چاہئے۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت متعدد گلرخ لعبتان زمانہ خود اس کی سلطنت عشق کی باجگذار بنیں۔ اس کے حلقہ ارادت میں عیش ونشاط کی کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے مرید پرانی جوروؤں کو طلاق دیتے اور نئے نئے اور درہائے ناسفتہ سے لذت اندوز ہونے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ خود سباتائی بھی نئی نئی دلہنیں بہم پہنچاتا اور پرانی عورتوں کو چھوڑتا جاتا تھا۔ جب اس گروہ میں نکاح وطلاق کی گرم بازاری ہوئی اور مطلقہ عورتوں کے جھگڑے عدالتوں میں جانے لگے تو اس وقت اس مذہب کی حقیقت عالم آشکار ہوئی۔ ترکی حکام نے اس قسم کی طلاقوں پر سخت گیری شروع کی اور بہت سے ملزموں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ سباتائی سلونیکا سے یونان گیا۔ وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شہر لیگ ہورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا۔ اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ وتلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا۔

اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے وعدے

چند روز بعد ناتھن نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی۔ جسے ہم مذاق پاکر اسے اپنے راز میں شریک کر لیا اور اب یہ دونوں اپنی متحدہ کوششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ناتھن نے جس میں سباتائی ہی کی سی جودت طبع ودیعت تھی۔ مسیح کا پیش رو بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہنچا۔ دلہا تم ہی میں موجود ہے۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا۔ سنو اب تم لوگ شریعت کے ناگوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے۔ نہایت اطمینان اور گرمجوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامۂ یہود کے دل ایک اخلاقی اور مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے اور ان میں ۱۶۶۶ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات

رونماہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں۔ اس لئے بہت سے یہودی جہلا اس کے پیرو ہو گئے۔ دوسری طرف خود سباتائی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا۔ نمایاں کامیابی ہوئی اور اس قرب وجوار کے یہودی غیر مذاہب کی غلامی چھوڑنے اور آل اسرائیل کے جدید اوج وعروج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد اور عبادت گذاری میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ یہاں کے یہود نے قلمروے عثمانیہ کے دوسرے حصوں کے یہود کو مطلع کیا کہ مسیح موعود جس کا انتظار تھانمودار ہو کر ہم میں موجود ہے۔ ارض شام کے یہود نے جو اس جوش وخروش سے اس دعویٰ کو تسلیم کیا تو سباتائی کا حوصلہ بڑھا اور اب بڑی شان وشوکت سے اپنے وطن سمرنا میں داخل ہوا اور خاص دارالخلافہ قسطنطنیہ کے یہود کو بھی اپنی طرف مدعو کیا۔ ناتھن ان دنوں دمشق میں تھا۔ وہاں سے اس نے سباتائی کو ایک خط لکھا۔ جس میں اسے احکم الحاکمین کے لقب سے خطاب کیا۔ حلب کے یہودیوں کے پاس بھی اس نے ہدایت نامے بھیجے۔ جن کے ذریعہ سے اس کے لوگوں کو اپنے دعوؤں اور مسیح موعود کے اصول سے مطلع کیا۔ اب سلطنت عثمانیہ میں ہر گاؤں اور ہر شہر کے یہودی غیر معمولی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتیں ظاہر کرنے لگے اور بچے بچے کا دل قومی امنگوں سے معمور ہوا۔ اس عقیدہ نے کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث ہو چکا۔ عام شورش پیدا کر دیں۔ دولت عثمانیہ کی مسلم اور نصرانی رعایا یہود کے اس غیر معمولی جوش وخروش پر سخت حیرت زدہ تھی۔ اس خانہ ساز مسیح موعود پر ایمان لانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ بعض شہروں میں تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہود اس شوق میں کہ انہیں عنقریب غلامی سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انہیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔ اپنے دنیوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ کے سفیر جو موجود تھے۔ انہیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ جس طرح ہندوستان میں تجارت ہنود کے دست اختیار میں ہے۔ اسی طرح عثمانی قلمرو میں یہود کے ہاتھ میں تھی۔ عثمانی عمال نے قسطنطنیہ کے باب عالی میں رپوٹ کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہو گیا ہے۔ اب یہ تحریک ایک وبائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی، ہالینڈ اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنی جائیدادوں کو بیچ کر یا یونہی چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ یہودی ترک حکام کی اطاعت سے باہر ہونے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے۔

قسطنطنیہ کا محبس بحیثیت زیارت گاہ

انہی ایام میں سباتائی پھر سمرنا آیا۔ وہاں کے مذہبی مقتداء اور ربی سباتائی کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں مذبذب تھے۔ آخر سب سے بڑے ربی نے جو خاتم باشی کہلاتا ہے۔ اسے مشورہ کرنے کے بہانے اپنی صحبت میں بلایا۔ سباتائی بلا تأمل اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے پیروؤں کا ایک گروہ بھی ساتھ گیا۔ یہ لوگ مکان کے باہر ٹھہرے رہے۔ سباتائی کو بڑے ربی کے گھر سے نکلنے میں زیادہ دیر ہوئی تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید ربی نے مسیح موعود کو زبردستی اپنے مکان میں بند کر رکھا ہے۔ فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے مسیح موعود کی رہائی کا فوراً بندوبست کیا جائے۔ ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ قاضی نے اس جھگڑے کا انفصال ربیوں ہی کے محکمہ دارالقضا پر متحول کیا۔ بڑا ربی کسی طرح سباتائی فتنہ کا استیصال کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے پیروؤں اور حامیوں کی جماعت اس قدر غالب تھی کہ ان کا کچھ زور نہ چلا اور مجبوراً اسے چھوڑتے ہی بنی۔ سمرنا سے اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ وہاں کے یہودی بھی جوش وخروش کے ساتھ اس پر ایمان لانے لگے۔ یہاں ایک ذی علم یہودی نحمیا کوہن نے تخلیہ میں سباتائی سے خواہش کی

کہ اپنی مسیحیت میں مجھے بھی شامل کر لو۔ سباتائی نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ نحمیا اس کی شکایت لے کر وزرائے سلطانی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر یہ جعلی مسیح فوراً پامال نہ کر دیا گیا تو سلطنت کے امن وامان میں سخت خلل پڑے گا۔ حکام اس مسئلہ پر پہلے ہی غور کر رہے تھے۔ باب عالی کے حکم سے سباتائی قسطنطنیہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کا محبس واقع قصرابی دوس اس کے پیروؤں کے لئے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ ان لوگوں کے غول کے غول آتے اور قید خانہ کے ترک محافظوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنے مسیح کی زیارت کر جاتے تھے۔ اب اس کا شہرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اس نے اسی محبس میں بیٹھے بیٹھے اپنے مذہب کی از سر نو تدوین کی اور نئے رسوم کو منضبط کیا۔ اس کے پر جوش پیروؤں نے یہ کارروائی کی کہ قدیم الایام سے جتنی پیشین گوئیاں کتابوں میں چلی آتی تھیں۔ سب اسی سے وابستہ کر دیں اور توراۃ کے بہت سے فقروں میں حسب دلخواہ تحریف و تبدیل کر کے ان میں اس کا نام شامل کر دیا اور محرف فقروں کو قطعات کے طرز پر چوکھٹوں میں لگا کر یا دوسرے طریقوں میں لکھ کر یہود کے معابد میں آویزاں کیا۔

سلطان المعظم کے سامنے اسلام کا منافقانہ اقرار

یہ سلطان محمد رابع کا عہد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دارالخلافہ نہیں بنایا گیا تھا۔ سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں اورنہ (اڈریانوپل) تھا۔ جب سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ادرنہ کے قصر شاہی میں تخت کے آگے حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم مسیح موعود ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔ سلطان نے کہا اچھا میں اپنے تیر اندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمہیں ہدف سہام بنائیں۔ اگر تیروں نے تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح ہو۔ کیا تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بارگاہ خلافت کی یہ جان ربا تجویز سن کر سباتائی کے اوسان خطا ہوئے اور گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب بچاؤ کی دو ہی صورتیں ہیں تا تو ترک سپاہیوں کے تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان بچاؤں۔ اتنے میں تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آموجود ہوا۔ سباتائی تیر اندازوں کو ملک الموت یقین کر کے عرض پیرا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین! ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں۔ یہی پاک کلمہ میرا شعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسرائیلیوں کو اس کا قائل اور پیرو بنادوں۔ سلطان نے کہا جس قدر اطلاعیں باب عالی میں پہنچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ سباتائی عرض پیرا ہوا جہاں پناہ! میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہو گی اس وقت اپنے ایمان کو برملا ظاہر کروں گا۔ آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے تھا۔ اس کے بیانات سن کر اس کے پیرو متحیر ہو کر سناٹے میں آگئے۔ بعض معتقدین تو منحرف ہو گئے اور جو سادہ لوح آج کل کے مرزائیوں کی طرح زیادہ راسخ الاعتقاد تھے۔ وہ سباتائی کے اس حلفی بیان کی اسی طرح تاویلیں کرنے لگے۔ جس طرح مرزا غلام احمد کادیانی کی عقیدت کیش امت ان کی جھوٹی پیشین گوئیوں کی تاویلیں کیا کرتی ہے۔

قلعۂ بلغراد کے ایام نظر بندی

سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لئے سباتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا۔ جو آج کل ملک سربیا (سروبیہ یا زیچو سلاویہ) کا پایۂ تخت ہے اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سباتائی جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے۔ مخالف یہودی اور

دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے۔ مگر سباتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ حسن اعتقاد کی رسی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر ۱۶۷۶ء میں بلغراد ہی کے قید خانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا۔ مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کرے گا۔ یہ خیال سباتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دونمہ نے بنا رکھی ہیں۔ ہر وقت ایک خوبصورت صاف اور اجلا بچھونا تیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انہیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے لئے استراحت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے باب دردار سے شہر میں داخل ہوگا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہوگئی۔ یہ خیال پختہ ہوگیا ہے کہ ان کا مسیحا ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اب تک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا استقبال کے لئے کوئی نہ کوئی دونمہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی۔ جب کہ بغداد کے قریب شہر سر من رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز و سامان سے تیار روانہ جلوس اور باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کر کے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سباتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے بیان کیا کہ امام سباتائی میرے بھتیجے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے۔ جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا۔ دونمہ نے سباتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مظہر ربانی ماننے لگے۔

دونمہ کی مذہبی دورنگی

سلطان المعظم کے سامنے سباتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دونمہ تہ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں۔ مگر بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں۔ مساجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سا لباس اور وضع وہیت اختیار کر رکھی ہے۔ عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چہروں پر بھی مسلمات کی طرح نقاب پڑی رہتی ہے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ اہل اسلام کی طرح سباتائی کے پیرو بھی حج کعبہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستہ میں طعمۂ اجل ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بر شجا مقتدائے امت قرار پایا۔ سباتائیوں نے اسے بھی مظہر شان خداوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دونمہ کے قریباً ایک ہزار خاندان موجود ہیں۔ جن کی کل تعداد قریباً دس ہزار نفوس کی ہے۔ یہ لوگ جس طرح اپنے کنیسوں میں عبادت کو جاتے ہیں۔ ویسے ہی مسجدوں میں بھی جا کر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں۔ سباتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دوشیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں۔ خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی۔ لیکن انجام کار جب سباتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں مدغم ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی۔ تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اس کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی بیاہ نہ کرنے پائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بندش کے کچھ عرصہ بعد ایک دونمہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر بے اختیار دل آگیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہوگیا۔ لیکن لڑکی کے اعزاؤ اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم بطور نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔

کہتے ہیں کہ اگر دونمہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھا نہیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور ارتکاب جرم کی سزا میں اندر ہی اندر اس کا سفینۂ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

دونمہ کے تین گروہ اور ان کے بعض معتقدات

جس طرح ہندوستان کے مرزائی دو جماعتوں میں منقسم ہیں۔ اسی طرح سباتائی، تین متمائز گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اوّل سمرنی (سمرنا والے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معزز و شریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ کیونکہ اسپین سے آنے والے اسرائیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں۔ ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ٹھڈیاں منڈاتے ہیں۔ دوسرے یعقوبی جو یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے قونیو۔ اس گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ قونیو تھا اور اسلامی نام عثمان تواب سے شہرت رکھتا تھا۔ ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں۔ تاہم ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا۔ مندرجہ ذیل اصولی عقائد میں تمام دونمہ متفق ہیں۔

۱ ... تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی گذرے اسی ہستی مطلق کے مظہر تھے۔

۲ ... ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لئے ہے اور ترک حکمران صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں۔ ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا چھلکے کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں۔

۳ ... کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروان سباتائی ہیں۔ دوسرے لوگ جہنم میں جائیں گے اور ابد الآباد رہیں گے۔

۴ ... تمام یہود جو اب تک سباتائی پر ایمان لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے۔ جب انہیں یہ حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

محمد بن عبد اللہ کرد

۱۰۷۵ھ میں کوہ عمادیہ علاقہ کردستان میں ایک شخص عبد اللہ نام ظاہر ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں سادات حسینی میں سے ہوں۔ اس نے اپنے ایک دوازدہ سالہ لڑکے کا نام محمد اور لقب مہدی رکھ دیا اور کہا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے۔ بیٹے کو مہدویت کی مسند پر بٹھا کر یہ شخص خود اس کی طرف سے بیعت لینے لگا۔ قبائل کے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ جن ایام میں سباتائی یہودی نے مسیحیت کا دعویٰ کر کے ترکی قلمرو میں اودھم مچا رکھا تھا۔ انہی دنوں میں مہدی کر دی بھی ظاہر ہوا تھا۔ اس اجتماع غریب سے عامۃ المسلمین سمجھنے لگے کہ شاید قیامت قریب آگئی کہ مسیح اور مہدی دونوں ظاہر ہو گئے۔ اس خیال کی بناء یہ تھی کہ قیامت کے علامات کبریٰ میں سے اوّلین علامت ایک ہی زمانہ میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جب عبد اللہ کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اسے استعمار اور ملک گیری کی ہوس ہوئی اور اس نے اچانک ولایت موصل میں چند شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر والی موصل نے جو سلطان محمد چہارم کی طرف سے اس سرزمین کا حاکم تھا

اس پر چڑھائی کی۔ عبد اللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور رزم و پیکار میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ انجام کار مہدی اور اس کا باپ منہزم ہو کر گرفتار ہو گئے اور والی موصل نے دونوں کی سباتائی کے اظہار اسلام کے چند ماہ بعد پا بجولاں استنبول بھیج دیا۔ جب باپ بیٹا سلطان محمد چہارم کے سامنے پیش کئے گئے تو عبد اللہ روبرو جاتے ہی اپنے اور اپنے بیٹے کے مہدی آخر الزمان ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو گیا۔ چونکہ اس نے سلطان کے بعض سوالات کے جواب نہایت معقولیت سے دیئے۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کی خطا معاف کر دی اور حکم دیا کہ آئندہ دونوں کو ان کے وطن جانے کی جازت نہ دی جائے۔ کیونکہ انہوں نے مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ہزارہا عوام کو گمراہ کیا اور دین مبین میں رخنہ اندازی کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان المعظم نے عبد اللہ کو خزانۂ سلطانی کے محافظوں کی جماعت میں منسلک کر دیا۔

میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ نمود و فربود مدعی وحی و بیگو گیت کو سلطان محی الدین عالمگیر اورنگزیب غازیؒ کے آخری دور حکومت میں اسباب غناد ثروت کی تحصیل کا شوق ہندوستان کی طرف کھینچ لایا۔ ان ایام میں عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کی فیض گستری کا ایران بھر میں شہرہ تھا۔ میر محمد حسین بھی انہی امیدوں کو لئے ہوئے عازم کابل ہوا۔ علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اہل کابل نے اسے قدردانی اور مردم شناسی کی آنکھوں پر بٹھایا۔ حسن اتفاق سے عمدۃ الملک کے منشی نے اپنا لڑکا تعلیم و تربیت کے لئے اس کے سپرد کر دیا۔ اس ذریعہ سے عمدۃ الملک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ امراء و اعیان کے دل میں اس کے علمی تبحر کی دھاک بیٹھ گئی۔ عمدۃ الملک کی بیوی صاحب جی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس نے ایک سید لڑکی لے کر پال رکھی تھی۔ جو عمدۃ الملک کے پاس نوکر تھا۔ صاحب جی نے عمدۃ الملک سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ذی علم و نیک اطوار سید ملے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گی۔ عمدۃ الملک نے محمد حسین کو اپنی بیوی کے بیان کردہ اوصاف سے متصف پا کر اس سے محمد حسین کے نسب کی بزرگی اور علمی قابلیت کی تعریف کر دی۔ صاحب جی یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور لوازمات شادی مہیا کر کے لڑکی کو میر محمد حسین کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ اس تقریب سے اسے عمدۃ الملک کے دربار میں بھی زیادہ تقرب حاصل ہو گیا اور اہل دربار کی نظر میں اس کی توقیر بڑھ گئی۔ ان تقریبات کی بدولت عمدۃ الملک کے لڑکوں سے بھی اچھے مراسم ہو گئے۔ خصوصاً ہادی علی خان کو تو اس نے کچھ ایسے شعبدے دکھائے کہ وہ جدھر جاتا اس کی تعریف کے راگ گانے لگتا۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ دنوں کے بعد عمدۃ الملک نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کرے۔ اس مقصد کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ تحائف دربار شاہی میں پیش کرنے کے لئے فراہم کئے جائیں۔ تاکہ سلطان عالمگیر اورنگزیبؒ خوش ہو کر کوئی منصب عطاء کرے۔ چنانچہ ہزارہا روپے کے نفیس و بیش بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہوا۔ لیکن ابھی لاہور ہی میں پہنچا تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیرؒ کے رحمت حق میں واصل ہونے کی خبر آ پہنچی۔ جس سے اس کی امیدوں کا چراغ گل ہو گیا اور تمام عطریات و روائح طیبہ جو بادشاہ کے لئے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کر کے فقیری لباس پہن لیا۔

شاگرد سے نیا مذہب اختراع کرنے کی سازش

محمد حسین کا دماغ نخوت و خود بینی سے بھرا ہوا تھا۔ اس لئے رائج الوقت مذاہب کی پیروی کو باعث عار و ننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ رچانے کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے شاگرد رشید لنشی زادہ سے کہا کہ ایک ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ جس کی عقدہ کشائی تمہارے ہی ناخن تدبیر سے ممکن ہے۔ اگر تم

تائید ونصرت کا وعدہ کرو تو تم پر وہ راز آشکارا کروں۔ غرض قول و قرار لے کر اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تم ایک نرالا مذہب جدید قواعد اور نئی زبان میں اختراع کر کے نزول وحی کا دعویٰ کریں اور ایک نیا مرتبہ تجویز کریں جو نبوت اور امامت کے درمیان ہو تا کہ انبیاء اور اولیاء دونوں کی شان اپنے اندر پائے جانے کا دعویٰ درست ہو سکے۔ زراندوزی کا یہ ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ اس سے بہتر اور آسان نسخہ آسمان تخیل سے زمین عمل پر نہیں آسکتا۔ دونوں استاد شاگرد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ شاگرد نے بڑی گرم جوشی سے اس تجویز کو لبیک کہا۔ اب دونوں کی پستیٔ فطرت اور مفسدہ پردازی کے جواہر اچھی طرح چمکنے لگے اور انہوں نے میدان تزویر میں اپنے اپنے مرکب تدبیر کو چھوڑ دیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں متروک و غیر مانوس الفاظ کی خوب بھرمار کی اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترخیم کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور بیگوگیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا یہ رتبہ نبوت اور امامت کے مابین ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بیگوگ تھے۔ چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بھی نو بیگوگ تھے۔ اوّل بیگوگ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ دوسرے امام حسنؓ، تیسرے حسینؓ، چوتھے امام زین العابدینؒ، پانچویں امام محمد باقرؒ، چھٹے امام جعفر صادقؒ، ساتویں امام موسیٰ کاظمؒ، آٹھویں امام علی رضاؒ، امام علی رضاؒ تک امامت اور بیگوگیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونوں منصب علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ علی رضا کے بعد درجہ بیگوگیت میری طرف منتقل ہو گیا اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم بیگوگیت ہوں اور بیگوگیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا۔ شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا۔ لیکن جب اہل سنت وجماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے چار پرہیز گار اور نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں بیگوگ اپنی ذات کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ میں تو تمام مذاہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

مذہبی اختراعات ومحدثات

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عیدہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو جن کا لقب فربودی رکھا تھا۔ یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک تو قرص آفتاب پر جب نظر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں۔ ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل و برداشت مشکل ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہوش وحواس ہی بجا نہیں رہتے۔ دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ چنانچہ وہ کلمات جو ارادت مندوں سے بیان کرتا ہوں۔ اسی آواز سے اخذ کرتا ہوں اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر پہلی مرتبہ نازل ہوئی تھی۔ اس کا نام روز جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیرو جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روز جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹاپی سے کسی قدر اونچی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لئے ہوئے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھوبی بٹھیاری کے نام سے مشہور ہیں۔ جاتا اور عالم مسرت میں جھوم جھوم کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اس مقام کو غار حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمہارے بیگوگ کا مہبط وحی ہے۔ یہی تمہارے قبلۂ حاجات کے کسب سعادت کا گہوارہ ہے۔ روز جشن سے چھ روز قبل شروع ذوالحجہ سے روزے رکھتا۔ جن میں کسی سے بات تک نہ کرتا۔ تا کہ امم

سابقہ کے روزہ صمت سے مشابہت ہو جائے۔ ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقت تولد جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کر دیتا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں پر نماز پنجگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرا دوپہر کا وقت جب کہ آفتاب نصف النہار ہو، متعین کیا۔ تیسرا غروب آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اور اس طرح کہ سب کے منہ ایک دوسرے کے مقابل رہیں۔ پھر ہر صف اس کی طرف منہ کر کے چند کلمے جو اس کے اختراعی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر داہنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب اور مغرب رخ کی صف جنوب رویہ ہو جاتی تھی۔ جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے۔ پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے۔ پھر شش جہت کو دیکھتے۔ اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے۔ جو ان کے پیر و مرشد نے ان کے لئے تجویز کر رکھے تھے۔ اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدینؓ کی نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار خلیفہ مقرر کئے تھے۔ پہلا خلیفہ وہی منشی زادہ جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا اور اس کا نام اپنی مخترع زبان میں دو جی رکھا تھا۔ میر باقر اس کا نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی طرح دو خلیفہ اور تھے اور اپنے نام فربود نمود اللہ اور نمود انمود رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیروؤں کے عجیب و غریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقہ میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو لفظ نشان سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے۔ اوّل نمانمود، دوم فغار، سوم دید اور دو لڑکیاں نمامہ کلاں اور نمامہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور نمودیار اور نماد وغیرہ تجویز کئے تھے اور فغار کے بیٹے کا نام نمودید رکھا تھا اور اس کے بعض عزیزوں کے نام حق نما، نمافر، نمود فر تھے۔ غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مضحکہ خیز نام رکھے تھے۔

دہلی میں فربودی تحریک کا نشو و نمو

فربودی تحریک کے لئے لاہور کی آب و ہوا کچھ زیادہ ساز گار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جا کر دھوبی زمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ ان ایام میں بادشاہ لاہور آیا ہوا تھا۔ دہلی میں بے مزاحمت اپنا رنگ جمایا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کی مذہبی فضا پر تغیر و انقلاب کا ایک نیا موسم چھا گیا۔ نمود نے ان ایام میں یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی سے کوئی نذر و نیاز قبول نہ کرتا۔ بلکہ اس رقم خطیر کی بدولت جو لاہور میں عطر کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی۔ مدت تک خلق سے مستغنی رہا۔ اپنے کو بڑا متوکل ظاہر کرتا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بے طمع فقیر کو بڑی وقعت و اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے زہد و تقدس کا اعتقاد دونوں پر اس طرح مسلط ہوا جس طرح ابر فضائے محیط پر چھا جاتا ہے۔ اس اثناء میں بہادر شاہ لاہور میں مر گیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کے متعلق باہم جھگڑے قضیئے پڑ گئے۔ ایسی حالت میں اس کے حال سے تعرض کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اب یہ بے دغدغہ اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت میں مشغول ہوا اور بجائے خاموشی سے کام کرنے کے اپنے دعوؤں کو اظہار و اعلان کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے مستند علماء تو اہل باطل سے الجھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان علمائے کرام کے عدم توجہ کو دیکھ کر عموماً ضعفائے اسلام ہی میدان مباحثہ میں اترتے ہیں۔ نمود کے مقابلہ میں بھی کم سواد مولوی صاحبان اترتے رہے۔ جنہیں یہ مجادلہ و مکابرہ سے مغلوب کر لیتا۔ اس وجہ سے عوام کا اعتقاد اس کی نسبت اور بھی راسخ ہو گیا۔ علاوہ ازیں امیر خان عمدۃ الملک کا لڑکا ہادی علی خاں جو آج کل دہلی میں تھا اس کے بڑے ہوا

خواہوں میں تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اچھے اچھے مدعیان بصیرت بھی اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور قاعدہ کی بات ہے کہ بڑے لوگ جس کام کو کرنے لگتے ہیں۔ وہ عوام کے لئے حجت و دلیل راہ بن جاتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کے تقدس کا کلمہ پڑھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اس کی جماعت بیس پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کی کجروی اور ضلالت پسندی عاقبت میں جو رنگ لائے گی وہ تو ظاہر ہے۔ لیکن دنیاوی اور مادی نقطۂ نظر سے اس نے مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح تقدس کی تجارت سے بہت کچھ نفع عاجل حاصل کیا اور کوے گمنامی سے نکل کر مشاہیر عہد کی صف میں جلوہ گر ہو گیا۔

فرخ سیر بادشاہ کی خوش اعتقادی

اب تو فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوش عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدایان ارباب یقین نے بہتیری جدوجہد کی۔ لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرمجوشی میں ذرا فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے کاشانۂ زہد کی طرف روانہ ہوا۔ جب نمود کو اس کی اطلاع ملی کہ بادشاہ وقت بڑے اعتقاد سے ملاقات کو آ رہے ہے تو اس کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دلوں پر اپنے زہد استغناء کا سکہ جمانے کے لئے جھٹ پٹ اپنے گھر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔ جب امراء نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی تو جواب دیا کہ جاؤ چلے جاؤ۔ فقراء کو بادشاہوں اور امیروں سے کیا کام؟ تم لوگ کیوں ہمارے مخل اوقات ہوتے ہو؟ جب بادشاہ بہت دیر تک منت سماجت کرتا رہا اور اس کے مریدوں نے بھی بہت کچھ عرض معروض کی تو دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے بہت جھک کر اس کو سلام کیا اور بمقتضائے ادب دور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ نمود نے ہرن کی کھال بادشاہ کے بیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا۔

پوست تخت گدائی وشاہی ہمہ واریم آنچہ مے خواہی

گدائی کی کھال ہو یا بادشاہی کا تخت۔۔۔ہم سب وہی کچھ ہیں جو تُو (اے خدا) ہمیں چاہتا ہے۔
(یعنی: انسان کی کوئی حیثیت مستقل نہیں؛ سب کچھ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔)

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغناء کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اشرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا پیش کر دیں۔ مگر اس گرگ باراں دیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزلت نشین فقیر بے نوا کو زخارف دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص و نیاز مندی پر اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں ستر روپے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو گیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والہ و شیفتہ بنا دیا اور اب اس کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے لاکھوں تک پہنچ گئی۔

گرفتاری کا فرمان اور وزیر کا عارضۂ قولنج میں مبتلا ہونا

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خان اس کا وزیر تھا۔ جب وزیر باتدبیر کو نمود کی اغوا کوشیوں کا علم ہوا اور اس نے ایمان اسلام کی تڑپ رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کو خون ہوتے دیکھا تو اس کو اسیر و دستگیر کر کے ارباب ایمان کی جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھنا چاہا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کرنے کے لئے پیادے بھیج دیئے۔ لیکن تقدیر الٰہی کی نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین خان اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض قولنج میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ اس علالت کو نمود کی کرامت اور اس کی بد دعاء کا اثر سمجھے۔ تاہم کوتوال سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً اندر سے پکڑ لاؤ اور اگر چون وچرا کرے تو دست بدست دگرے پابدست دگرے گھسیٹتے

ہوئے باہر لاؤ۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت لوگ نمود کے پاس سے چلے جایا کرتے تھے۔ جب سپاہیوں نے اس کی گرفتاری کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اندر زنان خانہ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دل پر یکایک بجلی گری اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن حتی الامکان استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ جانے دی۔ کوتوال کو مکان میں بلایا اور کچھ کھانا بڑے لڑکے کے ہاتھ کوتوال اور سپاہیوں کے واسطے زنان خانہ سے بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ جب تم لوگ اس فقیر کے غریب کدہ پر آئے ہو تو کچھ ماحضر تناول فرماؤ۔ تا کہ فقیر داخل اجر ہو جائے۔ کوتوال نے جب اس نوجوان رعنا اور صاحب جمال زیبا کو دیکھا تو اس پر رحم آ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے اس کے باپ کو مہلت دے دی۔ اس اثناء میں محمد امین خان کا مرض قولنج مشیت الٰہی سے اور زیادہ شدید ہوا۔ اس کی خبر ان سپاہیوں کو جو نمود کے مکان پر اس کی گرفتاری کی غرض سے بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ وہ گھبرا کر محمد امین خان کے پاس چلے آئے۔ یہ دیکھ کر فربودیوں کی جان میں جان آئی۔ محمد امین خان کو بدترین قسم کا قولنج یعنی ایلاوس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا اور عالم مدہوشی طاری تھی۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو کوتوال سے پوچھا کہ نمود کو پکڑ لائے۔ کوتوال نے کہا کہ ہم حضور کی علالت کی خبر سن کر بدحواس ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل خود اعتمادی اور ناقابل فتح قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہو گیا ہے۔ صبح کو ضرور گرفتار کرلانا۔ رات کو بیماری شدت پکڑ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے۔ ادھر ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا ہوا خواہ چلا آتا تھا۔ لحظہ بہ لحظہ محمد امین خان کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہنچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے جانے کا قصد کر لیا تھا۔ مگر اشتداد مرض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خان کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پژمردہ دل دمبدم بشاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سنی تو اپنے مکان سے باہر آ کر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔ اس کے مرید بھی محمد امین کی بیماری کی خبر سن کے پاس آ جمع ہوئے۔

وزیر زادہ کی عذر خواہی اور نمود کا کبر و غرور

قمر الدین پسر محمد امین خان نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے۔ اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لئے بھیجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو چکا تھا۔ بڑے غرور سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ ہو گا اور میں بھی شوق شہادت میں اس مسجد میں آ بیٹھا۔ میرے جد بزرگوار (امیر المؤمنین علیؓ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں۔ دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کر کے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لئے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا۔ نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے۔ پانی سر سے گذر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا۔ اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے۔ جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو دوجی کو مخاطب کر کے کہا کہ لکھ "وننزل من القراٰن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولایزید الظٰلمین الا خسارا" جب یہ لکھا جا چکا تو دیوان کو دے کر کہنے لگا کہ اسے لے جا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہنچے گا۔ وہ رخت زندگی باندھ کر ملک عدم کی جانب کوچ کر چکا ہو گا۔ دیوان نے روپیہ لینے کے لئے بہت منت کی مگر قبول نہ کیا اور کہا میں اسے ہرگز نہ لوں گا۔ ہاں اگر فقراء چاہیں تو لے سکتے ہیں۔ مسند نشینوں کے حاشیہ نشین عموماً حریص ہوتے ہیں۔ کاسہ لیسوں نے اس رقم کو آپس میں بانٹ لیا۔ دیوان چلا گیا تو محمد حسین نمود عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ اس کی نجات کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ خلوص دل سے حلقہ

ارادت منداں میں داخل ہو۔ اگر ایسا کرے تو پھر دیکھنا کہ میری قوت اعجاز کس طرح اس کے قالب بے جان میں از سر نو زندگی کی روح پھونکتی ہے؟ دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فربودی گم کردگان راہ کے جسموں کو ایک حیات تازہ بخش دی۔ نمود کا کنول دل بھی کھل گیا کہ کشتیٔ عزت و وقار نہ صرف ڈوبنے سے بچی بلکہ اس کی کلاہ عظمت پر مزید چار چاند لگ گئے۔ اس کرامت کا دہلی میں بڑا چرچہ ہوا۔ شجر بدعت والحاد نئے برگ وبار لایا اور اس کے مذہب کی ترقی ساتویں آسمان تک پہنچنے لگی۔ علمائے امت جو جوش دین سے لبریز تھے لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ اس ابلیس آدم رو کی پیروی نہ کرو۔ جس کا نصب العین محض خطام دنیا کا اکتساب ہے اور محمد امین کی میعاد زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اس کو نمود کی دعاء سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن عقیدت شعاروں کا پایۂ خوش اعتقادی متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ مضبوط ہوا۔

خلیفہ کا شاگرد کو حصہ دینے سے انکار اور اس کا انجام

نمود کا کوس اناولاغیری محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غلغلہ انداز عالم رہا۔ آخر موت نے اسے یہ پیغام سنا کر فضائے پر شور وشیون میں سکون پیدا کر دیا کہ اب میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نمانمو مسند نشین ہوا۔ اس نے نذر و نیاز کے ان حصوں میں جو دو.جی کے لئے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہا تھا۔ از راہ کوتہ اندیشی، دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بناء پر دو.جی اور نمانمو کی آپس میں بگڑ گئی۔ دو.جی نے بہتیری منت خوشامد کی اور لاکھ سمجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نمانمو کے سر پر حرص و طمع کا بھوت سوار تھا۔ کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دو.جی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اوّل اوّل کابل میں نمود نے کس طرح یہ تجویز پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیا مذہب جاری کر کے زراندوزی کا ڈھنگ نکالیں اور بیان کیا کہ گو میں شروع ہی تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا۔ تاہم بہت دن تک کذب وزور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔ آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع دل میں آئی جو شروع میں مقرر ہوئے تھے۔ مدت العمر تمہارے باپ کے جھوٹے دعوؤں کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نمانمو کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس ضد چھوڑ کر وہ حصص جو شروع سے میرے لئے چلے آتے ہیں بے تأمل ادا کرنے کا عہد کرو تو بہتر ورنہ ابھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نمانمو نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب دو.جی نے نخل آرزو کے تمام رگ وریشے نمانمو کے تیشۂ بیداد سے کٹتے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی تقریب پر جب کہ فربودی بکثرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے تماشائیوں کا بھی بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ کھڑے ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فربودی مذہب کی بنیادیں ہلادیں۔ نمود کی عیاری اور اپنی شرکت کا سارا ماجرا اوّل سے آخر تک حاضرین کو سنا کر راز سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھادی اور کہنے لگا۔ دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا خط پہچانتے ہیں۔ دو.جی نے وہ مسودات جو نمود نے اور دو.جی نے باہم صلاح ومشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے قلم سے ان میں ترمیم کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی عیاری سے عرصۂ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح وترمیم کی گنجائش نہ ہوتی۔ لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بحرف دو.جی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی وقت ہزارہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطاء کی تھی اس باطل مذہب سے منحرف ہو گئے۔ لیکن جو شقی ازلی سحر زدگان کادیان کی طرح پتھر کا دل رکھتے تھے۔ اس زریں موقع سے فائدہ اٹھا کر بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے گمراہی کی دکان کا موسم بہار خزاں میں تبدیل ہوا۔ نمانمو یہ کساد بازاری دیکھ کر مایوسیوں اور نامرادیوں کے

حصار میں گھر گیا اور جب رہائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً دوجی سے از سر نو رابطہ الفت ویگانگت قائم کرنا چاہا۔ لیکن یہ کوشش بیکار تھی۔ کیونکہ جو خوش نصیب لوگ بے اعتقاد ہو کر دام گمراہی سے نکل چکے تھے ان سے اس بات کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ دوبارہ آکر حلقۂ ہائے دام اپنے پاؤں میں ڈال لیں گے۔ فربودیوں کی جمعیت گھٹتے گھٹتے دس پندرہ ہزار تک رہ گئی اور آمدنی کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ ناچار نمانمو اس گاؤں میں جو ہادی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دوابہ کے اندر دیا تھا۔ جارہا۔ کچھ دنوں کے بعد نمانمو تیر قضا کا شکار ہو گیا اور فضار اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے نیر اقبال کو گہن لگ چکا تھا۔ فضار کی دکان مشیخت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر فربودی اس مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کے سواد اعظم سے جاملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کس مپرسی کی گور میں دفن ہو گیا۔ "فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدللہ رب العالمین "فضار کے بعد نمود کے چند اقرباء دہلی چھوڑ کر بحالت تباہ بنگالہ پہنچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر علی خاں نے جوان ایام میں وہاں کا ناظم تھا۔ ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے روزانہ وظیفہ مقرر کر کے بسر اوقات کی سبیل پیدا کر دی۔

19 ویں صدی عیسوی کے فتنے

مرزا علی محمد باب

میرزا علی محمد باب(1819ء–1850ء)ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوا۔ وہ بہائیت کے بانی بہاء اللہ کا پیش رو یعنی (precursor) پیش رو تھا، اور اُس نے اپنے آپ کو" باب "یعنی"اللہ تک پہنچنے کا دروازہ" کہا—اسی نسبت سے اس کا لقب باب مشہور ہوا۔

ابتدائی زندگی

علی محمد کا تعلق ایران کے **شیراز** کے ایک تاجر گھرانے سے تھا۔ اس کے باپ کا نام محمد رضا تھا، جو شیراز کا ایک تاجر تھا۔ ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی، اور جوانی میں تجارت سے وابستہ ہوا۔ وہ بظاہر مذہب میں دلچسپی رکھتا تھا اور صوفیانہ میلانات رکھتا تھا۔

مرزا علی محمد نے بابی فرقہ کی بنیاد رکھی۔ فارسی و عربی کی ابتدائی کتب پڑھتے ہی اس نے سخت ریاضتیں کر کے زہد میں نام کمایا پھر کربلا میں سید کاظم مجتہد کے حلقہ درس میں شریک رہا۔ سید کاظم کے مرنے کے بعد اس کے بہت سے شاگرد لے کر کوفہ پہنچا اور وہاں اپنی مصنوعی عبادتوں سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا پھر ۱۲۶۰ھ میں اپنے چیلوں سے یہ اظہار کیا کہ جس مہدی کا انتظار کیا جارہا تھا وہ میں ہی ہوں اور اسکے ثبوت میں بعض احادیث جن میں مہدی موعود کے آثار ذکر کئے گئے ہیں وہ پیش کیے اور کہا یہ تمام آثار مجھ میں پوری طرح پائے جاتے ہیں غالباً اس نے نبوت کا دعوی بھی کیا تھا جب اس سے معجزہ طلب کیا گیا تو کہنے لگا میری تحریر و تقریر ہی معجزہ ہے اس سے بڑھ کر کیا معجزہ ہو سکتا ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار شعر مناجات میں تصنیف کرتا ہوں پھر اسے خود لکھتا بھی ہوں اور اس نے اپنی چند مناجات لوگوں پر پیش کیں جس میں اعراب تک درست نہ تھا جب اس پر اعتراض ہوا تو کہا: علم ایک گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اب تک غضب الٰہی کا شکار تھا میری شفاعت کی وجہ سے اس کی خطا معاف ہوئی اور یہ حکم دیا گیا کہ اب نحوی غلطیوں کا مضائقہ نہیں آئندہ کوئی اگر نحوی غلطی کرے تو کچھ حرج نہیں۔ عوام کو مائل کرنے کے لیے ایک حربہ اور ملاحظہ فرمایئے: اس نے اعلان کیا کہ میرے وجود سے تمام ادیان متحد ہو جائیں گے کیونکہ میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے خروج کروں گا اور جملہ روئے زمین پر قبضہ کروں گا لہٰذا جب تک تمام ادیان متحد نہ ہوں نیز تمام دنیا میری مطیع نہ ہو جائے اس وقت تک تمام مردوں پر تکالیف شرعیہ معاف ہیں اب اگر کوئی میرا مرید احکام شرعیہ ادا نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے اس اعلان سے بھی دنیا پرست عیش کوش لوگ اس کے فریب میں آتے گئے۔ ذرا ان کے مذہب کا حال ملاحظہ ہو (۱) بہن بھائی میں جنسی تعلقات قائم کرنا روا تھا اور زنا میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ (۲) ایک عورت نو آدمیوں سے نکاح کر سکتی تھی بالفاظ دیگر نو آدمی ایک عورت سے نکاح کرنے کے روادار تھے (۳) کسی مذہب کی پابندی نہ تھی، اس مادر پدر آزادی کا نتیجہ نہایت بھیانک نکلا، اس کے متبعین لوگوں میں اعلانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا اس نے اپنے مریدوں کو چند احکام بھی دیئے تھے وہ بطور اشعار تھے ملاحظہ ہوں (۱) چونکہ تمام دنیا میرے زیر نگیں ہو گی نیز تمام دنیا میں ایک مذہب ہونا ہے لہٰذا میں آئندہ برس مکہ سے خروج کروں گا تا کہ دنیا میرے قبضے میں آجائے اور میرے وجود سے مقصود اغراض پوری ہو جائیں اس کے نتیجے میں یقیناً دشمنان خدا کی جانیں جسم سے جدا ہونگی ہزاروں خون کی ندیاں بہیں گی پس جملہ مریدوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بطور علامت و شگون اپنے خطوط کو سرخ کیا کریں۔ (۲) السلام علیک کے بجائے "مرحبابک" سلام مقرر کیا جاتا ہے (۳) اذان میں میرا نام بھی داخل ہو۔

بابی کا کہنا تھا کہ (معاذ اللہ) محمد ﷺ و علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیعت کی اور اب تک یہ دونوں ہستیاں جدا جدا تھیں میں ان دونوں کا جامع ہوا اس لیے میرا نام بھی علی محمد ہے نیز جس طرح کوئی آدمی بغیر باب (دروازے) کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح مجھے دیکھے بغیر اور مجھ سے اجازت لیے بغیر خدا اور دین خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا اس کے چیلوں نے یہ مذکورہ بکواس سن کر ہی اس کا لقب باب کر دیا۔

باب نے اپنے تصنیف کردہ مجموعہ کے ایک حصہ کا نام قرآن دوسرے کا نام مناجات رکھا بابی فرقے کے چند عقائد ملاحظہ ہوں۔

(۱) خدا کہیں غائب نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے اپنے اندر موجود ہے سوجب ہم اسے اپنے اندر دیکھتے ہیں تو وہی اس سے ملاقات کا دن ہوتا ہے یہ ملاقات قیامت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی سے متعلق ہے۔

(۲) ہمارا مرتبہ دیکھ کر وہ قرآن مسلمانوں کے قرآن سے کئی حصہ بہتر ہے۔

(۳) حشر و نشر سے مراد نیکی و بدی کی زندگی ہے اگر کوئی شخص گناہ گار ہے وہ مُردہ ہو جاتا ہے لیکن جوں ہی وہ نیک لوگوں کے پاس آتا ہے وہ زندہ ہو جاتا ہے گویا گناہوں کی زندگی چھوڑ کر نیکوں کے پاس آنا ہی حشر و نشر ہے اس کے علاوہ قیامت کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ فتنہ پرور شخص کئی سال تک ایران پر چھایا رہا اس دوران شیعوں سے اسکے مناظرے بھی ہوئے آخر کار اسے چہریق کے قلعے میں قید کر دیا گیا یہاں تک کہ ۱۲۶۵ ھ میں اسے گولی مار دی گئی اور اس کی لاش گلی کوچوں میں گھما کر باہر ڈلوا دی گئی۔ (ملخص از مذاہب اسلام محمد نجم الغنی خان رامپوری ص ۶۶۷ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

دعویٰ بابیت

1844ء میں (1260ھ) علی محمد نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ " **باب** " ہے — یعنی امام مہدی رضی اللہ عنہ تک پہنچنے کا وسیلہ۔

- بعد میں اس نے اپنے دعوے میں ترقی کی اور خود کو مہدی موعود قرار دیا۔
- پھر مزید بڑھ کر اس نے **نبوت** بلکہ بالآخر **الوہیت** (خدائی) کا دعویٰ بھی کیا۔
- اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام **البیان** تھا، جس میں قرآن کی طرح کی عبارتیں لکھیں، اور نئے احکام پیش کیے۔

مذہبی وسیاسی اثرات

اس کے ماننے والوں کو بابی کہا گیا۔ بابیت کی تحریک تیزی سے ایران میں پھیلی اور کئی جگہ فسادات اور خون ریزیاں ہوئیں۔ اس وقت کی ایرانی حکومت نے اس تحریک کو سختی سے کچلا۔ بالآخر 1850ء میں **تبریز** میں **علی محمد باب** کو گرفتار کر کے سزائے موت دے دی گئی۔

بعد از مرگ اثرات

اس کے بعض پیروکاروں نے بعد میں اس کے ایک شاگرد **میرزا حسین علی نوری**) جو بعد میں **بہاء اللہ** کہلایا) کی پیروی کی۔ اسی سے **بہائیت** (Bahá'í Faith) کی بنیاد پڑی، جو آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ بابیت اور بہائیت دونوں کو اسلامی عقیدۂ ختمِ نبوت کے منافی اور کفریہ تحریکیں قرار دیا گیا ہے۔

مرزا بہاء اللہ

تعارف وابتدائی زندگی

نام: میرزا حسین علی نوری — بعد میں " بہاء اللہ " کہلایا۔

ولادت: سنہ 1817ء میں تہران (ایران) کے ایک معزز مگر سیاسی طور پر کمزور گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کا والد میرزا بزرگ نوری شاہی دربار میں افسر تھا۔

تعلیم وماحول:

رسمی تعلیم زیادہ نہ حاصل کی، مگر فارسی و عربی میں ماہر تھا۔ جوانی میں صوفیانہ میلانات اور مذہبی رجحان پیدا ہوا۔ اس نے فلسفہ، تصوف، اور شیعہ مہدویت کے نظریات سے گہرا اثر لیا۔

بابیت سے تعلق اور اس کا ارتقاء

ابتدائی وابستگی:

جب میرزا علی محمد باب نے 1844ء میں دعویٰ کیا تو حسین علی بھی اس کے پیروکاروں میں شامل ہوا۔ باب کے قتل (1850ء) کے بعد بابی تحریک میں قیادت کا بحران پیدا ہوا۔

دعویٰ قیادت:

- حسین علی نے اپنے بھائی میرزا یحییٰ صبحِ ازل کے مقابلے میں قیادت کا دعویٰ کیا۔
- بابی تحریک دو حصوں میں بٹ گئی:

1. ازلی بابی (میرزا یحییٰ کے پیروکار)
2. بہائی (میرزا حسین علی کے پیروکار)

بہاء اللہ کا نیا دعویٰ:

- 1863ء میں بغداد کے قریب حدیقۃ الرضوان میں اس نے اپنے خاص مریدوں کے سامنے اعلان کیا: "میں وہی موعود ہوں جس کا وعدہ تمام کتبِ آسمانی میں دیا گیا تھا۔"

اس نے خود کو "مظہرِ الٰہی (Manifestation of God)" اور باب کے بعد آنے والا ظہورِ اکبر کہا۔

تفصیل:

ایران کے ایک شخص علی محمد باب نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اس کا دعوٰی تھا کہ اسے الہام ہوتا ہے اور نئے مذہب کا نام اس نے بابی مذہب رکھا اس کے پیروکاروں میں دو بھائی بھی تھے ایک بہاء اللہ اور دوسرا صبح ازل۔ باب جس نے بابی فرقے کی بنیاد رکھی تھی اس نے اپنے بعد مستقبل قریب میں ایک شخص کی آمد کی خبر دی جسے اس نے یظہر اللہ کا نام دیا تھا چنانچہ اس کے بعد ایک شخص مرزا اسد اللہ نے یظہر اللہ ہونے کا دعوی کیا مگر باب کے پیروکار بہاء اللہ اور صبح ازل نے اس کی مخالفت کر کے اسے قتل کرا دیا بعد میں بہت سے بابیوں نے یہ دعویٰ کیا مگر کسی کو بھی خاص اہمیت حاصل نہ ہوئی بابیوں اور حکومت ایران میں ایک جنگ ہوئی (جسے جنگ قلعہ شیخ طبرسی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی) اس جنگ کے بعد بہاء اللہ اور صبح ازل بغداد چلے گئے ایک سال گزرنے کے بعد بہاء اللہ اکیلا ہی کردستان کے صحرائے سلیمانیہ کے پہاڑ سرگلوں چلا گیا اور اپنی زندگی کے دو سال وہاں نہایت عسرت و تنگ دستی میں گزارے اس عرصے میں وہ اپنے ساتھیوں سے برابر خط و کتابت کرتا رہا بالآخر وہ دوبارہ بغداد لوٹ آیا وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی صبح ازل کی قیادت میں بابی تحریک ختم ہونے لگی ہے یہ دیکھتے ہوئے اس نے بابی تحریک اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا اور یظہر اللہ ہونے کا دعویٰ کر دیا اس طرح بابی کی زمام اپنے ہاتھ میں کر لی اس کے دعوی کرنے کے بعد بابی تحریک میں جان پڑ گئی لہٰذا وہ تحریک جو پہلے بابی تحریک کے نام سے مشہور تھی اب بہائی تحریک سے مشہور ہوئی۔ بہاء اللہ کا بھائی نرم طبیعت کا مالک تھا جبکہ یہ اس کے برعکس تھا اسی لئے یہ تحریک کو اپنے مزاج کے مطابق لانا چاہتا تھا جو ایرانیوں کے لیے

نقصان دہ بات تھی چنانچہ حکومت ایران نے ترکی کی حکومت کو لکھا کہ بہاء اللہ کو بغداد سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا جائے کیونکہ بغداد ایرانی سرحدوں کے قریب ہے اور بہاء اللہ وہاں ضعیف الاعتقاد اور جاہل لوگوں کو خفیہ طور پر گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہا ہے چنانچہ دونوں حکومتوں کے باہمی مشورے سے بہاء اللہ کو اسکے اہل خانہ اور پیروکاروں سمیت بغداد سے قسطنطنیہ منتقل کر دیا گیا یظہر اللہ کے دعوے کے وقت بہاء اللہ کی عمر تقریبا پچاس سال تھی بغداد سے قسطنطنیہ منتقل ہوتے وقت اس نے ایک باغ میں بارہ روز قیام کیا اس باغ کو بہائی باغ رضوان کہتے ہیں اور ان دنوں کو ایام عہد رضوان سے موسوم کیا جاتا ہے قسطنطنیہ میں بہاء اللہ کا قیام چار ماہ رہا پھر اس نے "اورنہ" کی طرف کوچ کیا "اورنہ" کو بہائی ارض السم کہتے ہیں کیونکہ یہاں قیام کے دوران ہی اس نے اپنے مخفی راز جو اب تک دل میں چھپائے تھا آشکار کر دیے تھے یہاں اس نے اپنے دعوے کی راہ ہموار کر لینے کے بعد بابیوں کو دعوت دی کہ اسے یظہر اللہ تسلیم کریں مگر اس کے بھائی سمیت بعض دوسرے بابیوں نے اس سے بھرپور اختلاف کیا نتیجۃً بابی تحریک دو گروپوں میں تقسیم ہو گئی چونکہ صبح ازل قدامت پسند تھا لہٰذا وہ اور اسکے ماننے والے اسی بابی تحریک پر مصر رہے جبکہ بقیہ بہاء اللہ کے اتباع کی وجہ سے بہائی کہلانے لگے جب ان دونوں گروہوں کا تصادم بڑھ گیا تو ترکی حکومت نے صبح ازل کو قبرص اور اس کے بھائی کو عکہ پہنچا دیا جہاں بہاء اللہ اور اس کے متبعین کو عکہ شہر کے قلعے میں قید کر دیا گیا بعد میں ان کے قیام کے لیے کئی مختلف جگہیں بدلی گئیں آخر اسی قید و بند میں بہاء اللہ مر گیا۔

اب اس فرقے کے عقائد ملاحظہ فرمائیے

(۱) انکے نزدیک بہاء اللہ کی آمد کے بعد انبیاء کا دور ختم ہو چکا ہے اور یہ دور حضرت آدم علیہ السلام سے بہاء اللہ تک ہے اس بہاء اللہ کے بعد پہلے تمام انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور اب صرف بہائی شریعت پر عمل کر کے ہی نجات مل سکتی ہے (معاذ اللہ)

(۲) بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ ہی خدا ہے جس نے انسانیت کا جامہ پہن لیا تھا چنانچہ بہاء اللہ کا اپنے بارے میں دعوی تھا کہ وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں اور سب اس کے سامنے جوابدہ ہیں نیز وہ کہتا کہ وہ زندگی کا میدان ہے وہ اللہ ہے وہ تمام اسماء الٰہی اور صفات کا منبع ہے خود ہی ذاکر اور خود ہی مذکور ہے جو موسیٰ سے کوہ طور پر ہم کلام ہوا تھا

(۳) بہائی سال میں پانچ عیدیں مناتے ہیں ❶ عید رضوان بہاء اللہ کے ظہور ❷ عید باسط باب ❸ عید میلاد بہاء اللہ ❹ عید میلاد باب ❺ عید نوروز۔

بہائیت کی تعلیمات میں اخفائے راز کو ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے ان کے ہاں دولت، سفر، منزل مقصود اور مذہب چھپانے کی تلقین کی جاتی ہے ان کا رئیس اعلیٰ ہمیشہ بہاء اللہ کی اولاد سے ہی ہوتا ہے۔

3۔ جلاوطنی اور تبلیغ کا دور

جلاوطنی کے مراحل:

مقام	مدت	خصوصیات
بغداد	1853–1863	دعویٰ ظہورِ اکبر، تبلیغ کی بنیاد
استنبول (ترکی)	1863–1864	عثمانی دربار کی نگرانی
ادرنہ (ترکی)	1864–1868	بھائی صبحِ ازل سے علیحدگی؛ باقاعدہ بہائیت کی تشکیل
عکّا (فلسطین)	1868–1892	مرکزِ دعوت، الکتاب الاَقدس کی تصنیف، موت بھی یہی ہوئی

4۔ بہاء اللہ کی کتابیں اور تعلیمات

مشہور تصانیف:

1. **الکتاب الأقدس** —اس کی بنیادی مذہبی کتاب، جسے اس نے قرآن کی طرح وحی الٰہی بتایا۔
2. **کتاب الإیقان** —عقائد و تاویلات پر مبنی، مہدویت و ظہور کے مفاہیم بیان کیے۔
3. **الالواح** — (Alwah) مختلف بادشاہوں اور رہنماؤں کے نام خطوط۔
   - ایک خط ملکہ وکٹوریہ،
   - ایک نپولین سوم،
   - ایک سلطانِ عثمانی کو لکھا۔

ان خطوط میں اس نے اعلان کیا کہ:

"میں خدا کا مظہر ہوں، سب بادشاہ میرے تابع ہو جائیں۔"

5۔ بہاء اللہ کے بنیادی عقائد

عقیدہ	بہائی نظریہ	اسلامی موقف
توحید	اللہ ایک ہے، مگر ہر دور میں کسی نہ کسی مظہر (انسان) میں ظاہر ہوتا ہے۔	اللہ تعالیٰ بے مثال، ازلی و ابدی، کسی مظہر کا محتاج نہیں۔
نبوت	نبوت ایک جاری سلسلہ ہے، محمد ﷺ کے بعد بھی مظاہرِ الٰہی آسکتے ہیں۔	ختمِ نبوت قطعی عقیدہ —محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔
وحی	بہاء اللہ پر "وحی" نازل ہوئی جس سے "الکتاب الأقدس" لکھی گئی۔	قرآن آخری وحی ہے۔
شریعت	شریعتِ محمدی منسوخ، نئی شریعت "الکتاب الأقدس" کے مطابق۔	شریعتِ محمدی قیامت تک قائم۔
قیامت	قیامت باطنی انقلاب ہے، کوئی جسمانی حشر و نشر نہیں۔	قیامت حقیقی و جسمانی، قرآن و حدیث سے ثابت۔
جہاد	جہاد منسوخ، امن و اتحاد کا پیغام۔	جہاد حق کی سربلندی کے لیے مشروع۔
قبلہ	عکّا (اسرائیل) میں بہائی مرکز۔	کعبۃ اللہ (مکہ مکرمہ)۔

6۔ وفات و بعد از مرگ اثرات

بہاء اللہ کی وفات 1892ء میں عکّا (فلسطین) میں ہوئی۔ اس کے بیٹے عباس افندی (عبد البهاء) نے قیادت سنبھالی اور بہائیت کو منظم مذہب کی صورت دی۔ بعد میں اس کے پوتے شوقی افندی نے بیت العدل الاعظم (Universal House of Justice) قائم کیا، جو آج بھی اسرائیل کے شہر حیفہ میں ہے۔

ملا محمد علی بار فروشی

ملا محمد علی بار فروشی جسے بابی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ اس کے اکثر حالات اس سے قبل بھی ذکر ہو چکے ہیں۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ ﷺ کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت ﷺ از سر نو دنیا کے اندر تشریف لاکر (معاذ اللہ) بار فروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد کادیانی نے بار فروشی ہی کے چبائے ہوئے لقمے کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنالیا تھا۔ چنانچہ کادیانی صاحب نے ۵/نومبر ۱۹۰۱ء کے اشتہار میں لکھا کہ: "میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیۃ "وآخرین منہم لما یلحقوا بہم "بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی"۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص۸، خزائن ج۱۸ ص ۲۱۲)

حاجی مرزا جانی کاشانی نقطۃ الکاف میں لکھتا ہے کہ بار فروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں آئمہ دین سے وارد ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ ایک وہ حدیث ہے جس میں چار جھنڈوں کا ذکر ہے۔ رایت یمانی، حسینی، خراسانی، طالقانی۔ یہ چاروں جھنڈے حق ہیں اور سفیانی پرچم جوان چاروں کے بالمقابل ہے۔ باطل ہے۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ اس حدیث میں رایت یمانی سے مراد جناب ذکر (علی محمد باب) ہے اور رایت حسینی سے حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) کا پرچم ہے۔ رایت خراسانی سے سید الشہداء ~~علیہ السلام~~ (ملا حسین بشرویہ) کا جھنڈا مقصود ہے۔ جس نے خراسان سے حرکت کی تھی اور طالقانی جھنڈا اسے جناب طاہرہ (قرۃ العین) مراد ہے کہ جس کا باپ طالقانی تھا اور سفیانی جھنڈا ناصر الدین شاہ والی ایران کا پرچم ہے۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا۔ ایک مرزا علی محمد باب کو دوسرا محمد علی بار فروشی کو۔ لیکن بابیوں کی بعض تحریروں میں ملا بار فروشی کو علی محمد باب سے بھی فائق و برتر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ اس دورہ میں اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا بار فروشی) تھے اور جناب ذکر (علی محمد) اس کے باب (وسیلہ) تھے۔ لیکن چونکہ رجعت کا دورہ تھا اور ولایت ظہور میں نبوت پر سبقت لے گئی۔ اس لئے جناب ذکر (علی محمد) پہلے ظاہر ہو کر تین سال تک داعی الی الحق رہا۔ اس کے بعد چوتھے برس حضرت قدوس (ملا بار فروشی) ظاہر ہوئے۔

زرین تاج معروف بہ قرۃ العین

زرین تاج عرف قرۃ العین ایک اعجوبۂ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعہ عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الٰہیات و فلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی کے فرزند ملا محمد کے ساتھ ہوگئی۔ جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔ جب زرین تاج نے علی محمد باب کے حالات سنے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کو پڑھ کر وہ بے دیکھے اس پر ایمان لے آئی۔ قرۃ العین نے چند روز تک اپنی بابیت کو مخفی رکھا اور پوشیدہ ہی پوشیدہ دونوں میں مراسلت رہی۔ آخر جب باب نے دیکھا کہ یہ بحث مناظرہ میں طاق اور اپنی دھن میں پکی ہے تو

اسے لکھ بھیجا کہ اب تم ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ شروع کر دو اور اس کے ساتھ باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطاء کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہ محبت میں حب مال وعیال اور اسم ورسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی مسلک کے نشر وابلاغ میں اور براہین وادلہ، مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہنچی ہوتی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوۂ دہر اور سر آمد روزگار تھے۔ اس کے ادراک سے عاجز تھے۔ قرۃ العین نے پہلے گھر ہی میں تبلیغ کی طرح ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بی بی میں بحث چھڑ گئی۔ ملا محمد نے لاکھ سر مارا لیکن بی بی کے خیالات بدلے نہ جا سکے۔ آخر شوہر نے اپنے باپ اور خسر سے شکایت کی۔ انہوں نے بھی قرۃ العین کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح قائل نہ ہوئی۔ بلکہ باپ، چچا اور شوہر کی مخالفت پر آمادہ ہوئی۔ قرۃ العین نے شوہر سے ملنا جلنا بات چیت ترک کر دی۔ باپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ کسی طرح اپنے میاں ملا محمد سے مصالحت کرے۔ لیکن قرۃ العین نے کسی طرح قبول نہ کیا۔ جب باپ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگی کہ میں طاہرہ ہوں۔ (باب نے اس کو طاہرہ کا خطاب بھی دیا تھا) اور میرا شوہر امر حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے خبیث ومردود ہو گیا ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان جنسیت نہیں رہی۔ اس لئے یہی باطنی عدم جنسیت طلاق و تفریق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ سے کہنے لگی کہ عہد رسالت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مکہ کی جو عورتیں حضرت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کے شوہر بدستور کافر رہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں بے طلاق دوسروں کے عقد ازدواج میں دے دیا۔

پردے کی پابندی

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلس درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردے کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پس پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادہ وعظ کرتی تھیں اور خود بھی پس پردہ بیٹھ کر مصروف درس ہوتی تھی۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۳۹)

مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے رسالہ قرۃ العین میں اس کو ایک آزاد خیال عورت بتایا ہے۔ جو بر سر عام اپنے حسن کی نمائش کرتی تھی۔ چنانچہ شرر مرحوم لکھتے ہیں کہ: "قرۃ العین مزدک کی ہم آہنگ ہو کے کہتی تھی کہ عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ کسی ایک ہی کی پابند کر دی جائیں اور دوسرے لوگ اس کے حسن وجمال کی لذت سے محروم کر دیئے جائیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور علم وفضل نے اس میں آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتے ہی ترقی کرتا اور تبحر و تحقیق کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اپنی تقریروں میں کہتی تھی کہ اس پردے کو پھاڑ کے پھینک دو۔ جو تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان حائل ہے اور انہیں خلوت سے جلوت میں لاؤ۔ عورتیں دنیوی زندگی کے باغ کے خوبصورت پھول ہیں اور پھول صرف اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ آغوش شوق میں رکھے اور سونگھے جائیں۔ وہ گلے لگانے اور لطف اٹھانے ہی کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ ضرورت نہیں کہ سونگھنے اور لطف اٹھانے والوں کے لئے کیفیت ومقدار کی قیدیں لگائی جائیں۔ پھول کو جس کا جی چاہے لے اور سونگھے۔ کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ تبلیغی محفلوں میں وہ بے نقاب بر آمد ہو کے سحر بیانیاں کرتی۔ بہت سے لوگ محض اس کے رخ زیبا دیکھنے اور آنکھیں سینکنے کے شوق میں چلے آتے۔ حسن وجمال اور دلفریبی کی یہ حالت تھی کہ جس نے ایک دفعہ صورت دیکھ لی فریفتہ ہو گیا اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ بڑے بڑے لوگ رعب حسن سے ایسے مغلوب ہو جاتے کہ اس کے سامنے لب ہلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔ بابی مذہب کی تمام

کتابیں اس پر متفق اللفظ ہیں کہ نہ صرف وہ پردہ کی پابند تھی اور اس کے چہرے پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ بلکہ وہ دوسری عورتوں کو بھی حجاب و تستر ہی کی تلقین کرتی تھی۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ میں نے صبح ازل سے پوچھا تھا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرۃ العین نے (دائرہ بابیت میں داخل ہونے کے بعد) برقعہ اتار دیا تھا۔ اس میں کچھ صداقت ہے یا نہیں؟ صبح ازل نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے کہ اس نے بے پردگی اختیار کرلی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تقریروں میں فصاحت و خوش بیانی کی داد دیتے وقت بعض اوقات اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتی تھی کہ وہ چشم زدن کے لئے چہرے سے نقاب الٹ دیتی تھی۔ لیکن پھر معاً چہرہ ڈھانک لیتی تھی۔(Episode of Bab ص ۳۱۴)

قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا۔ گو وہ بادی النظر میں مجلس درس و تدریس تھی۔ لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بابیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا۔ کہنے لگی میں مقام علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو۔ تاکہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آجائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے۔ لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہاں سے اس نے سیدھا بغداد کا رخ کیا۔

حاجی ملا تقی قزوینی کا قتل

بغداد پہنچ کر اس نے مفتی اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ بابی تحریک پر روشنی ڈال کر باب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں تبلیغ بابیت کی اجازت دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کھلے بندوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتی اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی۔ گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے بابیت کے ہنگامے برپا کر دیئے۔ وہ پاک کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرہ بابیت میں داخل کیا۔ چنانچہ اس نے حسب بیان حاجی مرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے مغلق و مبہم الفاظ میں بیان کئے کہ شیخ صالح عرب، شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گلپایگانی ملقب بہ ملیح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم و ادراک سے قاصر رہے۔ انہوں نے زبان رد و طعن دراز کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکووں کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے مفتخر کیا اور اس کے آثار توحید کو منتسب الی اللہ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر بابی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والی ایران کو وعظ و نصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قرۃ العین تھوڑے دن تو امن و سکون سے رہی۔ لیکن اس نے پھر حسب معمول بابیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی۔ اب اس نے فتویٰ دے دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد دونوں کافر اور واجب القتل ہیں۔ کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتویٰ سن کر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بکف بابی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے بابی کمینگاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا اور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ناک کان اور تمام اعضاء و جوارح جدا کر کے صورت کو بالکل مسخ کر دیا۔ اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی۔ قرۃ العین کے خلاف

ہر طرف طوفان غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بابی پیروؤں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگادیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے نکل بھاگے۔ چنانچہ جس قدر بابی مل سکے انہیں ساتھ لیا اور عام سڑکوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور مجہول راستوں سے بھاگ کر اس مقام پر حدود خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بشرویہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

عبرتناک موت

اس اثناء میں اس نے سنا کہ باب کا زبردست داعی ملا محمد علی بار فروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آرہا ہے۔ جب بار فروشی وہاں پہنچا تو دونوں بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں۔ بارہا دونوں میں تخلیہ ہوا اور زرین تاج کمال آزادی سے بار فروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی اور بار فروشی کی تخلیہ کی ملاقاتوں کو ناجائز اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زریں تاج اور ملا بار فروشی نے ایک ہی محمل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدشت کے صحرا میں پہنچے تو رات کو قزاقوں نے لوٹ لیا اور سب کو لنگوٹیاں بندھوا کے چھوڑ دیا۔ یہاں سے تمام بابی بحال تباہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا اس طرف کو چلا گیا۔ اسی افراتفری میں ملا بار فروشی اور زریں تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بار فروش چلا گیا اور زریں تاج ادھر ادھر سرگردان پھرنے لگی۔ جب بابیوں کے لٹنے اور بحالت تباہ منتشر و پراگندہ ہونے کی خبر مازندران پہنچی تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بابی جدھر کا رخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دیئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زریں کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر اسے ساری میں طلب کرنا چاہا۔ لیکن وہ نور کو چلی گئی۔ کچھ مدت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلاں ترکی کی حراست میں رکھی گئی اور اگست ۱۸۵۲ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے۔ اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر بند تھی۔ لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہا دیکھی گئی۔ جہاں وہ طرح طرح کے حیلے حوالے کر کے چلی جاتی تھی۔

دو ڈھائی سال اسی طرح گذر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلا دی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ ایلخانی میں لے جا کر تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ لالہ زار میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے نگارستان کہتے تھے لے جا کر دھکیل دیا گیا اور کنوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔

(Episode of the Bab ص ۳۱۳، مطبوعہ Cambridge)

ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں اور چندیا کے گرداگرد سر مونڈ ڈالا گیا۔ پھر سر کے پیچ کے بال ایک خچر کی دم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے اسے دار القضا میں لائے۔ محکمہ قضاء نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلا دی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی۔ لیکن میرے نزدیک مؤخر الذکر روایت ناقابل اعتماد ہے۔ شرر مرحوم نے یہ لکھنے میں غلطی کی ہے کہ قرۃ العین علی محمد باب کے مارے جانے سے دو سال پیشتر ہلاک کی گئی۔ حالانکہ حقیقت

اس کے بر عکس ہے۔ باب بتاریخ ۹ جولائی ۱۸۵۰ء قتل ہوا تھا۔ (Episode of the Bab ص ۴۵) اور قرۃ العین کو اگست ۱۸۵۲ء میں خاک ہلاک پر ڈالا گیا۔ (Episode of the Bab ص ۳۱۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مظہر ہونے کا دعویٰ

قرۃ العین، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مظہر ہونے کی دعویدار تھی۔ اسے بابیت میں اتنا شغف اور غلو تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ راہ استدلال میں پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھی اور اسی کا اثر تھا کہ لوگ اسے بابی مذہب کا رکن رابع یقین کرتے تھے۔ حسب بیان حاجی مرزا جانی قرۃ العین کو کسی امام معصوم کی ایک حدیث پہنچی تھی کہ جو کوئی ہمارے کامل شیعوں کو دشنام سے یاد کرے گا وہ گویا ہم پر سب و شتم کرے گا اور جو ہمیں دشنام دے گا وہ گویا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو گالی دے گا اور ایسا شخص ناصبی، کافر اور نجس ہو گا۔ اسی بناء پر وہ بابیوں کے سوا ہر شخص کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام سمجھ کر نہ کھاتی تھی۔ لیکن اس نے ان مزعومہ حرام و نجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھکوسلہ بھی بنا رکھا تھا۔ چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور ناپاک چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک و طاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بابی معتقدین سے کہا کرتی تھی کہ جو چیز بازار سے خرید و وہ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال و طیب ہو جائے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۴۲، ۱۴۱)

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود تفحص بسیار اس کے دو ہی قصیدے مل سکے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ باب نے اس کو طاہرہ کا لقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو اپنا تخلص قرار دے لیا تھا۔

قصیدۂ اوّل

نفحات وصلک اوقدت جرات شوقک فی الحشا	زغمت بہ سینہ کم آتشے کہ نہ زد زبانہ کماتشا
تیری وصال کی خوشبو نے میرے دل میں شوق کے جام کو بھر دیا،	اور جو آگ تُو نے میرے سینے میں لگائی، اسے کوئی بجھا نہیں سکا۔
جذبات شوقک الجمت بسلاسل الغم والبلا	ہمہ عاشقان شکستہ دل کہ دہند جان برہ بلا
تیری محبت کے جذبات نے مجھے غم و بلا کی زنجیروں میں جکڑ دیا،	اور سب عاشقانِ سچے ٹوٹے دل والے ہیں، جو اسی بلا پر جان دیتے ہیں۔
لمعات وجھک اشرقت وشعاع طلعتک اعتلیٰ	زچہ روالست بر بکم نزنی؟ بزن کہ بلیٰ بلیٰ
تیرا چہرہ اپنی تجلی سے چمک اٹھا، تیری صورت کا نور بلند ہو گیا،	تو مجھے کیوں حکم ربّانی سے روکتی ہے؟ کہو! ہاں، ہاں—ضرور کرو!
اگر آن صنم زرہ ستم پئے کشتن من بے گناہ	لقد استقام بسیفہ فلقد رضیت بما رضیٰ

اگر وہ حسین صنم (محبوب) ذرا سا بھی زیادتی کرے اور مجھے بے قصور قتل کرنا چاہے، تو اس کی تلوار سیدھی ہے؛ جو وہ چاہے، میں اسی پر راضی ہوں۔

تو کہ غافل از مے وشاہدی پئے مرد عابد وزاہدے	چہ کنم کہ کافر وجاحدی زخلوص نیت اصطفا
تو مجھے دیکھتا بھی نہیں، اور کسی عابد و زاہد کی تلاش میں ہے،	میں کیا کروں کہ اخلاص کے باوجود میں تیرے نزدیک کافر و منکر ٹھہرا۔
تو وملک وجاہ سکندری من ورسم وارہ قلندری	اگر آن خوش ست تو در خوری وگر ایں بدست مرا سزا
تو سلطنت و دولتِ سکندری کے لائق ہے، اور میں قلندری مزاج کا فقیر	اگر وہ خوبی تجھے زیبا ہے تو رکھ لے، اور اگر یہ کمی ہے، تو مجھے مناسب ہے۔

من و عشق آن مہ خوبرو کہ چو زد صلاے بلا برو | کہ نشاط و قہقہ شد فرو کہ انا الشہید بکربلاء

میں اور اس ماہ جیسے محبوب کا عشق، کہ جب وہ مجھے بلا کی طرف بلاتا ہے، تو سارا سرور اور ہنسی ماند پڑ جاتی ہے، اور میں کہتا ہوں: میں بھی کربلا کا شہید ہوں!

بجواب طبل الست توز دلا چو کوس بلیٰ زدند | ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم و بلا

جب "اَلست بربکم؟" کا طبل بجا، دل نے بھی "بلیٰ" کہا، | اور غم و بلا کی فوجیں میرے دل کے خیمے کو پھاڑ گئیں۔

چہ شود کہ آتش حیرتے بزنی بقلۂ طور دل | فصکلت و دککت متدکد کا متزلزلا

کاش تُو حیرت کی آگ میرے دل کے طور پر جلا دے، | تا کہ وہ چیخ اٹھے، لرز اٹھے، اور خاک ہو جائے۔

پئے خوان دعوت عشق او ہمہ شب ز خیل کروبیاں | رسد ایں صفیر مہیمنے کہ گروہ غمزدہ الصلا

محبوب کے عشق کی دعوت کے دسترخوان پر، رات بھر فرشتوں کے لشکر سے صدا آتی ہے: اے غمزدگان! آجاؤ!

ہلہ اے گروہ امامیاں بکشید ولولہ رامیاں | کہ ظہور دلبر ماعیاں شدہ فاش و ظاہر و برملا

اے اہلِ محبت! اُٹھو اور ولولہ پیدا کرو، | کہ ہمارا دلبر ظاہر ہو چکا ہے، بالکل کھل کر، واضح طور پر۔

گر تاں بود طمع بقا در تاں بود ہوس لقا | ز وجود مطلق مطلقا بر آن صنم بشوید لا

اگر تمہیں بقا کی امید ہے یا دیدار کا لالچ، | تو وجودِ مطلق کے سوا سب کچھ دل سے دھو ڈالو۔

طلعت ز قدس بشارتے کہ ظہور حق شدہ برملا | بزن اے صبا تو بمحضرش بگروہ زندہ دلاں صدا

قدسی نور کی بشارت آئی ہے کہ حق ظاہر ہو گیا، | اے صبا! جا، اور زندہ دلوں کے لشکر کو اس کی خبر دے۔

چو شنید نالہ مُرگ من پئے ساز من شد و برگ من | فمشیٰ الی مہرولاً و بکیٰ علے مجلجلاً

جب اس نے میری موت کا نالہ سنا، تو میرے ساز اور برگ بن گیا، | اور جلدی سے میرے محبوب کی طرف گیا اور رونے لگا۔

ہلہ اے طوائف منتظر ز عنایت شہ مقتدر | مہ مفتخر شدہ مشہر متبہیا متہللا

اے منتظر گروہ! اس قادر بادشاہ کے کرم نے | چاند کو سربلند اور روشن کر دیا۔

دو ہزار احمد مجتبیٰ ز بروق آن شہ اصفیا | شدہ مختفی شدہ در خفا متدثر اً متزملا

دو ہزار احمد مجتبیٰ کے نور میں وہ پاک بادشاہ | چھپ گیا تھا، پردے میں تھا، لپٹا ہوا تھا۔

تو کہ فلس ماہئے حیرتی چہ زنی ز بحر وجود دم | بنشیں چو طاہرہ دمبدم بشنو خروش نہنگ لا

اے حیران فلسفی! تجھے وجود کے سمندر میں غوطے مارنے کی کیا ضرورت؟ | بیٹھ جا، جیسے طاہرہ بیٹھی، اور "لا" کے شیروں کی دھاڑیں سن۔

طلعات قدس بشارتی کہ جمال حق شدہ برملا | بزن مے صبا تو بساحتش بگروہ غمزدگان صلا

پاکیزہ تجلیاتِ الٰہی ایک بشارت لے کر آئی ہیں کہ حق کا جمال ظاہر ہو گیا ہے۔ | اے صبا! اُس کے دربار کی سمت چل، اور غمزدہ لوگوں کو وہاں بلانے کی صدا لگا۔

شدہ طلعت صمدی عیاں کہ بپا کند علم بیاں | ز گمان و وہم جہانیاں جبروت اقدس اعتلا

صمدی (الٰہی) تجلّی ظاہر ہو گئی ہے تاکہ بیان کا جھنڈا بلند کرے، | اور جہان والوں کے گمان و وہم سے بلند، پاکیزہ جبروتِ اعلیٰ جلوہ گر ہے۔

بسریر عزت و فخر شان بنشستہ آں شہ بے نشاں | بزد آں صلا ببلاکشاں کہ گروہ مدعی الولا

وہ گمنام مگر حقیقت میں عظیم بادشاہ جب عزت و عظمت کے تخت پر بیٹھا، تو اس نے دکھ جھیلنے والوں کو پکارا کہ "اے وہ لوگو جو محبت و دوستی (ولایت) کا دعویٰ کرتے ہو، چلو میری طرف آؤ"!

چو کسی طریق مرا رود کنمش ندا کہ خبر شود | کہ ہر آنکہ عاشق من شود زہد ز محنت و ابتلا

صمدی تجلّی ظاہر ہوئی، اور وہ شاہِ بے نشاں تختِ عزت پر جلوہ فگن ہوا، | اور بلاکشوں کو پکارا کہ آجاؤ—اے دعویٰ کرنے والو! اپنی نسبت سچی کرو۔

کسی نہ کرد اطاعتم نہ گرفت حبل ولایتم — کنمش بعید ز ساحتم دہمش بقہر بباد لا

جو میری اطاعت نہ کرے اور میری ولایت کی رسی نہ تھامے، — میں اسے اپنی حضوری سے دور کر دیتا ہوں، اور قہر سے اس کا دل برباد کر دیتا ہوں۔

صمدم ز عالم سرمدم احدم ز منبع او حدم — پئے اہل افئدہ آمدم ہلم الینا مقبلا

میں صمد ہوں، سرمد ہوں، احد ہوں، وحدت کا منبع ہوں، — اہلِ دل کے لیے آیا ہوں — آ جاؤ، میری طرف رخ کرو۔

قبسات نار مشیتی نادت الست بربکم — بگذر بساحت قدسیاں بشنو صفیر بلیٰ بلیٰ

میری مشیت کی آگ نے دوبارہ "اَلست بربکم؟" پکارا، — قدس کی وادی میں آؤ، "بلیٰ" کی صدائیں سنو۔

منم آن ظہور مہیمنی منم آں منیت بے منی — منم آں سفینۂ ایمنی ولقد ظہرت مجلجلا

میں وہ مہیمن ظہور ہوں، میں وہ "من" ہوں جس میں "من" باقی نہیں، — میں نجات کی کشتی ہوں — واضح طور پر ظاہر ہو چکا ہوں۔

شجر مرقع جاں منم ثمر عیاں ونہاں منم — ملک الملکوک جہاں منم ولی البیان وقد علا

میں زندگی کے درخت کا لباس ہوں، اس کا ظاہر بھی میں ہوں، باطن بھی میں ہوں، — میں ملکِ مُلکوت ہوں، جہان کا ولی ہوں۔

شہدائے طلعت نار من بدید سوئے دیار من — سر و جاں کنید شار من کہ منم شہنشہ کربلا

میرے شہادت کے قافلے سے شہید میرے دیار کی طرف آئے، — میرے شہر کی گلیوں میں سجدے کیے، میں کربلا کا بادشاہ ہوں۔

بزنید نغمہ ز ہر طرف کہ زوجہ ماطلع ماعرف — رفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلیٰ

ہر سمت نغمے اٹھے کہ محبوب کا حسن ظاہر ہو گیا، — اندھیروں کے پردے چاک ہو گئے۔

برسید باسپہ طرف صنمی عجم صمدے عرب — بدمید شمس ہدیٰ غرب بدوید الیہ مہر ولا

جب شہر عجم کے محبوب نے قدم رکھا، — تو عرب کی صمدیت کی روشنی پھیل گئی۔

فوران نار ز ارض فانو اران نور ز شہر طا — ظہران روح ز شطر ھا ولقد علا وقد اعتلا

زمین سے آگ اٹھی، اور شہر طا میں نور بھر گیا، — روح اس کے خیموں سے اُٹھی، بلند ہوئی۔

طیر العماء تکفکفت ورق البہاء تصفصفت — دیک الضیاء تذورقت متجملاً متجللاً

بادلوں کے پرندے لہرانے لگے، نور کے پنکھ چمک اٹھے، — روشنی گھوم گئی — سب کچھ ظہور میں آ گیا۔

ز ظہور آن شہ آلیہ ز الست آں مہ بار — شدہ آلہہ ہمہ والہہ تنغیات بلیٰ بلیٰ

اس کے ظہور سے سب معبود جھوٹے ثابت ہوئے، — ہر طرف "بلیٰ بلیٰ" کی صدائیں اٹھیں۔

بتموج آمدہ آں یمے کہ بکربلاش بجر مے — متظہر است بہر دمے دو ہزار وادئے کربلا

دریائے حقیقت موجزن ہوا، — دو ہزار وادیِ کربلا ہر دم ظاہر ہوتی گئی۔

ز کمان آں رخ پر دلہ ز کمند آں مہ دہ ولہ — دو ہزار فرقہ و سلسلہ متفرقاً متسلسلا

اس کے چہرے کے خم سے دل ٹوٹ گئے، — اس کے گیسوؤں کی کمند سے ہزار سلسلے بکھر گئے۔

ہمہ موسیاں عمائیش ہمہ عیسیان سمائیش — ہمہ دلبران بقائیش متولہا متزملا

وہ سب موسیٰ کی طرح حیرت میں ہیں، سب عیسیٰ کی طرح آسمانی، — سب اس کے باقی رہنے سے قائم۔

بحر الوجود تموجت لعل الشہود تولجت — صعق الحمود تلجلجت بلقائہ متجملا

وجود کا سمندر موجزن، شہود کے لعل نمودار، — خاموشی لرزاں — اس کے دیدار سے عالم روشن۔

تلل جمال ز طلعتش قلل جبال زر فعتش — دول جلال ز سطوش متخشعا متزلزلا

تجلی نے پہاڑوں کو ہلایا، جلال نے زمین کو جھنجھوڑا، دل خوف سے پگھل گئے۔

دلم از دو زلف سیاہ او ز فراق روی چو ماہ او — بتراب مقدم راہ او شدہ خون من متبلبلا

اس کے دو سیاہ گیسوؤں اور چاند سے چہرے کی جدائی نے میری راہ پر خاک ڈال دی، میرے خون کو بے قرار کر دیا۔

ز غم تو اے مہ مہربان ز فراقت ای شہ دلبران — شدہ روح ہیکل جسمیان متخففا متخلخلا

اے مہربان چاند! تیری جدائی نے میری روح کو جسم کے قالب میں کانپتا چھوڑ دیا۔

تو دآں تشعشع روے خود تو آں ملمع موے خود — کہ رسانیم تو بکوے خود متزعاً متعجلاً

تیرا چہرہ، تیرا نور، تیرے گیسوؤں کی خوشبو، ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے—تیزی سے، شوق سے۔

نہ چو زلف غالیہ بار او نہ چو چشم فتنہ شعار او — شدہ نافہ ہمہ خستن شدہ کافرے ہمہ خطا

نہ وہ گیسوؤں کی خوشبو جیسا ہے نہ وہ آنکھوں کی فتنہ گری؛ وہ نافہ ہے سب زخموں کے لیے، اور کافر کی خطاؤں کی معافی بھی۔

سحر آن نگار ستمگرم قدمے نہادہ بہ بسترم — واذا رایت جمالہ طلع الصباح کانما

صبح میرے بستر پر وہ ظالم حسین محبوب آیا، اور جب اس کا جمال دیکھا—یوں لگا جیسے سورج نکل آیا۔

بمراد زلف معلقی پے اسپ و زین مغرقی — ہمہ عمر منکر مطلقی ز فقیر فارغ بے نوا

مراد کے گیسوؤں نے مجھے گھوڑے اور زین دے دی، میری پوری زندگی کی نفی، فقیر کی بے نیازی۔

بگذر ز منزل ما و من بگزیں بملک فنا وطن — فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بما تشاء

میرے گھر سے نکل جا، اور فنا کے ملک کا سفر اختیار کر، اگر یہ کر لیا—تو ہر منزل پا لے گا۔

چو شکنج زلف تو پر شکن گرہے فتادہ بکار من — بگرہ کشائی زلف خود کہ زکار من گرہے کشا

اگر تیرے گیسوؤں کی گرہ کھل جائے، تو میری مشکلیں بھی کھل جائیں گی، کیونکہ میرے سارے گرہ تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔

ہمہ اہل مسجد و صومعہ پئے ورد صبح و دعائے شب — من و ذکر طرہ طلعت تو من الغداۃ الی العشا

اہل مسجد اور اہل صومعہ سب اپنی دعاؤں میں ہیں، اور میں صبح سے شام تک تیرے گیسو اور چہرے کا ذکر کر رہا ہوں۔

قصیدہ دوم

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ روبرو — شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو

اگر کبھی مجھے تو نظر آ جائے، چہرہ بہ چہرہ، روبرو تو میں تیری پوری حقیقت نکتہ بہ نکتہ بیان کر دوں۔

از پے دیدن رخت ہمچو صبا فتادہ ام — خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

تیری صورت کے دیدار کی خاطر میں صبا کی طرح بھٹکتا ہوں، گھر بہ گھر، در بہ در، کوچہ بہ کوچہ، کُو بہ کُو پھر رہا ہوں۔

دور دہان تنگ تو عارض عنبریں خطت — غنچہ بغنچہ گل بگل لالہ بلالہ بو ببو

تیرا چہرہ، تیری زلف، اور تیری عنبریں خطیں اتنی نازک ہیں کہ کلی بہ کلی، پھول بہ پھول، لالہ بہ لالہ، مہک بہ مہک بکھر رہی ہیں۔

میرود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام — دجلہ بدجلہ یم بیم چشمہ بچشمہ جو بجو

تیری جدائی میں میری آنکھوں سے خونِ دل بہہ رہا ہے، دجلہ بہ دجلہ، دریا بہ دریا، چشمہ بہ چشمہ، جو بہ جو۔

مہر ترا دل حزیں بافتہ بر قماش جاں — رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

میرا غمگین دل تیری محبت کو روح کے کپڑے پر بُن رہا ہے، رشتہ بہ رشتہ، دھاگہ بہ دھاگہ، تار بہ تار، پیوستہ بہ پیوستہ۔

در دل خویش طاہرہ گشت و نیافت جز ترا صفحہ بصفحہ لا بلا پردہ بپردہ تو بتو

میرے دل نے ہر آلائش سے پاک ہو کر صرف تجھے پایا، صفحہ بہ صفحہ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ، تو ہی تو۔

یہ قصائد علی محمد باب کی حمد و ثناء اور اس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں۔ ان اشعار کی فصاحت وبلاغت بلند خیالی اور شوکت الفاظ سے ظاہر ہے۔

مؤمن خاں اچی

مؤمن خاں اچی جسے حاجی مرزا جانی کاشی اور دوسرے بابیوں نے مؤمن ہندی کے نام سے یاد کیا۔ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جو اچ میں کاملین عرفاء میں سے گذرے ہیں۔ سات سال کی عمر میں چیچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا رجحان طبع دین کے بجائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے اوائل عمر میں دینی علوم کی بجائے دنیوی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب، نجوم جفر اور صناعت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ متعدد زبانیں جانتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہنچا تو بدنصیبی سے وہاں کسی بابی سے ملاقات ہو گئی۔ اس بابی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے۔ بابی نے اپنے مقتداء کے من گھڑت فضائل میں اتنا مبالغہ کیا کہ مؤمن دام فریب میں آ گیا اور بن دیکھے اس کا والہ وشیدا ہو گیا۔ شومی قسمت نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے۔ اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑوں گی۔ سوئے اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا۔ دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ لیکن اس بدنصیب نے وہاں جا کر شقاوت وضلالت سے اپنے جیب و داماں بھر لئے۔ اس نے بابیت کیا پائی، گویا اس کو گم گشتہ جواہر و لآلی مل گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کر کے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو رہا۔ جن ایام میں بابیوں نے مازندران میں اودھم مچا رکھا تھا۔ مؤمن ان دنوں وہاں پہنچا۔ ہر چند کوشش کی کہ قلعہ میں داخل ہو کر بابیوں میں شامل ہو جائے۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ انہی دنوں میں ایک شخص مرزا مصطفیٰ کرد مؤمن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ مؤمن نے اس کی رفاقت میں گیلان کا سفر کیا۔ اہل گیلان نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ گیلان سے انزلی گئے۔ مؤمن نے وہاں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے بابیت کا نغمہ چھیڑ دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ خورد و نوش کے مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس پر بھی اندھا وہاں سے نہ ٹلا تو لوگوں نے آدھی رات کے وقت وہاں سے جبراً نکال دیا۔ یہاں سے قزوین اور قزوین سے طہران گیا۔ وہاں صبح ازل اور بہاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بہاء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ باب کے طریقۂ محبت میں صادق ہے۔ بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے برعکس نہند نام زنگی کافور کے حسب مصداق بصیر (بینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مؤمن رجعت حسنی کا دعویدار ہوا اور اپنے اس دعویٰ کے متعلق صبح ازل اور بہاء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں ابصر الابصر (بیناؤں میں سب سے بڑا بینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ "یا حبیب انا قد اصطفیناک بین الناس "اے حبیب! ہم نے تمہیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنالیا ہے۔ اس دعویٰ کے بعد ارض قاف کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہو کر گمراہ ہوئی۔

بابیوں کے پروردگار

بابیوں کی ایک نہایت شرمناک کجروی یہ تھی کہ وہ علی محمد باب کو بے تکلف پروردگار عالم اور رب اکبر کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اسی کو اپنا خالق ورازق یقین کرتے ہیں۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے۔ زمانے کہ حکم از حضرت رب الاعلیٰ یعنی جناب ذکر علیہ السلام (علی محمد باب) صادر شدہ بود کہ اصحاب بخراسان بر دند۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۰)

اسی طرح جب کور چشم وکور دل مؤمن ہندی ارض قاف سے چل کر چہریق پہنچا تو اس نے باب کو دیکھتے ہی ہذا ربی (یہی میرا پروردگار ہے) کا نعرہ لگایا اور بے خود ہو گیا اور حسب بیان حاجی مرزا جانی کاشانی گریہ وزاری کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا۔ "انا القائم الذی ظہر "(میں قائم ہوں جو ظاہر ہو گیا ہوں) مؤمن چہریق سے سلماس آیا اور قائم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سیکڑوں ہزاروں خوش اعتقاد جان نثاری پر آمادہ نظر آئے۔ مؤمن نہایت نظیف لباس پہنتا تھا۔ حسب بیان حاجی مرزا جانی اس نے ایسی لطافت طبع بہم پہنچائی تھی کہ غذا تک نہ کھا سکتا تھا۔ اس کی تقلیل غذا کا یہ عالم تھا کہ چالیس دن کے بعد گلاب اور قند تناول کرتا۔ خلاصہ یہ کہ ان حدود میں اس نے خوب پاکھنڈ رچایا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور اس کی کمند خدع میں پھنستے جاتے تھے۔ جب یہ خبر حاکم خوی کو ہوئی تو اس نے اندھے اور اس کے دو مشہور پیروؤں شیخ صالح عرب اور ملا حسین خراسانی کو بلا بھیجا۔ اندھا حاکم کے سامنے جا کر اکڑنے لگا اور قائمیت کا دعویٰ کر کے بولا میں چنیں وچناں کر ڈالوں گا۔ حاکم نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ تینوں کو بید لگائے جائیں۔ چنانچہ حکم کی دیر تھی۔ بید پڑنے لگے۔ جب تک حواس قائم رہے تینوں بید کی ہر ضرب پر "انی انا اللہ "(بلا شبہ میں خدا ہوں) پکارتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف باب ہی ان کا خدا نہ تھا۔ بلکہ وہ نابکار خود بھی (معاذ اللہ) خدا ہی بنے پھرتے تھے۔ صالح عرب کی خدائی کا تو وہیں خاتمہ ہو گیا۔ یعنی پٹتے پٹتے ڈھیر ہو گیا۔ باقی دونوں کو اپنی خدائی دعویٰ سے باز آنے کے لئے بار بار کہا گیا۔ مگر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہم منافق نہیں ہیں کہ مار سے ڈر کر اپنے خیالات سے رجوع کر لیں۔ ہم نے جام محبت پیا ہے۔ اس شراب کا نشہ کبھی نہیں اتر سکتا۔ آخر اندھے اور اس کے مرید ملا خراسانی کے سر منڈائے گئے۔ (ڈاڑھیاں شاید پہلے ہی چٹ ہوں گی) اور گدھوں پر سوار کرا کے خوب تشہیر کی گئی۔ غرض ان کی خدائی کی خوب مٹی پلید ہوئی۔ لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اندھے کو توارزن الروم بھیج دیا گیا۔ دوسرے کا حال معلوم نہیں۔

دو بابی مذہبی پیشواؤں کا دلچسپ جھگڑا

جس طرح دو بادشاہ اپنی اپنی عظمت واقتدار کے لئے لڑتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ تم چھوٹے اور ہم بڑے ہیں۔ اسی طرح تقدس کے جھوٹے دعویداروں کی ساری کائنات چونکہ زبانی جمع خرچ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بھی باہم دست وگریبان رہتے ہیں اور دوسروں کی نفی کر کے خود بڑا بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس کسی کا دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا رہا ہو وہ ہمیشہ خاکساری کا شیوہ اختیار کرتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کی تمام مخلوق سے ادنیٰ اور کمتر سمجھتا ہے۔ مؤمن ہندی اور علی عظیم خراسانی نام ایک بابی میں بہت دن تک چپقلش جاری رہی۔ حاجی مرزا جانی نے اس اختلاف ونزاع کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ علی عظیم کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ باب حضرتین، حبیب ثمرۃ الازلیہ اور سلطان منصور ہے۔ اس لئے تمام مخلوق کا مطاع ہے۔ مؤمن ہندی کہتا تھا کہ تمہاری عزت کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم آنحضرت (علی محمد باب) کی عبودیت اور قرب کے مدعی ہو۔ دوسرے تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے نفس کے آئینہ عبودیت میں آنجناب (علی محمد باب) کے شمس بابیت کے آثار حقہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہارے دونوں دعوے حق ہیں اور تمہارے پاس ظاہری نص (علی محمد باب کا فرمان) بھی موجود ہے اور میں بھی ان دونوں باتوں کا مدعی ہوں اور یہ

میزان بھی حق ہے۔ لیکن میرا گمان یہ ہے کہ چونکہ اس شمس عزت کے جلال کے پہلو میں میری عبودیت وفا کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے آنحضرت کے آثار ربوبیت جو فطری آیات میں جاری ہوئے ہیں۔ اعظم آیات ہیں۔ چھ مہینے تک دونوں کا جھگڑا چلتا رہا۔ آخر عظیم نے رواداری سے کام لے کر مؤمن کے دعاوی کو تسلیم کر لیا۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۶۰،۲۵۹)

بابیوں کا عقیدۂ تناسخ

بابی لوگ قیامت کے منکر اور ہنود کی طرح تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ کتا بھونک رہا تھا۔ اندھا بے دین کہنے لگا کہ یہ کتا فلاں شخص کی رجعت ہے۔ وہ شخص اس کے پیکر میں معذب ہو رہا ہے۔ حاجی مرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ اس کے بعد مؤمن ہندی نے اس کے مکان کا پتہ نشان بتا کر کہا کہ اس کا مکان یہاں سے سترہ گھر چھوڑ کر واقع ہے۔ متوفی کے اتنے بیٹے ہیں اور میرے قول کے صدق کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ جب تفحص کیا گیا تو سب باتیں بے کم وکاست صحیح ثابت ہوئیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۵۸)

لیکن میں کہتا ہوں کہ اندھا اور اس کا مداح جانی میاں جو چاہیں کہیں اور لکھیں کوئی کسی کی زبان اور قلم کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک کوئی شخص اس قسم کے مہمل اور بعید از قیاس دعویٰ کر کے ان کا کوئی ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکا۔ آئے دن لاہور کے ہندو جرائد اس قسم کے من گھڑت افسانے شائع کیا کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر ایک خوردسال ہندو لڑکی اپنے پچھلے جنم کے واقعات سناتی ہے۔ لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ ہمیشہ ہندو لڑکیاں ہی ایسے مہمل قصے کیوں سناتی ہیں۔ مسلمان یا عیسائی یا یہودی لڑکیاں کیون نہیں سناتیں؟ اور جب ایک بے تمیز خوردسال لڑکی اپنی گذشتہ زندگی کے حالات سنا سکتی ہے تو تم باتمیز اور عاقل وبالغ ہو کر اپنی تاریخ کیوں نہیں پیش کر دیتے؟ اگر گاندھی جی یا مالوی جی یا منجی جی یا دوسرے ہنود کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو وہ اپنی حیات سابقہ کے حالات وواقعات شائع کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ تولہ بھر کی زبان ہلا کر یا دو تین ماشہ کا قلم چلا کر بے پر کی ہانک دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لیکن دیانت داری اور راست بازی کے ساتھ کبھی کوئی شخص اپنی مزعومہ سابقہ زندگی کا ہرگز دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اندھے نے کتے کا سابقہ جنم تو بھانپ لیا۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہ بتایا کہ خود وہ پہلے کہاں کس پیکر میں اور کس حالت میں تھا؟ جس طرح اندھے نے کسی کتے کو بھونکتے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے اتنے بیٹے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کسی کتے کو دیکھ کر از راہ کذب وزور کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں متوفی شخص ہے۔ فلاں گھر میں جو بیوہ ہے وہ اسی کی منکوحہ تھی۔ فلاں گھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کی اولاد ہیں۔ غرض یہ ایک مضحکہ خیز دعوی ہے۔ جسے کوئی ذی عقل وخرد اصلا قابل التفات نہیں سمجھتا۔

اندھے کی اندھی پیشین گوئیاں

حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ازلیہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید مؤمن ہندی کا تھا۔ اس کی کوشش سے ترکستان میں بابی مذہب کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ اس نے جو کچھ دعویٰ اور پیش گوئیاں کیں۔ ان کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے ہیکل ورجعات میں جو امام کا مظہر ہوگا ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ مؤمن نے جو کچھ دعویٰ کئے، لسان حق سے کئے۔ حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی۔ "ان اللہ لا یخلف المیعاد" کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی دن ضرور پورے ہو کے رہیں گے۔

(نقطۃ الکاف ص ۲۱۲،۲۱۴)

لیکن یاد رہے کہ ہندی اندھے کے اندر اسی طرح حق بول رہا تھا۔ جس طرح مرزا غلام احمد کادیانی کے اندر بولا کرتا تھا۔ اس لئے میرے خیال میں مناسب ہے کہ پیشین گوئیوں کے غلط نکلنے پر حضرت مسیح موعود کو بھی مؤمن ہندی کے ساتھ شامل کر دینا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ جو کچھ دعویٰ اور پیش گوئیاں ان دونوں نے کیں ان کا ضرور ظہور ہو گا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دور میں مقدر نہیں تو دس بیس ہزار سال بعد ظاہر ہو جائیں گی۔ بابیوں اور مرزائیوں کو گھبرانا نہیں چاہئے۔

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا وصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ مرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا۔ مرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ مرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے۔ جن کی مائیں الگ الگ تھیں۔ بڑے کا نام مرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ اور چھوٹے کا نام مرزا یحییٰ ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مر گئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بی بی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بچے کی طرح پرورش کرے۔ مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔ حاجی مرزا جانی بابی نقطۃ الکاف میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اور جناب امیر المؤمنین علیؓ اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چوما اور فرمایا یہ طفل ہمارا بچہ ہے۔ اس کی اس وقت تک اچھی حفاظت کرو۔ جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس رؤیا کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۳۸،۲۳۹)

مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی بابی کا دماغی اختراع ہے۔ کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیرو انتہاء درجہ کے زندیق اور بنائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن تھا کہ حضور خیر الوریٰ ﷺ اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت و خبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی مرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من یظہرہ اللہ تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۴)

لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ بابی لوگ مرزا یحییٰ کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

باب کی جانشینی

صبح ازل نے اپنے بابی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موج زن تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔ میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (بہاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھوایا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی۔ جس میں فاہ آہ یا الٰہی کے الفاظ بکثرت تھے۔ اس کلمہ کی روح نے مجھے اپنی طرف جذب کر لیا اور باب کی محبت دل میں راسخ ہو گئی۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۰،۲۳۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو اسی مناجات کے الفاظ نے گھائل کر دیا اور اس بدنصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعوؤں کو پیغمبر خدا ﷺ کے ارشادات اور ائمہ اہل بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان آنے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان

کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ طہران گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بار فروشی قلعہ میں تھا۔ اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون ونصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا۔ لیکن راستہ میں حاکم آئل نے گرفتار کر لیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کر کے آئل میں لائے تو مشتعل شہریوں نے بازاروں اور کوچوں میں اس کی بڑی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طہران سے باب کے نام عرائض بھیجتا رہا۔ باب نے اپنا قلم دان کاغذات اور نوشتہ جات، لباس، انگوٹھی اور بعض دوسری چیزیں صبح ازل کے لئے روانہ کیں اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ کتاب بیان کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل کر دے اور اگر من یظہرہ اللہ عظمت واقتدار کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر بیان کو منسوخ سمجھے۔ حاجی مرزا جانی لکھتا ہے کہ من یظہرہ اللہ سے خود صبح ازل کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۴۴)

باب کی ہلاکت کے بعد تمام بابی بلا استثناء صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام واوامر کو مفروض الامتثال یقین کرتے تھے۔ صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبحۂ طہران کے واقعہ تک جب کہ اٹھائیس عظمائے بابیہ نے اس واقعہ میں شربت مرگ نوش کیا۔ گرمی کا موسم شمیران میں جو حوالیٔ طہران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں گزارتا تھا اور اپنے تمام اوقات بابی پنتھ کے نشر وابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

بغداد میں بابی اجتماع

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا اور بابیوں کے خلاف داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا۔ فوراً بہ تبدیل ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پہچانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں بھی کیں۔ تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا وکشکول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طہران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل ۱۲۶۸ھ یا اوائل ۱۲۶۹ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طہران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہنچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے ۱۲۷۹ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں بسر کی اور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔ بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان اور مطیع ومنقاد رہا اور گو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو ہم جدید التاسیس بابی مذہب کے پیرو صبح ازل کے جھنڈے تلے متفق الکلمہ اور متحد المقصد رہے اور ان کے درمیان کسی تفرقہ وانقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

خلیفۃ الباب سے بہاء اللہ کی سرکشی

بقول مصنف ہشت بہشت۔ (ہشت بہشت حاجی شیخ احمد کرمانی شہیر بروحی کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں بیان کا فلسفہ اور مسلک ازلیاں کی تائید کی گئی ہے) اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر بعض بابی قدما مثلاً ملا محمد جعفر زاقی ملا رجب علی قاہر، حاجی سید محمد اصفہانی، حاجی سید محمد جواد کربلائی، حاجی مرزا احمد کاتب، حاجی مرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تہدید کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہکو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ تنگ آکر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال

تک سلیمانیہ کے اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد کے بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بہاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لئے چٹھی لکھی۔ بہاء اللہ امتثال امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں مرزا اسد اللہ تبریزی ملقب بہ دیان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ نے اس کے ساتھ بڑے مناظرے کئے۔ آخر وہ بابیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک وزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح مرزا عبداللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور مرزا محمد زرندی معروف بہ نبیل میں سے ہر ایک بابی من یظہرہ اللہ ہونے کا مدعی ہوا۔ آخر بابیوں کے بازار ہوا و ہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور بقول ہشت بہشت معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر بابی جو صبح کے وقت بیدار ہوتا تھا تن کو اسی دعویٰ کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

بغداد اور ادرنہ سے اخراج

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعی علماء یہ دیکھ کر کہ بابی لوگ مشاہد مشرقہ کے قریب آجمع ہوئے ہیں اور ان سے اور عامۂ مسلمین سے ان کے جھگڑے قضیے رہتے ہیں۔ بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگی۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر مرزا حسین خاں مشیر الدولہ کو ہدایت کہ کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے۔ باب عالی نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل کی اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے۔ لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا۔ اس لئے تمام بابی رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ سے ادرنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ ۲۰ / ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ تک اورنہ میں رہے۔ ادرنہ میں صبح ازل اور بہاء اللہ میں جھگڑے قضیئے برپا رہتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں ہیجان واضطراب کے آثار مشاہدہ کئے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادۂ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قصہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے برسر حق کون ہے اور خطاکار کون؟ ۱۲۸۵ھ میں تمام بابیوں کو ادرنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ اور اس کے پیرووں کے لئے عکہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا اور صبح ازل کو اس کے اتباع سمیت جزیرہ قبرس میں جو اس وقت ترکی علمداری میں داخل تھا قیام کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل ۵ / ستمبر ۱۸۶۸ء کو جزیرہ قبرس پہنچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پیاسٹر وظیفہ روزانہ ملتا تھا۔ (یہ واقعات مقدمہ نقطۃ الکاف اور Episode of the Bab سے ماخوذ ہیں) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں مرقوم ہے کہ صبح ازل ۱۹۰۸ء تک جزیرہ قبرس میں زندہ سلامت موجود تھا۔

بہاء اللہ نوری

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں موضع نور علاقہ ماندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ اس کی ابتدائی ۳۵ سالہ زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہے۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا۔ جو ناصر الدین شاہ والی ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاء اللہ اس وقت موضع افچہ میں تھا جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے۔ جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاء اللہ نیادران کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لا کر اسے طہران کے محبس میں ڈال دیا۔ چار مہینہ کے بعد جب ثابت ہوا کہ اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلصی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد

اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بغداد چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر گیا تھا۔ اس لئے تمام بابی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بغداد میں جمع ہو رہے تھے۔ صبح ازل کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہاء اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع دامنگیر ہوئی۔ اس کے بعد گو بہاء اللہ بہت دن تک بحکم ضرورت بظاہر صبح ازل کا فرمان بردار اور خدمت گذار رہا۔ لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرو من یظہرہ اللہ بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہاء اللہ نے بھی اس جامہ کو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہاء اللہ کو اسی بابی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آ گیا جو بہاء اللہ کے ہر قول پر آمنا وصدقنا کہنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو مرزا آقا جان کاشانی کہتے تھے۔ آقا جان بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہاء اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آخر ایک دن بر ملا کہنے لگا کہ میں ہی من یظہرہ اللہ اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ روساء وقدمائے بابیہ نے بہاء اللہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو جائے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہاء اللہ سے کہا کہ باب نے بیان میں بوضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف واکناف ملک میں پھیل جائے گا اور میرے پیرو صاحب حکومت ہوں گے۔ تب کہیں سال غیاث یا مستغاث میں من یظہرہ اللہ ظہور کرے گا اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی۔ اس لئے تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر بہاء اللہ پر عظمت واقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثناء میں تمام بابی بغداد سے قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے اور چار مہینہ کے بعد انہیں مؤخر الذکر مقام سے بھی ادرنہ (اڈریانوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

خدا کا اوتار ہونے کا دعویٰ

ادرنہ پہنچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط واشتہارات بھیج بھیج کر اپنا نشدید شروع کر دیا۔ وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ (Episode of the Bab ص ۳۵۹)

اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ بابی لوگ دھڑا دھڑ بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے اور صبح ازل کی طرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک قلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوئیں۔ لیکن ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے وہی طور طریقے اختیار کئے جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی مؤرخوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فہرست تیار کی گئی اور دنیا کو ان کے خار وجود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں ملا رجب علی قاہر حاجی مرزا احمد، حاجی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ ہشت بہشت کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی حیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلانے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے رازدان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسموم کھانا رکھ دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسموم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بگھار ہے اور مجھے پیاز کی بو سے طبعی نفرت ہے۔ بہاء اللہ نے یہ سمجھ کر کہ صبح ازل اس کا منصوبہ تاڑ گیا ہے۔ رفع اشتباہ کے لئے سینی کے اس حصہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھا لیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس

کو تے آنے لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن بہاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے الٹا یہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے۔

صبح ازل کے خلاف مزید بہائی سازشیں

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بہاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گانٹھ کر اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال مونڈتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا۔ اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دور ہی سے کہہ دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر ادرنہ کے کسی دوسرے محلے میں چلا گیا اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں بود و باش اختیار کی۔ انہی ایام میں دو بہائیوں نے ادرنہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لئے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لئے کتاب لائیں اور ازلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لئے گئے ہیں؟ پاشا نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گذرنے والے تھے تار بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار کر کے ادرنہ واپس لائے گئے۔ بہائیوں نے یہ یقین کر کے کہ صبح ازل نے مخبری کی ہے۔ اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان بیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے افسروں یا سواروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ بابی ہے۔ بہائیوں نے پاشا کے پاس مخبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا فلاں سوار بابی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ بابی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان بیگ کاشانی کی تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند بابی کتابیں بر آمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتابیں اس کو بغداد بھیجنے کے لئے کسی نے دے رکھی تھیں اور بہت دنوں سے اس کو کوئی ایسا شخص نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتابیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لئے یہ خیال کر کے کہ کہیں حکام کو ان کتابوں کا پتہ نہ چل جائے۔ ان کے تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انہیں گڑھا کھود کر دفن کر دوں۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاشی ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ ادرنہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں بابی المذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو ساڑھے چار مہینہ قید کی سزا ہوئی اور وہ نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی داڑھی اور سر کے بال قید خانہ میں یک بیک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرص اور عکہ بھیجی گئیں تو آقا جان بیگ کاشانی بھی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی بہائیوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔(Episode of the Bab ص ۱۰۰،۹۹)

ایک اور بہائی کی سازش

اب بہاء اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک اور سازش کی۔ مرزا آقا جان مشکین قلم عباس آفندی اور چند دوسرے بہائیوں نے ایک ایک چٹھی ترک عمایدِ سلطنت کے نام لکھی۔ ان چٹھیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم قریباً تیس ہزار بابی شہر قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں۔ ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل دخل کریں گے۔ اگر سلطان عبد العزیز اور ان کے وزراء نے بابی مذہب قبول نہ کیا تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔

یہ چٹھیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہنچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور اس سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جارہا تھا۔ حکام ان چٹھیوں کو پڑھ کر ملول ہوئے۔ آخر یہ چٹھیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس کے بعد ترکی حکام اور ایرانی سفیر کی مشاورت باہمی سے یہ بات طے پائی کہ تمام سرکردہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظر بند رکھا جائے۔(Episode of the Bab ص ۳۶۰،۳۵۸)

اس اثناء میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بری طرح سر پھٹول ہو رہا ہے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر باب عالی نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے۔ چنانچہ صبح ازل کے لئے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل وعیال سمیت جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا۔ جا کر اقامت گزیں ہو اور بہاء اللہ کے لئے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل وعیال سمیت عکہ (واقع ملک شام) میں بھیجا جائے۔ باب عالی نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیرو مشکیں قلم خراسانی مرزا علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبد الغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبرص جائیں اور صبح ازل کے چار پیرو وحاجی پیر محمد اصفہانی آقا جان بیگ کاشانی مرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی مرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے ہمراہ عکہ کارخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر دولت عثمانیہ کے لئے جاسوسی کی خدمات انجام دیں اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے ماغوسا یا عکہ میں ملاقات کرنے آئے یہ مخالف لوگ اس کے ورود حرکات وسکنات اور خیالات کے متعلق باب عالی کو اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن بابیوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی ادرنہ سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ گئے اور انہوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے۔ بہائیوں نے صرف انہی چار ازلیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدماء وفضلائے بابیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے۔ ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانے میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا رجب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی مرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی مرزا محمد رضا حاجی ابراہم، حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابوالقاسم کاشانی میرزا بزرگ کرمان شاہی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر بیداد کی نذر ہو گئے۔(Episode of the Bab ص ۳۶۳،۳۶۲)

ازلی وقائع نگاروں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو کہ کتاب (Episode of the Bab ص ۳۶۴،۳۶۱) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن اگر یہ بیانات واقعیت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہنچایا؟

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

بہاء اللہ نے من یظہرہ اللہ بننے کے ساتھ ہی مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا تھا۔ یا یوں کہو کہ اس کے نزدیک من یظہرہ اللہ اور مسیح موعود مترادف الفاظ تھے۔ بہاء اللہ نے لوح مبارک میں اپنی ایک وحی لکھی ہے۔ " قل یا ملاء الفرقان قد اتیٰ الموعود الذی وعدتم فی الکتاب اتقوا اللہ ولا تتبعوا کل مشرک اثیم " (کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بیشک وہ موعود آ گیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو)

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی اور احادیث رسول الثقلین ﷺ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تائید کے لئے جس ذات اقدس کے تشریف لانے کا مژدہ سنایا گیا ہے وہ مسیح ناصری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو قرآن کے روسے اب تک زندہ موجود ہیں۔ ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو دجال کذاب یقین کرتے ہیں۔ بہاء اللہ ہو یا غلام احمد ہو یا اس قماش کا کوئی دوسرا خانہ ساز موعود ہو۔ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ سچے مسیح کے متعلق بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبد البہاء صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور فوق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے مسیح نامعلوم شہر (آسمان) سے آئے گا۔ وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا۔ (یعنی وہ منکروں کے خلاف غزا و جہاد کریں گے) اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے گا۔ (وہ کسی کی رعایا نہ ہوں گے بلکہ خود رعب و جلال کے ساتھ حکومت کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا اور اپنے برگزیدہ لوگوں (مسلمانوں) کو عزت بخشے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کا راج لائے گا کہ حیوان بھی انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ بھیڑیا اور برہ ایک ہی چشمہ سے پانی پئیں گے اور خدا کی سب مخلوق امن سے رہے گی۔ (دور بہائی ص ۲، مطبوعہ دہلی)

ظاہر ہے کہ یہ سب علامتیں جو عبد البہاء نے بیان کی ہیں بہاء اللہ، مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے خانہ ساز مسیح پر صادق نہیں آتیں۔ اس لئے یہ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ بہاء اللہ نے (کتاب مبین ص ۵۹) میں عیسائیوں کو مندرجہ ذیل الہام میں اپنی مسیحیت کی طرف بلایا ہے۔

"قل یا ملأ النصاریٰ قد تجلنا علیکم من قبل وما عرفتمونی ہذہ مرۃ اخریٰ ہذا یوم اللہ اقبلوا الیہ انہ قد اتیٰ من السماء کما اتی اول مرۃ "(اے بہاء اللہ) کہہ دے کہ اے گروہ نصاریٰ! ہم نے پہلی مرتبہ بھی تم پر تجلی فرمائی تھی۔ لیکن تم نے ہمیں شناخت نہ کیا۔ اب یہ آمد ثانی ہے یہ خدا کا دن ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ بیشک یہ (بہاء اللہ) اسی طرح آسمان سے دوسری مرتبہ آیا ہے۔ جیسے پہلے آیا تھا۔

بہاء اللہ نے نصاریٰ کو دعوت دیتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔ اے پیروان مسیح! کیا میرا نام (بہاء اللہ) تمہارے نزدیک میری مسیحیت کے منافی ہے؟ تم کس بناء پر شک میں پڑے ہو؟ تم لوگ شب و روز اپنے قادر مطلق (یسوع مسیح) کو پکارا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ازلی آسمان سے کامل جلال کے ساتھ آگیا ہے تو تم اس کے پاس نہیں پھٹکتے اور بے اعتنائی کے عالم میں پڑے ہو۔ (Bahá'í Scriptures ص ۱۲۴، مطبوعہ نیویارک)

لیکن عیسائی لوگ اس دعوت کا بے تکلف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہم تو خود ذات بابرکات حضرت یسوع مسیح کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی نقلی اور جعلی مسیح کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال بہاء اللہ کا دعویٰ مسیحیت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح و روشن ہے۔ جس میں کوئی ادنیٰ اخفاء نہیں۔ لیکن تجاہل عارفانہ کا کمال دیکھو کہ مرزا غلام احمد کادیانی نے انتہائی دیدہ دلیری سے یہ لکھ مارا کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بلکہ اس مدت تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح بن مریم ہونے کا دم مارا تھا۔ ہاں ضرور ہے کہ وہ ایسا دعویٰ کرتا تا انجیل کی وہ پیش گوئی پوری ہو جاتی کہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں۔ پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کار منتظر رہنا۔ (ازالہ اوہام ص ۲۷۹، ۲۷۸)

مرزا کادیانی نے یہ لکھ کر کہ سچا مسیح جھوٹے مسیحوں کے بعد سب کے آخر میں (یعنی قرب قیامت کو جب کہ عالم کائنات کا سلسلہ قریب الاختتام

ہو گا) ظاہر ہو گا۔ خود اپنی جعلی مسیحیت کے شجر کی جڑیں کاٹ دیں۔ مرزا کادیانی کا یہ بیان بھی سخت لغو ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں میرے سوا کسی مسلمان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ اوّل تو دعویٰ کے لئے اسلام یا کفر کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر شخص جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر میں ۶۵ ویں باب میں تین مسلمان جھوٹے مسیحوں کے حالات لکھ آیا ہوں۔ بہاء اللہ کو ملانے سے ان کی تعداد چار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے باوجود مرزا غلام احمد کادیانی نہایت جسارت اور شوخ چشمی سے لکھتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بہاء اللہ بابی ہو جانے کے بعد مرتد خارج از اسلام ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے وہ غالباً شیعوں کے اس غیر غالی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جسے علمائے اسلام نے دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔

اتحاد مذاہب کا بہائی ڈھونگ

میں کتاب رئیس کادیان کے ۸۶ ویں باب میں بالتفصیل لکھ آیا ہوں کہ کس طرح حکیم نور الدین بھیروی نے سرزمین کشمیر میں ایک مرزائی حکومت قائم کرنی چاہی تھی اور کس طرح حکیم مذکور کے اخراج کشمیر کے بعد قیام سلطنت کا خواب پریشان جہاد بالسیف کی حرمت اور سلطنت انگلشیہ کی اطاعت کے وجوب کی شکل میں تبدیل ہوا تھا۔ علی محمد باب نے بھی بابیوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ عنقریب سارے ایران پر بابی پرچم لہرائے گا۔ لیکن یہ خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ایران میں بابیوں کو اس طرح پامال کیا گیا کہ پھر ان کے بڑھنے اور پنپنے کا کوئی موقع نہ رہا۔ ہزارہا بابی خنجر خون آشام کی نذر ہوئے۔ بقیۃ السیف میں سے جس کسی کے جہاں سینگ سمائے وہاں جا کر جان بچائی۔ آخر بہاء اللہ نے دس بارہ سال کے تلخ تجربوں کے بعد مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح حکومت کی اطاعت اور امن و آشتی کے ظل عاطفت میں پناہ لینا ضروری خیال کیا اور سالہا سال کی بابی مقہوری، جلاوطن اور نظربندی کے بعد اتحاد بین المِلل کا جھنڈا اہلانا شروع کیا۔ اتحاد مذاہب کا لفظ واقعی نہایت دل آویز ہے۔ لیکن عملی نقطۂ نظر سے یہ بالکل مہمل ہے۔ بہائیوں کے مجوزہ اتحاد مذاہب کی نوعیت یہ ہے کہ سچ بھی سچ ہے اور جھوٹ بھی سچ ہے۔ نور بھی نور ہے اور ظلمت بھی نور ہے۔ میٹھا بھی میٹھا ہے اور تلخ بھی میٹھا ہے۔ نیک بھی اچھا ہے اور بد بھی اچھا ہے۔ تندرست بھی تندرست ہے اور کوڑھی بھی تندرست ہے۔ غرض بہائیوں نے بظاہر صدق و کذب اور خیر و شر کی تمیز بالکل اٹھا دی ہے اور اپنا سارا زور قلم اس مہمل نگاری پر صرف کر رہے ہیں کہ مسلمان، عیسائی، پارسی، ہندو، بدھ سب برسرحق ہیں۔ اس مضحکہ خیز منطق کی تہ میں دراصل یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ انہیں اچھا جانیں۔

شیخ بھی خوش رہیں اور شیطان بھی ناراض نہ ہو

اور اس طرح ان کے سادہ لوح شکار بے تأمل گردن ڈالے ان کے دام تزویر میں آ پھنسیں۔ اب اس گنگا جمنی پالیسی کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ کوکب ہند نام بہائیوں کا ایک ماہوار رسالہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی (جلد ۱۰ نمبر ۸) کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ کا تطابق وید منتروں سے اسی جلد کے نمبر اوّل میں دکھایا جا چکا ہے۔ آج سورہ فاتحہ کی مطابقت پارسی مذہب کی مقدس کتاب "گاتھا" سے دکھائی جاتی ہے۔ جس سے طالبان حقیقت بآسانی اندازہ لگالیں گے کہ مقدس کتابوں کے مضامین میں کس قدر زبردست یگانگت ہے۔ حقیقت ایک ہے۔ (ص ۱) ویدک دھرم جو پروردگار کا دین برحق ہے اور جس کی مقدس کتاب وید میں پاکیزہ تعلیمات کے جواہر عرصۂ دراز سے چمک رہے ہیں۔ ہر ایک پیغمبر برحق (معاذ اللہ) اس کی تصدیق و تائید میں ہے۔ کسی پیغمبر برحق نے آج تک وید کی تکذیب نہیں کی۔ (ص ۳) وہی حقیقت جو ویدک رشیوں کو معلوم ہوئی وہی عرب کے مقدس رسول اور فلسطین کے پیغمبروں پر آشکار ہوئی۔ وہی حقیقت ایران کے (آتش

پرست) پیغمبر کو دریافت ہوگئی اور انہوں نے اپنی زبان اور اپنی طرز بیان میں اسے لوگوں تک پہنچایا۔(ص ۴) اس میں شک نہیں کہ ہندو دھرم اور دین اسلام کی موجودہ شکل بالکل علیحدہ ہے۔ مگر حقیقتاً فروعات مسائل کو چھوڑ کر قرآن شریف کی باتیں (معاذ اللہ) پر ان وانپشد سے ملتی جلتی ہیں۔(ص ۵) مگر میں کوکب ہند کے بدنصیب ایڈیٹر صاحب سے جو اسلام کی راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی ہلاکت آفرین وادیوں میں سرگردان ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ جب تمام مذہبی کتابیں منزل من اللہ ہیں اور ہر ایک کے اندر انسان کی رہنمائی کی صلاحیت موجود ہے اور تمام موجودہ ادیان حق اور منجانب اللہ ہیں جو انسان کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں تو پھر بہائیت کس مرض کی دوا ہے؟ بہائیت نے آکر دنیا کی کس تشنگیٔ ہدایت وسعادت کو سیراب کیا؟ جب دنیا کے موجودہ مذاہب ہی انسان کی نجات ورستگاری کے لئے کافی ہیں تو پھر بہائیوں کو بہائیت کی الگ بانسری بجانے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے مذاہب میں کیوں جذب نہیں ہو جاتے؟

باب اور بہاء اللہ کو دوسرے ادیان سے نفرت

مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ بہائیوں کی ایک منافقانہ چال ہے۔ عوام کے دل مٹھی میں لینے کی ایک عیاری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بانیان مذہب باب اور بہاء اللہ تو اس نفاق وظاہر داری کے سراسر خلاف لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ علی محمد باب نے کتاب بیان کے باب ۶ واحد ۲ میں لکھا۔ اگر کسے باشد وداخل میزان بیان نشود ثمر نمی بخشد تقوائے اواورا۔(جو شخص کتاب بیان کی پیروی نہیں کرتا اس کا تقویٰ اور پرہیزگاری اس کو کچھ نفع نہ دے گی) اور کتاب بیان کے باب واحد ۴ میں لکھا۔ "من یتجاوز عن حد البیان فلایحکم علیہ حکم الایمان سواء کان عالماً اور سلطاناً او مملوکاً او عبداً "(جو شخص میری کتاب بیان کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اس کے مؤمن ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ خواہ وہ عالم ہو یا بادشاہ مملوک ہو یا غلام) اور بیان کے باب ۱۱ واحد ۸ میں لکھا۔ اگر ورغیر ایمان بیان قبض روح شود اگر عمل ثقلین رانماید نفع بادنمی بخشد۔(جس شخص کی موت ایسی حالت میں واقع ہو کہ وہ بابی مذہب کا پیرو نہ ہو تو دونوں جہان کے عمل بھی اسے کوئی نفع نہ بخشیں گے) اور بہاء اللہ نے کتاب مبین کے ص ۱۸ میں لکھا۔ "ارتفع سماء البیان وثبت ما نزل فیہ ان الذین انکروا اولئک فی غفلۃ وضلال "(کتاب بیان کی عظمت بلند ہوئی اور جو کچھ اس میں اتارا گیا تھا وہ ثابت ہو گیا اور جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں) اور کتاب مبین ص ۲۸۳ میں لکھا۔ "خسر الذین کذبوا بآیاتنا سوف تاکلھم النیران "(جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ خسارہ میں پڑے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم کا ایندھن بن جائیں گے) اور بہاء اللہ کتاب اقدس میں لکھتا ہے۔ "والذی منع انہ من اہل الضلال ولو یأتی بکل الاعمال "(جس شخص نے مجھے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہے۔ اگرچہ وہ دنیا بھر کے حسنات ہی کیوں نہ بجالائے)

اتحاد مذاہب کی اسلامی تعلیم

بہائیوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ اتحاد مذاہب کے داعی ومناد ہیں۔ حالانکہ اسلام اتحاد مذاہب کی تعلیم بہاء اللہ سے تیرہ سو سال پہلے ہی دے چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ "قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا (...:۱۵۸) "(اے نبی! آپ کہہ دیجئے اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)

اور فرمایا:"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا "(اللہ کے سلسلۂ ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو)

لیکن اتحاد مذاہب کی جو صورت بہاء اللہ نے پیش کی کہ توحید و شرک، اسلام و کفر، ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت میں امتیاز کئے بغیر مذہبی اتحاد ہو جائے۔ یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اتحاد بین الملل کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اس آسمانی نور کو مشعل ہدایت بنائے جو خالق ناس نے بنی آدم کی رہنمائی کے لئے برگزیدہ خلق سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ جب تک ایسا نہ ہو حق و باطل میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمام اہل مذاہب اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر بوقت ضرورت کسی سیاسی اور دنیوی مقصد پر متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ایک بہائی سے پوچھا تھا کہ ہر شخص اپنے سابقہ عقائد و امیال پر قائم رہ کر بہائی ہو سکتا ہے یا بہائی ہونے کے لئے بہائیوں کے مخصوص عقائد کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے؟ اس نے کہا کہ بہائی عقائد اختیار کرنا لابد ہے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے سابقہ عقائد پر قائم رہ کر بہائی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ محض ایک سنہری جال ہے جو چالاک بہائی شکاری نے سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لئے بچھا رکھا ہے۔

شاہ ایران کے نام بہاء اللہ کا مکتوب

بابیوں کی پیہم فتنہ انگیزیوں نے ان کے دامن شہرت پر غداری کے جو بدنما دھبے نمایاں کر دیئے تھے۔ اگر بہاء اللہ استاد زمانہ سے سبق لے کر ان کے دھونے کی کوشش نہ کرتا تو بابیوں کی کشتی ہستی گرداب فنا میں غرق ہو گئی تھی۔ بابی مسلک سے دست بردار ہونے کے بعد بہاء اللہ نے ایک طویل مکتوب شاہ ایران کے نام لکھ کر بابیوں کے لئے مراجعت ایران کی اجازت طلب کی۔ اس مکتوب میں بابیوں کے موجودہ سیاسی مسلک کی تشریح کی اور اپنے خلوص اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہوئے شاہ کے جذبات رحم و کرم سے اپیل کی۔ یہ خط مرزا بدیع نام ایک بابی کے ہاتھ روانہ کیا۔ موکب شہریاری ان ایام میں طہران سے باہر مستقر تھا۔ اس لئے بدیع مذکور سراپردہ شاہی کے بالمقابل ایک پتھر پر جا بیٹھا اور تین شبانہ روز مرور رکاب شہریاری کا منتظر رہا۔ چوتھے دن ایسے وقت میں جب کہ شاہ دور بین میں اطراف و اکناف کی سیر دیکھ رہا تھا اس کی نظر اس بابی پر پڑی ملازمان درگاہ کو تحقیق حال پر مامور کیا۔ جب بابی سے دریافت کیا گیا تو وہ چٹھی دکھا کر کہنے لگا کہ اس عریضہ کو حضور ہمایوں میں پیش کرنا ہے۔ ایک افسر جا کر شاہ کی خدمت میں عرض پیرا ہوا کہ وہ ایک بابی ہے جو جسارت عظیم کا مرتکب ہوا ہے کہ فریق مغضوب کا مکتوب بلا خوف و ہراس حضور بادشاہی میں لایا ہے۔ وزرائے دربار نے عقوبت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قید و سلاسل میں جکڑ کر بار حیات سے سبکدوش کر دیا گیا۔ شاہ نے حکام کی عجلت پسندی پر تاسف کیا اور کہا کہ بھلا کسی نامہ بر سے بھی کبھی مواخذہ ہوا ہے کہ اسے ناحق قتل کر دیا۔ (مقالۂ سیاح ص ۱۲۷)

معلوم نہیں کہ شاہ نے بہاء اللہ کی عرضداشت پڑھی بھی یا نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ بہاء اللہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کسی بابی کو مراجعت ایران کی اجازت نہ دی گئی۔ جو صاحب اس طویل مکتوب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب مقالہ سیاح ص ۱۷۱، ۱۳۳ کی طرف رجوع کریں۔

اس کے شروع میں یہ چند عربی فقرے بھی مسطور تھے۔ "یا الٰہی ہذا کتاب ارید ان ارسلہ الیٰ لسلطان وانت تعلم بانی ماأردت منہ الاظہور عدلہ لخلقک وبروز الطاف لاہل مملکتک وانی لنفسی ماأردت الاما اردتہ ولا ارید بحولک الا ماتردید عدمت کینونۃ تریدمنک دونک فوعزتک رضائک منتہیٰ املی ومشیتک غایۃ رجائی فارحم یا الٰہی ہذا الفقیر الذی تشبث بذیل غناک وہذا الذلیل الذی یدعوک بانک انت العزیز العلیم ایدیا الٰہی حضرۃ السلطان علیٰ اجراء حدودک بین عبادک واظہار عدلک بین خلقک لیحکم علیٰ ہذہ الفئۃ کما یحکم علی مودونہم انک انت المقتدر العزیز الحکیم"

بہاء اللہ سے پروفیسر براؤن کی ملاقات

مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب نقطۃ الکاف کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر ۱۳۰۵ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک تبریز، زنجان، تہران، اصفہان، شیراز، یزد، کرمان کی سیاحت میں مصروف رہا۔ اس اثناء میں شیعہ، بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کر کے ان کے مذاہب کے معلومات حاصل کئے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر ۱۳۰۶ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۳۰۷ھ میں جزیرہ قبرص و شہر عکہ کا سفر کیا اور دو رقیب بھائیوں مرزا یحیٰ نوری معروف بہ صبح ازل کو قبرص میں مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ کو عکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں، میں پندرہ دن تک اقامت گزیں رہا۔ اس اثناء میں ہر روز صبح ازل کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کر کے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضع پر نہایت بے باکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا۔ لیکن جب میں بابیوں کے تفرقہ اور بہاء اللہ اور بہائیوں کا تذکرہ چھیڑتا تھا تو اس کی صفا گوئی مبدل بسکون ہو جاتی تھی۔ میں نے اس حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں۔ اس لئے حتیٰ المقدور اس موضوع پر گفتگو کرنے سے اجتناب کیا۔ ان مجالس میں اکثر اوقات صبح ازل کے فرزند عبد العلی، رضوان علی، عبد الوحید اور تقی الدین بھی موجود ہوتے تھے۔ جزیرہ قبرص چند سال سے انگریزی حیطہ تصرف میں آیا ہوا تھا۔ میں نے سرہنری بولور حاکم جزیرہ کی اجازت سے دفاتر حکومت پر نظر ڈالی تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح ازل اور اس کے پیرو جزیرہ قبرص میں جلاوطن ہوئے ہیں۔ شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک قیام کرنے کے بعد میں نے عکہ کا قصد کیا۔ لیکن پہلے بہائیوں کے پیش کار کی ملاقات کے لئے بیروت گیا۔ کیونکہ معمول یہ تھا کہ جو کوئی بہاء اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا۔ اسے پہلے پورٹ سعید، اسکندریہ، یا بیروت کے بہائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جا کر اس خواہش کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی مرضی ہوتی تھی تو اجازت دے کر ملاقات کے قواعد و آداب سے مطلع کرتے تھے۔ ورنہ انکار کر دیتے تھے۔ میں بیروت پہنچا لیکن سوء اتفاق سے بہائی ایجنٹ اس وقت بیروت میں موجود نہ تھا۔ بہاء اللہ کے پاس عکہ گیا ہوا تھا۔ میں بہت افسردہ ہوا۔ کیونکہ میرے پاس دو ہفتہ سے زیادہ وقت باقی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے دارالفنون کیمبرج کو حتماً مراجعت کرنا تھا۔ بہت کچھ دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ آخر عامل کو چٹھی لکھی۔ جس میں وہ سفارش نامہ بھی ملفوف کر دیا جو ایران کے بابی دوستوں نے عامل بیروت کے نام لکھ دیا تھا۔ اس کے چند روز بعد میں نے جوابی تار بھیج کر ملاقات کی اجازت چاہی۔ اگلے دن تار کا جواب آیا۔ جس میں نام اور پتہ کے بعد صرف یہ دو عربی لفظ لکھے تھے۔ "یتوجہ المسافر" میں تار پاتے ہی فوراً روانہ ہوا اور ۲۲؍ شعبان ۱۳۰۷ھ کو وارد عکہ ہوا۔ جب عکہ کے قریب پہنچا تو دور سے نہایت خوشنما منظر دکھائی دیا۔ بڑے بڑے خوبصورت باغ تھے۔ نارنگی اور طرح طرح کے دوسرے میوے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ان باغات نے جو حوالی عکہ میں واقع ہیں مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ ایک ایسے شہر میں کہ جس کو بہاء اللہ اپنے نوشتوں میں ہمیشہ احزب البلاد نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ مجھے ایسی طراوت اور نضارت کے دیکھنے کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی۔ عکہ میں دن کے وقت ایک مسیحی تاجر کے ہاں فروکش ہوا۔ لیکن رات ایک محترم بہائی کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن بہاء اللہ کا بڑا فرزند عباس آفندی جو آج کل عبد البہاء کے نام سے مشہور ہے آیا اور مجھے وہاں سے منتقل کر کے قصر بہجہ میں کہ عکہ سے باہر کوئی پندرہ منٹ کی راہ ہے، لے جا کر ٹھہرایا۔ اس کے دوسرے دن بہاء اللہ کا ایک چھوٹا بیٹا میرے پاس پہنچا اور خواہش کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے ایوانوں اور گزر گاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعمق سے دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ ہم ایک وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما پچیکاری ہو رہی تھی پہنچے۔ میرا رہنما ایک پردہ کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تا کہ میں اپنا جوڑا اتار لوں۔ پردے کو اٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہوا۔ تالار ان چار ستونوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر ان پر لکڑی کے تختے جڑ دئے گئے ہوں۔ تالار کے ایک گوشہ میں گاؤ تکیہ کے ساتھ ایک نہایت پر شکوہ اور محترم شخص بیٹھا تھا۔ سر پر درویشوں کے تاج کی مانند لیکن اس سے بہت بلند ٹوپی تھی۔ جس کے گرد سفید کپڑے کا ایک چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہوا تھا۔ اس شخص کی درخشاں آنکھیں

لوگوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ ابرو کشیدہ پیشانی چین دار بال سیاہ تھے۔ داڑھی بہت سیاہ گھنی اور اس قدر لمبی تھی کہ قریب قریب کمر تک پہنچ رہی تھی۔ یہی شخص بہاء اللہ تھا۔ میں مراسم تعظیم بجالایا۔ بہاء اللہ نے مجھے بہت کچھ تواضع کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ الحمد للہ! کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس مسجون منفی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور فلاح امم کے سوا ہماری کوئی غرض وغایت نہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ان مفسدین کا سا سلوک کرتے ہیں جو حبس وطرد کے مستوجب ہوں۔ تمام ادیان وملل کو ایک مذہب ہو جانا چاہئے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ بنی نوع انسان میں دوستی واتحاد کا رابطہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دور ہو۔ قومی نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ بیکار رزم وپیکار اور فضول جھگڑے آج ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا تم بھی یورپ میں اس امن وسکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی مقصد عظیم کی تلقین نہیں کی؟ بجائے اس کے کہ تمہارے مال وخزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں۔ دنیا بھر کے حکمران ان خزائن کو نوع بشر کی تخریب میں صرف کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ نزاعیں، یہ مصاف آرائیاں، یہ خونریزیاں اور اختلاف ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ کسی شخص کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہئے کہ وہ وطن دوست ہے۔ بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع بشر کو دوست رکھے۔ اس کے بعد میں پانچ ہی دن عکہ میں قیام کر سکا۔ اس اثناء میں اپنے تمام اوقات قصر بہجہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گذارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس ۲۰ دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام مجلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہاء اللہ کا ایک نہ ایک بیٹا ضرور موجود رہتا تھا۔

بابیوں اور بہائیوں کے مختلف فرقے

پروفیسر براؤن نے نقطۃ الکاف کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بابی مذہب کی طرح ۶۹ سال (۱۲۶۰ھ، ۱۳۲۹ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں۔ بابی لوگ دو فرقوں ازلی اور بہائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بہاء اللہ کی وفات (۲/ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ) کے بعد خود بہائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بہائیوں نے تو بہاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبد البہاء کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسروں نے بہاء اللہ کے دوسرے بیٹے مرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت بابی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اوّل وہ ہیں جو کل شئی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باب اور آنے والے من یظہرہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وصی کون ہے۔ یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازلی جو مرزا یحییٰ نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وصی اور جانشین مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن روبزوال ہے۔ سوم بہائی جو صبح ازل کے بھائی مرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ گمان کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہو گا۔ چوتھے وہ بہائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا یہ لوگ عبد البہاء کے دعاوی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آخری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاء اللہ کی تاریخ نے مرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے۔ یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاء اللہ دونوں بھائی باہم دست وگریبان تھے۔ اسی طرح بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے۔

بہائیوں کی خانہ جنگی

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس آخری تفرقہ اور حسد اور جنگ وجدال نے جو بہاء اللہ کے بعد بہائیوں میں رونما ہوا مجھے بہائی تحریک کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بہائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمۃ اللہ

کی اولین علامت اور اس کی لا ینفک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہئے؟ بہاء اللہ کو حکم خداوندی تو یہ پہنچا تھا کہ عاشر وامع الادیان بالروح والریحان (تمام مذاہب سے محبت اور رواداری کا سلوک کرو) اور بہاء اللہ کا مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ وبار ہیں۔ لیکن خود بہاء اللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادہ کے اعضاء وجوارح کو کاٹ رہے ہیں اور ان میں باہم تلخی وعداوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں ایران کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اہل سنت اور شیعہ، بالاسری اور شیخی، مسلمان اور یہود، عیسائی اور زرتشتی کے اختلافات مٹ رہے ہیں لوگ وطن دوستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف، از پروفیسر براؤن)

اس سے ثابت ہوا کہ اتحاد مذاہب کا بہائی دعویٰ محض زبانی جمع خرچ اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ عبد البہاء کا تختہ حیات ۱۹۲۱ء میں کنارۂ عدم کو جالگا۔ اس نے شوقی آفندی کو اپنا جانشین بنایا۔ مرزا محمد علی غالباً اب تک زندہ ہے۔ معلوم نہیں کہ مرزا محمد علی اور شوقی آفندی میں بھی جھگڑے قضیے چلے جاتے ہیں یا فریقین نے لڑتے لڑتے تھک کر خاموشی اختیار کر لی؟۔

مشرکانہ عقائد اور زندقہ نواز شریعت

بہائی لوگ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ اور مسیح موعود بلکہ کل ادیان کا موعود مانتے ہیں۔ بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب (اقتدار ص ۳۶) میں لکھتا ہے۔ "کذالک نطق القلم اذا کان مالک القدم فی سجنہ الاعظم بما کسبت ایدی الظلمین "(جب مخلوق کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں پڑا ہوا تھا تو قلم نے اسی طرح نطق فرمایا)

اور اسی کتاب کے (ص ۱۱۴) میں لکھتا ہے۔ "اذا یراہ احد فی الظاہر یجدہ علے ہیکل الانسان بین ایدی اہل الطغیان واذا یتفکر فی الباطل یراہ مہیمنا علیٰ من فی السموات والارضین "(جب کوئی شخص اس کو (بہاء اللہ کو) دیکھتا ہے تو اسے اہل طغیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے۔ لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نگہبان پاتا ہے)

اور کتاب (اقدس ص ۲۲۵) میں لکھتا ہے۔ "الذی ینطق فی السجن الاعظم انہ لخالق الاشیاء وموجدہا حمل البلاء بالاحیاء العالم وانہ لہو الاسم الاعظم الذی کان مکنوناً فی ازل الازال "(جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق وموجد ہے۔ وہ دنیا کو زندگی بخشنے کے لئے بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہوا۔ وہی اسم اعظم ہے جو ازل سے مخفی تھا)

اور کتاب (مبین ص ۲۸۶) میں لکھتا ہے۔ "لا الہ الا المسجون الفرید "(مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد و یگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعوؤں کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بہائی شاعر (دیوان نوش ص ۹۳) کہتا ہے

رخ سوئے تو آوردم اے مالک جان الٰہی　　　زاں رو کہ تو در عالم معبودی وسلطانی

اے میرے جان کے مالک! میں نے اپنا رخ تیری ہی طرف کر لیا ہے، کیونکہ اس عالم میں صرف تو ہی معبود بھی ہے اور حقیقی سلطان بھی۔

مرزا حیدر علی اصفہانی بہائی نے کتاب بہجۃ الصدور ص ۸۲ میں تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ (اپنے دعوائے الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیروؤں کا مسجود بنا ہوا تھا اور اسی کتاب کے (ص ۲۵۸) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ حدیث "لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس "(اگر بالفرض ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئے گا) بہاء اللہ کے حق

میں پیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں۔ البتہ اسکی جگہ ۹۵ مرتبہ اللہ ابہیٰ کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے۔ جاڑوں میں تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے اور ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہئے۔ بہائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلی نہیں بلکہ عکہ اور بہاء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا۔ بلکہ بہاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے۔ صیام رمضان کی جگہ موسم بہار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کی بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے۔ لیکن بہاء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بہاء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس میں لکھا۔ "قد حرمت علیکم ازواج اباء کم انا نستحی ان نذکر حکم الغلمان "(تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں اور لونڈوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے) بہاء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت بیان کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا اور حسب بیان مرزا مہدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں عبد البہاء اور مرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ مرزا محمد علی کے نزدیک بہاء اللہ کا یہی منشاء تھا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبد البہاء نے بہاء کے حکم میں ترمیم کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (ج ۱ ص ۱۵۴) میں جو عبد البہاء کا سفر نامہ ہے لکھا ہے کہ عبد البہاء نے ایک تقریر میں کہا کہ بہائیوں کے لئے ہر مذہب وملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بہاء اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مہر مقرر کیا اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لئے ۹۵ مثقال سونا اور دیہاتیوں کے لئے ۹۵ مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بہاء اللہ نے مفقود الخبر شوہر کی بیوی کو نو مہینہ کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ داڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔ سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے بجانے کی بھی عام اجازت دی۔

بہاء اللہ کا طویل مدت دعویٰ

مرزائی لوگ عام طور پر مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ کسی ایسے جھوٹے مدعی کا نام بتاؤ جس نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور وہ مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح تیئس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہنے کے باوجود ہلاک نہ ہوا ہو۔ ہر چند کہ مرزائیوں کا یہ معیار صدق وکذب کتاب وسنت سے ہر گز ثابت نہیں ہو سکتا۔ تاہم مرزائیوں کی ضد پوری کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ بہاء اللہ ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے دعویٰ پر قائم رہا اور ایک طویل عمر پا کر مرزا غلام احمد کادیانی کی طرح طبعی موت مرا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بہاء اللہ نے کس سال مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حسب تحقیق بہائیاں اس نے ۱۸۶۳ء میں اس وقت دعویٰ کیا جب کہ وہ ہنوز بغداد میں تھا۔ (دور بہائی ص ۱۴) لیکن پروفیسر

براؤن کی تحقیق کے بموجب اس نے ۱۸۶۴ء میں ادرنہ (اڈریانوپل) پہنچ کر دعویٰ کیا۔(Episode of the Bab ص۳۵۹) تاہم اگر ۱۸۶۴ء ہی کو دعویٰ کا صحیح سال قرار دیا جائے تو بھی ۱۸۹۲ء تک جب کہ اس کی کشتی عمر غرقاب فنا میں چلی گئی۔ اس کی مدت دعویٰ مرزا غلام احمد کادیانی کے دعویٰ سے پانچ سال زیادہ یعنی اٹھائیس سال بنتی ہے اور پھر بہاء اللہ کی مزید فوقیت وبرتری یہ تھی کہ مرزا غلام احمد کادیانی تو ۲۳ سال تک انواع واقسام کی جاں گسل بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہمیشہ ابتلاؤں کا آماجگاہ بنا رہا۔ لیکن بہاء اللہ نے نہ صرف عکہ میں اپنی ۲۴ سالہ نظر بندی کی مدت نہایت عیش وعشرت اور شاہانہ ٹھاٹھ میں گزاری۔ بلکہ ایران کو الوداع کہنے کے بعد وہ ہمیشہ عافیت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ خدائے رؤف ودانا جھوٹے مدعیوں اور انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے دوسرے ضلالت پسندوں کو عموماً مہلت دیتا ہے۔ تاکہ آج باز آجائیں۔ کل توبہ کرلیں اور اگر وہ جلد تائب نہیں ہوتے تو خدائے بے نیاز ان کی رسن انانیت کو اور زیادہ دراز کر دیتا ہے۔ ان کی خودسری کی پاداش میں توفیق الٰہی ان سے سلب کرلی جاتی ہے۔ انجام کار جب وہ اپنی شیطانی نیابت کا سارا کاروبار پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتے ہیں۔ تو خدائے شدید العقاب اس شجر خبیث کو یکبارگی باغ عالم سے مستاصل کر دیتا ہے۔ امام فخر الدین رازی آیۃ "واملی لہم ان کیدی متین "(میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ میری یہ تدبیر نہایت زبردست ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں۔"اے امہلم اطیل لہم مدۃ عمرہم لیتما دوا فی المعاصی ولا اعاجلہم بالعقوبۃ علیٰ المعصیۃ "میں ان کو مہلت دیتا ہوں ان کی مدت عمر کو دراز کر دیتا ہوں۔ ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا تاکہ وہ سرکشی اور شوریدہ سری میں اپنے دل کے حوصلے نکال لیں۔

محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد ۱۸۴۸ء میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب موضع حنگ میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے۔ عبد اللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔ محمد احمد ابھی بچہ ہی تھا کہ والدین جزیرہ ابا کو جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے۔ نقل مکان کر گئے۔ محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کرلیا۔ اس کے بعد جزیرہ شبکہ میں اپنے چچا شریف الدین کے پاس کشتی سازی کا کام سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔ ایک دن چچا نے اسے کسی بات پر پیٹا تو بھاگ کر شہر خرطوم چلا آیا۔ جو سوڈان کا صدر مقام ہے اور عرصہ تک مدرسہ خوجلی میں علوم دین کی تحصیل کرتا رہا۔ یہاں سے بربر گیا اور ایک مدرسہ میں داخل ہو کر علوم دین کی تکمیل کی۔ یہاں سے ارداب پہنچ کر شیخ نور الدائم کا مرید ہوا۔ جو ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ وہاں کچھ عرصہ تک علوم حالی کی تحصیل میں مصروف رہا۔ اس کے بعد پھر خرطوم آیا اور شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر طریقہ سمانیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔ شیخ مذکور کے بچوں کی ختنہ ہوئی اور ان کے شاگردوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے رسم ختنہ کی تقریب منائی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے اور رقص وسرود سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں دے سکتی اور شیخ، شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد شریف کو جب اس کی خبر پہنچی تو غضبناک ہو کر محمد احمد کو طلب کیا۔ محمد احمد محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی چاہی۔ لیکن شیخ نے معاف نہ کیا اور زجر وتوبیخ کے بعد اس کا نام طریقہ سمانیہ کی فہرست سے خارج کر کے اس کو خانقاہ سے نکال دیا۔ لیکن محمد احمد کی حق گوئی اور جرأت ودلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ ابا کو مراجعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد یہاں ایک غار میں داخل ہو کر ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ غار میں خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرتا رہا۔ اس

عرصہ میں اس کے زہد واتقاء کا غلغلہ اطراف واکناف ملک میں بلند ہوا۔ بارہالوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ اس کی عظمت یہاں تک دلوں میں نقش ہوئی کہ بڑے بڑے اصحاب ثروت واقتدار کی جبین نیاز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں تک کہ بغارا کے مغرور وسرفراز شیوخ نے جو اپنے برابر دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ بکمال منت اپنی لڑکیاں عقد ازدواج کے لئے پیش کیں۔ جب محمد احمد کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو آخر کار اس مذہبی گروہ پر سیاسی رنگ چڑھنے لگا اور اشاعت اسلام کے پردے میں ملک گیری کے ارادے نشوونما پانے لگے۔ محمد احمد نے جہاد فی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے۔ جس قدر کہ دولہا کو عروس نو محبوب ہوتی ہے۔ محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا برقی اثر تھا کہ سیکڑوں آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرکت جہاد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب وضرب کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دعوائے مہدویت اور گورنر خرطوم کی پریشانی

مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم ﷺ نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں۔ مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطاء ہوئی ہے۔ تاکہ میں دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کروں۔ جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب، ایک شریعت، اور ایک ہی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے بحر عدم میں غرق کر دوں۔ محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سوڈان اور مصر کے طول وعرض میں اس کی دعوت کا چرچہ ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا۔ محمد احمد کے دعوائے مہدویت اور اس کی تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے معتمد خاص ابوالسعود کو چار علماء کے ساتھ اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے خرطوم لا کر حاضر کریں۔ ابوالسعود جزیرہ ابا پہنچا اور کشتی سے ساحل پر اتر کر بلند آواز سے پکارا کہ مہدی کہاں ہے؟ محمد احمد ساحل پر آیا اور ابوالسعود کے پاس پہنچ کر اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ ابوالسعود نے دریافت کیا، کیا تم ہی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ محمد احمد نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ ہاں میں ہی وہ مہدی ہوں۔ جس کا انتظار کیا جارہا تھا۔ ابوالسعود نے کہا اس دعویٰ سے تمہاری کیا غرض ہے؟ محمد احمد نے جواب دیا کہ خدائے کردگار نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کروں۔ خدا کی زمین پر خدائے لایزال کا قانون (قرآن) حکمران ہو اور اسلام سربلند دکھائی دے۔ ابوالسعود نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی تمہاری طرح مسلمان ہے۔ محمد احمد نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ حکمران نے نصاریٰ کو سیاہ وسپید کا مالک بنا رکھا ہے اور وہ جابجا گرجے بناتے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب ابوالسعود سمجھانے لگا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور حکومت مصر کی مخالفت اچھی نہیں۔ بہتر ہے کہ بلا انحراف میرے ساتھ خرطوم چل کر رؤف پاشا کی ملاقات کر آؤ۔ محمد احمد نے کہا میں وہاں نہیں جاسکتا۔ ابوالسعود بولا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی اپنے تئیں گورنر خرطوم کے حوالے کر دو۔ جب کہ سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی جہاز گولہ باری کر کے جزیرہ ابا کو خاک سیاہ کر دیں۔ محمد احمد نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کسی بدبخت کی کیا مجال ہے کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ اس کے بعد نہایت درشت لہجہ میں ابوالسعود سے کہا جاؤ۔ میں ہرگز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ابوالسعود محمد احمد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے چلتا بنے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی معیت میں خرطوم

پہنچ کر دم لیا اور رؤف پاشا کو صورتحال سے مطلع کر کے کہنے لگا کہ اگر پچاس مسلح آدمیوں کو میرے ساتھ کر دو تو میں اس منافق کو آپ کے پاس گرفتار کر لاتا ہوں۔ بیچارے ابوالسعود کو کیا معلوم تھا کہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بلکہ یہ شخص عنقریب تفوق کے آسمان پر مہر منیر بن کر جلوہ گر ہوگا اور تین سال کے اندر سوڈان کی فضا اس کے پرچم اقبال پر فخر کرے گی۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر ابا پہنچا۔ خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز مہدی کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا۔ وہ یک بیک ان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً سب کو قعر عدم میں پہنچا دیا۔ اس واقعہ سے مہدی کا اثر اور بڑھ گیا اور اس کے دعوائے مہدویت کو بڑی تقویت پہنچی۔ جب رؤف پاشا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟

محمد احمد کے مقابلہ میں پہلی ناکام مہم

اب رؤف پاشا نے حکومت مصر کی منظوری سے مہدی کے مقابلہ کے لئے تین سو سپاہی اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعہ سے روانہ کیں۔ یہ دستہ فوج ۱۱/ اگست ۱۸۸۱ء کی صبح کو بہ سرکردگی علی آفندی ابا سے تھوڑے فاصلہ پر اترا۔ علی آفندی نے دیکھا کہ ایک شخص جس کے ارد گرد بہت سے آدمی ہیں۔ ان کی طرف آرہا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی شخص مہدی ہے۔ چاہا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ نہایت تیزی سے اس شخص کے سر پر پہنچ کر کہنے لگا کہ تو نے ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے؟ اور جھٹ اس کے گولی مار دی۔ مگر مقتول مہدی نہ تھا کوئی دوسرا شخص تھا۔ لیکن پھر مقتول کے ساتھی معاً علی آفندی پر حملہ آور ہوئے اور اس نے آناً فاناً دارالقرار جاوید کو انتقال کیا۔ علی آفندی کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد احمد کے پیرو اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اثناء میں جنگی جہاز کے افسر توپ خانہ کو حکم ہوا کہ وہ مہدویوں پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر نظر آرہے تھے گولہ باری کرے۔ مگر گولہ انداز مہدی کی مقدس وضع دیکھ کر سہم گیا اور آتش بازی میں لیت و لعل کرنے لگا۔ آخر جب سختی کی گئی تو اس نے ہوائی فیر شروع کر دیئے۔ اتنے میں محمد احمد اور اس کے سوار وہاں سے دوسری جگہ کو چلے گئے۔ ابوالسعود نے جو اس فوج کے ساتھ تھا راہ فرار اختیار کی اور شکست خوردہ خرطوم پہنچا۔ اس ہزیمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مہدی کے پیرووں کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ ان جھڑپوں سے محمد احمد نے جو نتیجہ نکالا وہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مرکز حکومت کے قریب رہنا خطرات سے لبریز ہے۔ اس لئے اس نے جزیرہ ابا پر اپنے ایک مرید احمد مکاشف کو قائم مقام مقرر کیا اور خود کوہ کردوفان جا کر اس کو اپنا مرکز و مستقر بنا لیا۔ جزیرہ ابا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلہ پر نیل ابیض کے قریب مقام کاوا پر ایک مصری فوج جس میں چودہ سو سپاہی تھی اور جس کا افسر اعلیٰ محمد سعید پاشا تھا پڑی تھی۔ جب محمد احمد کردوفان پہنچا تو اس لشکر نے محمد احمد کے خلاف جنبش کی۔ یہ دیکھ کر محمد احمد نے جنوبی کردوفان کا رخ کیا۔ مصری لشکر نے تعاقب کیا اور ایک مہینہ تک جنگلوں اور پہاڑوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ لیکن محمد احمد کا پتہ نہ پا سکا۔ آخر اسی تگ و دو میں بھوک پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گیا۔ مہدی کے مقابلہ میں دو مہمیں اور بھی بھیجی گئیں۔ لیکن وہ بھی نہ صرف ناکام رہیں۔ بلکہ تمام فوجیں صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گئیں۔ اب رشید بے حاکم فشودا ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوا اور ۸/ دسمبر ۱۸۸۱ء کو لڑائی ہوئی۔ لیکن یہ لوگ بھی مہدویہ کے نیزوں سے چھد کر عالم آخرت کو چلے گئے اور بہت سا سامان جنگ مہدی کے ہاتھ آیا۔ رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۲ء کے آغاز میں عہدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا اور عبدالقادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء

میں مہدویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سرزمین سنار پر عمل ودخل کر لیا۔ اب شلالی پاشانام ایک فوجی جرنیل نے مہدی کے خلاف ایک فوج مرتب کی۔ جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی ۱۸۸۲ء میں یہ فوج فشودہ میں داخل ہوئی۔ وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی ۷ رجون کو دشمن کے قریب پہنچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کر کے اس فوج کو بالکل تباہ وبرباد کر دیا اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مہدی کے اقتدار کو اور زیادہ چمکا دیا۔ اہل سوڈان یہ دیکھ کر کہ مہدی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مہدویت پر اور زیادہ راسخ الاعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہنچی تو عبدالقادر پاشا بیش از پیش تیاریوں میں مصروف ہوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ عبدالقادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں پھینکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عہد کریں گے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے انعام ملیں گے۔ لیکن عبدالقادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ابیض کا محاصرہ اور تسخیر

عبدالقادر فراہمی لشکر میں ہمہ تن مصروف رہا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کے پاس بارہ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ جس میں سے ایک ہزار اس نے کردوفان کے صدر مقام ابیض کی حفاظت کے لئے بھیج دی۔ اتنے میں محمد احمد فوج لے کر ابیض کی طرف بڑھا۔ جہاں مصر کی طرف سے محمد سعید پاشا حکمران تھا۔ جب محمد سعید پاشا کو اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے تمام اطراف سے فوج جمع کی اور شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر کے مقابلہ کے لئے مستعد ہوا۔ ستمبر ۱۸۸۲ء کے شروع میں مہدی درویشوں کی معقول جمعیت کے ساتھ ابیض کے قریب پہنچا اور محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ محمد سعید پاشا نے ارکان واعیان کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ مہدی کے قاصد کو واپس کر دیا جائے اور کوئی جواب نہ دیا جائے۔ لیکن شہر کے وہ باشندے جو درپردہ مہدی کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور جن کی مخفی تحریک سے مہدی یہاں آیا تھا۔ شہر سے نکل کر مہدی سے جا ملے۔ ان لوگوں میں ابیض کا سابق حاکم اور کردوفان کا مشہور تاجر الیاس پاشا بھی شامل تھا۔ جو اپنے ساتھ محافظ سپاہ کے کچھ آدمیوں کو بھی لے گیا۔ اب ابیض میں محمد سعید پاشا اور اس کے چند معتمد لوگ تھے جو دس ہزار باشی بزدق لشکر کو شہر کے اندر لئے ہوئے حفظ ودفاع کے لئے سربکف تھے۔ مہدی جو لشکر مقابلہ کے لئے لایا تھا۔ اس میں چھ ہزار صرف سنگین بردار سپاہی تھے۔ جن کے پاس اعلیٰ قسم کی وہ مصری بندوقیں تھیں جو مختلف مواقع پر مصری لشکر سے مال غنیمت میں حاصل کی گئی تھیں۔ اس وقت مہدی کی مجموعی قوت ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی۔

۸ رستمبر ۱۸۸۲ء کو مہدی نے ابیض پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر پناہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ مہدی کی سپاہ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور آخر اس کو شکست ہوئی۔ مصری سپاہ نے تیرہ جھنڈے جن میں ایک جھنڈا خاص مہدی کا تھا اور جس کا نام رایت عورائیل تھا۔ مال غنیمت میں حاصل کئے۔ اس حملہ میں مہدی کے ہزارہا آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں اس کا بھائی محمد اور عبداللہ التعایشی خلیفۂ مہدی کا بھائی یوسف بھی تھا۔ مصری محافظ سپاہ کے صرف تین سو آدمی مقتول ہوئے۔ مہدی پر اس شکست کا بڑا اثر پڑا اور اسے محسوس ہوا کہ مستحکم ومضبوط فصیلوں اور شہرپناہوں پر حملہ کرنے میں کیا خطرات ہیں اور عہد کیا کہ وہ آئندہ مستحکم فصیلوں اور شہرپناہوں پر کبھی حملہ نہ کرے گا۔ بلکہ محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پر ان کو مجبور

کرے گا۔ اس اثناء میں مہدی کو کمک پہنچ گئی اور اس نے ابیض کا سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ آخر ساڑھے چار مہینہ تک محصور رہنے کے بعد اہل ابیض نے تنگ آکر اپنے آپ کو مہدی کے حوالے کر دیا۔ اب تمام کر دوفان مہدی کے قبضہ میں تھا۔ ان حملوں اور محاصروں میں محمد احمد کو کثیر مال غنیمت حاصل ہوا۔ سامان جنگ اور اسلحہ بکثرت ہاتھ آئے اور غلہ کی بھی بہت بڑی مقدار ملی۔ سعید پاشا حاکم ابیض اور سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔

نظام حکومت اور فرمان شاہانہ محمد احمد نے کر دوفان پر قبضہ کر کے اس کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ اس نے انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا۔ (۱) سپاہ۔ (۲) قضا۔ (۳) مال۔ سپاہ کا انتظام عبد اللہ تعایشی کے سپرد کیا۔ محکمہ قضا احمد بن علی کے دست اختیار میں دیا۔ یہ شخص پہلے دار فور میں قاضی تھا۔ اس عہدہ کا نام قاضی الاسلام رکھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لئے ایک بیت المال بنایا۔ جس میں ہر قسم کی آمدنی عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور جرمانوں کی رقمیں جمع ہوتی تھیں۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ محمد احمد نے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ اپنے ایک دوست احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ محمد احمد کے اس نظام حکومت پر رعایا بہت خوش ہوئی۔ کیونکہ ہر شخص کو اس کی بدولت آسائش اور راحت و سکون نصیب ہوا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی پر ظلم کر سکے۔ یا عمال حکومت کسی سے ناجائز طور پر ایک حبہ بھی وصول کر لیں۔ محمد احمد کا لباس خوراک، طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ انتہاء درجہ کی زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا خلاصہ ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو اس نے ۱۳۰۱ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔ اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھتا ہے۔ "اے بندگان خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بحیثیت مہدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لئے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔ میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ خدا کے راستہ میں مہاجرۃ اختیار کرو۔ جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لئے آراستہ کر دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائشیں حاصل تھیں۔ لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی۔ اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آخرت کا دردناک عذاب ان کے لئے باقی ہے۔ تعجب ہے کہ تم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ خدا سے ڈرو۔ اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے۔ پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں اور شرعاً ان کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔ جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں۔ گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔ بلند آواز سے (کہ غیر مردان کی آواز سنیں) باتیں نہ کریں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔ اپنے جسموں کو کپڑوں سے چھپائے رہیں۔ جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے

اس کو سزا دی جائے۔ اگر ایک لحظہ بھی کوئی عورت سر کھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو فحش گفتگو کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں۔ جو مرد اپنے بھائی (مسلمان) کو کتا یا سور یا یہودی یا اسی قسم کے اور الفاظ سے یاد کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید کی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) فاجر یا چور یا زانی یا خائن یا ملعون کہے اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) کافر یا نصرانی یا لوطی کہے اس کو اسی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔ جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت سے جس سے اس کا نہ تو کوئی شرعی تعلق ہو اور نہ شرعاً اس سے گفتگو کا جواز ہو، باتیں کرتا ہوا پایا جائے اسے ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص کسی حرام فعل پر قسم کھائے۔ اس کو تادیباً ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص حقہ پئے یا تمبا کو کسی دوسری طرح کھانے اور پینے کے کام میں لائے تادیباً اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمبا کو اس کے پاس موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ تمبا کو کو منہ میں رکھنے، ناک میں چڑھانے اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی یہی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت کرتا ہوا پایا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خور کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے۔ ورنہ اس کو اخفائے جرم میں اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی تاکہ عبرت پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لئے جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت ہے کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے۔ لیکن نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصداً نماز کو چھوڑے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہو گا۔ بعض ائمہ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا اخفائے جرم کی پاداش میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی منگنی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہوا ہو تو اس مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال، مال غنیمت سمجھا جائے گا۔

میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زہد و ترک دنیا کی رغبت دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے قلب میں مستحکم کر کے اسے طلب عقبیٰ کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت جتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے بتلاؤ۔ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو اور مشکلات پر صبر و استقامت کی تعلیم دو۔ وہ معاملات جو ۱۲/رجب ۱۳۰۰ھ سے پہلے کے ہیں۔ سوائے معاملات امانت، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھا لئے گئے اور اب ان کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہو گی۔ البتہ ۱۲/رجب ۱۳۰۰ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوی کی سماعت ہو گی۔ قتل نفس کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضایا طے کئے جائیں گے۔ پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات خلع میں مرد جو مال عورتوں سے دخول و تمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ ان کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔

میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے۔ احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرو۔ اوامر کی پابندی لابد ہے۔ میرے احکام کو سنو اور

اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریک کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر نہ باندھو۔ دولت مند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غرباء پانچ ریال مجیدی (قریباً ۸/ریال) سے زیادہ مہر نہ رکھیں۔ بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیباً کوڑوں اور قید کی اتنی سزا دی جائے کہ وہ تائب ہو جائے یا قید میں مر جائے۔ ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں"۔

جرنیل ھکس کا قتل، انگریزی اور مصری افواج کی بربادی

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ و دعوت کے لئے روانہ کیا۔ عثمان دغنہ جو مہدی کا معتمد خاص تھا۔ مشرقی سوڈان پہنچا اور وہاں مہدی کے معتقدین و متبعین کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری حلقوں میں خلفشار پھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ عبد القادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جاتا ہے اور اگر فتنہ کی روک تھام کے لئے کوئی موثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے کہ جس سے ملک مہدویہ کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا۔ آخر یہ قرار پایا کہ مہدی کی گوشمالی کے لئے ایک اور زبردست مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک زبردست لشکر ایک کار آزمودہ انگریز سپہ سالار جرنیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جرنیل ھکس کے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی تیار ہوئے۔ اس وقت عبد القادر پاشا کی جگہ علائو الدین پاشا خرطوم کا گورنر تھا۔ علاؤالدین پاشا نے اس مہم کے لئے نیل ارزق کے مشرق سے اونٹ جمع کئے اور آخر اگست تک ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ۸/ستمبر کو جرنیل ھکس نے فوج کا جائزہ لیا اور ۹/ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان کے مقام سے دوئم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سوڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونی، سید بک عبد القادر، ابراہیم پاشا، حیدر اور رجب بک صدیق چار افسروں کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی۔ جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ، پانچ سو گھوڑے جرمن کارخانہ کروپ کی چار توپیں، دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ ٹائمز ڈیلی نیوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ ۲۰/ستمبر کو یہ سپاہ دوئم کے مقام پر پہنچی اور علاؤالدین پاشا کی اس فوج سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔ لیکن علاؤالدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ جرنیل ھکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دوئم سے ابیض کی طرف بڑھایا جائے۔ دوئم سے ابیض کا فاصلہ ۱۲۶ میل ہے۔ اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی۔ جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی۔ تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہونے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کر سکے۔ بہر حال جرنیل ھکس آگے بڑھا۔ ابیض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے۔ سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھا گئی کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے کٹنے لگے۔ انگریزی اور مصری افواج کی قواعد و پریڈ اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں۔ مہدی کے پیروؤں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کر دیا۔ جرنیل ھکس اور اس کی ساری فوج تمام یورپی افسر اور لندن جرائد کے نمائندے سب میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں

سے اکثر ضعفاء تھے جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان لوگوں نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ھکس کا خانسامہ محمد نور باروردی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہزیمت وتباہی کے تمام واقعات مصر پہنچ سکے۔ محمد احمد نشۂ فتح میں سرشار یہاں سے برکت کی طرف چلا گیا اور بعض امراء کو مال غنیمت جمع کرنے کے لئے وہیں چھوڑ گیا۔ اس لڑائی سے پہلے سوڈان کے اکثر قبیلے متردد تھے کہ حکومت کا ساتھ دیں یا محمد احمد کا؟ آخر یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ جرنیل ھکس کی لڑائی کا انتظار کر لیا جائے۔ انجام کار جب قبائل کو معلوم ہوا کہ مہدی نے فتح پائی اور سرکاری فوجیں بالکل تہس نہس ہوگئیں تو انہوں نے اپنی قسمت محمد احمد سے وابستہ کر دی۔

جرنیل بیکر کی ہزیمت

جب مہدی کو ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ آنا فاناً سارے کروفان پر قابض ودخیل ہوگیا تو مصری سپاہی اسے سچا مہدی سمجھ کر حصول سعادت کے لئے بھاگ بھاگ کر مہدی سوڈانی کی فوج میں شامل ہونے لگے اور افریقہ کے مسلمانوں میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کہ جس کے لوائے سعادت کے نیچے کفار سے جنگ کر کے شہید ہونے والے قیامت کے روز شہدائے احد وبدر کے ساتھ اٹھائے جائیں گے یہی ہے۔ اس اعتقاد ویقین کی تائید ان احادیث سے ہوتی تھی جن میں حضرت مہدی آخر الزمان کا اسم مبارک محمد والد کا نام عبداللہ مروی ہے۔ چونکہ مہدی سوڈانی کا نام اور اس کے والدین کے نام بھی یہی تھے۔ اس مطابقت اسمی کی وجہ سے اور نیز مہدی کے غیر معمولی فتوحات کے باعث لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے تھے۔ لیکن چونکہ آئندہ چل کر بہت سے دوسرے امور احادیث مرویہ کے خلاف ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا گیا اور اصل یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کی ذات میں مہدی موعود کی بہت سی نشانیاں مفقود تھیں۔ مثلاً وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد نہیں تھا۔ اس کا ظہور مکہ معظمہ میں نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلی بیعت رکن اور مقام کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ ان ذاتی خصوصیات کے علاوہ عالم اسلام کے سیاسی حالات بھی اس نہج پر رونما نہیں تھے۔ جو حضرت مہدی علیہ السلام کے زمن سعادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جرنیل ھکس کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قلزم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنہ ایک مہدوی سپہ سالار نے سنکات اور توکر کی مصری فوجوں پر تاخت کر کے شکست فاش دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست ونابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لئے سواکن سے ایک اور مہم تیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر یعنی ڈاک مانکرف بھی ساتھ تھا۔ لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمی کی اس مہم پر عثمان دغنہ نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انہوں نے بھاگ کر سواکن میں جادم لیا۔ سواکن اور کروفان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا۔ آخر جنرل ویلنٹائن بیکر کے زیر قیادت ایک اور زبردست مہم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علانیہ انکار نہ کر سکتے تھے یہ سن کر کہ انہیں مہدی کے مقابلہ میں سوڈان جانا ہوگا۔ زار زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی مہدویت سے زیادہ شغف وعقیدت رکھتے تھے راہ ہی میں بھاگ کر مہدوی فوج میں جا شامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی۔ جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل بیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے۔ جرنیل بیکر مع اپنی فوج کے سواکن کے جنوب میں جہازوں سے اتر کر ۴؍ فروری ۱۸۸۴ء کو آگے روانہ ہوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہنچی عثمان دغنہ نے

صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ بیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹالیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے مہدی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی اور پیر اکھڑ گئے۔ چار کرپ توپیں پانچ لاکھ کارتوس اور تین ہزار بندوقیں عثمان دغنہ کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل بیکر کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل بیکر تھوڑی سی پس ماندہ فوج کو لئے ہوئے بحال تباہ سواکن لوٹ آیا۔

محمد احمد کے حدود مملکت

جرنیل بیکر کی شکست سے برطانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد وانتشار پھیل گیا۔ اس وقت درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لئے بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تھی۔ کردفان اور دارفور (دار فر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور مہدی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک سنار کا تمام علاقہ اس میں آگیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان دار فر اور فرتیب اس میں شامل ہو گئے تھے اور شمال مشرق کی طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن میں مہدی کا اثر علاقہ الفشیر تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سر سلاٹن (جسے معرب کر کے سلاتین پاشا کہتے تھے) سخت بد حواس ہوا۔ خصوصاً اس لئے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا تھا کہ جنگ کر کے مہدی سے عہدہ برا ہو سکے گا۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا رسوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بدنظمی بھی دور ہو جائے گی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا اور مہدی سے اظہار عقیدت کر کے اپنا علاقہ اس کے حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چٹھی مسٹر اوگل کے ہاتھ جنرل ہکس کے نام طلب امداد کے لئے بھیجی تھی۔ لیکن جرنیل ہکس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا۔ اوگل نے وہاں سے واپس آکر سلاٹن کو صلاح دی کہ مہدی کی اطاعت کر لے۔ کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور اوگل دونوں نے مہدی کی اطاعت کر لی۔ مہدی نے سلاٹن کا نام عبد القادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آجائے۔ جہاں اس وقت تک مہدی قابض ہو چکا تھا۔ سلاٹن حسب الحکم العبید پہنچا اور وہاں سے مہدی کے ساتھ خرطوم کی طرف آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اس کے خلیفہ عبد اللہ نے اسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کر کے ام درمان میں رکھا۔ سلاطین پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا۔ لیکن پھر گرفتار ہو گیا اور مدت تک درویشیوں کی قید میں رہا۔ جب انگلستان اور مصر کو متواتر فوج کشی اور بے انتہاء مصارف ونقصانات کے باوجود اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی تو جرنیل گارڈن کو خرطوم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ تاکہ وہ سوڈان میں قیام امن کی عملی تدابیر اختیار کرے اور نظر غائر سے دیکھے کہ مہدی کی روز افزوں دولت وقوت کے مقابلے میں کیا تجویز مناسب ہے۔ جرنیل گارڈن اس سے قبل سوڈان میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز رہ کر اپنی لیاقت ومستعدی کا ثبوت دے چکا تھا اور اس ملک سے اچھی طرح واقف تھا۔ جنرل گارڈن لندن سے ۲۷ر جنوری ۱۸۸۴ء کو روانہ ہوا اور اسے ہدایت کی گئی کہ جس طرح بن پڑے وہ تمام سرکاری فوجوں کو جو سوڈان کے مختلف حصوں میں محصور ہیں۔ نکال لائے۔ گو یہ نہایت پر خطر اور سخت ذمہ داری کا کام تھا۔ لیکن گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے اس اہم کام کا ذمہ لیا۔ جرنیل گارڈن برطانیہ کی طرف سے بحیثیت ہائی کمشنر سوڈان اور خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جنرل گارڈن نے بربر پہنچ کر آزادی سوڈان کے متعلق ایک اعلان جاری کیا اور تمام محصولات بقدر نصف کے معاف کر دیئے اور تمام باشندوں کی جرم بخشی کی۔ یہاں تک کہ اہل سوڈان کو لونڈی غلام رکھنے اور ان کی بیع وشرا کی بھی اجازت دے دی اور اسی اعلان کے

ذریعہ سے محمد احمد مہدی کو سلطان دار فور (دار فر) مقرر کیا اور کچھ تحائف مہدی کی خدمت میں بھیجے۔ مگر مہدی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ میں کفار سے کسی بخشش وعطا کا روادار نہیں۔ محمد احمد نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو اور سچے دین اسلام کے پیرو بن جاؤ۔ جس سے تمہیں دنیا و عقبیٰ میں سرخروئی ہو اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بچے۔ ورنہ تم سب ناحق اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔ اس مراسلہ کا جواب جنرل گارڈن نے یہ دیا کہ اب میں تم سے مزید خط و کتابت نہیں کر سکتا۔

خرطوم کا محاصرہ

جب جنرل گارڈن خرطوم پہنچا تو انگریزی افواج میں مسرت کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ سرکاری فوجیں اس وقت سخت ضغطہ کی حالت میں پڑی تھیں۔ نہ تو خرطوم خالی کر کے بھاگ جانے کا کوئی راستہ رہ گیا تھا اور نہ ان میں مہدی کے متوقع حملہ سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت تھی۔ جنرل گارڈن نے یہ پر خطر حالت دیکھ کر یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کر لے گا۔ اس لئے احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ اگر بروقت کمک پہنچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔ غرض گارڈن نے کئی مہینے کا سامان جمع کر کے شہر کے مورچوں کو مضبوط کر لیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو طرفیں شمال اور مغرب دریائے نیل سے محیط ہیں۔ مشرق اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق ہے۔ قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے ۱۸۸۴ء میں اسے کاٹ ڈالا۔ اس لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردۂ خفا میں پڑے رہے۔ چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہنچ سکی۔ اس لئے انگریزی اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا۔ جب رود نیل میں طغیانی ہوئی تو جنرل گارڈن نے بذریعہ کشتیوں کے قاہرہ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس لئے کرنل ہیمل اسٹوئرٹ کے ہاتھ جو مسٹر پاور انگریزی سفیر اور موسیو ہرلن فرانسیسی سفیر کے ساتھ جہاز عباس پر سوار ہو کر روانہ ہوا تھا۔ اپنی بدحالی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ قاہرہ بھیجی۔ مگر بدقسمتی سے جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ کرنل اسٹوئرٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارہ پر لگے اور ایک موضع میں پہنچے۔ جہاں پر گاؤں والوں نے انہیں فرنگی بے دین کا لقب دے کر قتل کر ڈالا۔ اس طرح قاہرہ جا کر جنرل گارڈن کی داستان درد سنانے والا کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ اس اثناء میں مہدی کا لشکر خرطوم تک پہنچ گیا اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ جب کرنل اسٹوئرٹ اور انگریزی سفیر کے مارے جانے کی خبر لندن پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جرنیل گارڈن اور سرکاری افواج محصور ہیں تو انگلستان میں سخت پریشانی اور بددلی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم برطانیہ نے ایک اور مہم لارڈ ولزلی کے زیر کمان جنرل گارڈن کی کمک کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ولزلی کو حکم دیا کہ ایک دفعہ جنرل گارڈن اور سرکاری فوج کو کسی طرح خرطوم سے صحیح و سلامت نکال لیا جائے اور اس کے بعد مہدی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ کیونکہ حکومت برطانیہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد وادیٔ حلفہ تک رہے۔ واقعی اس وقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ مہدی کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت برطانیہ کے پاس تخلیہ سوڈان کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انگلستان نے گذشتہ تین سال کے عرصہ میں ہزاروں جانیں گنوائیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا اور بے شمار انگریز افسر ہلاک کرائے۔ پھر بھی بجائے ترقی واصلاح کے حالت دن بدن ابتر و زبوں ہوتی جا رہی تھی۔

لارڈ ولزلی کی لندن سے روانگی

لارڈ ولزلی لندن سے روانہ ہو کر ۹ر ستمبر ۱۸۸۴ء کو اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ آیا۔ جنرل اسٹیفن سن سپہ سالار افواج انگریزی مقیم مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ولزلی کی مہم بحیرۂ قلزم کی راہ سے بندرگاہ ٹرنکیٹٹ پر اترے اور وہاں سے براہ سواکن وبربر خرطوم جائے۔ کیونکہ سواکن سے بربر تک براہ خشکی اور بربر سے خرطوم تک براہ رود نیل صرف چار سو اسی میل کا فاصلہ تھا اور قاہرہ سے دریائے نیل میں سے ہو کر خرطوم جانے میں ساڑھے سولہ سو میل کا سفر تھا۔ مگر جب لارڈ ولزلی اور جنرل اسٹیفن سن میں اختلاف رائے ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس فیصلہ کا انحصار لارڈ ولزلی کی صواب دید پر رکھا۔ لارڈ ولزلی نے نیل کا راستہ پسند کیا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس میں کون سے فائدے مضمر تھے۔ یہ مہم ۳ر نومبر کو ڈنگولہ پہنچی۔ لارڈ ولزلی نے محمد یاور حاکم ڈنگولہ کو جس نے مہدی کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکا تھا، کے سی۔ ایم۔ جی کا خطاب اور تمغہ عطاء کیا۔ محمد یاور نے تمغہ پہنتے وقت گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا یہ اعزاز میری حیثیت اور لیاقت سے فزوں تر ہے۔ مگر جب عطائے خطاب کا جلسہ ختم ہوا محمد یاور نے غسل کیا اور تمام کپڑے بدل ڈالے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا جسم عیسائی کا ہاتھ لگنے سے نجس ہو گیا تھا۔ یکم ر نومبر ۱۸۸۴ء کو جنرل گارڈن کا ایک خط قاہرہ میں سر ایولن بیرنگ کے پاس پہنچا جو ۱۳ر جولائی کا لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا کہ ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینہ تک خرطوم کو قبضہ میں رکھ سکتے ہیں۔ جس وقت یہ خط پہنچا چار مہینے گذر چکے تھے۔ اس لئے اور بھی زیادہ فکر پیدا ہوئی۔ دسمبر کے اخیر میں انگریزی افواج مقام کورٹی میں پہنچ گئیں۔ مگر چونکہ خرطوم ابھی بہت مسافت پر تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے حکومت کو لکھا۔ یہاں سے روانگی میں اس لئے توقف ہوا کہ کافی سامان رسد کے جمع ہونے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ خرطوم کو جو عرصہ سے محصور ہے اور جس میں رسد کی سخت قلت ہے اور گردونواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے۔ بغیر کافی سامان کے جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ لارڈ ولزلی نے کورٹی میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو کورٹی سے براہ خشکی متمہ جانے اور وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر خرطوم پہنچنے کا حکم دیا اور دوسرا نیل کی راہ سے بربر ہو کر خرطوم جانے کے لئے تیار ہوا۔ اوّل الذکر دستہ فوج میجر جنرل سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کے زیر احکام روانہ کیا گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ جس میں بارہ سو سپاہی اور دو ہزار اونٹ تھے کورٹی سے غدکل کو روانہ ہوا۔ اس اثناء میں لارڈ ولزلی کے پاس کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر جنرل گارڈن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ پیغام پہنچا کہ خرطوم میں بہمہ وجوہ خیریت ہے۔

(دستخط) سی۔ جی گارڈن ۱۴ر دسمبر ۱۸۸۴ء

یہ تحریری پیغام محض مغالطہ دہی کے لئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر قاصد مہدوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو وہ سرکاری فوج کی کمزوری حالت کا احساس نہ کر سکے۔ اصل پیغام جو زبانی کہنے کے لئے قاصد کو دیا گیا تھا یہ تھا۔ ہماری فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارا سامان خوراک قریب الاختتام ہے۔ یعنی کسی قدر میدہ اور تھورے سے بسکٹ رہ گئے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہماری مدد کو جلد آؤ۔ جنرل گارڈن نے اس رقعہ کے ساتھ اپنے ایک دوست کے پاس بھی ایک پیغام قاہرہ بھیجا تھا۔ جس کے یہ الفاظ تھے۔ بھائی بس اب خاتمہ ہے۔ یقینی ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہو گا۔ اگر اہل ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ (سی۔ جی گارڈن)

میجر جنرل سر ہربرٹ کا مجروح ہونا

۱۶ر جنوری ۱۸۸۵ء کو کرنل بارد نے سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کو اطلاع دی کہ ابوکلیہ سے شمال مشرق کی جانب پہاڑوں پر مہدی کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی روز سرکاری فوج ابوکلیہ سے روانہ ہو کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔ مہدی کا کمپ وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ ۱۷ر جنوری کی صبح کو انگریزی سپاہ مہدی کے لشکر سے معرکہ آراء ہوئی۔ جس میں سر اسٹوئرٹ ایک زخم کاری سے بیکار ہو کر گر پڑا اور فوج کی کمان سر چارلس ولسن نے لی۔ اس لڑائی میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ سر چارلس نے ارادہ کیا کہ اس مقام کو محفوظ کر کے تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دی جائے اور باقی

ماندہ فوج کے ساتھ نیل کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ مگر مہدویوں کی آتش باری سے تمام مورچے مسمار ہو گئے۔ اس لئے اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ لندنی اخبارات مارننگ پوسٹ اور اسٹینڈرڈ کے وقائع نگار مسٹر کیمرن اور ہربرٹ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ ۲۱/ جنوری ۱۸۸۵ء کو چار مصری دخانی جہاز خرطوم کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ قاہرہ کی انگریزی فوج نے انہیں دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جہازوں کے ایک افسر نے جنرل گارڈن کا رقعہ فوج میں پہنچایا۔ جس میں لکھا تھا۔ ہم خرطوم میں بالکل امن وعافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ (سی۔جی گارڈن مورخہ ۲۹/ دسمبر ۱۸۸۴ء) اس رقعہ سے بھی مثل سابق یہ غرض تھی کہ اگر مہدوی لشکر کے ہاتھ لگ جائے تو اسے سپاہ انگریزی کی قوت کا مغالطہ ہو اور خط محاصرہ سے آگے بڑھ کر یک بیک خرطوم پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے اور حقیقی پیام جو فوج کمک کے افسر اعلیٰ کو بھیجا گیا تھا۔ "میں نے خرطوم کو بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے یاس وقنوط نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات گورنمنٹ سے ناراضی کی بناء پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت حال سے مطلع کیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم پر دشمن متصرف ہو گیا تو ہم کسالا پر بھی قبضہ نہ رکھ سکیں گے"۔ عبدالحمید بے جہاز بورڈین کے مصری افسر نے سر چارلس ولسن سے بیان کیا کہ محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج قطعاً مایوس ہو چکی ہے۔ جنرل مذکور نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم انگریزی فوج کو سوار کر کے دس روز کے اندر اندر واپس نہ آؤ گے تو پھر کمک بھیجنا بے سود ہو گا۔ ۲۳/ جنوری کو سارا دن روانگی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور ۲۴/ جنوری کو چند جہاز انگریزی فوج کو سوار کر کے خرطوم کی طرف روانہ ہوئے۔

خرطوم پر مہدی کا قبضہ اور جرنیل گارڈن کا قتل

جب محاصرے نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زبونی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو اہل شہر نے جو مہدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے۔ مہدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں۔ اس لئے شہر پر بغیر مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کے ساتھ محاصرہ میں تھے۔ بر سر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں سے سنتا مگر اشتعال بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ غرض مہدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آناً فاناً ایک کرۂ نار بن گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر ماروینی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن کو اس بات کا یقین تھا کہ کمک جلد آنے والی ہے۔ اس لئے سپاہیوں سے آخری مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ کمک آخر وقت تک نہ پہنچی۔ جس شب کو مہدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ میں بیٹھا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا۔ اب میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ میں نے انہیں بارہا یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے۔ مگر افسوس نہ آئی۔ اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ کمک کے تمام افسانے من گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انہیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ پینے دو۔ جنرل گارڈن کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے۔ اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منہ سے اچھی طرح بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک بیک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکستہ دل فوج کو ساتھ لے کر آخر مرتبہ مدافعت کی کوشش کی۔ لیکن شکست کھائی اور ۲۶/ جنوری ۱۸۸۵ء کی رات کو مہدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ ۲۶/ جنوری کی صبح کو جب کہ سر چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے۔

خرطوم پر مہدوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مہدوی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ مہدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے ارد گرد بلند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ہے۔ لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو۔ تھوڑی دیر میں چار آدمی جو نہایت قوی ہیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی ان کے پیچھے داخل ہوئے۔ جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور پہرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انہوں نے جنرل گارڈن کی طرف رخ کیا۔ قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے کہا "ملعون الیوم یومک" (اے ملعون آج تیری ہلاکت کا وقت آپہنچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہاتھ سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرا وار کیا۔ جس سے ایک مہلک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر سلاتین پاشا کو جا دکھایا جو مہدی کی قید میں تھا۔ سلاتین پاشا کا بیان ہے کہ ۲۶/ جنوری کی صبح کو نہایت بے چین تھا اور اس انتظار میں تھا کہ دیکھوں پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس اثناء میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور فتح کے شادیانے بجنے لگے۔ میرے محافظوں میں سے ایک سپاہی خبر لانے کو دوڑا گیا۔ جس نے چند منٹ میں واپس آکر بیان کیا کہ گذشتہ شب کو حضرت مہدی علیہ السلام نے خرطوم فتح کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں تین سیاہ پوش سوڈانی میری طرف آئے۔ یہ سپاہی میرے خیمے کے قریب آٹھہرے اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ ان کے پاس کپڑے میں کوئی چیز لپٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے کپڑا کھول دیا اور جنرل گارڈن کا سر مجھ کو دکھایا۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر میرا دماغ کھولنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے۔ مگر میں انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ چپ چاپ دیکھنے لگا۔ ایک سوڈانی نے گارڈن کا چہرہ میری طرف کر کے کہا کہ یہ تیرے چچا کا سر ہے۔ جو حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ بہادر جرنیل بہت خوش نصیب تھا جس کی موت کے ساتھ اس کے مصائب کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سوڈانی کہنے لگا واہ خوب اب بھی تم اس ملعون کی تعریف کرتے ہو؟ تم بہت جلدی اپنی شقاوت کا خمیازہ بھگتو گے۔ یہ کہہ کر وہ گارڈن کا سر لئے ہوئے وہاں سے مہدی کے پاس چلے گئے۔ جنرل گارڈن کے قتل سے انگلستان کے سیاسی مطلع پر اداسی اور غم کا ابر چھا گیا اور ہر شخص گورنمنٹ کو اس بات کا ملزم قرار دیتا تھا کہ اس نے امدادی مہم کے بھیجنے میں لیت ولعل سے کام لیا۔ گورنمنٹ نے سر چارلس ولسن سے وجہ تاخیر کے متعلق جواب طلب کیا۔ سر چارلس نے جواب دیا کہ جب جہاز ۲۱/ جنوری کو غبات کے مقام پر پہنچے تو میری فوج متمہ میں غنیم کے ساتھ مصروف پیکار تھی اور کثرت اموات کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں یہ خبر پہنچی تھی کہ مہدی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ام درمان سے آرہا ہے۔ ایسی حالت میں میں اس بات کا اطمینان کئے بغیر روانہ نہ ہو سکا کہ انگریزی فوج مقابلہ کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ مزید براں اگر میں ۲۲/ جنوری کو غبات سے روانہ ہو جاتا تو بھی ۲۶/ جنوری کی دوپہر سے پہلے ہرگز نہ پہنچ سکتا اور اس سے پیشتر خرطوم پر مہدی کا قبضہ ہونے کے بعد جرنیل گارڈن قتل کیا جا چکا تھا۔

جرنیل ارل کی ہلاکت

امدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا۔ اس سے کربیکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا۔ جس میں جنرل ارل مارا گیا۔ جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم دیا اور بربر پہنچنے کے تمامتر ارادے فسخ کر دیئے اور حکومت انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط و کتابت شروع کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید

ترقی کو روکنے کے لئے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کے لئے تیرہ ہزار فوج جن میں چار ہندوستانی پلٹنیں، ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی۔ مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کئے گئے اور جنرل جیرلڈ گرہیم کے زیر کمان یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ ۱۲/مارچ ۱۸۸۵ء کو جنرل گرہیم نے سواکن پہنچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔ اس فوج میں پانچ سو افسر، سوادس ہزار سپاہی، پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خچر اور پونے تین ہزار خدمتگار اور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گرہیم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان دغنہ کا خاتمہ کر کے جنگل کو ریل کے لئے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن تیار کی جائے۔ ۲۰/مارچ کو جنرل گرہیم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے۔ یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاربہ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا۔ کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن بنگال لینسرز نے حملہ کیا۔ مہدی کے پیدل آدمی بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کے مقابل سوار ہیں۔ اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے بر گیڈ پر حملہ کر کے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گرہیم نے سر جان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمائی کے مابین فوج کمپ تیار کرنے کے لئے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لئے چاروں طرف لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی تیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے یک بیک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آرہا ہے۔ یہ سن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہنچے انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

سر جان میک نیل کی ہزیمت، سارا سوڈان مہدی کے علم اقبال میں

۳/اپریل کو جنرل گرہیم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تمائی کی طرف بڑھا۔ مگر وہ عثمان دغنہ کا کمپ جلانے کے سوا کچھ نہ کر سکا اور گو انتہائی کوشش کی گئی اور فوج کی تعداد بڑھانے کی غرض سے باربرداری کی دقتیں بھی رفع کی گئیں اور سر جان میکنیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ انگریزی سپاہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جلا کر واپس آگئی۔ کیونکہ قلت آب کی وجہ سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ غرض سر جان میک نیل کی ہزیمت اور بعد کی ناکامیوں سے انگریز افسروں کے دل چھوٹ گئے اور مہم سواکن اور توسیع ریلوے کی داستان یہیں پر ختم ہو گئی۔ عثمان دغنہ اس بلا کا آدمی تھا کہ اس پر قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ انگریز جتنی ریلوے لائن اور تار کے کھمبے تیار کرتے وہ تباہ کر جاتا۔ بالجملہ اس مہم کے افسر اعلیٰ جنرل گرہیم کو سوائے ندامت و شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ اسی ناکامی کی وجہ سے لارڈ ولزلی نے خود سواکن پہنچ کر مہم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس اثناء میں حکومت برطانیہ نے مہم سواکن کی ناکامی سے سبق آموز ہو کر مجوزہ سواکن بربر ریلوے کی تیاری کا ارادہ فسخ کر دیا اور حکم دیا کہ ریلوے لائن کا سارا سامان انگلستان بھیج دیا جائے اور فوج بھی سواکن سے واپس آجائے۔ اس لئے ریلوے کا کام بند کر دیا گیا اور تمام فوج واپس بلا لی گئی۔ جس وقت اس فوج کے سامان کی آخری گاڑی روانہ ہوئی۔ عثمان دغنہ کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور ازراہ تحقیر اس کی طرف چند فیر کر کے انگریزی مہم کو خیر باد کہا۔ اس نیرنگ ساز قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ وہ مغرور و پر شکوہ سلطنت برطانیہ جس کی فوجی طاقت اور جنگی حکمت عملیوں کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے۔ اس قدر صرف اور نقصان کے باوجود مہدی کے مقابلہ میں

متواتر ہزیمتیں اٹھا کر کس طرح سوڈان خالی کرنے پر مجبور ہوئی؟ حالانکہ مہدی کے پیروؤں کو نہ تو کافی سامان جنگ اور اسلحہ میسر تھے اور نہ ان کے پاس توپیں تھیں۔ گو بعض محاربات میں انہوں نے بندوقیں بھی استعمال کیں۔ لیکن وہ عموماً تلواروں اور نیزوں ہی سے لڑتے رہے اور انہی سے انگلستان، مصر، ہندوستان اور آسٹریلیا کی بہترین قواعد دان اور تربیت یافتہ فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ہزیمت یافتہ وہ فوجیں تھیں جن کے پاس اعلیٰ درجہ کا سامان حرب تھا اور انہیں یورپ کے ماہر ترین جرنیل لڑا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کارساز ہو تو مادیت روحانیت پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔ مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندرون ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابی سینیا) تک پہنچ گیا تھا اور مغرب کی جانب میدان صحرا حد فاصل تھا۔ پس یوں سمجھنا چاہئے کہ وادئ نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حربی جدوجہد بے نوا فقراء کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے کے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیر نگین ہو گئی تو اس کی عظمت و سطوت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ اب محمد احمد وہ بوریہ نشین محمد احمد نہ تھا۔ جو جزیرہ ابا میں شب و روز ذکر الٰہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزارہا مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گذر بسر کرتا تھا۔ بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب مہدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی۔ بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا ہمسر و رقیب خیال کیا جاتا تھا اور دول یورپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

تعلیمات

محمد احمد تخت سلطنت حاصل کرنے کے بعد بھی شعائر الٰہی کا ویسا ہی پاس و لحاظ کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے آغاز گوشہ نشینی میں کرتا تھا۔ احکام خداوندی کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ شراب خوار کو درے لگواتا، چوروں کے ہاتھ کٹواتا اور زانی پر بھی حد شرع جاری کرتا۔ رمضان المبارک کا اتنا احترام کرتا تھا کہ بے عذر روزہ نہ رکھنے کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی۔ ان تعزیرات کی برکت سے چند ہی روز کے اندر ہر قسم کے فسق و فجور بد معاشی و بد دیانتی کا قلع قمع ہو گیا۔ اس کے انصاف کا ایسا ڈنکہ بجا کہ کوئی شخص بیداد، غصب و بد دیانتی میں مبادرت نہ کر سکتا تھا۔ مسجدیں، مصلیوں سے معمور تھیں۔ ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کے چرچے تھے۔ جب محمد احمد کہیں جاتا تو لوگ اس کی زیارت کے لئے دیوانہ وار اٹھ دوڑتے تھے۔ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے مہدی کو سیکڑوں مرتبہ پہلے دیکھا ہو گا۔ لیکن ان کا اعتقاد و اشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ مہدی کا رخ زیبا دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے اور عموماً اس محراب مسجد کے قریب پہنچنے کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ جس میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ ہزارہا انسانوں کا شور ظاہر کر دیتا تھا کہ اب مہدی کے مسجد میں آنے کا وقت ہے۔ محمد احمد کے مذہبی احکام و تعلیمات کا بیشتر حصہ نظام حکومت اور فرمان شاہانہ کے زیر عنوان اوپر درج ہو چکا ہے۔ مزید تعلیمات و رجحانات ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ تعلیمات

ا ... محمد احمد کے مسلک کا ایک بڑا حصہ اس کے منشور میں آچکا ہے۔ اس کی تعلیمات کا لب لباب ترک دنیا اور لذآت دنیوی سے اجتناب تھا۔ اس نے ہر قسم کے القاب برطرف کر دیئے۔ مالدار اور غریب کو مساوی کر دیا اور حکم دیا کہ میرے تمام پیرو لباس میں یک رنگی اختیار کریں۔ تاکہ دوسروں

سے امتیاز کرنے میں سہولت رہے۔ اس کا ہر مرید خواہ امیر ہو یا غریب ایسا جبہ پہنتا تھا جس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔
۲ ... اس نے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو جمع کر دیا۔ فروعی اختلافات کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی جاتی تھی اور قدر مشترک کو لے لیا جاتا تھا۔ نماز صبح اور عصر کے بعد ہر روز قرآن کی چند مخصوص آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔ اس عمل کو راتب کہتے تھے۔ وضو میں کسی قدر سہولت و تخفیف کر دی۔
۳ ... بیاہ شادی کی تقریب میں برأت اور ہر قسم کے اجتماع کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دی جائے۔ مہر کی مقدار بھی مقرر کر دی۔ باکرہ کا مہر دس ریال اور وہ بدل مقرر کیا۔ ثیبہ کا اس سے نصف ٹھہرایا۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کا تمام مال واسباب قرق کر لیا جاتا۔ ولیمہ کا کھانا پکانے کی بھی ممانعت کی اور اس کی جگہ کھجور اور دودھ مقرر کر دیا۔
۴ ... رقص اور لعب کی بڑی سختی سے بندش کی اور جو کوئی اس کا مرتکب ہوتا اس کے کوڑے لگائے جاتے تھے اور اس کا مال ومتاع ضبط کر لیا جاتا تھا۔
۵ ... حج کعبہ کی ممانعت کر دی اور یہ ممانعت شاید اس اندیشہ پر مبنی ہو کہ مبادا سوڈان کے باہر کے لوگوں سے اس کے پیروؤں کا خلا ملا اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک پر اثر انداز ہو۔ جو کوئی اس کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتا یا شک وتردد کا اظہار کرتا اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لئے دو گواہوں کی شہادت کافی تھی اور بعض دفعہ مہدی کا یہ کہہ دینا ہی کفایت کرتا تھا کہ مجھے یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو چکی ہے۔ محمد احمد نے ان تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کی منافی خیال کی گئیں۔ اس سے معلوم ہو گا کہ جہاں اس کی ذات اور اس کی تعلیمات میں بیسیوں خوبیاں تھیں وہاں بہت سے معائب وبدعات بھی موجود تھے۔ خصوصاً حج بیت اللہ سے روکنا بہت بڑی گمراہی تھی۔ اگر یہ امتناع فرضیت حج کے انکار پر مبنی تھا تو محمد احمد اپنی امت سمیت دائرہ اسلام سے خارج تھا۔ ورنہ فسق اور کبیرہ گناہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

حرمین اور بیت المقدس پر عمل و دخل کرنے کا خواب پریشان

جب خرطوم فتح ہو گیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہو گیا۔ جو اب تک مذبذب تھے۔ کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شغف کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا بلا مزاحمت حکمران ہو گیا تو ڈینگیں مارنے لگا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الٰہی کے حکم سے کرتا ہوں اور کہتا تھا کہ عنقریب مشرق ومغرب میں میری حکومت وسطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے ملوک وسلاطین میرے سامنے اظہار عجز ونیاز مندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا۔ اس وقت میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخار یا چیچک میں مبتلا ہوا اور ۲۱ جون ۱۸۸۵ء کو ملک عدم کی روانگی کے لئے اس کے پاس اجل کا حکم آ پہنچا۔ اس وقت اس کی عمر کل ۳۷ سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے امیر المومنین، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبد اللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبد اللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس

نے جان شیریں جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ سے شہر میں کہرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبد اللہ نے لوگوں کو نالہ وبکاء سے منع کیا اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی در حقیقت کوئی بات بھی نہیں۔ کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولیٰ کی دید کے لئے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزارہا آدمی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قرابت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مہدی کا مقبرہ ام درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے۔ مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بدنما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبد اللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پتھر خرطوم سے لاکر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے۔ اس موقع میں قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ خلیفہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا۔ جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے۔ پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لایا۔ اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تبرکاً ایک ایک پتھر اٹھالانے کے لئے اٹھ دوڑا۔ اس افراتفری میں بہت لوگ زخمی ہوئے۔ لیکن مجر دحین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مہدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح بن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم ومطاع کے حکم کے بموجب دو مرتبہ مصر پر حملہ آوار ہوا۔ لیکن دونوں مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مہدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت دن بدن روبزوال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ انجام کار لارڈ کچنر نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا اور انگریزوں اور مصریوں کو مہدی اور خلیفہ عبد اللہ کے ہاتھوں سے جو ہزیمتیں ہوتی رہی تھیں ان کی تلافی کر دی۔ اسی کے ساتھ مصائب ونوازل کا بھی خاتمہ ہوا جو محمد احمد سوڈانی کے دعویٰ مہدویت کی بدولت اٹھارہ سال سے نازل ہو رہی تھیں۔

(یہاں تک کے مندرجات مشاہیر الشرق مؤلفہ جرجی زیدان ج ا ص ۱۲۰، ۵۷ اور محاربات مصر وسوڈان مطبوعہ دہلی وغیرہ کتب سے ماخوذ ہیں)

محمد احمد کی مہدویت کے انکار کی سزا

محمد احمد کی زندگی میں اس کی خانہ ساز مہدویت کے انکار کی سزا ایسی سنگین نہیں تھی۔ جتنی کہ خلیفہ عبد اللہ کے عہد سلطنت میں ہو گئی۔ عبد اللہ کی عملداری میں مہدویت کا انکار اور قتل عمد دونوں مساوی جرم تھے۔ بلکہ مہدویت کا انکار ایک حیثیت سے قتل عمد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ اگر قاتل مقتول کے ورثاء کو خون بہادے کر راضی کر لیتا تھا تو قاتل کی جان بخشی کر دی جاتی تھی۔ لیکن محمد احمد کی مہدویت کا انکار بالکل ناقابل عفو جرم خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان ملاح نے دارالخلافہ ام درمان میں کسی درویش کے سامنے کہہ دیا کہ محمد احمد سچا مہدی نہیں تھا۔ کیونکہ سچے مہدی علیہ السلام کے جو علامات وخصائص احادیث نبویہ میں مروی ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے تھے۔ درویش نے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دی۔ ملزم جھٹ گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ واقعہ کا گواہ صرف ایک تھا۔ جس کے بیان پر سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ خلیفہ عبد اللہ نے قاضی کو بلا کر واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگا کہ شاہد نہ ہونے کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ قاضی نے کہا میں شہادت کا انتظام کر لیتا ہوں۔ چنانچہ قاضی نے دو آدمی سکھا پڑھا کر قید خانہ میں بھیج دیئے وہ جا کر ملزم سے کہنے لگے کہ تمہارے انکار کے گواہ موجود ہیں اور تم کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں اس صورت سے مخلصی پاسکتے ہو کہ ہمارے سامنے صاف لفظوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لو اور اپنی حرکت شنیعہ پر اظہار افسوس کرو۔ وہ بیچارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ محض اس کے پھانسنے کا جال ہے۔ اس نے ان کے سامنے اقبال جرم کر لیا اور پھر

بمنت کہنے لگا کہ جا کر میرے لئے خلیفہ سے معافی مانگو اور جرم بخشی کرادو۔ جب شہادت مکمل ہوگئی تو خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے ملزم سے کہا کہ اگر تم نے میری توہین کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تم نے حضرت مہدی علیہ السلام کو جھوٹا خیال کیا۔ اس لئے تمہیں کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اب طبل بجنے لگا اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ میدان میں آکر منکر مہدی کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں۔ تمام اہل شہر میدان میں امنڈ آئے۔ اس کے بعد بھیڑ کی کھال زمین پر بچھائی گئی۔ عبداللہ اس پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی آگئے۔ اب ملزم کو لا کر عبداللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ لیکن ملزم بالکل مطمئن تھا اور اس سے خوف وہراس کی کوئی ادنیٰ علامت ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ آخر اسے خلیفہ کے سامنے سے ہٹا کر سو قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور احمد والیہ نام جلاد نے اس کی گردن ماردی۔

(فائر اینڈ سورڈ ان دی سوڈان ص ۲۵۷، مطبوعہ لندن)

"اناللہ وانا الیہ راجعون " خدا شہید مظلوم پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔ آمین!

لاش سے انتقام جوئی

بیان کیا جاتا ہے کہ لارڈ کچنر فاتح سوڈان نے تسخیر ام درمان کے بعد مہدی کی قبر اور لاش سے اور مہدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام براعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی۔ توپوں سے اڑایا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی۔ چار دیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر مہدی کی نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جنرل گارڈن کے بھتیجے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا اور مہدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچنر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بہادر اور بہادری کا قدر شناس سپہ سالار ہوتا تو وہ مہدی جیسے مشہور و شجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اٹھ کر آناً فاناً سارے ملک کا فرمانروا بن گیا تھا زر و جواہر نچھاور کرتا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھک جاتا۔ لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت وجوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم نا آشنا باشندگان ام درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مہدی کا دفینہ جو دامن کوہ میں تھا اور اس میں قریباً بیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا۔ نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر توڑا نہ گیا ہو۔ اسی طرح کنٹمپوری ریویو کے فوجی نامہ نگار مسٹر ای این بینٹ کے بیان کے بموجب سیکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ اکیسویں لینسرز پلٹن کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام مہدوی زخمی جو رستہ میں ملیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان تمام مجروح درویشوں کو جو زمین پر پڑے کراہ رہے تھے برچھوں، تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے بار زندگی سے سبکدوش کیا گیا۔

(محاربات مصر سوڈان ص ۱۲، مطبوعہ دہلی)

لیکن اگر درندگی و بربریت کے یہ الزام صحیح ہیں تو میرے نزدیک یہ لارڈ کچنر کا ذاتی فعل تھا۔ برطانوی حکومت اور انگریزی قوم اس کی کسی طرح جواب دہ نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ لارڈ کچنر کی مراجعت لندن کے بعد خود انگریزی قوم کے حساس افراد نے لارڈ کچنر پر نہایت سختی سے اعتراض کئے تھے اور کچنر نے ان کے جواب دے کر اپنی برأة کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سر بارج آرتھر کتاب لائف اوف لارڈ کچنر میں لکھتے ہیں کہ انگلستان میں نام نہاد ہمدردان بنی نوع نے لارڈ کچنر پر الزام لگائے کہ اس نے سواکن اور ام درمان میں لوگوں پر ظلم توڑے اور سخت گیری کی۔ بڑے بڑے

الزامات یہ تھے کہ اس نے اختتام جنگ کے بعد زخمی درویشوں کو قتل کرایا۔ مہدی کی قبر کو مسمار کیا اور اس کی ہڈیوں کو نکال لیا۔ لارڈ کچنر نے ان الزامات کے جواب میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھ پر یہ الزام عائد کئے گئے ہیں۔

۱ ... میرے زیر فرمان برطانوی، مصری اور سوڈانی فوجوں نے زخمی درویشوں کو قتل کیا اور ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی۔ جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۲ ... ام درمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی گئی۔

۳ ... جب فوجیں تیزی کے ساتھ ام درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازاروں کے پناہ گیر مجمعوں پر آتش باری کی۔

۴ ... مہدی کی لاش اکھیڑی گئی۔ لیکن یہ تمام الزامات غلط ہیں۔ اس کے بعد کچنر نے لارڈ سالسبری کو لکھ بھیجا کہ جنگ ام درمان کے بعد میں نے سیاسی مصالح کی بناء پر یہی مناسب خیال کیا کہ مہدی کا مقبرہ جو زیارت اور مجنونانہ جذبات کا مرکز ہے تباہ کر دیا جائے۔ خود گولہ باری کی وجہ سے مقبرہ اس خطرناک حالت میں تھا کہ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے نقصان جان کا اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر میں ام درمان سے فشودا جاتے وقت مقبرہ کو تباہ کر دینے کا حکم دیتا گیا۔ یہ کام میری غیبت میں انجام پذیر ہوا۔ مہدی کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں۔ البتہ انہوں نے کھوپڑی کو محفوظ رکھ چھوڑا۔ جو میری مراجعت پر میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ کچنر نے لکھا کہ تسخیر ام درمان کے بعد مجھے مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مشورہ دیا تھا کہ مہدی کے لاش کو منتقل کر دینا مناسب ہے۔ کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو سوڈانی جہلاء سمجھیں گے کہ مہدی کے تقدس نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد لارڈ کچنر نے لکھا مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو اس ملک (انگلستان) میں رہتا ہے اس اقدام سے غیر مطمئن نہ ہوگا کہ ہم نے مہدی کی ساری طاقت کچلنے کے ساتھ اس کے مذہب کو بھی بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔

(Life Of Lord Kitchener. by: Sir George Arthur. ج اص ۲۶۰،۲۵۹، مطبوعہ لندن ۱۹۲۰ء)

لارڈ کچنر کا یہ فعل محمود تھا یا مذموم۔ مگر خدائے قاہر کی قدرت قہرمان نے بہرحال اس کا خوب انتقام لیا۔ مہدی سوڈانی تو چودہ سال تک ایک گنبد عالی کے نیچے دفن رہنے کے بعد سپرد نیل ہوا تھا۔ لیکن کچنر کو ایک منٹ کے لئے بھی مادر گور کی آغوش میں استراحت کرنا نصیب نہ ہوا۔ اگر محمد احمد کی ہڈیاں دریائے نیل میں جس کا پانی شیریں و خوشگوار ہے ڈالی گئیں۔ تو کچنر کی لاش تلخ پانی کی نذر ہوئی۔ (۱۹۱۸ء میں جبکہ روس یورپ کی عالمگیر جنگ سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ لارڈ کچنر کو ایک سفارت پر روس بھیجا گیا۔ راستہ میں کسی جرمن تحت البحر نے جہاز غرق کر کے لارڈ کچنر کو کسی نہنگ بھر کا نوالہ بنا دیا) کچنر کی غرقابی کے وقت مہدی سوڈانی کی روح نے کچنر سے جو خطاب کیا اس کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی زبان سے سنئے۔ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں۔

گفت اے کچنر! اگر داری نظر	انتقام خاک درویشے نگر
اے کم عقل! اگر تجھ میں ذرا سا بھی بصیرت ہے	تو کسی درویش کی خاک (قبر) پر ظلم کرنے کا انجام دیکھ لے۔
آسماں خاک ترا گورے نہ داد	مرقدے جز در یم شورے نہ داد
آسمان نے تجھے ایک مٹّی کی قبر بھی نہ دی،	اور تیرے حصے میں قبر کے بجائے بس ایک شور بھری گڑھا (کھارا گڑھا) آیا۔

انیسویں / بیسویں صدی کے فتنے

مرزاغلام کادیانی

مرزاغلام احمد کادیانی (۱۸۳۵ء–۱۹۰۸ء) برصغیر کی مذہبی تاریخ کا ایک متنازع ترین شخص تھا، جس نے خود کو **مہدی موعود**، **مسیح موعود**، اور بعد میں **نبی** ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان کے ماننے والے "مرزائی" یا "کادیانی" کہلاتے ہیں، جبکہ تمام مسلم مکاتبِ فکر ان کے دعووں کو **کفر** اور **اسلام سے انحراف** قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں ان کی زندگی، دعووں اور عقائد کا ایک خلاصہ پیش کیا جارہاہے:

برصغیر میں جب انگریز نے اپنے استبدادی پنجے مضبوطی سے گاڑ لئے تو اس نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی اختیار کی۔ دیگر ضمیر ودین فروشوں اور فتویٰ بازوں کے علاوہ اسے ایک ایسے مدعی نبوت کی ضرورت پیش آئی جو اس کے ظالمانہ وکافرانہ نظام حکومت کو ''سند الہام'' مہیا کرسکے۔ اس کے لئے اس نے ہندوستان بھر کے ضمیر فروش طبقات سے اپنے مطلب کا آدمی تلاش کرنے کے لئے سروے شروع کیا۔ اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جایئے کہ کادیانی فتنہ کے جنم لینے سے قبل دارالعلوم دیوبند کے مورث اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ پر بطور کشف کے اللہ تعالیٰ نے منکشف فرمادیا تھا کہ ہندوستان میں ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں ایک دن ان کے ہاں مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''درہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند۔ شماضرور درملک خود واپس بروید واگر بالفرض شمادر ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند ودر ملک آرام ظاہر شود پس مادر یقین خویش وقوع کشف حاجی صاحب رابفتنہ مرزاکادیانی تعبیر می کنم۔''

ترجمہ: ''ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا۔ تم ضرور اپنے وطن میں واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے۔ تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون ہوگا۔ میرے (پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نزدیک حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فتنہ سے مراد فتنہ کادیانیت تھی۔''

(ملفوظات طیبہ ص۱۲۶، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳، ۱۴، ۱۷، بیس بڑے مسلمان ص۹۸، مہر منیر ص۱۲۹)

اس سے اتنی بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مرزاکادیانی کے فتنہ انکار ختم نبوت سے قبل ہی حق تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کو فتنہ کادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے متوجہ فرمادیا۔ اس پر حق تعالیٰ شانہ کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے کہ سب سے پہلے فتنہ کادیانیت کی تردیدی وتکفیری مہم کے لئے حق تعالیٰ نے جس جماعت کا انتخاب کیا۔ وہ علمائے دیوبند کی جماعت تھی۔

مرزاکاتعارف

تاریخ پیدائش وجائے پیدائش،

قارئین گرامی انسان کا تعلق کسی مذہب سے بھی ہو کوئی بھی کام کرتا ذات برادری کی بھی کوئی بحث نہیں کسی حیثیت کا بھی ہو والدین کو اس کی تاریخ پیدائش ضرور یاد ہوتی ہیں خاص کرماں کو دن اور وقت بھی ازبر ہوتا ہے لیکن مرزاملعون اپنے سن وسال سے ایساغائب ہوا کہ نہ باپ کو اس کا جنم دن یاد ہے اور نہ ماں کو البتہ مرزااپنی تاریخ پیدائش خود بیان کرتا ہے کہ میری پیدائش موضع کادیان 1840 سن عیسوی کی ہے اور اپنے ساتھ ایک لڑکی کی پیدائش کا تذکرہ جن الفاظ میں کرتا ہے ایک سلیم الفطرت انسان سننا بھی گوارا نہیں کرتا ملاحظہ فرمائیں۔۔۔ کہتاہے

"میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام جنت تھا پہلے وہ پیٹ سے نکلی پھر میں نکلا اور میرا سر اسکی ٹانگوں میں تھا" (تریاق القلوب صفحہ 157)

تعلیم:

مرزا غلام کادیانی کے والد حکیم مرتضیٰ قصبہ بٹالہ ضلع گورداسپور میں حکمت کا کام کرتے تھے اور یہ بھی بٹالہ میں باپ کے پاس رہتا تھا چھ سال کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا اسکے بعد چند فارسی کی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا سترہ سال کی عمر والد نے مرزے کو گل علی شاہ بٹالوی نام کے مدرس کے سپرد کر دیا جو مذھبا شیعہ تھا اس استاد سے کچھ منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں بس یہی مرزا کادیانی کی علمی بساط تھی تفسیر فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا یہی وجہ ہے کہ وہ "نیم ملا خطرہ ایمان" کے درجہ سے ترقی نہ کر سکا ورنہ اگر صحاح ستہ نہیں تو کم از کم مشکوٰۃ شریف ہی کسی استاذ سے باقاعدہ پڑھی ہوتی تو شاید اس کے دین میں اتنا فتور پیدا نہ ہوتا جو بعد میں دیکھنے میں آیا۔

اس کی قدرے تفصیل خود اس کی زبانی ملاحظہ ہو:

''بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا۔ تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر (استاذ کا احترام ملاحظہ ہو...ناقل) رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی۔ تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے۔ جن کا نام فضل احمد تھا میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر کادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔'' (کتاب البریہ حاشیہ ص۱۶۱ تا۱۶۳، خزائن ج۱۳ ص۱۷۹ تا۱۸۱ حاشیہ)

خاندانی تعارف:۔

احباب گرامی اللہ کا نبی وقت کے انتہائی پاکباز اور معزز خاندان سے بھیجا جاتا ہے جبکہ مرزے ملعون کے خاندان کے حالات آپ ملاحظہ فرمائیں۔۔

مرزا غلام احمد کے درمیانے بیٹے میاں بشیر احمد ایم اے نے سیرت المہدی میں لکھا ہے۔۔۔

"" میرے تمام رشتہ دار پرلے درجے کے بے دین اور لا مذہب تھے۔ (سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 212)

اور مولوی حسین بٹالوی نے اشاعت سنت میں لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد کا والد حکیمانہ مذہب رکھتا تھا اور شیعیت کی طرف بھی مائل تھا پیرانہ سالی میں بھی اسے دیکھا اسے نماز روزہ زکوٰۃ کا خیال تک نہ تھا۔ (اشاعت سنت جلد 6)

ذاتی کردار واخلاق:

عزیز ساتھیو مذہب کی سچائی اور اصول اپنی جگہ لیکن انسانی کے ذاتی چال چلن کو ضابطہ حیات میں بڑا دخل ہے اگر اس میں کہیں سے خرابی آجائے تو انسانیت کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے ابوجہل کے کفر سے عرب کے پہاڑ بھی متنفر تھے لیکن اس کے ذاتی کردار پر شاید ہی کوئی انگلی اٹھی ہو

اور مرزا غلام احمد کا ذاتی کردار و اخلاقیات اس قدر بدبودار ہیں کہ ایک سلیم الفطرت انسان اس کو نبی تو کیا ایک شریف انسان بھی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔

جوانی کی رنگ رلیاں اور ملازمت

مرزا غلام احمد کادیانی نے جب کچھ شعور حاصل کیا اور جوانی میں قدم رکھا تو نادان دوستوں اور احباب کی بدولت آوارہ گردی میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا کچھ اندازہ حسب ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مرزا کا اپنا بیٹا بشیر احمد لکھتا ہے:'

'بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا) تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے۔ تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے کادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھراتا رہا۔ جب اس نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے واپس نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں۔ اس لئے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۴۳ روایت ۴۹)

مرزا غلام احمد کادیانی کو بہلا کر لے جانے والا مرزا امام الدین کس قماش کا تھا۔ اس کے لئے درجہ ذیل تصریح ملاحظہ ہو:

"مرزا نظام الدین و مرزا امام الدین وغیرہ پرلے درجہ کے بے دین اور دہریہ طبع لوگ تھے۔" (سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۱۴ روایت ۱۲۷)

دوران ملازمت مذہبی چھیڑ چھاڑ:

مرزا کادیانی کی سیالکوٹ ملازمت کا زمانہ وہ ہے جب برصغیر پاک و ہند میں انگریزی حکومت قائم تھی جو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی جس کے نتیجے میں جگہ جگہ عیسائی پادری عیسائیت کے پرچار میں مصروف تھے اسی وجہ سے وقتاً فوقتاً بحث مباحثے ہوتے رہتے۔ مرزا کادیانی کی بھی سیالکوٹ میں ملازمت کے دوران جب کچھ جان پہچان ہو گئی تو اس نے بھی مختلف مذاہب کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی چنانچہ مرزا کادیانی کا لڑکا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

سیالکوٹ ملازمت کے دوران کبھی کبھی نصر اللہ نامی مشن سکول کے عیسائی ہیڈ ماسٹر سے مرزا صاحب کی مذہبی بحث ہو جاتی تھی۔ (سیرت المہدی حصہ اول ص256)

لیکن مرزا کادیانی کو اکثر اس طرح کی گفتگو میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور یہی وہ زمانہ ہے جب مرزا کادیانی کی بعض یورپین مشنریوں اور عیسائی افسروں سے ملاقات ہوئی انہوں نے مرزا کادیانی کی دجالی صفات کو دیکھتے ہوئے اسے حکومت برطانیہ کا منظور نظر بننے کی پیش کش کی۔

حکومت برطانیہ کا منظور نظر

سیالکوٹ میں ملازمت کے دوران مرزا غلام احمد نے یورپین مشنریوں اور بعض انگریز افسروں سے پینگیں بڑھانی شروع کیں اور مذہبی بحث کی آڑ میں عیسائی پادریوں سے طویل خفیہ ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنی حمایت و تعاون کا پورا یقین دلایا۔ چنانچہ سیرت مسیح موعود مصنفہ مرزا محمود صفحہ ۱۵ (ربوہ) میں برطانوی انٹیلی جنس سیالکوٹ مشن کے انچارج مسٹر ریورنڈ بٹلر کی مرزا سے ملاقات کا ذکر موجود ہے۔ یہ ۱۸۶۸ء کی بات ہے۔ اس کے چند ہی دن بعد مرزا غلام احمد کادیانی نے سیالکوٹ کچہری کی ملازمت ترک کر کے کادیان میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور تصنیف و تالیف کا کام

شروع کر دیا۔ مرزا صاحب ”ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک چار سال ملازم رہے۔“(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۵۴ تا ۱۵۸ ملخصاً)

صداقت اسلام کے نعرہ سے اسلام دشمنی کا آغاز

کادیان پہنچ کر پہلے تو عام مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے مرزا غلام احمد کادیانی نے عیسائیوں، ہندوؤں اور آریوں سے کچھ نامکمل مناظرے کئے۔ اس کے بعد ۱۸۸۰ء سے (براہین احمدیہ) نامی کتاب لکھنی شروع کی۔ جس میں اکثر مضامین عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق تھے۔ لیکن ساتھ ہی اس میں مرزا نے اپنے بعض الہامات داخل کر دیئے اور طرفہ تماشہ یہ کہ صداقت اسلام کے دعویٰ پر لکھی جانے والی اس کتاب میں انگریزوں کی مکمل اطاعت اور جہاد کی حرمت کا اعلان شدومد کے ساتھ کیا۔ مرزا غلام احمد کادیانی نے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک براہین احمدیہ کے ۴ حصے لکھے۔ جبکہ پانچواں حصہ ۱۹۰۵ء میں لکھ کر شائع کیا۔

مرزا غلام احمد کادیانی نے انگریز کے منصوبہ کے مطابق مبلغ، مناظر، مجدد، مہدی، مسیح، ظلی و بروزی، تشریعی نبی اور پھر معاذاللہ خدا ہونے کے دعوے کئے۔ اس کی سب سے پہلی کتاب جس وقت منظر عام پر آئی اور مرزا ابھی تعارف اور جماعت سازی کے ابتدائی مرحلے مکمل کرنے کے درپے تھا۔ اس وقت سب سے پہلے جس مرد خدا، عارف باللہ نے پڑھنے پڑھانے سے نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے باطن کی صفائی کی بنیاد پر مرزا کے کافر و مردود اور اسلام سے برگشتہ ہونے کا نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ وہ خانوادۂ دیوبند کے سرخیل حضرت میاں شاہ عبد الرحیم سہارنپوریؒ تھے۔ میاں شاہ عبد الرحیم سہارنپوریؒ کے پاس مرزا کی کتاب پر تبصرہ کرنے کے لئے کادیانی وفد حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھتے ہو تو سن لو۔ یہ شخص تھوڑے دنوں میں ایسے دعوے کرے گا۔ جو نہ رکھے جائیں گے، نہ اٹھائے جائیں گے۔ کادیانی وفد یہ سن کر جزبز ہونے لگا کہ دیکھو علماء تو علماء۔ درویش کو بھی دوسرے لوگوں کا شہرت پانا گراں گزرتا ہے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھ سے پوچھا ہے تو جو سمجھ میں آیا بتا دیا۔ ہم تو اس وقت زندہ نہ ہوں گے۔ تم آگے دیکھ لینا۔(ماخوذ از ارشادات قطب الارشاد حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ ص ۱۲۸)

#اہم_نکتہ: "اس فرقہ کو احمدی کہنا گناہ ہے"

مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مرزا کے ماننے والے اپنے کو "احمدی" لکھتے اور کہتے ہیں اور اکثر مسلمان بھی اپنی نادانی اور کم علمی کی بناء پر انہیں ”احمدی“ کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو احمدی کہنے میں تین گناہ ہیں:

اول:

احمدی کہنا گویا اس افترا کی تصدیق کرتا ہے جو وہ اپنی کتابوں میں لکھ گیا ہے کہ آیہ کریمہ:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾(سورۃ الصف:6)

اور میں بشارت سناتا ہوں کہ ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کا نام احمد ہو گا۔

دوم:

"احمدی" کہنے میں اس امر کا شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نسبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک "احمد" کی طرف ہے، جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔

سوم:

آج سے بہت پہلے لفظ ”احمدی" امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کا مخصوص لقب رہ چکا ہے، چنانچہ اس سلسلہ کے اکابر بطور شعار یہ لفظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے جیسے (شاہ) غلام علی احمدی اور (شاہ) احمد سعید احمدی وغیرہ ان حضرات کی مہروں میں یہ نسبت اسی طرح کندہ تھی، اس لیے کادیانیوں کو احمدی کہنا گویا اکابر امت کے لیے ایک امتیازی لقب کا غصب کرنا ہے۔(صولت محمدیہ" ص ۲۰)

مرزا غلام احمد کا انجام

مرزا غلام احمد نے اپنی موت سے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی کہ ہم مکہ یا مدینہ میں مریں گے جیسا کہ مرزے کی کتاب تذکرہ کے صفحہ 591 پر مذکور ہے لیکن مکہ اور مدینہ میں مرنا تو درکنار مرزے کو ساری زندگی مکہ و مدینہ کو دیکھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی چنانچہ سیرت المہدی کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ~~علیہ السلام~~ (مرزا کادیانی) نے حج نہیں کیا اور اعتکاف نہیں کیا اور زکوۃ نہیں دی تسبیح نہیں رکھی اور میرے سامنے ضب یعنی گوہ کھانے سے انکار کیا"

اور سیرت المہدی حصہ اول صفحہ 11 میں لکھا ہے کہ مرزا کی موت ہیضے کی حالت میں لیٹرین کے اندر ہوئی۔۔۔۔

مرزا کی شخصیت اور کردار

سیرت المہدی جلد اول صفحہ 226 پر لکھا ہے "" مرزا غلام احمد کو بچپن میں چڑیا پکڑنے کا شوق تھا چنانچہ چڑیا پکڑ کر چاقو یا چھری کے بجائے سرکنڈے سے تکبیر پڑھنے کے بغیر جس طرح سکھ جھٹکا کرتے ہیں چڑیوں کا سر کاٹ دیتا تھا"

اب یہ فیصلہ کادیانی ہی کریں مرزا حلال کھاتا تھا یا حرام۔۔

اور ڈاکٹر شاہنواز کادیانی لکھتا ہے۔"ہمیں موجودہ کادیانی خلیفہ سے اسلئے اختلاف ہے کہ وہ روزانہ زنا کرتا ہے اور مرزا صاحب کبھی کبھی زنا کرتے تھے کیوں کہ ولی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں (اخبار الفضل 31 اگست 1937)

اور اسی اخبار میں ایک جگہ درج ہے کہ ام المومنین نے ایک مرتبہ بتایا مرزا غلام احمد کے ہاں ایک ملازمہ مسماۃ بھانو تھی وہ ایک رات جب سردی پڑ رہی تھی حضور کو دبانے بیٹھی چونکہ لحاف کے اوپر سے دبا رہی تھی اسلیے یہ پتا نہ چل سکا جو چیز دبا رہی ہے وہ ٹانگ نہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے تھوڑی دیر بعد حضرت نے فرمایا بھانو آج بڑی سردی ہے بھانو نے کہا جی ہاں "" تدے تے تو اڈیاں لتاں لکڑی وانگوں ہویاں نیں ""

اخلاقی گراوٹ:

مرزا کے اخلاق اور گفتگو کا اندازہ اس کی کتابوں سے لگایئے۔ اس کی لچر گفتگو ناقابل بیان ہے۔ اس نے ہر مخالف کے لئے اتنی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ چند ایک کم درجے کی مغلظات ملاحذہ فرمائیں۔

اپنے مخالفیں کے متعلق:"ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں۔"

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہتا ہے:"پلید، بے حیا، سفلہ"...

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتا ہے:"کفن فروش، کتا"...

"خبیث، سور، کتا، بدذات، گوں خور۔"

مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق کہتا ہے:"غول، لئیم، فاسق، ملعون، نطفہ، سفہار، خبیب، کنجری کا بیٹا۔"

کیا کسی نبی کا اخلاق ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کی کتابیں ازالہ اوہام، ایک غلطی کا ازالہ اور روحانی خزائین سے اس کا اخلاق کا اندازہ لگایئے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں کہیں ایک مثال ایسی نہیں۔ یہاں تک کہ ابو جہل اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو بھی انھوں نے کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے۔

مرزا غلام کادیانی سراپائے جھوٹ

دنیا والوں کی نظر میں جھوٹ بولنا تمام برائیوں کی جڑ ہے اسی لیے جھوٹ بولنے والوں کو ہمیشہ برے القابات سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ مرزا کادیانی نے خود جھوٹ کی مذمت جن الفاظ میں بیان کی ہے ملاحظہ کریں۔۔

لکھتا ہے "وہ کنجر جو ولد الزنا کہلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ بولتے ہوئے شرماتے ہیں" (شحنہ حق خزائن جلد 2 صفحہ 368)

اسکے باوجود مرزا غلام احمد نے زندگی میں سچ بہت کم بولا ہے سراپائے جھوٹ تھا اور ایک جگہ مرزے نے لکھا کہ میرے بارے میں یہ معلوم کرنا ہو کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا تو میری پیشگوئیاں دیکھ لو

چنانچہ کہتا ہے "بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیئے ہماری پیشگوئیوں سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 4455)

اس کذاب نے زندگی میں جتنی پیشگوئیاں کی تھیں کوئی ایک بھی ٹھیک ثابت نہ ہوئی تو اپنے اصول کے مطابق مرزے سے بڑا دجال کوئی نہیں اور یہ کنجر سے بھی پرلے درجہ کی کوئی نسل ہے

ہم مثال کے طور پر صرف اس کی ایک پیشگوئی ذکر کرتے ہیں۔

مرزے کو ایک خوبرو عورت محمدی بیگم سے نکاح کا بہت شوق تھا اور اس نے کئی بار پیشگوئی کی کہ میرا اس لڑکی سے نکاح ہو کر رہے گا ملاحظہ کریں

کہتا ہے "میں نے محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کے حوالے سے نبیوں کے حوالے بیان کر دیے ہیں اور آسمانی کتابوں کو آگے رکھ دیا ہے" (ضمیمہ انجام آتھم خ جلد 11 صفحہ 338)

اس پیشگوئی کے باوجود ساری زندگی بسیار کوشش کے باوجود مرزا غلام احمد کا نکاح محمدی بیگم سے نہ ہو سکا اور اس ارمان کو دل میں لے کر واصل جہنم ہوا۔

احمقانہ اور متضاد دعوے:

مرزا غلام احمد کادیانی نے اپنی زندگی میں کئی ایسے دعوے کیے جو عقل، منطق اور اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔ جب بھی ان کے جھوٹ کو بے نقاب کیا گیا، وہ مزید غیر منطقی اور غیر حقیقی باتیں گھڑنے لگے تاکہ اپنے فریب کو چھپا سکیں۔ ان کے بعض دعوے اتنے عجیب اور حیران کن ہیں کہ وہ کسی بھی لحاظ سے ایک سچے نبی یا مصلح کے شایان شان نہیں ہو سکتے۔

سب سے زیادہ مضحکہ خیز اور غیر منطقی دعووں میں سے ایک ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا تھا۔ جب اس پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے اپنی تحریروں میں مزید غیر عقلی باتیں لکھیں، جن میں یہاں تک کہ وہ خود کو حاملہ قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے خود کو جنم دیا! یہ مضمون انہی حیرت انگیز اور جھوٹ پر مبنی بیانات کا تجزیہ کرتا ہے۔

ا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

مرزا کادیانی نے ابتدا میں خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے علیحدہ ہستی قرار دیا۔ ازالہ اوہام (صفحہ ۵۸۶) میں لکھتا ہے: "میں عیسیٰ نہیں ہوں، اور نہ ہی میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔"

لیکن بعد میں انہوں نے خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا ظہور قرار دیا: "میں ہی وہ مسیح موعود ہوں جو دوبارہ دنیا میں آیا ہے۔" (تذکرہ، صفحہ ۳۰۰)

جب لوگوں نے اعتراض کیا کہ وہ ایک ہندوستانی شخص ہیں تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کیسے ہو سکتے ہیں، تو انہوں نے ایسے جواز دیے جو مزید غیر منطقی اور ناقابل قبول تھے۔

۲۔ حاملہ ہونے اور خود کو جنم دینے کا مضحکہ خیز دعویٰ

جب مرزا کادیانی کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے جھوٹ کو بے نقاب کیا گیا تو انہوں نے اپنی ہی ذات کو حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام "میں حاملہ ہوا، اور ایک خاص قسم کے درد زہ سے گزرا، پھر میں نے خود کو مسیح کے طور پر جنم دیا۔"
یہ دعویٰ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ سراسر غیر منطقی اور مضحکہ خیز بھی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اس قسم کی غیر حقیقی اور متنازعہ بات کی ہو۔

۳۔ پہلے مریم، پھر عیسیٰ بننے کا دعویٰ

مرزا کادیانی نے ایک اور حیران کن بیان اربعین (صفحہ ۸۱) میں دیا:
"اللہ نے پہلے مجھے مریم بنایا، اور میں دو سال تک مریم کی حالت میں رہا۔ پھر اللہ نے میرے اندر عیسیٰ کی روح پھونکی اور میں حاملہ ہو گیا۔ چند ماہ بعد میں نے خود کو جنم دیا، اور اس طرح میں عیسیٰ بن گیا۔"
یہ غیر حقیقی اور خلافِ عقل بات کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں ملتی اور نہ ہی اسلام میں اس کی کوئی مثال موجود ہے۔ کادیانی نے اپنے دعووں کی وضاحت میں اتنی دور کی کوڑیاں لائیں کہ ان کی باتیں کسی طور عقلی لحاظ سے قابل قبول نہیں رہیں۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر میں وفات پانے کا جھوٹا دعویٰ

اپنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مرزا کادیانی نے ایک اور عجیب نظریہ پیش کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں گئے بلکہ وہ کشمیر میں آئے اور وہیں وفات پا گئے۔ مسیح ہندوستان میں (صفحہ ۷۲) میں لکھتے ہیں:
"عیسیٰ آسمان پر نہیں گئے بلکہ وہ ہندوستان کے علاقے کشمیر میں آئے اور وہیں وفات پا گئے۔ میں ان کا روحانی تسلسل ہوں۔"
یہ دعویٰ کسی بھی مستند اسلامی روایت سے ثابت نہیں بلکہ یہ محض ایک فرضی کہانی ہے جسے تاریخی حقائق بھی رد کرتے ہیں۔

۵۔ قیامت کی اسلامی تعلیمات کو تبدیل کرنے کی کوشش

چونکہ اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں ظہور کا ذکر موجود ہے، کادیانی نے اپنے دعوے کو درست ثابت کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو ہی بدلنے کی کوشش کی۔ تذکرہ (صفحہ ۴۴۲) میں لکھتے ہیں:
"عیسیٰ کے نزول کا اصل مطلب ان کا جسمانی طور پر آنا نہیں بلکہ ان جیسی شخصیت کا ظہور ہے، اور وہ میں ہوں۔"
لیکن یہ بات ان کے اپنے دوسرے بیانات سے متصادم ہے جہاں وہ خود کو حقیقی عیسیٰ کہتے ہیں۔

۶۔ پہلے نبی نہ ہونے کا دعویٰ، پھر خود کو نبی کہنا:

شروع میں کادیانی نے خود کو صرف مسیح موعود کہا اور کہا کہ وہ نبی نہیں ہیں۔ لیکن بعد میں حقیقت الوحی (صفحہ ۲۸) میں لکھتے ہیں: "میں نبی اور مسیح دونوں ہوں۔"

یہ تضاد ان کی دوغلی پالیسی کو ظاہر کرتا ہے جہاں وہ حالات کے مطابق اپنی نبوت کے درجے کو کم یا زیادہ کرتے رہے۔

نتیجہ

مرزا غلام احمد کادیانی نے اپنے جھوٹے دعووں کو سچ ثابت کرنے کے لیے مضحکہ خیز، غیر منطقی، اور متنازعہ بیانات دیے جو کسی بھی اسلامی یا علمی بنیاد پر پورے نہیں اترتے۔ ان کا یہ کہنا کہ وہ حاملہ ہوئے اور خود کو جنم دیا، یا پہلے وہ مریم بنے پھر عیسیٰ میں تبدیل ہو گئے، اسلام، سائنس، اور عقل و منطق تینوں کے خلاف ہے۔

ان کے متضاد بیانات، جیسے کہ کبھی خود کو مسیح موعود کہنا اور کبھی نبی، ان کے فریب کو مکمل طور پر واضح کرتے ہیں۔ ان کی زندگی

جھوٹی پیش گوئیاں اور ان کی ناکامی

کسی سچے نبی کی پیش گوئیاں کبھی غلط ثابت نہیں ہوتیں، لیکن کادیانی کی کئی پیش گوئیاں پوری نہ ہو سکیں، جو ان کے جھوٹے ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۱۔ لیکھرام کی موت کی جھوٹی پیش گوئی

حقیقت الوحی (صفحہ ۲۸۹) میں مرزا کادیانی نے دعویٰ کیا: "لکھرام چھ سال کے اندر ہولناک طریقے سے مر جائے گا۔"

اگرچہ لکھرام قتل ہوا، لیکن یہ کادیانی کی پیشن گوئی کے مطابق نہیں تھا۔ تاریخی شواہد کے مطابق، یہ قتل ایک قاتل کے ہاتھوں ہوا تھا، نہ کہ کسی خدائی عذاب کے ذریعے۔ مزید یہ کہ ان کی دی گئی مدت بھی غلط ثابت ہوئی۔

۲۔ محمدی بیگم کی شادی کی جھوٹی پیش گوئی

کادیانی نے دعویٰ کیا تھا کہ ایک عورت، محمدی بیگم، ان کی بیوی بنے گی۔ تذکرہ (صفحہ ۱۷۷) میں لکھا: "خدا نے مجھے بتایا ہے کہ محمدی بیگم لازمی میری بیوی بنے گی۔"

لیکن وہ کبھی بھی ان کی بیوی نہیں بنی اور اپنی ساری زندگی کسی اور مرد کے ساتھ گزار دی۔ یہ کادیانی کی جھوٹی پیشن گوئیوں میں سے ایک بڑی مثال ہے۔

۳۔ عبداللہ آتھم کی موت کی جھوٹی پیشن گوئی

ایک مباحثے کے دوران، کادیانی نے عیسائی مشنری عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشن گوئی کی: "آتھم ۱۵ ماہ کے اندر مر جائے گا، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے۔"

آتھم نے اسلام قبول نہیں کیا اور کئی سال بعد تک زندہ رہا، جس سے کادیانی کی جھوٹی پیش گوئی مکمل طور پر بے نقاب ہو گئی۔

۳۔ مرزا کادیانی کے جھوٹے صحت کے دعوے

مرزا غلام احمد کادیانی نے اپنی صحت کے متعلق متعدد دعوے کیے کہ وہ خدا کی خاص حفاظت میں ہیں اور انہیں کبھی کوئی بیماری نہیں ہو گی۔

تذکرہ (صفحہ ۳۲۰) میں انہوں نے دعویٰ کیا: "اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میں کبھی کسی شدید بیماری میں مبتلا نہیں ہوں گا اور لمبی زندگی گزاروں گا۔"

لیکن تاریخی شواہد کے مطابق وہ درج ذیل بیماریوں میں مبتلا رہے:

- مستقل سر درد
- ذیابیطس
- پیچش
- فالج

مزید بر آں، البشریٰ (صفحہ ۲۳) میں انہوں نے دعویٰ کیا: "میں کم از کم ۸۰ سال جیوں گا، کیونکہ یہ خدائی الہام ہے۔"
لیکن حقیقت میں وہ ۶۸ سال کی عمر میں ۱۹۰۸ میں وفات پا گئے، جس سے ان کا یہ دعویٰ بھی جھوٹا ثابت ہوا۔

۴۔ مرزا کادیانی کے عربی زبان کے دعوے اور دھوکہ دہی

کادیانی نے بارہا دعویٰ کیا کہ ان کی عربی زبان پر گرفت خدائی عطا کردہ ہے اور کوئی بھی ان کے برابر نہیں لکھ سکتا۔
نور الحق (صفحہ ۵۵) میں لکھا: "میری عربی تحریر کا کوئی ثانی نہیں، کیونکہ یہ خدائی الہام ہے۔"
لیکن کئی اسلامی علماء نے ان کی تحریروں میں سنگین زبان کی غلطیاں ثابت کیں۔ مزید بر آں، تحقیق سے ثابت ہوا کہ ان کی کئی عربی تحریریں درحقیقت پرانی کتابوں سے چوری شدہ تھیں، جو ان کے جھوٹے دعووں کا ایک اور ثبوت ہے۔

۵۔ مرزا کادیانی کے جہاد کے بارے میں متضاد بیانات

کادیانی نے جہاد کے بارے میں متضاد بیانات دیے، جس سے ان کے دھوکہ دہی پر مبنی خیالات بے نقاب ہوتے ہیں۔
براہین احمدیہ (صفحہ ۴۵) میں لکھا: "جہاد مسلمانوں کا بنیادی فریضہ ہے، اور ظلم کے خلاف مزاحمت ضروری ہے۔"
لیکن بعد میں تذکرہ (صفحہ ۵۰۵) میں انہوں نے کہا: "اب جہاد کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم امن کے دور میں ہیں۔"
ابتداء میں وہ برطانوی حکومت کے خلاف تھے، لیکن بعد میں انہوں نے انہیں خدائی طور پر مقرر کردہ حکمران قرار دیا۔ ان کے یہ بیانات سیاسی مقاصد کے لیے دیے گئے لگتے ہیں، جو ان کی موقع پرستی کو ظاہر کرتے ہیں۔

دعاوی مرزا

حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "جب کسی میں حیا ختم ہو جائے تو وہ جو چاہے کرتا پھرے۔"
بلاشبہ کادیانی جماعت کا بانی آنجہانی مرزا کادیانی اس حدیث مبارکہ کا مصداق ہے۔ لیکن افسوس ان پڑھے لکھے کادیانیوں پر ہے جو ایسے مخبوط الحواس اور فاتر العقل شخص کے پیروکار ہیں۔ کادیانیوں کا کہنا ہے کہ ہم مرزا کادیانی کو صرف مہدی یا مسیح موعود مانتے ہیں جبکہ اس نے 100 سے زائد مختلف دعوے کیے ہیں۔ کادیانیوں کو چاہیے کہ وہ ہر قسم کے تعصب، ضد، لالچ اور خود غرضی سے علیحدہ ہو کر مرزا کادیانی کے ان مذکورہ دعوئوں کو دیکھیں، پڑھیں، سوچیں اور اپنے ضمیر کی آواز پر صدق نیت کے ساتھ کادیانی عقائد سے تائب ہو کر واپس اسلام کی آغوش میں آ جائیں کیونکہ اسلام ہی وہ سچا دین ہے جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے.

احباب گرامی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو سلمان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو۔

بڑے بڑے مستند ڈاکٹروں اور حکیموں کا کہنا ہے کہ مراق یا ہسٹیریا ایسا موذی مرض ہے کہ یہ جسے لاحق ہو جائے وہ خود کو مافوق الفطرت چیز سمجھنے لگتا ہے۔ جھوٹا مدعی نبوت آنجہانی مرزا کادیانی مختلف دائمی بیماریوں کا "موبائل ہسپتال" تھا۔ ان میں مرگی، مراق اور ہسٹیریا سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹروں کے بقول مراق کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان ہے۔ جب کسی خاندان میں اس مرض کی ابتدا ہو جائے تو پھر یہ اگلی نسل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ مالیخولیا کی ایک قسم ہے۔ یہ مرض تیز سودا جو معدہ میں جمع ہو تا ہے، سے پیدا ہو تا ہے اور جس عضو میں یہ مادہ جمع ہو جاتا ہے، اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جس سے مریض میں احساس برتری کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھنے لگتے ہیں اور بعض میں یہ بیماری یہاں تک ترقی کر جاتی ہے کہ مراقیوں کو اپنے متعلق یہ خیال ہو تا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے ہیں۔ پھر وہ نبوت اور معجزات کے دعوے کرنے لگتے ہیں، خدائی کی باتیں کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔

1۔ معروف کادیانی ڈاکٹر شاہنواز کا کہنا ہے: "ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹیریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لیے پھر کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔" (ماہنامہ ریویو آف ریلیجنز کادیان اگست 1926ئ)

مرزا کادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

(1) "ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ "میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹیریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یک دم ضعف ہو جانا، چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا، گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا، ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیر ذالک۔" (سیرۃ المہدی حصہ دوم، صفحہ 55، روایت نمبر 369، از مرزا بشیر احمد ایم اے)

آنجہانی مرزا کادیانی ایک متلون مزاج اور مخبوط الحواس شخص تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنے مضحکہ خیز دعوے کیے، اگر انھیں یکجا کر دیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار کی جا سکتی ہے۔ بقول شخصے مرزا کادیانی نے شاید بچپن میں اتنی چڈیاں نہ تبدیل کی ہوں جتنے اس نے دعاوی کیے ہیں۔ اس نے عالم سے مناظر، مناظر سے محدث، محدث سے نبی، نبی سے خدا اور خدا کے بعد نجانے کیا کیا سوانگ رچائے۔ صفحات کی کمی کے پیش نظر محض اہم دعوے پیش خدمت ہیں۔ پڑھیے اور اپنی حیرانی میں اضافہ کیجئے کہ

(2) میں بشر ہوں: بقول مرزا اُسے الہام ہوا: "قل انما انا بشر مثلکم۔" "کہو میں صرف تمھارے جیسا ایک آدمی ہوں۔"
(تذکرہ مجموعہ وحی، صفحہ 70 طبع چہارم از مرزا کادیانی)

(3) میں انسان کی اولاد نہیں بلکہ شرم گاہ ہوں: "کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار" (براہین احمدیہ، حصہ پنجم، صفحہ 97، خزائن جلد 21، صفحہ 127، از مرزا)

اس دعوے میں کادیانی جماعت سے یہ بات وضاحت طلب ہے کہ انسانوں کی عار کی جگہ دو ہوتی ہیں مرزا کون سی جگہ تھا؟ اور جنس کی تخصیص بھی ضرور فرمائیں۔

(4) میں سُور مار ہوں: "۔۔۔۔ پیر سراج الحق صاحب نے بہت سے کتوں کو زہر دے کر مار ڈالا۔ اس پر بعض لڑکوں نے پیر صاحب کو چڑانے کے واسطے ان کا نام پیر کتے مار رکھ دیا۔ پیر صاحب حضرت مسیح موعود (مرزا کادیانی) کی خدمت میں شاکی ہوئے کہ لوگ مجھے کتے مار کہتے ہیں۔ حضرت صاحب نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ دیکھیے حدیث شریف میں میرا نام "سور مار" لکھا ہے۔ کیونکہ مسیح کی تعریف میں آیا ہے کہ یقتل الخنزیر۔" (ذکر حبیب، صفحہ 162، از مفتی محمد صادق کادیانی)

(5) میں امین الملک جے سنگھ بہادر ہوں: بقول مرزا اُسے الہام ہوا: "امین الملک جے سنگھ بہادر۔" (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 568 طبع چہارم از مرزا کادیانی)

(6) میں کرشن ہوں: "اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں۔۔۔۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لیے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود ہے۔" (لیکچر سیالکوٹ، صفحہ 24،25 مندرجہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 228 از مرزا کادیانی)

(7) میں آریوں کا بادشاہ ہوں: "اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔" (حقیقۃ الوحی، صفحہ 521،522، خزائن جلد 22 صفحہ 521،522 از مرزا)

(8) میں سلطان القلم ہوں: "اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔"
(تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 58، طبع چہارم، از مرزا)

(9) میں غازی ہوں: "اس عاجز کا نام مکاشفات میں غازی رکھا گیا ہے۔" (نشان آسمانی صفحہ 15 مندرجہ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 375 از مرزا کادیانی)

(10) میں گورنمنٹ برطانیہ کے لیے پناہ اور تعویذ ہوں: "اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس گورنمنٹ کے لیے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ کے ہوں جو آفتوں سے بچاوے اور خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ ان کو دکھ پہنچاوے اور تو ان میں ہو۔" (نور الحق، صفحہ 33، روحانی خزائن جلد 8، صفحہ 44،45 از مرزا کادیانی)

(11) میں محدث ہوں: بقول مرزا کادیانی، اُسے الہام ہوا: "انت محدث اللہ۔ "تو محدث اللہ ہے۔ (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 82، طبع چہارم، از مرزا کادیانی)

(12) میں عبد القادر ہوں: بقول مرزا کادیانی، اُسے الہام ہوا: "یا عبد القادر انی معک۔ اے عبد القادر میں تیرے ساتھ ہوں۔" (تذکرہ، صفحہ 296، طبع چہارم، از مرزا کادیانی)

(13) میں ذوالقرنین ہوں: "قرآن شریف کی آئندہ پیشگوئی کے مطابق وہ ذوالقرنین میں ہوں جس نے ہر ایک قوم کی صدی کو پایا۔"
(روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 314 از مرزا)

(14) میں آدم ہوں، میں احمد ہوں، میں مریم ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں عیسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں: "یا اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ یَامَرْیَمُ اسْکُنْ۔ مرزا کادیانی اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "مریم سے مریم ام عیسیٰ مراد نہیں اور نہ آدم سے آدم ابو البشر مراد ہے اور نہ احمد سے اس جگہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ مراد ہیں، اور ایسا ہی ان الہامات کے تمام مقامات میں کہ جو موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد وغیرہ نام بیان کیے گئے ہیں، ان ناموں سے بھی وہ انبیاء مراد نہیں ہے بلکہ ہر ایک جگہ یہی عاجز مراد ہے۔۔۔۔" (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 55،56 طبع چہارم از مرزا کادیانی)

(15) میں خاتم الاولیاء ہوں: "وانا خاتم الاولیائ۔" اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ (خطبہ الہامیہ، صفحہ 35، مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 70 از مرزا کادیانی)

(16) میں خلیفۃ اللہ ہوں: "اسی طرح میرے لیے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفہ اللہ ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ، صفحہ 6 روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210 از مرزا کادیانی)

(17) میں امام الزماں ہوں: "امام الزماں میں ہوں۔" (ضرورۃ الامام صفحہ 24، مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 495 از مرزا کادیانی)

(18) میں مجدد ہوں، میں مہدی ہوں، میں مسیح موعود ہوں: "وَالْمُجَدِّدُ الْمَامُوْرُ وَالْعَبْدُ الْمَنْصُوْرُ۔ وَالْمَهْدِيُّ الْمَعْهُوْدُ۔ وَالْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ۔" اور (میں) وہ مجدد ہوں کہ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے آیا ہے اور بندۂ مدد یافتہ ہوں اور وہ مہدی ہوں جس کا آنا مقرر ہو چکا ہے اور وہ مسیح ہوں جس کے آنے کا وعدہ تھا۔ (خطبہ الہامیہ، صفحہ 18 مندرجہ روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 51 از مرزا کادیانی)

(19) حجر اسود ہونے کا دعویٰ: (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 29 طبع چہارم از مرزا کادیانی)

(20) میں بیت اللہ ہوں: "خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔" (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 28، طبع چہارم، از مرزا کادیانی)

(21) میں قرآن ہوں: بقول مرزا کادیانی اسے الہام ہوا: مَا اَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ۔ ترجمہ: میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں۔ (تذکرہ صفحہ 570 طبع چہارم از مرزا کادیانی)

(22) میں میکائیل ہوں: "اور دانی ایل نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔" (مندرجہ روحانی خزائن جلد 17، صفحہ 413، از مرزا کادیانی)

(23) میں حضرت حسین سے بڑھ کر ہوں: "اور اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ اُس حسین سے بڑھ کر ہے۔" (دافع البلائ، صفحہ 17، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 233، از مرزا کادیانی)

(24) میں زندہ علی ہوں: "پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے، اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔" (ملفوظات، جلد اوّل، صفحہ 400، طبع جدید از مرزا کادیانی)

(25) میں مدینۃ العلم ہوں: بقول مرزا کادیانی اسے الہام ہوا: "انت مدینۃ العلم۔ تو علم کا شہر ہے۔" (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات، صفحہ 320، طبع چہارم، از مرزا کادیانی)

(26) میں مریم ہوں، میں عیسیٰ ہوں میں ابن مریم ہوں: "اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا۔ پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں مَیں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 496 میں درج ہے، مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 556 میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔" (کشتی نوح، صفحہ 52، مندرجہ روحانی خزائن جلد 19، صفحہ 50، از مرزا کادیانی)

(27) میں ابن مریم سے افضل ہوں: "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے" (دافع البلائ، صفحہ 20، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 240، از مرزا کادیانی)

(28) میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں: "میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ، صفحہ 7، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 211، از مرزا کادیانی)

(29)میں تمام انبیا کا مجموعہ ہوں:"خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں دائود ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمدﷺ اور احمدﷺ ہوں۔"

(حقیقت الوحی، (حاشیہ) صفحہ 73، مندرجہ روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 76، از مرزا کادیانی)

۱۸۸۰ء سے مرزا کادیانی نے مختلف دعاوی کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے چند اہم دعاوی یہ ہیں:

۱۔ ۱۸۸۰ء میں ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔

۲۔ ۱۸۸۲ء میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔

۳۔ ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

۴۔ ۱۸۹۹ء میں ظلّی بروزی نبوت کا دعویٰ کیا۔

۵۔ ۱۹۰۱ء میں مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

ان کے علاوہ بھی اس نے عجیب وغریب قسم کے دعوے کئے۔

بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

"خدا نے اپنے الہام میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔" (اربعین ۴ ص ۱۵ حاشیہ، خزائن ج ۱۷ ص ۴۴۵)

مجدد ہونے کا دعویٰ (۱۸۸۲ء)

"جب تیرہویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔"

(کتاب البریہ ص ۱۸۳ بر حاشیہ، خزائن ج ۱۳ ص ۲۰۱)

مامور ہونے کا دعویٰ (۱۸۸۲ء)

"میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں۔" (نصرۃ الحق براہین احمدیہ پنجم ص ۵۲، خزائن ج ۲۱ ص ۶۶، کتاب البریہ ص ۱۸۴ حاشیہ، خزائن ج ۱۳ ص ۲۰۲)

نذیر ہونے کا دعویٰ (۱۸۸۲ء)

"الرحمن علم القرآن لتنذر قوما ما انذر اباؤہم" (خدا نے تجھے قرآن سکھلایا تا کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے۔ جن کے باپ دادے ڈرائے نہیں گئے) (تذکرہ ص ۴۴، ضرورۃ الامام ص ۳۱، خزائن ج ۱۳ ص ۵۰۲، براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۵۲، خزائن ج ۲۱ ص ۶۶)

آدم، مریم اور احمد ہونے کا دعویٰ (۱۸۸۳ء)

"یا ادم اسکن انت وزوجک الجنۃ یامریم اسکن انت وزوجک الجنۃ یا احمد اسکن انت وزوجک الجنۃ نفخت فیک من لدنی روح الصدق"

ترجمہ: "اے آدم، اے مریم، اے احمد! تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے۔ جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔" (تذکرہ ص ۷۰، براہین احمدیہ ص ۴۹۷، خزائن ج ۱ ص ۵۹۰ حاشیہ)

تشریح: "مریم سے مریم ام عیسیٰ مراد نہیں اور نہ آدم سے آدم ابوالبشر مراد ہے اور نہ احمد سے اس جگہ حضرت خاتم الانبیاء مراد ہیں اور ایسا ہی ان الہامات کے تمام مقامات میں کہ جو موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد وغیرہ نام بیان کئے گئے ہیں۔ ان ناموں سے بھی وہ انبیاء مراد نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک جگہ یہی عاجز مراد ہے۔" (مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۸۲ مکتوب بنام میر عباس علی بحوالہ تذکرہ ص ۷۲، ۷۱ حاشیہ)

رسالت کا دعویٰ (۱۸۸۴ء)

الہام: "انی فضلتک علی العالمین قل ارسلت الیکم جمیعا"

(میں نے تجھ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی کہ میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں) (تذکرہ ص ۱۲۹ مکتوب حضرت مسیح موعود مرزا مورخہ ۳۰/ دسمبر ۱۸۸۴ئ، اربعین نمبر ۲ ص ۷، خزائن ج ۱۷ ص ۳۵۳)

توحید و تفرید کا دعویٰ (۱۸۸۶ء)

الہام... "تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید اور تفرید۔" (تذکرہ ص ۳۸۱ طبع دوم)

"تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔" (تذکرہ ص ۴۳۶ طبع دوم)

مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ (۱۸۹۱ء)

"اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بھی میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارے میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے۔" (تذکرہ ص ۱۷۲، تبلیغ رسالت ج ۱ ص ۱۵۹، مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۲۰۷)

مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ (۱۸۹۱ء)

الہام... "جعلناک المسیح بن مریم" (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔" (تذکرہ ص ۱۸۶، ازالہ اوہام ص ۴۳۴، خزائن ج ۳ ص ۴۴۲)

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے (دافع البلاء ص ۲۰، خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۰)

صاحب کن فیکون ہونے کا دعویٰ (۱۸۹۲ء)

الہام... "انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون"

"یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو کسی چیز کا ارادہ کرے تو اسے کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔" (تذکرہ ۲۰۳، براہین احمدیہ حصہ ۵ ص ۹۵، خزائن ج ۲۱ ص ۱۲۴)

مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ (۱۸۹۸ء)

"بشرنی وقال ان المسیح الموعود الذی یرقبونہ والمهدی المسعود الذی ینتظرونہ هوانت"

ترجمہ: "خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی مسعود جس کا انتظار کرتے ہیں وہ تو ہے۔" (تذکرہ ص ۲۵۷، اتمام الحجۃ ص ۳، خزائن ج ۸ ص ۲۷۵)

امام زماں ہونے کا دعویٰ (۱۸۹۸ء)

"سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ امام زماں میں ہوں۔" (ضرورۃ الامام ص ۲۴، خزائن ج ۱۳ ص ۴۹۵)

ظلی نبی ہونے کا دعویٰ(۱۹۰۰ء تا۱۹۰۸ء)

''جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں، تو پھر کونسا الگ انسان ہوا۔ جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔''(ایک غلطی کا ازالہ ص۸، خزائن ج۱۸ص ۲۱۲)

نبوت ورسالت کا دعویٰ

۱۔''انا انزلناه قريباً من الكاديان ... الخ''

ترجمہ:''ہم نے اس کو کادیان کے قریب اتارا ہے۔''(براہین احمدیہ ص۴۹۹، خزائن ج۱ص ۵۹۳، الحکم ج۴ش ۳۰، مورخہ ۲۴/اگست ۱۹۰۰ئ، بحوالہ تذکرہ ص۳۶۷)

۲۔''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے کادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''(دافع البلاء ص۱۱، خزائن ج۱۸ص ۲۳۱)

ظلی نبی ہونے کا دعویٰ(۱۹۰۰ء تا۱۹۰۸ء)

''جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں، تو پھر کونسا الگ انسان ہوا۔ جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔''(ایک غلطی کا ازالہ ص۸، خزائن ج۱۸ص ۲۱۲)

نبوت ورسالت کا دعویٰ

۱۔''انا انزلناه قريباً من الكاديان ... الخ''ترجمہ:''ہم نے اس کو کادیان کے قریب اتارا ہے۔''

(براہین احمدیہ ص۴۹۹، خزائن ج۱ص ۵۹۳، الحکم ج۴ش ۳۰، مورخہ ۲۴/اگست ۱۹۰۰ئ، بحوالہ تذکرہ ص۳۶۷)

۲۔''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے کادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''(دافع البلاء ص۱۱، خزائن ج۱۸ص ۲۳۱)

۳۔''میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔''(ایک غلطی کا ازالہ ص۷، خزائن ج۱۸ص ۲۱۱)

۴۔''خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔''

(اربعین نمبر ۳ص ۳۶، خزائن ج۱۷ص ۴۲۶، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۴، ج۱۷ص ۴۳)

۵۔''وہ قادر خدا کادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ تا تم سمجھو کہ کادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ کادیان میں تھا۔''(دافع البلاء ص۵، خزائن ج۱۸ص ۲۲۶،۲۲۵)

مرزا کا عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا کذب

مرزا تو مدعی نبوت ہے، پھر ان کو مسئلہ حیات عیسی علیہ السلام سے کیا سروکار؟

جواب مرزا غلام احمد کادیان ابتداء میں خود حیات عیسیٰ علیہ السلام کا قائل تھا۔ اور قرآن مجید کی آیات سے مسیح علیہ السلام کی حیات پر استدلال کرتا تھا۔

یہ آیت(هو الذي ارسل رسوله)جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے، اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا، اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔(براہین احمدیہ ج 1، روحانی خزائن ج 1 ص ۵۹۳، ومثلہ بادنی تغیر چشمہ معرفت در روحانی خزائن ج۲۳ ص:91)

حیات مسیح علیہ السلام کا ابتدا میں مرزا قائل تھا، لیکن دعوی نبوت کے لئے اس نے بتدریج مراحل طے کئے، پہلے خادم اسلام، پھر مبلغ اسلام، مامور من اللہ، مجدد ہونے کے دعوے کئے، اصل مقصود دعوی نبوت تھا منصوبہ بندی یہ کی کہ پہلے مثیل صحیح ہونے کا دعویٰ کیا جائے، مسیح بننے کے لئے حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ رکاوٹ تھا، اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے وفات مسیح کا عقیدہ تراشا، پھر کہا چونکہ احادیث میں مسیح علیہ السلام کا آنا ثابت ہے۔ وہ فوت ہو گئے ہیں، تو ان کی جگہ میں مثیل مسیح بن کر آیا ہوں، اور میں ان سے افضل ہوں، اس کا مشہور شعر ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے (واقع السلاص ۱۲۳ روحانی خزائن ص ۲۴۰ ج ۱۸)

جب مرزا اپنے خیال فاسد میں مسیح بن گیا تو کہا کہ مسیح علیہ السلام نبی تھے تو اب مسیح ثانی (مرزا کادیان) جو ان سے افضل ہے۔ وہ کیوں نبی نہیں؟ لہذا میں نبی ہوں، اسطرح دجل کر کے محض نبوت کا دعوی کرنے کے لئے اس نے وفات مسیح کا عقیدہ اختیار کیا۔ اصل میں وہ تدریجا دعوی نبوت کی طرف جا رہا تھا، تو یوں دجل در دجل کا مرتکب ہوتا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "میرے بعد جو نبوت کا دعوی کریں گے وہ دجال ہوں گے۔"

دجل: دھوکہ تمہیں حق و باطل کے اختلاط کا نام ہے، جو مرزا کادیان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس دجال اعظم، مفتری اکبر نے اپنے دجل سے اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت و حیات مسیح علیہ السلام پر اپنے الحاد و زندقہ کی کلہاڑی چلائی۔ معاذ اللہ۔

مسئلہ رفع و نزول سیدنا عیسیٰ پر چند ابتدائی گزارشات:

سیدنا عیسی کے رفع و نزول کے عقیدے کے بارے میں چار گروہ ہیں۔

1۔ مسلمان 2۔ عیسائی 3۔ یہودی 4۔ کادیان

ان چاروں گروہوں کے عقائد سیدنا عیسی علیہ السلام کے بارے میں درج ذیل ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ"

مسلمان کہتے ہیں کہ یہودی سیدنا عیسی علیہ السلام کو نہ ہی قتل کر سکے اور نہ ہی صلیب دے سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور وہ قرب قیامت واپس زمین پر تشریف لائیں گے۔ مسلمانوں کا عقیدہ قرآن پاک سے اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

یہودیوں کا عقیدہ"

یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام کو صلیب دے کر قتل کر دیا تھا۔ یہود حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے قتل کا اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔

إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ------(النساء157)

ترجمہ:

"ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا تھا۔"

جتنی پختگی سے وہ دعویٰ کرتے تھے اس سے زیادہ زوردار بیان سے قبل مسیح کی مطلق نفی کر کے اس غلط دعویٰ کی تردید فرمائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ، وَمَا قَتَلُوهُ وَ مَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ، وَ إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ، مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِ ، وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ : وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا."

ترجمہ:

"اور یہ کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا تھا، حالانکہ نہ انہوں نے عیسی علیہ السلام کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسی علیہ السلام کو قتل نہیں کر پائے۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے۔" (سورۃ النساء آیت نمبر 158،157)

عیسائیوں کا عقیدہ"

عیسائی کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا وہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے قتل ہو گئے۔ اس کے بعد زندہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور اب وہ واپس زمین پر تشریف لائیں گے۔

عیسائیوں کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ سیدنا عیسی علیہ السلام پھانسی پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے انکے عقیدہ کفارہ کی بنیاد سیدنا عیسی علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا تھا۔ قرآن مجید نے اسکی تردید کی۔

وَمَا صَلَبُوهُ ....(النساء157)

ترجمہ: "کہ وہ قطعاً پھانسی پر نہیں چڑھائے گئے۔"

تو عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہی قرآن مجید نے گرادی کہ جب وہ سرے سے ہی صلیب پر نہیں ئے گئے تو تمہارے گناہوں کا کفارہ کا عقیدہ ہی سرے سے بے نیاز ہوا۔ چونکہ یہ عقیدہ اصولا غلط تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے صرف نفی صلیب پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ واقعاتی تردید کے ساتھ ساتھ اصولی اور معقولی تردید بھی کی۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ....(فاطر18)

ترجمہ: "اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

نیز فرمایا: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَه

ترجمہ: "چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہو گی، وہ اسے دیکھے گا۔"

اس عقیدے کو مرزا نے بھی تسلیم کیا ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا:

"مسیح عیسائیوں کے گناہ کے لیے کفارہ ہوا۔" (ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 373 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 292)

کادیانیوں کا عقیدہ"

کادیانی کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا اور وہ دو گھنٹے تک صلیب پر رہے لیکن وہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ زخمی ہو گئے اور زخمی حالت میں آپ کو ایک غار میں لے جایا گیا اور وہاں آپ کا علاج ہوتا رہا۔ تین دن کے بعد آپ صحت یاب ہوئے اور

پھر اپنی والدہ کے ساتھ فلسطین سے افغانستان کے راستے سے ہوتے ہوئے کشمیر چلے گئے۔ کشمیر میں 87 سال رہے۔ پھر آپ کی وفات ہوئی۔ اور آپ کی قبر کشمیر کے محلہ خان یار میں ہے۔

مرزا کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریہ"

مرزا غلام کادیانی (1839-1908) اپنی عمر کے تقریباً 52 سال (سنہ 1891 تک) نہ صرف خود بھی مسلمانوں والا عقیدہ رکھتے تھے بلکہ اپنی اولین کتاب "براہین احمدیہ" میں قرآنی آیات سے اصلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا دوبارہ دنیا میں آنا ثابت بھی کیا۔

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صفحہ) مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 113)

لیکن آخر عمر میں مرزا نے ایک اور انوکھا اور نیا عقیدہ اور نظریہ پیش کیا۔ اسکا خلاصہ یہ ہے:

حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 33 سال 6 مہینے تھی کہ آپ کو دشمنوں نے پکڑ کر بروز جمعہ بوقت عصر دو چوروں کے ساتھ صلیب پر ڈال دیا، جسم میں کیلیں لگائیں، زخمی کیا یہاں تک کہ آپ شدت تکلیف سے بے ہوش ہو گئے اور دشمن آپ کو مردہ سمجھ کر چلے گئے جب کہ در حقیقت آپ ابھی زندہ تھے۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ 127 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ (311)

(ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 382381380 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 296)

(مسیح ہندوستان میں صفحہ 18 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 20)

(نزول المسیح صفحہ 18 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 396)

(مسیح ہندوستان میں صفحہ 50 روحانی خزائن جلد 15 صفحہ (52)۔

مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا:

اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ بظاہر مسیح صلیب پر کھینچا گیا اور اسکے مارنے کا ارادہ کیا گیا۔"

(مسیح ہندوستان میں صفحہ 49 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ (51)

"ایک اور جگہ مرزا صاحب نے لکھا ہے":

آپ کو کسی طرح صلیب سے اتارا گیا، حواریوں نے آپ کے زخموں پر مرہم عیسیٰ علیہ السلام لگا کر علاج کیا، اور پھر آپ اور آپ کی والدہ ملک شام سے نکلے اور افغانستان وغیرہ مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے کشمیر جا پہنچے۔"

(ست بچن صفحہ 176 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ (301)

(کشتی نوح صفحہ 60 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 65)

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صفحہ 19 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 127)

(ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ 100 مندرجہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ (262)

آپ علیہ السلام کشمیر میں ہی مرزا کی ایک تحریر کے مطابق 120 سال اور اسی کتاب میں لکھی ہوئی دوسری تحریر کے مطابق 125 سال کی مجموعی عمر پا کر انتقال کر گئے۔

دونوں قسم کے حوالے درج ذیل ہیں:

120 سال عمر"۔ (مسیح ہندوستان میں صفحہ 12 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 14)

125 سال عمر"۔(مسیح ہندوستان میں صفحہ 53 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 55)

مرزانے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے متعلق لکھا ہے:

"کشمیر کے شہر سری نگر کے محلہ خان یار میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے وہ در حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ 9 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 100)

(دافع البلاء صفحہ 15 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 235)

(مسیح ہندوستان میں صفحہ 12 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 14)

مرزانے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک اور بات یہ بھی لکھی ہے:

جن احادیث میں "مریم کے بیٹے عیسی عیسیٰ علیہ السلام" کے نزول کی خبر دی گئی ہے، ان سے مراد اصلی عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ ان کا ایک مثیل ہے، نیز قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نے بشارت دی ہے کہ مثیل مسیح اور دوسرے مثیل بھی آئیں گے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 554، پانچ جلدوں والا ایڈیشن)

(کشتی نوح صفحہ 16 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 17)

(ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 413 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 314)

مرزا صاحب نے اپنے بارے میں یوں لکھا ہے:

وہ مثیل میں یعنی مرزا غلام کادیان بن چراغ بی بی ہوں اور اسی کی خبر احادیث میں دی گئی ہے، نیز قرآن نے میرا نام ابن مریم رکھا ہے "اور میرے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے۔"

(اربعین نمبر 3 صفحہ 25 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 413)

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 38 مندرجہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 39-40)

(دافع البلاء صفحہ 20 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 240)

(اربعین نمبر 3 صفحہ 25 مندرجہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 413)

(تحفۃ الندوہ صفحہ 5 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 98)

مرزانے دجال کے بارے میں لکھا ہے:

احادیث میں "عیسی علیہ السلام" کے ہاتھوں جس دجال کے قتل ہونے کا ذکر ہے اس دجال سے

مراد یا تو عیسائی پادری ہیں، یا دجال شیطان کا اسم اعظم ہے، یا دجال مفسدین کے گروہ کا نام ہے، یا دجال عیسائیت کا بھوت ہے، یا دجال سے مراد خناس ہے، یا دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں۔"

(ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 495 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 366)

(ایام الصلح صفحہ 169، 168 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 416-417)

(حقیقۃ الوحی صفحہ 43 مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ (45)

(ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ 146 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ (174)

(ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 488 مندرجہ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 362)

(ایام الصلح صفحہ 61 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 296)

(انجام آتھم، رسالہ دعوت قوم صفحہ 47 مندرجہ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 47)

"مرزا صاحب نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بہن اور بھائیوں کے متعلق یوں لکھا ہے:"
حضرت مسیح کے چار حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں بھی تھیں۔"
(کشتی نوح صفحہ 17 مندرجہ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 18)

مرزا صاحب کی مندرجہ بالا عبارات سے مندرجہ ذیل مرزا صاحب کے عقائد ہمیں پتہ چلے:

1۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو 2 چوروں کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا۔
2۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے۔
3۔ اللہ نے یہ فرمایا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا گیا۔
4۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے زخمی حالت میں اتارا گیا۔ پھر ان کے مرہموں پر "مرہم عیسیٰ" لگائی گئی۔
5۔ اس کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کشمیر چلے گئے۔
6۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کشمیر میں 120 یا 125 سال کی عمر میں ہوئی۔
7۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر کے محلہ خان یار میں ہے۔
8۔ جن احادیث میں مریم کے بیٹے سیدنا عیسی کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد مریم علیھم السلام کے بیٹے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کا کوئی مثیل آئے گا۔
9۔ وہ مثیل مسیح جس کے آنے کی خبر احادیث میں دی گئی ہے وہ مثیل مسیح "مرزا صاحب" ہے۔
10۔ مرزا کا نام قرآن مجید نے ابن مریم رکھا ہے۔
11 جس دجال کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے کا ذکر احادیث میں آیا ہے اس دجال سے مراد یا تو شیطان ہے یا عیسائی پادری وغیرہ ہیں۔
12. سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے 4 حقیقی بھائی اور 2 حقیقی بہنیں تھیں۔

رفع سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر قرآنی دلائل:

معزز قارئین!! یہاں ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بارے میں چند قرآنی دلائل پیش کریں گے۔

سب سے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سیدنا عیسی علیہ السلام کو یہود قتل کرنا چاہتے تھے۔ اور آج تک یہودی یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہود سے سیدنا عیسی علیہ السلام کو بچانا چاہتے تھے۔ یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ اور اللہ تعالی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بچانا چاہتے تھے۔ اور یہ بات تو کسی کافر سے بھی پوچھ لیں کہ اگر کسی انسان کو ساری دنیا مارنے پر تل جائے اور اس انسان کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہتے ہوں تو کون کامیاب ہو گا۔ تو یقیناوہ کافر بھی یہی جواب دے گا کہ: اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ساری دنیا ناکام ہو جائے گی۔ اور جس انسان کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہتے ہیں اس کو ساری دنیا کے انسان بھی مل کر مارنا تو دور کی بات ہے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔

قرآن مجید کی آیت ہے:

وَمَكَرُوا وَ مَكَرَ اللهُ وَ اللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِينَ.......(سورۃ آل عمران آیت نمبر 54)

ترجمہ: "اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے"۔

اس آیت میں ذکر ہے کہ یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کو قتل کرنے کی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ یہود کے خلاف سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے کی تدبیر کر رہے تھے۔

جس وقت یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کر رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے 4 وعدے فرمائے جو کہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔

إِذْ قَالَ اللهُ يٰعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَ رَافِعُكَ إِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ إِلَى مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ .

ترجمہ: "(اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: اے عیسی میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا، اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمھاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمھارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمھارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے"۔(سورۃ آل عمران آیت (55)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یہود سے امن کی تسلی دیتے ہوئے ان سے چار وعدے کئے۔

1۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کو صحیح سالم واپس لے لوں گا۔

2۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کو صحیح سالم واپس لے کر اپنی طرف اٹھالوں گا۔

3۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کو یہود کی صحبت سے پاک کروں گا۔

4۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کے پیروکاروں کو قیامت تک یہود پر غالب رکھوں گا۔

معزز قارئین!

۔۔۔اب اگلا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے جو یہ 4 وعدے کئے ان کو کب اور کیسے پورا کیا۔

"اس کا جواب بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔"

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا . بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا.

ترجمہ: "اور یہ کہا کہ: ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا تھا، حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کر پائے۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا

تھا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے"۔(سورۃ النساء آیت نمبر:157-158)

ان آیات سے پتہ چلا کہ یہود جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تھا اور اس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے وعدے پورے ہوگئے۔ کہ میں آپ کو صحیح سالم اپنی طرف لے لوں گا اور یہود کی صحبت سے پاک کروں گا اور آپ کے پیروکاروں کو قیامت تک یہود پر غالب رکھوں گا۔

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو اس سے یہ وعدے پورے ہوگئے۔

اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب آسمان پر اٹھالیا تو اس کے کچھ عرصے بعد عیسائیوں کو یہودیوں پر غلبہ حاصل ہوگیا۔ جو کہ ابھی تک حاصل ہے۔ آج بھی یہود دنیا میں دربدر ہیں۔

نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر قرآنی دلائل:

پہلے ہم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے قرآنی دلائل پیش کئے تھے اور جن مفسرین کی مرزا نے تعریف کی ہوئی ہے ان کے تفسیری حوالہ جات بھی لکھے تھے۔ اس سبق میں ہم سیدنا عیسی علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر قرآنی دلائل کا جائزہ لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا ہے۔ یعنی جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آسمان سے نزول ہوگا اس کے بعد قیامت نزدیک ہوگی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ

ترجمہ: "اور یقین رکھو کہ وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس لیے تم اس میں شک نہ کرو، اور میری بات مانو، یہی سیدھا راستہ ہے۔" (سورۃ الزخرف آیت نمبر 61)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دے رہے ہیں۔ یعنی جب وہ نازل ہوں گے وہ وقت قیامت کے بہت قریب ہوگا۔

"قرآن مجید میں ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:"

وَ إِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا۔

ترجمہ: "اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے اس (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے، اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے۔" اس آیت کی تشریح میں 2 قسم کے تفسیری اقوال ملتے ہیں۔

پہلا قول:

پہلا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو ہر اہل کتاب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے۔

دوسرا قول:

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایمان لے آتا ہے۔

مفسرین نے دونوں قسم کے اقوال کو اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے۔ لیکن زیادہ راجح پہلا قول ہی ہے۔
دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ جب تک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوتا اس وقت تک ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آتا ہے۔ اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو اس وقت تمام اہل کتاب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر یمان لے آئیں گے۔

رفع ونزول سیدنا عیسی پر دس احادیث مبارکہ:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور پھر ان کا قرب قیامت آسمان سے زمین کی طرف نازل ہونا قرآن مجید اور 100 سے زائد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔
اس سبق میں ہم رفع ونزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند احادیث مبارکہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

حدیث نمبر 1:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تمھارا اس وقت کیا حال ہو گا جب (عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے تم نماز پڑھ رہے ہو گے) اور تمھارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔"
(بخاری حدیث نمبر 3449، باب نزول عیسی بن مریم)۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، ثُمَّ يَقُولُ أَبُوهُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا(سورۃ النساء آیت(159)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ زمانہ قریب ہے کہ (عیسیٰ) ابن مریم تمھارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو مار ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے لینے والا نہیں ملے گا۔ اس وقت کا ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہو گا۔ پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر تمھارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو!
وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا" اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہو گا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔" (بخاری حدیث نمبر 3448، باب نزول عیسیٰ بن مریم)۔

حدیث نمبر 3

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ ، عَنْ رَسُولِ اللهِ، قَالَ: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک (عیسی) ابن مریم کا نزول ایک عادل حکمران کی حیثیت سے تم میں نہ ہو جائے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، سوروں کو قتل کر دیں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ (اس دور میں) مال و دولت کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی قبول نہیں کرے گا۔"

(بخاری حدیث نمبر 2476، باب کسر الصلیب و قتل الخنزیر)۔

حدیث نمبر 4:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَنْزِلُ أَخِي عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ"

"ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اس وقت میرے بھائی عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے۔" (کنز العمال حدیث نمبر 39726، باب نزول عیسیٰ)

اس روایت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی کس قدر صراحت موجود ہے۔ اس حدیث کو مرزا کے تسلیم کردہ دسویں صدی کے مجدد علی بن حسام المتقی ہندی نے اپنی کتاب کنز العمال میں نقل کیا ہے۔

اس کے علاوہ خود مرزا نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے۔ (حمامۃ البشری صفحہ 89 مندرجہ روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 314)

رفع و نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اجماع امت اور چودہ صدیوں کے ان بزرگان امت کے نام جن کا عقیدہ رفع و نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کتابوں میں موجود ہے

رفع و نزول سیدنا عیسی علیہ السلام" پر اجماع امت"

پوری امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع موجود ہے یعنی پوری امت 1400 سال سے اس بات پر متفق ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نہ قتل کر سکے اور نہ صلیب چڑھا سکے۔ بلکہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت واپس زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کا خاتمہ کریں گے۔ ذیل میں چند حوالے پیش خدمت ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ پوری امت مسلمہ رفع و نزول عیسی علیہ السلام کے مسئلے پر متفق ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

1۔ **تفسیر بحر المحیط** میں ہے:

"وَاجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى مَا تَضَمَّنَهُ الْحَدِيثُ الْمُتَوَاتِرُ مِنْ أَنَّ عِيسَى فِي السَّمَاءِ حَقٌّ وَأَنَّهُ يَنْزِلُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ"۔

ترجمہ: تمام امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اخیر زمانہ میں ان کا نزول ہو گا۔ جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے۔" (تفسیر بحر المحیط جلد 2 صفحہ 497، تفسیر در آیت نمبر 55 سورۃ آل عمران طبع بیروت 1993ء)

2-**حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر** میں لکھتے ہیں:

"وَ إِنَّهُ بَاقٍ حَيٌّ، وَ إِنَّهُ سَيَنْزِلُ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، كَمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْأَحَادِيثُ الْمُتَوَاتِرُ"

ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ موجود ہیں وہ قیامت سے قبل نازل ہوں گے۔ اس پر احادیث متواترہ دلالت کرتی ہیں۔"

(تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 454 تفسیر در آیت نمبر 159 سورۃ النساء)

3- امام ابوالحسن اشعری کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ میں لکھتے ہیں:

"قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يُعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ إِلَى وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ - وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رَفَعَ عِيسٰى إِلَى السَّمَاءِ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں آپ کو پورا پورا لوں گا اور آپ کو اٹھاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہود نے یقینا قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا گیا۔" (کتاب الابانہ عن اصول الدیانۃ صفحہ 46)

4۔ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:

لا خِلَافَ فِي أَنَّهُ يَنْزِلُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ

ترجمہ: "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نازل ہوں گے۔" (فتوحات مکیہ باب 73 جلد 2 صفحہ 3)

5 علامہ زمخشری امام المعتزلین تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں:

"فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ كَانَ آخِرَالْأَنْبِيَاءِ وَ عِيسَى يَنْزِلُ فِي آخِرِالزَّمَانِ قُلْتُ مَعْنَى كَوْنِهِ آخِرَالْأَنْبِيَاءِ أَنَّهُ لَا يُنَبَّأُ أَحَدٌ بَعْدَهُ وَ عِيسَى مِمَّنْ نَبَّأَ قَبْلَهُ"

ترجمہ: "اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء کیسے ہوئے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔ میں کہوں گا کہ آخر الانبیاء ہونے کے معنی یہ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں میں سے ہیں جن کو نبوت پہلے مل چکی ہے۔

(تفسیر کشاف صفحہ 858 تفسیر در آیت نمبر 40 سورۃ الاحزاب طبع بیروت 2009ء)

(مندرجہ بالا حوالے سے پتہ چلا کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اتنا ضروری عقیدہ ہے)۔

امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور اور فتنہ کادیانت کا دجل و فریب

امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تعارف، احادیث میں آپ کی نشانیاں اور آپ کے ظہور کے بارے میں تذکرہ ہو گا اور عقیدہ ظہور امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ضمن میں فتنہ کادیانت کا دجل و فریب بھی آشکار ہو گا۔

امام مہدی علیہ الرضوان کا تعارف

حضرت مہدی علیہ الرضوان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اور جس پر اہل حق کا اتفاق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

1. **نسب:** حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔
2. **جائے پیدائش:** مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے۔
3. **نام ولقب:** آپ کا نام محمد بن عبد اللہ ہو گا، اور لقب المہدی۔
4. **ظہور کا مقام:** چالیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں ظہور ہو گا۔

5. **اللہ کی طرف سے رہنمائی:** چالیس ابدال کی جماعت شام سے مکہ آئے گی اور آپ کی بیعت کرے گی۔

6. **قیادت:** آپ کئی فتوحات میں مسلمان لشکروں کی قیادت فرمائیں گے۔

7. **حضرت عیسیٰ کا نزول:** آپ شام میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

8. **امامت:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد آپ کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔

9. **عمر:**

- مجموعی عمر: 49 سال
- خلافت: 7 سال
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نیابت: 2 سال
- خلیفہ بننے سے قبل عمر: 40 سال

10. **وفات:**

حدیث شریف کے الفاظ: "ثم يموت ويصلي عليه المسلمون"

(پھر ان کی وفات ہو گی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح: حدیث 417)

امام مہدی علیہ الرضوان کی شخصیت احادیث کی روشنی میں

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مرفوعا لا تقوم الساعۃ حتٰی تملا الارض ظلما وجورا وعدوانا ثم یخرج من اھل بیتی من یملاھا قسطاوعدلا (المستدرک ج4 ص557)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہو گی یہاں تک کہ زمین ظلم و جور سے بھر جائے۔ بعد ازاں میرا اہل بیت سے ایک شخص (مہدی رضی اللہ عنہ) پیدا ہو گا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ میرے اہل بیت (اولاد) میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ ہو جائے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہو گا (یعنی محمد)۔ ترمذی شریف

وكنيته ابو عبد الله و في الشفاء للقاضي عياض رحمہ الله ان كنيته ابو لقاسم

ترجمہ: امام مہدی کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب میں ہے کہ ان کی کنیت ابو القاسم ہو گی۔ (الشاعۃ ص193)

ولقبہ المہدی لان اللہ ھداہ للحق والجابر لانہ یجبر قلوب امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولانہ یجبر ای یقھر الجبارین ویقصمہم

ترجمہ: ان کا لقب مہدی ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے ان کی رہنمائی فرمائی جائے گی۔ اسی طرح ان کا لقب "جابر" بھی ہو گا کیونکہ وہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب پر مرہم رکھیں گے یا اس لیے کہ وہ ظالموں پر غالب آ کر ان کی شان و شوکت کو ختم کر دیں گے۔ (الشاعۃ ص193)

عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول المھدی من عترتی من ولد فاطمہ رضی اللہ عنہا

ترجمہ: حضرت اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کی میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کر فرماتے ہوئے سنا کہ مہدی میری نسل یعنی فاطمہ کی اولاد سے ہو گا۔ ابوداود شریف ج2ص588

امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور سے پہلے اور بعد کے حالات

ظہور مہدی علیہ الرضوان اس وقت ہو گا جب دنیا ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور سے قبل فتنے بہت بڑھ چکے ہوں گے آپ فتنوں کو ختم کریں گے اور آپ کے زمانہ میں آپس میں محبت و الفت کا وہ رنگ ہو گا جو حضرات صحابہ کے دور میں تھا اور تمام مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کی خلافت پوری دنیا میں ہو گی اور وہ پوری دنیا کے حکمران ہوں گے جس کی مدت ۷ سال سے ۹ سال تک کے درمیان ہو گی۔ حضرت امام مہدی کی شناخت کے لیے ایک علامت یہ بھی ہو گی کہ ان سے لڑنے کے لیے ایک لشکر روانہ ہو گا اور جب وہ لشکر مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے گا تو اس پورے لشکر کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ مقام بیدا میں لشکر کے زمین میں دھنس جانے کی روایات امام مسلم اور امام ابن ماجہ دونوں نے تخریج کی ہیں_ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو_ (مسلم شریف حدیث نمبر ۷۲۴۰ تا ۷۲۴۴، ابن ماجہ)

سفیانی اور اس کے لشکر کی تفصیل یہ ہے کہ وہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک اموی شخص ہو گا جس سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، اس کے زمانے میں مسلمانوں کا بالعموم اور علماو فضلا کا بالخصوص قتل عام ہو گا لیکن یہ فتنہ زیادہ دیر تک نہیں رہے گا کیوں کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہو گا جس کی علامت یہ ہو گی کہ سفیانی بیت اللہ کو منہدم کرنے کی نیت سے روانہ ہو گا لیکن جب یہ اپنے لشکر سمیت بیدا نامی جگہ جو حرمین کے درمیان ہے پہنچے گا تو پورا لشکر زمین میں دھنسا دیا جائے گا

.اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں: "اس لشکر کا زمین میں دھنسنا فتنہ سفیانی کی نشانی ہو گی اور سفیانی کا خروج دراصل امام مہدی کے ظہور کی علامت ہو گا اور اس سلسلے میں بہت سی احادیث تواتر معنوی کے ساتھ وارد ہوئی ہیں"_ التعلیق الصبیح جلد ۶ صفحہ ۲۰۰

اور اس پورے لشکر میں سے صرف ایک شخص زندہ بچے گا جو لوگوں کو آکر لشکر کے زمین میں دھنس جانے کی خبر دے گا چنانچہ حضرت کاندھلوی ہی تحریر فرماتے ہیں: "ان لوگوں میں سے صرف ایک مخبر زندہ بچے گا"_ حوالہ بالا۔ یہی نہیں کہ امام مہدی کے ظہور سے قبل صرف سفیانی کا خروج ہو گا بل کہ بہت سے اور لوگ بھی خروج کریں گے چناں چہ کچھ لوگ مصر سے خروج کریں گے، کچھ مغربی جانب سے اور کچھ جزیرہ العرب سے گویا اس وقت ساری دنیا کے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کفر پوری قوت سے مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما ہو گا اور چہار اطراف سے مرکز عالم اور مرکز اسلام خانہ کعبہ پر حملے کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی اور اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد امام مہدی کا ظہور ہو جائے گا_ حضرت امام مہدی کے زمانے میں اکثر یہودی مسلمان ہو جائیں گے جس کی وجہ یہ ہو گی کہ امام مہدی کو تابوت سکینہ مل جائے گا جس کے ساتھ یہودیوں کے بڑے اعتقادات وابستہ ہیں اس لیے وہ اس تابوت کو حضرت امام مہدی کے پاس دیکھ کر مسلمان ہو جائیں گے_ الاشاعہ صفحہ ۱۹۹

مغرب کی طرف سے کئی جھنڈوں کا نمودار ہونا اور اس لشکر کا سردار قبیلہ کندہ کا ایک آدمی ہو گا چناں چہ نعیم بن حماد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ،

ترجمہ: "امام مہدی کے ظہور کی علامت وہ چند جھنڈے ہیں جو مغرب کی طرف سے آئیں گے اور ان کا سردار قبیلہ کندہ کا ایک لنگڑا شخص ہو گا"_ کتاب الفتن صفحہ ۲۳۰ (حضرت امام مہدی کی تصدیق و تائید اور امت مسلمہ کی عزت و شرافت اور اس کی عند اللہ مقبولیت کی سب سے اہم دلیل وہ نماز ہو گی جو حضرت عیسی علیہ السلام حضرت امام مہدی کی اقتدا میں ادا فرمائیں گے_ (بخاری شریف ۳۴۴۹، مسلم ۳۹۲)۔ لیکن اس سے حضرت عیسی علیہ السلام کے منصب و نبوت پر کوئی حرف نہیں آئے گا اور یہ ایسے ہی ہو گا جیسے نبی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کی_ علامہ سیوطی نے الحاوی للفتاوی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا، ترجمہ: "اگر دنیا کی مدت ختم ہونے میں صرف ایک دن بچے گا تب بھی اللہ ایک آدمی بھیج کر رہے گا جو نام اور اخلاق میں میرے مشابہہ ہو گا اور اس کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گی" (الحاوی جلد ۲ صفحہ ۷۷) اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا، ترجمہ: "مشرق کی طرف سے ایک قوم سیاہ جھنڈوں کے ساتھ آئے گی اور وہ لوگ مال کا مطالبہ کریں گے، لوگ ان کو مال نہیں دیں گے تو وہ لڑیں گے اور ان پر غالب آجائیں گے اب وہ لوگ ان کے مطالبہ کو پورا کرنا چاہیں گے تو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ اس مال کو میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے حوالے کر دیں گے جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے لوگوں نے پہلے اسے ظلم و ستم سے بھرا ہو گا سو تم میں سے جو کوئی اس کو پائے تو اس کے پاس آجائے اگرچہ برف پر چل کے آنا پڑے" (الاشاعہ صفحہ ۲۴۰)

ظہور مہدی پر دلالت کرنے والی علامات میں سے ایک علامت وقت کا انتہائی تیز رفتاری سے گزرنا بھی ہے جس کی وجہ بظاہر بے برکتی کا پیدا ہو جانا ہو گا_ ترمذی شریف کی ایک روایت کا ترجمہ ہے_ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمانہ قریب نہ جائے سال مہینہ کے برابر، مہینہ ہفتہ کے برابر، ہفتہ دن کے برابر، دن ایک گھنٹہ کے برابر اور ایک گھنٹہ آگ کا شعلہ سلگنے کے برابر نہ ہو جائے"_ اس حدیث کی شرح کرتے ہووے ملا علی قاری نے امام خطابی کا یہ قول نقل فرمایا ہے: "ایسا امام مہدی یا حضرت عیسی یا دونوں کے زمانے میں ہو گا، میں کہتا ہوں کہ آخری قول ہی زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ یہ معاملہ خروج دجال کے وقت پیش آئے گا اور دجال کا خروج ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں ہو گا۔

خلافت مہدی علیہ الرضوان کی برکات

اہل کفار کے خلاف قتال اور دیگر فتنوں کے خاتمے پر حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کی خلافت قائم ہو گی۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں امت پر نعمتوں کی اس قدر فراوانی ہو گی اور ایسی خوشحالی حاصل ہو گی کہ امت کو پہلے کبھی ایسی خوشحالی حاصل نہ ہو سکی ہو گی۔ خلافت مہدی علیہ الرضوان کی برکات کے حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں مہدی علیہ الرضوان ہوں گے جو کم از کم سات سال یا نو سال خلیفہ رہیں گے، ان کے زمانے میں میری امت ایسی نعمتوں اور فراوانیوں میں ہو گی کہ اس سے پہلے اس کی مثال بھی نہیں سنی ہو گی، زمین اپنی تمام پیداوار اگل دے گی اور کچھ بھی نہ چھوڑے گی اور اس زمانے میں مال کھلیان میں اناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہو گا۔

ایک روایت میں ہے:

"میری امت کے آخر میں مہدی پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس پر خوب بارش برسائیں گے اور زمین اپنی پیداوار باہر نکال دے گی اور وہ لوگوں کو مال یکساں طور پر دیں گے، ان کے زمانہ (خلافت) میں مویشیوں کی کثرت اور امت میں عظمت ہو گی"۔ (المستدرک ج ۴ ص ۸۵۵)

آپ ﷺ نے فرمایا: مہدی علیہ الرضوان زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح اس سے پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔
(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۱۷)۔

علامات مہدی علیہ الرضوان کا مرزا کادیانی سے تقابلی جائزہ

حضرت امام مہدی علیہ الرضوان	مرزا کادیانی
امام مہدی علیہ الرضوان کا نام حضور ﷺ کے نام پر یعنی محمد ہو گا۔	جب کہ مرزا کادیانی کا نام مرزا غلام احمد کادیانی ہے۔
آپ کے والد کا نام حضرت رسول پاک ﷺ کے والد کے نام پر (یعنی عبد اللہ) ہو گا	جب کہ مرزا کادیانی کے باپ کا نام مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔
حضرت مہدی علیہ الرضوان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے (یعنی سید) ہوں گے۔	جب کہ مرزا کادیانی مغل خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔
حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو القاسم ہو گی۔	جب کہ مرزا کادیان کی کوئی کنیت نہ تھی۔
ظہور مہدی علیہ الرضوان اس وقت ہو گا جب دنیا ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔	مرزائی بتائیں کہ کیا مرزا کے دعوی مہدویت کے وقت زمیں ظلم و جور سے بھر چکی تھی تو کیا تمھارے مہدی نے ظلم و جور ختم کر دیا اور پوری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیا؟ بلکہ مرزا کے دور کے بعد ظلم و جور کو جو ترقی ملی ہے اس کی مثال گذشتہ ۱۳ صدیوں میں نہیں ملتی۔
حضرت مہدی علیہ الرضوان کی خلافت پوری دنیا میں ہو گی اور وہ پوری دنیا کے حکمران ہوں گے جس کی مدت ۷ سال سے ۹ سال تک کے درمیان ہو گی۔	کیا مرزا کادیانی کو ایک دن بھی حکمرانی نصیب ہوئی؟
حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور سے قبل فتنے بہت بڑھ چکے ہوں گے آپ فتنوں کو ختم کریں گے اور آپ کے زمانہ میں آپس میں محبت و الفت کا وہ رنگ ہو گا جو حضرات صحابہ کے دور میں تھا اور تمام مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں گے۔	مرزائیوں کے مہدی کے زمانے میں فتنے کتنے تھے اور مرزا کادیانی کے بعد فتنے زیادہ ہوئے یا فتنوں کا خاتمہ ہو گیا؟ کیا مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح بن گئے ہیں یا بھائیوں کے درمیان بھی عداوتیں بڑھ گئیں؟

شہرہِ آفاق مقدمہ بہاولپور میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کادیانی اور اس کے پیروکاروں کے چھ وجوہ کفر متعین فرمائے تھے:

1۔ ختم نبوت کا انکار۔

2۔ دعوئ نبوت اور اس کی تصریح کہ ایسی ہی نبوت مراد ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کی تھی

3۔ وحی کا دعویٰ اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا۔

4۔ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

5۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔

6۔ عام امت محمدیہ کی تکفیر۔(روئیداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ج ا ص ۴۱۷)

مرزا غلام احمد کادیانی کی تمام تحریرات کفر کا ڈھیر ہیں۔ جس میں ہزاروں کفر موجود ہیں۔ اس کی ایک ایک عبارت مرقع کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''مسیلمہ کذاب اور مسیلمہ پنجاب (مرزا) کا کفر فرعون کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ (احتساب کادیانیت ج ۲ ص ۱۱)

ختم نبوت کا انکار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث کے تواتر اور امت کے اجماع سے ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا کادیانی کا دعویٰ نبوت کرنا انکار ختم نبوت کی صریح دلیل ہے۔ جبکہ ختم نبوت کا منکر قطعی کافر ہے۔

اس سلسلہ میں ایک حوالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے: ''وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ، واجمعت علیہ الامت فیکفر مدعی خلافہ و یقتل ان اصر'' (روح المعانی ج ۸ ص ۳۹، زیر آیت خاتم النبیین)

ترجمہ: ''کتاب اللہ یعنی قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بتا رہا ہے اور احادیث نے کھول کر سنا دیا اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ پس اس کے خلاف جو دعویٰ کرے۔ کافر ہو جائے گا اور اگر اصرار کرے تو قتل کیا جائے گا۔''

مرزا کادیانی کا دعویٰ نبوت

- ''سچا خدا وہی خدا ہے۔ جس نے کادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (دافع البلاء ص ۱۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۱)
- ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔'' (ملفوظات ج ۱۰ ص ۱۲۷)
- ''صریح طور پر مجھے نبی کا خطاب دیا گیا۔'' (حقیقت الوحی ص ۱۵۰، خزائن ج ۲۲ ص ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں

اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لا شریک ہے، حق تعالیٰ کی ذات پر اس کی جملہ صفات کے ساتھ غیر متزلزل ایمان اسلام کے لیے شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ادنیٰ توہین بھی بدترین کفر ہے جبکہ مرزا کادیانی نے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے بارے میں وہ خرافات بکیں ہیں جو اس کے بد باطن کی عکاسی کرتی ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

- قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ (روحانی خزائن ج 3 ص 90)

اس عبارت میں مرزا کادیانی نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو تیندوے سے تشبیہ دی ہے۔ جبکہ قرآن کا اعلان ہے: لیس کمثلہٖ شیءٌ (نہیں ہے اس اللہ کی مثل کوئی شئ)

- کیا کوئی عقل منداس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں خدا سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں، پھر اس کے بعد یہ سوال ہو گا کیوں نہیں بولتا کیا (اللہ کی) زبان پر کوئی مرض لاحق ہو گئی ہے۔ (روحانی خزائن ج21 ص312)
- وہ خدا جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ ہے اس سے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے وہ فرماتا ہے کہ میں چوروں کی طرح پوشیدہ آؤں گا۔ (روحانی خزائن ج 20ص396)
- مرزا کادیانی کے توحید باری تعالیٰ کے متعلق کیا نظریات ہیں ملاحظہ فرمائیں! مرزا کادیانی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتا ہے:
- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور میں نے یقین کر لیا میں وہی ہوں۔ (روحانی خزائن ج5 ص546)
- مرزا کادیانی کہتا ہے، مجھ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِی اے مرزا تو میرے نزدیک میری اولاد کی طرح ہے (تذکرہ ص345 طبع چہارم)

ادعائے وحی اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح قرار دینا

- ”میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص ۲۲۰، خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۰)
- اپنی کتاب نزول المسیح میں فارسی کے اشعار لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ

ترجمہ: ”جو کچھ میں اللہ کی وحی سے سنتا ہوں۔ خدا کی قسم اسے ہر قسم کی خطا سے پاک سمجھتا ہوں۔ قرآن کی طرح میری وحی خطاؤں سے پاک ہے۔ یہ میرا ایمان ہے، خدا کی قسم یہ کلام مجید ہے۔ جو خدائے پاک یکتا کے منہ سے نکلا ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کو تورات پر اور حضور اکرم ﷺ کو قرآن مجید پر تھا۔ میں از روئے یقین ان سب سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ کہے وہ لعنتی ہے۔“ (نزول المسیح ص ۹۹، خزائن ج ۱۸ ص ۴۷۷)

- ”تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔“ (اعجاز احمدی ص ۳۰، خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

یہاں پر مرزا کادیانی کے دعویٰ نبوت پر صرف تین حوالوں پر اکتفا کیا گیا ہے اور تیسرے حوالہ میں مرزا کادیانی نہ صرف اپنی وحی کو قرآن کی سطح پر لایا ہے۔ بلکہ اس نے احادیث کی بھی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

- ”خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔“ (دافع البلاء ص ۱۳، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۳)

- ''اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح بن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں۔ وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔'' (کشتی نوح ص ۵۶، خزائن ج ۱۹ ص ۶۰)
- ''خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیشگوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب تھیں۔ وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں، اور یہ بھی فرمادیا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵، خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۱)

آخری حوالہ میں عبارت کے اس حصہ پر بھی توجہ فرمائیں کہ: ''خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا'' کیا نعوذ باللہ مرزا کی کتاب براہین احمدیہ خدا تعالیٰ کی کتاب تھی؟ ایسا کہنا بذات خود مستقل کفر ہے۔

آنحضرت ﷺ کی توہین

مرزا نے اپنی تصنیفات میں تقریباً تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی توہین و تنقیص کی ہے۔ ذیل میں آنحضرت صلی اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیوں اور توہین پر مشتمل مرزا کے چند حوالے ملاحظہ ہوں:

- ''میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ''وآخرین منھم لما یلحقوابھم'' بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام ''محمد'' اور ''احمد'' رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص ۸، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲)
- ''اس نبی کریم گزشتہ (ﷺ) کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔'' (اعجاز احمدی ص ۷۱، خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۳)
- ''مگر تم خوب توجہ کر کے سن لو کہ اب اسم محمد کی تجلی ظاہر کرنے کا وقت نہیں۔ یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں۔ کیونکہ مناسب حد تک وہ جلال ظاہر ہو چکا ہے۔ سورج کی کرنوں کی اب برداشت نہیں۔ اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمد کے رنگ میں ہو کر میں (مرزا) ہوں۔'' (اربعین نمبر ۴ ص ۱۴، خزائن ج ۱۷ ص ۴۴۶،۴۴۵)
- ''اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم ﷺ کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا۔ یہاں تک کہ میرا (مرزا) وجود اس (آنحضرت ﷺ) کا وجود ہو گیا۔ پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنیٰ: آخرین منھم کے لفظ کے بھی ہیں۔ جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ میں تفریق کرتا ہے۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔'' (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱، خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۹،۲۵۸)
- مرزا کادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار'' اس وحی میں میرا (مرزا) کا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷)

امت محمدیہ کی تکفیر

- ”خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔“(تذکرہ مجموعہ الہامات ص۶۰۷)
- ”کفر دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوم یہ کہ مثلاً وہ مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔ جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے، اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔“(حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ ص۱۸۵)
- اسی طرح مرزا محمود اور مرزا بشیر احمد غلام احمد کادیانی کے نہ ماننے والوں کے بارے میں لکھتا ہے:

...”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا کادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا کادیانی) کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔“(آئینہ صداقت ص۳۵)

دیگر انبیاء کرام وصحابہ کرام کی توہین

- میری آمد سے ہر نبی زندہ ہو گیا، ہر رسول میری قمیض میں چھپا ہوا ہے۔(خزائن ج18 ص290)
- ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبیوں کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔(خزائن ج3 ص439)
- شیطانی کلمے کا دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے۔(خزائن ج3 ص439)
- بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا۔(خزائن ج21 س285)
- ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) غبی تھا اور روایت اچھی نہیں رکھتا تھا(خزائن ج19 ص127)
- میں وہی مہدی ہوں جسکی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے درجہ پر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کیا وہ تو بعض انبیاء سے بھی بہتر ہے۔(مجموعہ اشتہارات ج2 ص396)
- پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو اب نئی خلافت لو، ایک زندہ علی (رضی اللہ عنہ) تم میں موجود ہے اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی (رضی اللہ عنہ) (حضرت علی المرتضیٰ) کو تلاش کرتے ہو۔(ملفوظات ج1 ص400)
- حضرت فاطمہ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں ان میں سے ہوں۔(خزائن ج18 ص217)

حرمت جہاد کا اعلان

جہاد اسلام کا ایک بڑا اہم فریضہ ہے جس پر ثبوت قرآن مجید کی بیسوں آیات اور احادیث رسول ﷺ دلیل ہیں۔ احادیث کے مطابق ”الجھاد ماضٍ الی یوم القیامۃ“ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ لیکن مرزا کادیانی نے انگریزی حکومت کو طول دلوانے کی غرض سے انگریز کی خوشنودی میں نہ صرف جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ جہاد کرنے والوں کو غلیظ گالیاں بھی دی ہیں۔ حرمت جہاد پر مرزائی کتب کے چند حوالہ جات ملاحظہ کیجیے۔

- ہر وہ شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھے مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں جہاد قطعاً حرام ہے۔(مجموعہ اشتہارات ج3ص21)
- یہ بات تو بہت اچھی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیال کو دلوں سے مٹایا جائے۔(خزائن ج19 ص144)۔

حرمین شریفین کی توہین

- لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے بھی جاتے ہیں، مگر اس جگہ (کادیان میں) نفلی حج سے زیادہ ثواب ہے اور غافل رہنے میں نقصان اور خطرہ ہے۔(خزائن ج5ص352)
- مرزا کادیانی کا لڑکا مرزا محمود اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہیں آئے گا ان کے ایمان کا خطرہ ہے، پس جو کادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے۔ پھر یہ تازہ دودھ بھی کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ سوکھ گیا کہ نہیں؟(حقیقت الرویا ص46انوار العلوم ج3ص)

مزید لکھتا ہے کہ: میں یہ کہتا ہوں کہ مکہ معظمہ کا حج موقوف ہو گیا اور اس کی بجائے کادیان آنا حج کا درجہ رکھتا ہے۔(الفضل 11دسمبر 1932ء)

کادیانیوں کے خلاف پہلا فتویٰ

مرزا غلام احمد کادیانی نے اب پر پرزے نکالے۔ جماعت سازی کے لئے ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں لدھیانہ آیا تو مولانا محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اسمٰعیل لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ مرزا غلام احمد کادیانی مجدّد نہیں بلکہ زندیق اور ملحد ہے۔(فتاویٰ قادریہ ص۳) اللہ رب العزت کا کرم تو دیکھئے! سب سے پہلے دیوبند مکتبہ فکر کے علمائے کرام کی جماعت کو مرزا غلام احمد کادیانی پر کفر کا فتویٰ دینے کی توفیق ہوئی۔ یہ مولانا محمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ معروف احرار رہنما مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا تھے۔ ان حضرات کا فتویٰ مرزا کادیانی کے کفر کو الم نشرح کرنے کے لئے کھڑے پانی میں پتھر پھینکنے کے مترادف ہوا۔ اس کی لہریں اٹھیں۔ حالات نے انگڑائی لی پھر: لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یہ اس زمانہ کی بات ہے جب مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ مرزا کادیانی کی کتب پر مثبت رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں انہوں نے بھی مرزا کادیانی کے خلاف فتویٰ دیا۔ مرزا کادیانی نے انگریز کے ایما پر رسائل و کتب شائع کیں۔ ہندوستان کے علمائے کرام حسب ضرورت اس کی تردید میں کوشاں رہے۔ قارئین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ باضابطہ فتویٰ مرتب کر کے متحدہ ہندوستان کے تمام سرکردہ جید علمائے کرام سے فتویٰ لینے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے دیوبند کو نصیب فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند کے مدرس مولانا محمد سہول رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲؍صفر ۱۳۳۱ھ کو فتویٰ مرتب کیا کہ:

۱۔ مرزا غلام احمد کادیانی مرتد، زندیق، ملحد اور کافر ہے۔

۲۔ یہ کہ اس کے ماننے والوں سے اسلامی معاملہ کرنا شرعاً ہرگز درست نہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مرزائیوں کو سلام نہ کریں۔ ان سے رشتہ ناتہ نہ کریں۔ ان کا ذبیحہ نہ کھائیں۔ جس طرح یہود، ہنود، نصاریٰ سے اہل اسلام مذہباً علیحدہ رہتے ہیں۔ اسی طرح مرزائیوں سے بھی علیحدہ رہیں۔

جس طرح بول و براز، سانپ اور بچھو سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مرزائیوں سے پرہیز کرنا شرعاً ضروری اور لازمی ہے۔

۳۔ مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا ایسے ہے۔ جیسے یہود و نصاریٰ اور ہندو کے پیچھے نماز پڑھنا۔

۴۔ مرزائی مسلمانوں کی مساجد میں نہیں آسکتے۔ مرزائیوں کو مسلمانوں کی مساجد میں عبادت کی اجازت دینا ایسے ہے۔ جیسے ہندوؤں کو مسجد میں پوجا پاٹ کی اجازت دینا۔

۵۔ مرزا غلام احمد کادیانی، کادیان (مشرقی پنجاب ہندوستان میں گورداس پور) کا رہائشی تھا۔ اس لئے اس کے پیروکاروں کو "کادیانی" یا "فرقہ غلامیہ" بلکہ جماعت شیطانیہ ابلیسیہ کہا جائے۔

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والوں میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد السمیع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیلاوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن ایسے دیگر اکابر علمائے کرام شامل تھے جن کا تعلق دیوبند، سہارنپور، دہلی، کلکتہ، ڈھاکہ، پشاور، رام پور، راولپنڈی، ہزارہ، مراد آباد، وزیر آباد، ملتان اور میانوالی وغیرہ سے تھا۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا وقیع اور جاندار فتویٰ تھا۔ آج سو سال کے بعد جبکہ کادیانیت کا کفر عیاں و عریاں ہے۔ بایں ہمہ اس فتویٰ میں ذرہ برابر زیادتی کرنا ممکن نہیں۔ ان اکابر نے سوچ سمجھ کر اتنا جاندار فتویٰ مرتب کیا۔ اس میں تمام جزئیات کو شامل کرکے اتنا جامع بنا دیا کہ ایک صدی گزرنے کے باوجود اس کی آب و تاب و جامعیت جوں کی توں باقی ہے۔

اس کے بعد ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ جاری ہوا جس میں کادیانیوں سے رشتہ ناتہ کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ فتویٰ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ ہے۔ اس پر دیوبند سے حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا گل محمد خان رحمۃ اللہ علیہ، سہارنپور سے مظاہر العلوم کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبد الرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، تھانہ بھون سے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، رائے پور سے حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، دہلی سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، غرض کلکتہ، بنارس، لکھنؤ، آگرہ، مراد آباد، لاہور، امرتسر، لدھیانہ، پشاور، راولپنڈی، ملتان، ہوشیار پور، گورداسپور، جہلم، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، حیدر آباد دکن، بھوپال، رام پور، وغیرہ سے سینکڑوں علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ اس فتویٰ کا نام "فتویٰ تکفیر کادیان" ہے۔ یہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع ہوا۔

مرزائیت کے خلاف مقدمات اور تحفظ ختم نبوت کی تحاریک

حضرات علمائے دیوبند کی مساعی جمیلہ کے صدقے پوری امت کے تمام مکاتب فکر کادیانیوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تو پورے متحدہ ہندوستان میں کادیانیوں کا کفر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آشکارا ہوا۔ یوں تو ہندوستان کی مختلف عدالتوں نے کادیانیوں کے خلاف فیصلے دیئے۔ ماریشس تک کی عدالتوں کے فیصلہ جات کادیانیوں کے خلاف موجود ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جس مقدمہ نے شہرت حاصل کی اور جو ہر عام و خاص کی توجہ کا مرکز بن گیا وہ **"مقدمہ بہاولپور"** ہے۔ علمائے بہاولپور کی دعوت پر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابو الوفا شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ،

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ ایسے اکابر علمائے دیوبند نے بہاولپور ایسے دور افتادہ شہر آکر کیس کی وکالت کی۔ اس مقدمہ کی ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک کارروائی چلتی رہی۔ اس مقدمہ میں جج نے کادیانیت کے کفر پر عدالتی مہر لگا کر کادیانیت کے وجود میں ایسی کیل ٹھونکی جس سے کادیانیت بلبلا اٹھی۔ سپریم کورٹ کے تمام فیصلوں کی بنیاد یہی فیصلہ ہے جس کی کامیابی میں فرزندان دیوبند سب سے نمایاں ہیں۔**فالحمد اللہ اوّلاً و آخراً۔**

مقدمہ بہاولپور1926ء

اس مقدمہ میں مدعیہ ایک خاتون مسماۃ عائشہ تھی، جس کے والد صاحب کا نام مولانا الٰہی بخش صاحب تھا جن کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا۔ مولانا نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرزاق نامی شخص سے کر دیا تھا لیکن ابھی رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ عبدالرزاق تلاشِ روزگار میں مہمند چلا آیا، یہاں آنے کے بعد اس کی کم بختی آئی کہ وہ مرزائیوں کے ہتھّے چڑھ گیا اور اس نے مرزائیت کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی منکوحہ کی رخصتی کا مطالبہ کیا، مگر مولانا صاحب نے تبدیلی مذہب کا عذر کرتے ہوئے بچی کو روانہ کرنے سے انکار کر دیا، معاملہ نے طول پکڑا تو مدعیہ کی طرف سے جولائی 1926ء میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا گیا، یہ دعویٰ احمد پور شرقیہ کی عدالت میں دائر ہوا۔

مقدمہ مختلف مراحل طے کرنے کے بعد ۱۱/نومبر ۱۹۲۸ء بروز اتوار کو مختلف عدالتوں کے فیصلہ جات کی بناء پر خارج ہو گیا کیونکہ ان فیصلہ جات میں احمدی مرزائیوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا تھا، پھر اس فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ (جسے Chief Court کہا جاتا تھا) میں اپیل دائر کی گئی، وہ بھی خارج ہو گئی۔

پھر دربار عالیہ میں اس سلسلے میں ایک درخواست دائر کی گئی جو نواب صاحب بہاولپور کا دربار شمار ہوتا تھا،، عموماً ریاست کے وزیر اعظم اجلاس کی صدارت کرتے تھے۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر اعظم کے P.A شیخ فاضل محمد مرحوم کے واسطے سے وزیر اعظم تک ذاتی طور پر ملاقات کر کے مسئلے کی نزاکت کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ مذکورہ درخواست پر غور کے لئے دربار عالیہ کا اجلاس بلایا گیا، ریاست کے ایک وزیر نے مرزائیوں سے ذاتی تعلقات کی بنا پر روڑے اٹکانے کی کوشش کی، مگر اجلاس ہو کر رہا۔

مختصر یہ کہ دربار عالیہ سے حکم ہوا کہ اس معاملہ میں ہائی کورٹس کا فیصلہ قطعی نہیں قرار دیا جا سکتا، چونکہ یہ ایک اسلامی ریاست ہے اور معاملہ ایک گروہ کے کفر و اسلام کا ہے، اس لئے بیرونِ ریاست سے چیدہ علماء کو بلا کر، ان سے مسئلہ کی پوری چھان پھٹک کرائی جائے، یہ حکم چیف کورٹ بہاول پور کو پہنچا اور وہاں سے ضلعی عدالت کو۔

اب پورے برصغیر میں ایک قسم کی ہلچل شروع ہو گئی، دارالعلوم دیوبند کے علاوہ متعدد مقامات سے بلند پایہ علماء کو بلایا گیا۔

جب حضرت گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا گرامی نامہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیوبند پہنچا، تو آپ شدید بیماری کے حملہ سے دوچار تھے، مگر آپ نے احباب سے فرمایا کہ: میرے نام بہاول پور کے بہت بڑے عالم کا رقعہ آیا ہے، میں روانہ ہو رہا ہوں، بہاول پور کی عدالت میں مسئلہ ختم نبوت میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل بن کر پیش ہوں گا، شاید یہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے، پس میں چل رہا ہوں، جو میرے ساتھ چلنا چاہے، اسٹیشن آ جائے۔ اس سے مرزائیت کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ انہوں نے بھی ان حضرات علماء کی آہنی گرفت اور احتسابی شکنجے سے بچنے کیلئے ہزاروں جتن کئے۔

بہاول پور پہنچ کر بھی حضرت شاہ صاحب نے جامع مسجد میں نماز جمعہ کے موقع پر یہی بات فرمائی، تو سامعین کی چیخیں نکل گئیں، بزرگوں سے سنا تھا کہ حضرت امام العصر کا قیام بہاول پور میں سترہ روز رہا، غالباً ۲۵ / اگست ۱۹۳۲ء بروز جمعرات آپ کا بیان شروع ہوا اور پانچ روز تک بیان اور جرح وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا۔

اگست ۱۹۳۲ء میں کاروائی مقدمہ ختم ہو گئی، اب فیصلہ سنایا جانا باقی تھا کہ مرزائیوں نے ایک اور ہتھکنڈہ استعمال کیا، عبد الرزاق مدعا علیہ نے ملتان کی ایک عدالت میں دعویٰ دائر کر کے وہاں سے یک طرفہ ڈگری حاصل کر لی، اس وجہ سے بہاول پور کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا، ظاہر ہے کہ چھ سات سال کی کاروائی کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے یہ کاروائی محض ایک چال تھی، بہر حال پھر ایک طویل وقفہ آ گیا۔

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس فیصلہ کے لیے اتنے بے تاب تھے کہ بیانات کی تکمیل کے بعد جب بہاولپور سے جانے لگے تو مولانا محمد صادق مرحوم سے فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو فیصلہ خود سن لوں گا اور اگر فوت ہو جاؤں تو میری قبر پر آ کر یہ فیصلہ سنا دیا جائے۔

یہ مقدمہ حق و باطل کا عظیم معرکہ تھا۔ جب 7 فروری 1935ء کو فیصلہ صادر ہوا تو مرزائیت کے صحیح خدوخال اور مکروہ چہرہ آشکارا اور واضح ہو گیا اور کادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ بلاشبہ پوری امت جناب محمد اکبر خان جج صاحب مرحوم کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے کمال عدل و انصاف اور محنت و عرق ریزی سے ایسا فیصلہ لکھا کہ اس کا ایک ایک حرف کادیانیت کے تابوت میں کیل ثابت ہوا۔ کادیانیوں نے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر کی سربراہی میں سر ظفر اللہ مرتد سمیت جمع ہو کر اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے کی سوچ و بچار کی لیکن آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ فیصلہ اتنی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر صادر ہوا کہ اپیل بھی ہمارے خلاف جائے گی۔ اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جائیں، کفر ہار گیا، اسلام جیت گیا۔

تحریک ختم نبوت 1953:

ہندوستان تقسیم ہوا، خداداد مملکت پاکستان معرض وجود میں آئی تو بدنصیبی سے اسلامی مملکت پاکستان کا وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ خان کادیانی کو بنایا گیا۔ اس نے مرزائیت کے جنازہ کو اپنی وزارت کے کندھوں پر لاد کر اندرون و بیرون ملک اسے متعارف کرانے کی کوشش تیز سے تیز تر کر دی، ان حالات میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امیر کاروان احرار کی رگ حمیت اور حسینی خون نے جوش مارا، پوری امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا پیغام لے کر ملک عزیز کی نامور دینی شخصیت اور ممتاز عالم دینِ اسلام مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر گئے اور اس تحریک کی قیادت کا فریضہ انہوں نے ادا کیا۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا پیر غلام محی الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ، ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اختر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ، غرضیکہ کراچی سے لے کر ڈھاکہ تک کے تمام مسلمانوں نے اپنی مشترکہ آئینی جدوجہد کا آغاز کیا۔ بلاشبہ برصغیر کی یہ عظیم ترین تحریک تھی۔ جس میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ہر چند کہ اس تحریک کو مرزائی اور مرزائی نواز اوباشوں نے سختی سے دبانے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے اپنی ایمانی جذبہ سے ختم نبوت کے اس معرکہ کو اس طرح سر کیا کہ مرزائیت کا کفر کھل کر پوری دنیا کے سامنے آ گیا۔

تحریک ختم نبوت1974:

1970ء کے الیکشن میں چند سیٹوں پر مرزائی منتخب ہوگئے۔ اقتدار کے نشے نے انہیں دیوانہ کردیا۔ وہ حالات کو اپنے لیے سازگار پاکر انقلاب کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کی سکیمیں بنانے لگے۔ کادیانی جرنیلوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ اس نشہ میں دھت ہو کر انہوں نے 29 مئی 1974ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ذریعہ سفر کرنے والے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے طلباء پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں تحریک چلی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے امیر تھے۔ ان کی دعوت پر امت کے تمام طبقات جمع ہوئے۔ آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان تشکیل پائی۔ جس کے سربراہ حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ قرار پائے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش نصیبی کہ اس وقت قومی اسمبلی میں تمام اپوزیشن متحد تھی۔ چنانچہ اپوزیشن پوری کی پوری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں شریک ہوگئی۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ مذہبی و سیاسی جماعتوں نے متحد ہو کر ایک ہی نعرہ لگایا کہ مرزائیت کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اس وقت قومی اسمبلی میں مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحق، پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالمطفی ازہری، مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقا نے ختم نبوت کی وکالت کی۔ متفقہ طور پر اپوزیشن کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزائیوں کے خلاف قرارداد پیش کی اور برسر اقتدار جماعت پیپلز پارٹی یعنی حکومت کی طرف سے دوسری قرارداد جناب پیر عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جو ان دنوں وزیر قانون تھے، قومی اسمبلی میں مرزائیت پر بحث شروع ہوگئی۔ پورے ملک میں مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، نوابزادہ نصر اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر، مولانا صاحبزادہ افتخار الحسن، سید مظفر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا علی غضنفر کراروی، مولانا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ، پیر شریف، حضرت مولانا محمد شاہ امروٹی رحمۃ اللہ علیہ، غرضیکہ چاروں صوبوں کے تمام مکاتب فکر نے تحریک کے الاؤ کو ایندھن مہیا کیا۔ اخبارات و رسائل نے تحریک کی آواز کو ملک گیر بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کو دباؤ بڑھتا گیا۔ ادھر قومی اسمبلی میں کادیانی و لاہوری گروپوں کے سربراہوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ ان کا جواب اور امت مسلمہ کا موقف مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سمیع الحق، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا سید انور حسین نفیس رقم نے مرتب کیا۔ اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لیے چودھری ظہور الٰہی کی تجویز اور دیگر تمام حضرات کی تائید پر قرعہ فال مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے نام نکلا۔ جس وقت انہوں نے یہ محضر نامہ پڑھا، کادیانیت کی حقیقت کھل کر اسمبلی کے ارکان کے سامنے آگئی۔ مرزائیت پر اوس پڑ گئی۔ نوے دن کی شب و روز مسلسل محنت و کاوش کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عہد اقتدار میں متفقہ طور پر 7 ستمبر 1974ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے عبدالحفیظ پیرزادہ کی پیش کردہ قرارداد کو منظور کیا اور مرزائی آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ الحمد اللہ رب العالمین حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کما یحب ربنا ویرضی

تحریکِ ختمِ نُبوّت1974ء ایک نظر میں

22 مئی: چناب نگر اسٹیشن پر کادیانیوں نے اپنا کفریہ لٹریچر تقسیم کیا جس پر ملتان میڈیکل کالج کے طلبہ نے احتجاج کرتے ہوئے "ختمِ نُبوّت زندہ باد" کے نعرے لگائے...

29 مئی: کادیانیوں نے بدلہ لینے کے لیے چناب نگر اسٹیشن پر اِنھی طلبہ پر قاتلانہ وسفّاکانہ حملہ کیا...

30 مئی: اس ظلم وغنڈہ گردی کے خلاف لاھور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ھوئی...

31 مئی: سانحۂ چناب نگر کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹریبونل کا قیام عمل میں آیا...

3 جون: مجلسِ عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا...

9 جون: مجلسِ عمل کا کنوینر لاھور میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنُوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا...

13 جون: وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا...

14 جون: ملک گیر ہڑتال ہوئی...

16 جون: مجلسِ عمل کا فیصل آباد میں اجلاس ھوا جس میں حضرت بنُوری کو امیر اور مولانا محمود احمد رضوی کو سیکرٹری منتخب کیا گیا...

30 جون: قومی اسمبلی میں ایک متّفقہ قرارداد پیش ھوئی جس پر غور کرنے کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا...

24 جولائی: وزیر اعظم نے اعلان کیا سہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ہو گا، ہمیں منظور ہو گا...

3 اگست: صمدانی ٹریبونل نے تحقیقات مکمل کر لیں...

5 اگست سے 23 اگست: وقتاً فوقتاً مکمل گیارہ روز کادیانی سربراہ مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح کی گئی...

20 اگست: صمدانی ٹریبونل نے سانحۂ چناب نگر سے متعلق اپنی رپورٹ وزیر اعلیٰ کو پیش کر دی...

22 اگست: رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی گئی...

24 اگست: وزیر اعظم نے فیصلہ کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ مقرر کی...

27/28 اگست: لاھوری گروپ کے صدرالدین، مسعود بیگ اور عبد المنان عمر پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی...

یکم ستمبر: شاہی مسجد لاہور میں ملک گیر ختم نبُوّت کانفرنس منعقد ھوئی...

5/6 ستمبر: اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار مرحوم نے قومی اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا...

7 ستمبر: تقریباً نوّے دن کی شب و روز مسلسل محنت کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے عھد میں قومی اسمبلی نے عبد الحفیظ پیرزادہ مرحوم کی پیش کردہ قرارداد کو منظور کیا اور مرزا کادیانی کو ماننے والے ہر دو گروپ (مرزائی اور لاھوری) آئینی طور پر غیر مسلم قرار پائے.

اللّٰھم لك الحمد كلّه و لك الشّكر كلّه! (عالمی مجلس تحفّظِ ختمِ نبُوّت، کراچی)

تحریک ختم نبوت 1984:

۷/ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اگرچہ قانونی طور پر کادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے، مگر وہ اپنی گستاخانہ روش سے ایک دن، بلکہ ایک لمحہ کے لئے بھی پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ وہ پہلے سے بڑھ کر اسلام، مسلمانوں، پیغمبرِ اسلام اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین و تنقیص کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے کھلے عام شعائرِ اسلام اور دینی اصطلاحات کو استعمال کرنا شروع کر دیا، ستم بالائے ستم یہ کہ جب ان کو اس سے روکنے کی کوشش کی گئی تو

انہوں نے حسب سابق اپنی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو اغوا کر کے مسلمانوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کا فیصلہ سنا دیا، اسے قدرت الٰہی کا کرشمہ کہئے! کہ ان کی یہ حکمت عملی خود ان کی ذلت و رسوائی کا سبب بن گئی۔ اور ۱۹۸۴ء کی تحریک برپا ہو گئی جس کی برکت سے آئین میں ترمیم کر کے امتناع کادیانیت آرڈی نینس جاری کر دیا گیا، جس میں قرار دیا گیا کہ:

"جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں، یا دکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعے یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعہ نبی کریم (حضرت) محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا۔"

اس آرڈی نینس کے اجرا اور نفاذ سے جہاں کادیانی گروہ کی جانب سے شعائر اسلام کے استعمال اور توہین انبیاء ایسی گھناؤنی ریشہ دوانیوں پر کسی حد تک روک لگ گئی، وہاں کادیانیت کا ہیڈ کوارٹر بھی مستقل طور پر پاکستان سے لندن منتقل ہو گیا۔

لندن بیٹھ کر اپنی سابقہ روش کے مطابق کادیانیت اگرچہ پاکستان اور آئین پاکستان کے خلاف سازشوں کے جال بن رہی ہے لیکن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ان کی تمام حرکات و سکنات پہ نظر رکھے ہوئے ہے، اور ان شاءاللہ جب تک ختم نبوت کے پروانے اور فدایان مصطفی موجود ہیں کادیانیت کو اس کا اصلی چہرہ دکھاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے ہمیں بھی قبول فرمائیں۔

آمین یارب العالمین بجاہ خاتم النبیین۔

کادیانیت کا جماعتی سطح پر احتساب

فرد کا مقابلہ فرد اور جماعت کا مقابلہ جماعت ہی کر سکتی ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۰ء کو لاہور میں انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں جو حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر منعقد ہوا تھا۔ ملک بھر سے پانچ سو علمائے کرام کے اجتماع میں امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "امیر شریعت" کا خطاب دیا اور کادیانیت کے محاذ کی ان پر ذمہ داری ڈالی۔ اس وقت کادیانیت کے خلاف افراد اور اداروں کی محنت میں دارالعلوم دیوبند کا کردار قابل رشک تھا۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ تو گویا تکوینی طور پر محاذ ختم نبوت کے انچارج تھے۔ قادیانیوں کے خلاف ان کا اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ کا وجود ہندوستان کی دھرتی پر درۂ عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب جماعتی سطح پر کادیانیوں کے احتساب کے لئے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ڈیوٹی لگی۔ آپ نے مجلس احرار اسلام ہند میں مستقل شعبہ تبلیغ قائم کر دیا۔ جمعیۃ علمائے ہند اور دارالعلوم دیوبند کی پوری قیادت کا ان پر اس سلسلہ میں بھرپور اعتماد تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی نے سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔

حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقہ علمی میں بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے:

"میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حدیث کی خدمت بھی اللہ کے دین کی خدمت ہے۔ قرآن کی خدمت بھی بہت اہم خدمت ہے۔ تفسیر کی خدمت بھی بہت بڑی سعادت ہے۔ فقہ کی خدمت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ تبلیغ کرنا بھی بہت اچھا کام ہے لیکن تحفظ ختم نبوت، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تحفظ ہے۔ باقی چیزیں اقوال کا تحفظ ہیں، اعمال کا تحفظ ہیں، افعال کا تحفظ ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت کا تحفظ ہیں۔ لیکن

ذات کا تحفظ ان سب سے اولی اور افضل ہے۔ جس شخص نے بھی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک گھنٹہ بھی کام کر لیا، اسے حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت ضرور نصیب ہو گی"۔ (بروایت مولانا محمد مکی حجازی (مدرس حرم مکی) "بیت اللہ کے سائے میں" ہفت روزہ ضرب مومن 2 تا 8 نومبر 2007ء)

اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے اور اس عظیم ترین فتنے سے امت کو بچانے کے لئے بے شمار لوگوں نے اپنی خدمات پیش فرمائیں۔ بہت سارے مصنفین نے قیمتی کتب اور رسائل تحریر فرمائے۔ ان میں سے کچھ وقت کے ساتھ نایاب ہو گئے اور کچھ ایسے تھے جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے شائع ہی نہ ہو سکے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ایسے بہت سارے نایاب کتب و رسائل اور مسودات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر 30 سال تک جمع فرمایا اور انہیں احتساب کادیانیت کے نام سے شائع کرنا شروع کیا جو اب تک 60 جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

کادیانیت آئین پاکستان کی نظر میں

ختم نبوت امت مسلمہ کا متفقہ، مسلمہ اور اہم ترین عقیدہ ہے، حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی بھی تشریعی، غیر تشریعی، ظلی یا بروزی نبی کی گنجائش نہیں، آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا مرتد، کافر اور اسلام سے خارج ہے، اسی عقیدہ ختم نبوت کو 100 سے زائد آیات اور 200 سے زائد احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

جنگ آزادی 1857ء کے بعد دنیائے کفر کے لیے مسلمانوں کا عقیدہ جہاد سوہان روح بنا ہوا تھا، اسلام دشمنوں نے اس عقیدہ کو ختم کرنے کی کوشش کی، چونکہ نبی کے حکم کو نبی ہی ختم کر سکتا ہے اس لیے کسی شخص کو نبی بنانے کی ضرورت تھی جو نبوت کا دعویٰ کرے اور جہاد کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دے، چنانچہ برطانوی حکومت نے اپنی سرپرستی میں گورداسپور سے غلام احمد کادیانی کو نبی بنا دیا۔

ابتداء میں مرزا غلام احمد کادیانی عیسائی اور ہندو مخالف مناظر کے طور پہ سامنے آیا، پھر مجدد، محدث، امتی نبی، ظلی نبی، بروزی وغیرہ مختلف منزلیں طے کرتا ہوا خود سے نبی بن گیا۔

مسلمانانِ ہند نے مرزا کے دعوی نبوت کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا،

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جواہر لعل نہرو کے خط کے جواب میں لکھا تھا کادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔

کادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بنا پر ملک کی منتخب جمہوری حکومت نے متفقہ طور پر 7 ستمبر 1974ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور آئین پاکستان کی شق 160(2) اور 260(3) میں اس کا اندراج کر دیا۔

آئین کی دفعہ 260(3) کا پورا متن یہ ہے:

"جو شخص محمد ﷺ (جو آخری نبی ہیں) کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو شخص محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو شخص کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔"

اس کے باوجود کادیانی مسلسل شعائر اسلامی استعمال کرتے ہیں۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود اپنی عبادت گاہ کو مسجد، مرزا کادیانی کو نبی اور رسول، مرزا کی بیوی کو ام المومنین، مرزا کادیانی کے دوستوں کو صحابہ کرام، کادیان کو مکہ مکرمہ، ربوہ کو مدینہ، مرزا کادیانی کی باتوں کو احادیث مبارکہ، مرزا کادیانی پر اترنے والی نام نہاد وحی کو قرآن مجید، محمد رسول اللہ سے مراد مرزا کادیانی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ 26 اپریل 1984ء کو حکومت نے مسلمانوں کے پرُزور مطالبہ پر ایک آرڈیننس جاری کیا، جس میں کادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے قانوناً روکا گیا۔ اس آرڈیننس کے نتیجہ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298/B اور 298/C کے تحت کوئی کادیانی خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتا، اپنے مذہب کو اسلام نہیں کہہ سکتا، اپنے مذہب کی تبلیغ و تشہیر نہیں کر سکتا، شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں وہ 3 سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہو گا۔
کادیانی قیادت نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا کہ کادیانیوں پر پابندی بالکل درست ہے۔ اس کے بعد کادیانیوں نے چاصنضروں صوبوں کی ہائی کورٹس میں چیلنج کیا، یہاں پر بھی عدالتوں نے دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد قرار دیا کہ آرڈیننس بالکل قانون کے مطابق ہے۔ کادیانیوں کو آئین میں دی گئی اپنی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے شعائر اسلامی استعمال نہیں کرنے چاہییں۔

آخر میں کادیانیوں نے ان تمام فیصلوں کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں آئین کے مطابق آزادی کا حق حاصل ہے، لیکن ہمیں شعائر اسلامی استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا عدالت تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298/B اور 298/C کو کالعدم قرار دے۔ سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اس کیس کی مفصل سماعت کی۔ دونوں طرف سے دلائل دیے گئے۔ کادیانیوں کی اصل کتابوں سے متنازعہ ترین حوالہ جات پیش کیے گئے۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے اپنے تاریخی فیصلہ ظہیر الدین بنام سرکار (SCMR 1718 1993) میں قرار دیا کہ کوئی کادیانی خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتا اور نہ اپنے مذہب ہی کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں وہ سزا اور جرمانے کا مستوجب ہو گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ جج صاحبان کسی دینی مدرسہ یا اسلامی دارالعلوم کے استاد نہیں تھے، بلکہ انگریزی قانون پڑھے ہوئے تھے۔ ان کا کام آئین و قانون کے تحت انصاف مہیا کرنا ہوتا ہے۔ فاضل جج صاحبان کا یہ بھی کہنا تھا کہ کادیانی اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، جب کہ دھوکہ دینا کسی کا بنیادی حق نہیں ہے اور نہ اس سے کسی کے حقوق یا آزادی ہی سلب ہوتی ہے۔

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید لکھا: ”ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ کادیانیوں کو اپنی شخصیات، مقامات اور معمولات کے لیے نئے خطاب، القاب یا نام وضع کرنے میں کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخر کار ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر برادریوں نے بھی تو اپنے بزرگوں کے لیے القاب و خطاب بنا رکھے ہیں اور وہ اپنے تہوار امن و امان کا کوئی مسئلہ یا الجھن پیدا کیے بغیر پرُامن طور پر مناتے ہیں۔“ (ظہیر الدین بنام سرکار 1993ء SCMR 1718)

افسوس ہے کہ کادیانی آئین میں دی گئی اپنی حقیقت کو ماننے سے انکاری ہیں اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اس صورت حال میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ کادیانیوں کو آئین اور قانون کا پابند بنائے، تا کہ ملک بھر میں کہیں بھی لا اینڈ آرڈر کی صورتحال پیدا نہ ہو۔

کادیانی خلفاء تاریخ کے آئینے میں!

پہلا خلیفہ

مرزا غلام کادیانی ملعون کے جہنم رسید ہونے کے بعد اس کا پہلا خلیفہ حکیم نورالدین تھا. وہ ایک ایسا غلیظ المزاج اور بدبودار شخص تھا کہ مدتوں تک نہ نہاتا تھا اور نہ ہی اپنے بال اور ناخن تراشتا تھا. ایک دن یہ بدبخت شخص گھوڑے پر سوار ہو کے نکلا تو گھوڑا بدکنے پر گرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں گھوڑے کی رکاب میں پھنسا بیٹھا. اور پھر وہ پاؤں رکاب میں پھنسا رہا اور گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا اس خبیث کو گھسیٹتا اور اس کی ہڈیاں چٹخاتا رہا. اس ہنگامہ میں نامراد خلیفہ زندہ تو بچ گیا مگر قدرت کو اس منکرِ ختم نبوت کی عبرت ناک موت زمانے کو دکھانا منظور تھا. زخم ناسور کی شکل اختیار کر کے پہلے طویل اذیت اور بعد ازاں جان لیوا ثابت ہوئے. تمام کادیانی حکیم اور ان کے سرپرست انگریز ڈاکٹرز بھی اس بدبخت کا علاج کرنے میں ناکام رہے. اور یوں مرزا کادیانی کا پہلا جانشین، ملعون کادیانی خلیفہ اول بستر مرگ پر انتہائی دردناک حالت میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے، اپنے کاذب نبی کے ٹھکانہ ہاویہ کو سدھار گیا.

دوسرا خلیفہ.

حکیم نورالدین کے اس انجام کے بعد ممکنہ جانشین مولوی محمد علی لاہوری کو خلافت نہ ملی. مرزا کادیانی کی بیوی نے اپنے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو زبردستی خلیفہ بنوا دیا. اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھنے والا یہ بدترین گستاخِ قرآن و رسالت خلیفہ، ناجائز تعلقات کا دلدادہ اور انتہائی عیاش نوجوان تھا. اسے خلافت ملنے پر مرزا کادیانی کے وفادار ساتھی مولوی محمد علی لاہوری نے جماعتِ کادیان چھوڑ کر اپنا لاہوری مرزائی فرقہ بنالیا. مرزا بشیر نے خلیفہ بنتے ہی ایسی گھناؤنی حرکتیں کی کہ خود شرم بھی شرما گئی. اس کی قصرِ خلافت نامی رہائش گاہ دراصل قصرِ فحاشی و جرائم تھی. ربوہ کے اس عمارت میں اس خبیث نے نہ صرف کادیانی نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کی بلکہ "اس کی اپنی گیارہ سالہ بیٹی امت الرشید بھی اس کی شیطانی ہوس سے محفوظ نہ رہی".

اس خلیفہ ثانی کی زندگی کا خاتمہ بھی ایسے دردناک حالت میں ہوا کہ اس فالج زدہ ابلیس کو زندگی کے آخری بارہ سال ایڑیاں رگڑتے اور مرتے دیکھ کر کادیانی بھی کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے. اس ملعون کی شکل وصورت پاگلوں کی سی بن چکی تھی اور وہ سر ہلاتا اور منہ میں کچھ ممیاتا رہتا تھا. اکثر یہ مجنون اپنے بال اور داڑھی نوچتا رہتا اور اپنی ہی نجاست ہاتھ و منہ پر مل لیا کرتا تھا بہت سارے لوگ ان سب غلاظت آلودہ حالات و واقعات کے عینی شاہد ہیں ایک عرصے تک بستر مرگ پر ایسی اذیت ناک زندگی گزارنے کے بعد جب یہ گستاخِ قرآن و رسالت جہنم کو سدھارا تو اس کا جسم بھی عبرت کا اک عجیب نمونہ تھا. ایک لمبے عرصے تک بستر مرگ پر رہنے کی وجہ سے لاش مرغ کے روسٹ ہوئے چرغے کی طرح اس قدر اکڑ چکی تھی کہ ٹانگوں کو رسیوں سے باندھ کر بمشکل سیدھا کیا گیا. چہرے پر پڑی سیاہیاں اور افلا کی لعنتیں چھپانے کے لئے لاش کا خصوصی میک اپ کروایا گیا. اور پھر عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے مرکری بلب کی تیز روشنی میں لاش کو اس طرح رکھا گیا کہ چہرے پر لعنت زدہ سیاہی نظر نہ آئے، لیکن تمام کادیانی تو ساری اصل حقیقت سے آشنا تھے.

تیسرا خلیفہ

مرزا بشیر الدین محمود کی عبرت ناک انجام کے بعد وراثت اور کادیانی گروہ سے جبری چندوں کے نام نہاد خلافت مافیا کا روایتی کرپشن سلسلہ جاری رکھنے کی خاطر اسی کا بڑا بیٹا، مرزا ناصر احمد گدی نشین ہوا. یہ عیاش خلیفہ اپنی عمرِ نوجوانی ہی سے گھوڑوں کی ریس اور جوّا بازی کا شوقین ہونے کے ساتھ

ساتھ معاشقوں کا بھی انتہائی دلدادہ تھا. شراب وشباب کی طلب اور جنسی ہوس اسے اپنے دادا مرزا غلام احمد اور باپ سے وراثت میں ملی. اس کے گھڑ سواری کے شہنشاہی شوق نے ربوہ میں گھڑ دوڑ کے دوران ایک غریب کی جان بھی لی.

اس ہوس رسیدہ وشہوت پرست خلیفہ نے اڑسٹھ سال کی عمر میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی ایک ستائیس سالہ نوجوان کادیانی طالبہ کو یہ خلافتی فرمان جاری کرتے ہوئے اپنے عقد میں لے لیا تھا کہ

"آج یہ مقدس دولہا اپنا نکاح خود پڑھائے گا"

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ خود کادیانی مرکزی قیادت کو بھی تھا.

خود سے چوالیس برس چھوٹی خوبرو بیوی سے ازدواجی تعلقات میں کلی طور پر ناکام ٹھہرنے کے بعد بوڑھے دولہا نے مجبوراً دیسی کشتوں کا بے دریغ استعمال شروع کر دیا. کشتوں کے ری ایکشن کی وجہ سے مرنے سے پہلے اس کادیانی کا جسم پھول کر کُپّا ہو گیا تھا. سونے اور چاندی کے کشتوں کا زہریلے ناگ نے اس خبیث کو ایسے ڈسا کہ یہ زندیق، مختصر عرصے میں کشتوں ہی کے زہریلے آگ میں جھلس کر اپنے باپ دادا کے پاس جہنم سدھار گیا.

چوتھا خلیفہ

مرزا ناصر احمد کی موت کے بعد مرزا طاہر احمد گدی نشین ہوا تو اس کا سوتیلا بھائی مرزا رفیع احمد خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہوئے میدان میں آ گیا. جب اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنے حواریوں کے ساتھ سڑکوں پر آ گیا. چوتھا خلیفہ انتہائی آمرانہ مزاج کا حامل تھا. اس کی فرعونی عادات واطوار نے نہ صرف اسے، بلکہ پوری کادیانی جماعت کو دنیا بھر میں ذلیل وخوار کیا. اپنی زبان درازی کی وجہ سے وہ پاکستان سے بھاگ کر لندن میں اپنے گورے آقاؤں کے ہاں پناہ گزین ہوا. اس کے دور میں غیر تو کیا کسی کادیانی کی بھی عزت محفوظ نہیں تھی. اس نے نظریں ملا کر بات نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا.

مرزا طاہر ہومیوپیتھک ڈاکٹر کہلوانے کا شوقین تھا. مرزا طاہر کی خواہش تھی کہ کادیانی عورتیں صرف لڑکے ہی پیدا کریں، جن میں ذات پات یا نسل کا کوئی لحاظ نہ ہو.

ڈاکٹر مرزا طاہر کادیانیوں کو "نرنسل" پیدا کرنے کی گولیاں تو دیتا رہا مگر اپنی بیوی کو لڑکا نہ دے سکا اور اس کے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں. اس خبطی کے ذہنی توازن کا یہ حال تھا کہ امامت کے دوران عجیب وغریب حرکتیں کرتا تھا، کبھی باوضو تو کبھی بے وضو ہی نماز پڑھا دیتا. رکوع کی جگہ سجدہ اور سجدہ کی جگہ رکوع اور کبھی دورانِ نماز ہی یہ کہتے ہوئے گھر کو چلتا تھا کہ ٹھہرو، میں ابھی وضو کر کے آتا ہوں. غرض یہ کہ اپنے پیشرؤں کی طرح مرزا طاہر کی بھی بڑی مشکل سے جان نکلی. پرستاروں کے دیدار کے لئے جب لاش رکھی گئی تو چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ ساتھ لاش سے اچانک ایسا بدبودار تعفن اٹھا کہ پرستاروں کو فوراً کمرے سے باہر نکال دیا گیا اور لاش بند کر کے تدفین کے لئے روانہ کر دی گئی.

پانچواں یعنی موجودہ خلیفہ

مرزا طاہر کی موت کے بعد کادیانیوں کا موجودہ خلیفہ، "مرزا مسرور" خلیفہ بنا. موصوف تو دو قدم آگے جا کر پانامہ کی رسوائیوں میں بھی اپنا نام شامل کر چکے ہیں. تازہ اطلاعات کے مطابق پاناما اسکینڈلز کی شہ سرخیوں کا جعلساز کردار موجود خلیفہ بھی ایک پر اسرار بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے اور کادیانی قیادت نے اندرونِ خانہ اپنے اگلے بدبخت خلیفہ تلاش شروع کر دی ہے. (بشکریہ روزنامہ امت)

ختم نبوت کی تحاریک (ردِ کادیانیت کے لئے)

مقدمہ بہاولپور

اس مقدمہ میں مدعیہ ایک خاتون مسماۃ عائشہ تھی، جس کے والد صاحب کا نام مولانا الٰہی بخش صاحب تھا جن کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا۔ مولانا نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرزاق نامی شخص سے کر دیا تھا لیکن ابھی رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ عبدالرزاق تلاشِ روزگار میں مہمند چلا آیا، یہاں آنے کے بعد اس کی کم بختی آئی کہ وہ مرزائیوں کے ہتھے چڑھ گیا اور اس نے مرزائیت کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی منکوحہ کی رخصتی کا مطالبہ کیا، مگر مولانا صاحب نے تبدیلی مذہب کا عذر کرتے ہوئے بچی کو روانہ کرنے سے انکار کر دیا، معاملہ نے طول پکڑا تو مدعیہ کی طرف سے جولائی 1926ء میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا گیا، یہ دعویٰ احمد پور شرقیہ کی عدالت میں دائر ہوا۔

اس مقدمہ میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام نے ختم نبوت کے حق میں دلائل دیئے اور مرزائیت کے تابوت میں پہلی کیل ٹھونک دی۔ یہ مقدمہ حق و باطل کا عظیم معرکہ تھا۔ جب 7 فروری 1935ء کو فیصلہ صادر ہوا تو مرزائیت کے صحیح خدوخال اور مکروہ چہرہ آشکارا اور واضح ہو گیا اور کادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

تحریکِ ختمِ نُبوّت 1974ء ایک نظر میں

22 مئی: چناب نگر اسٹیشن پر کادیانیوں نے اپنا کفریہ لٹریچر تقسیم کیا جس پر ملتان میڈیکل کالج کے طلبہ نے احتجاج کرتے ہوئے "ختمِ نُبوّت زندہ باد" کے نعرے لگائے...

29 مئی: کادیانیوں نے بدلہ لینے کے لیے چناب نگر اسٹیشن پر اِنھی طلبہ پر قاتلانہ وسفّاکانہ حملہ کیا...

30 مئی: اس ظلم و غنڈہ گردی کے خلاف لاھور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ہوئی...

31 مئی: سانحۂ چناب نگر کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹربیونل کا قیام عمل میں آیا...

3 جون: مجلسِ عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ھوا...

9 جون: مجلسِ عمل کا کنوینر لاہور میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بَنُوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا...

13 جون: وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا...

14 جون: ملک گیر ہڑتال ہوئی...

16 جون: مجلسِ عمل کا فیصل آباد میں اجلاس ہوا جس میں حضرت بَنُوری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر اور مولانا محمود احمد رضوی کو سیکرٹری منتخب کیا گیا...

30 جون: قومی اسمبلی میں ایک متّفقہ قرارداد پیش ہوئی جس پر غور کرنے کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا...

24 جولائی: وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ھو گا، ہمیں منظور ھو گا...

3 اگست: صمدانی ٹربیونل نے تحقیقات مکمل کر لیں...

5 اگست سے 23 اگست: وقتاً فوقتاً مکمل گیارہ روز کادیانی سربراہ مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح کی گئی...

20 اگست: صمدانی ٹریبونل نے سانحۂ چناب نگر سے متعلق اپنی رپورٹ وزیر اعلیٰ کو پیش کر دی...

22 اگست: رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی گئی...

24 اگست: وزیر اعظم نے فیصلہ کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ مقرر کی...

27/28 اگست: لاهوری گروپ کے صدرالدین، مسعود بیگ اور عبد المنان عمر پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی...

یکم ستمبر: شاهی مسجد لاهور میں ملک گیر ختم نُبوّت کانفرنس منعقد ہوئی...

6'5 ستمبر: اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار مرحوم نے قومی اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا...

7 ستمبر: تقریباً نوّے دن کی شب و روز مسلسل محنت کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے عہد میں قومی اسمبلی نے عبد الحفیظ پیرزادہ مرحوم کی پیش کردہ قرارداد کو منظور کیا اور مرزا کادیانی کو ماننے والے ہر دو گروپ (مرزائی اور لاهوری) آئینی طور پر غیر مسلم قرار پائے.

اللّٰهم لك الحمد كلّه و لك الشّكر كلّه!

(عالمی مجلسِ تحفّظِ ختمِ نُبوّت، کراچی)

یوسف کذّاب (جھوٹے نبی)

تعارف و پس منظر

اصل نام: یوسف علی (جو بعد میں "یوسف کذّاب" کے نام سے مشہور ہوا)

زمانہ: انیسویں صدی کے آخر سے لے کر **1990ء کی دہائی تک**—خاص طور پر پاکستان میں اس کا فتنہ پھیلا۔

جائے پیدائش: لاہور یا سیالکوٹ کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا (مختلف روایات ہیں)۔

پہلے وہ ایک **کاروباری** اور **تبلیغی آدمی** کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔

ظاہری نیک نامی اور ابتدائی فریب

ابتدا میں یوسف علی نے خود کو **اسلامی مبلغ** اور **روحانی مصلح** کے طور پر پیش کیا۔ وہ قرآن، صوفیانہ الفاظ، اور مذہبی زبان استعمال کرتا تھا تاکہ عوام کو متاثر کرے۔ کئی پڑھے لکھے لوگ اس کے بیانات سے متاثر ہوئے، خاص طور پر تعلیمی طبقہ۔ وہ کہتا تھا کہ اس پر "الہام" آتا ہے، اور وہ "روحانی تجدید" کا مامور ہے۔

جھوٹا دعویٰ نبوت

- کچھ عرصہ بعد اس نے دعویٰ کیا کہ وہ محمد ﷺ کا مظہر ہے، یعنی نبی کریم ﷺ کی "روح" اس میں ظاہر ہوئی ہے۔
- پھر رفتہ رفتہ اس نے نبوت کا دعویٰ کھلے لفظوں میں کرنا شروع کیا۔
- اپنے ماننے والوں کو کہتا تھا کہ وہ "رسولِ وقت" ہے۔

- اس نے اپنی جماعت بنائی، اپنے خطوط میں نبیوں جیسے القابات استعمال کیے، اور قرآن کے بعض الفاظ کی من مانی تاویلات کیں۔

حکومتی کارروائی اور عدالتی فیصلہ

- 1990ء کی دہائی میں یوسف کذّاب کے خلاف ختمِ نبوت تحریک نے شدید احتجاج کیا۔
- علمائے کرام اور عوام نے عدالت میں اس کے خلاف توہینِ رسالت اور جھوٹی نبوت کے مقدمات درج کرائے۔
- 1997ء میں لاہور کی عدالت نے اسے توہینِ رسالت (295-C) اور جھوٹے دعوئے نبوت کے جرم میں سزائے موت سنائی۔
- بعد ازاں 2000ء میں جیل کے اندر ایک قیدی نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے عقائد اور گمراہیاں

پہلو	اسلامی موقف	یوسف کذّاب کا عقیدہ
نبوت	محمد ﷺ **خاتم النبیین**، ان کے بعد کوئی نبی نہیں	نبی کریم ﷺ کی روح میرے اندر ظاہر ہوئی، میں نبی وقت ہوں
وحی	قرآن کے بعد کوئی نئی وحی نہیں	مجھ پر الہام آتا ہے
شریعت	شریعتِ محمدی ﷺ قیامت تک باقی	پرانی شریعت منسوخ نہیں، لیکن میں اس کا نیا ترجمان ہوں
امتِ محمدیہ	امتِ محمدیہ کے بعد کوئی نئی امت نہیں	اپنے ماننے والوں کو "اہلِ روح" کہتا تھا

علماء اور عوامی ردِ عمل

- مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت، مولانا عبدالحفیظ مکی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ، اور دیگر علما نے اس فتنہ کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔
- مختلف شہروں میں جلسے، احتجاج، اور عدالتی تحریکوں کے ذریعے عوام کو اس کے باطل نظریات سے آگاہ کیا گیا۔
- بالآخر عدالت نے بھی علماء کے مؤقف کو تسلیم کرتے ہوئے اسے مجرم قرار دیا۔

انجام

2000ء میں لاہور کی سنٹرل جیل میں ایک قیدی (یوسف کذّاب کے سابق شاگرد) نے اسے قتل کر دیا۔ اس کا فتنہ انجام کو پہنچا، مگر اس کی تعلیمات کے کچھ پیروکار خفیہ طور پر موجود رہے، جن پر بعد میں نظر رکھی گئی۔ زید زمان حامد بھی یوسف کذاب کا خلیفہ رہ چکا ہے۔ اور اسکی زندگی میں اس کی تعارفی مہم اور اس کے لئے لوگوں سے پیسے جمع کرتا رہا ہے۔ زید حامد کو سعودی عرب میں سعودی قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے جولائی 2015ء میں سعودی عدالت نے ایک ہزار کوڑے اور آٹھ برس قید کی سزا سنائی۔

ریاض احمد گوہر شاہی

فتنۂ گوہر شاہی کے بانی کا مختصر تعارف:

پیدائش اور خاندانی پس منظر:

حضرات! فتنۂ گوہر شاہی کے بانی کا نام ریاض احمد ہے، جو بابا گوہر علی شاہ کی پانچویں پشت سے ہے، والد کا نام فضل حسین مغل تھا، جو کہ ایک سرکاری ملازم تھا۔ یہ اپنے آپ کو سید کہتا تھا، مگر اصلاً یہ مغل ہے۔ گوہر علی شاہ جو کہ سری نگر کا رہائشی تھا، وہاں اس سے ایک قتل سرزد ہوا، پکڑے جانے کے

ڈر سے راولپنڈی آگیا اور نالہ لئی کے پاس رہائش پذیر رہا، جب انگریزی پولیس کا ڈر زیادہ ہوا تو فقیری کا روپ دھار کر تحصیل گوجر خان کے ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا، جہاں کافی لوگ اسکے مرید ہو گئے اور جنگل کو نذرانے میں پیش کر دیا، یہی جنگل ڈھوک گوہر علی شاہ کے نام سے آباد ہوا اور یہیں ریاض احمد گوہر شاہی 25/ نومبر 1941ء میں پیدا ہوا۔

تعلیمی لیاقت:

اپنے گاؤں میں ہی مڈل پاس کیا اور پھر پرائیویٹ طور پر میٹرک کیا، اس کے بعد ویلڈنگ اور موٹر میکینک کا کام سیکھ کر اس کی دوکان کھولی؛ مگر اس میں کوئی نفع حاصل نہ ہوا۔ حصولِ روزگار کے لیے پریشانی ہوئی تو اس نے سوچا کہ دادا والا کام دھندہ یعنی پیری مریدی شروع کر دی جائے۔ اس کے لیے ابتداً خانقاہ کے چکر لگائے۔ خود لکھتا ہے کہ:

بے رہبر کے فضول مجاھدے اور شیطانی رنگینیاں:

"کئی سال سیہون کے پہاڑوں اور لال باغ میں چلے اور مجاہدے کیے مگر گوہر مراد حاصل نہ ہوا اور پھر بری امام اور داتا دربار بھی رہا؛ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" مزید لکھتا ہے کہ: "اس کے بعد طبیعت بگڑ گئی۔ بیس سال کی عمر سے تیس سال تک ایک گدھے کا اثر رہا، نماز وغیرہ ختم ہو گئی، جمعہ کی نماز بھی ادا نہ ہو سکی۔ زندگی سینماؤں اور تھیٹروں میں گزرتی۔ حصولِ دولت کے لیے حلال و حرام کی تمیز جاتی رہی۔ بے ایمانی، جھوٹ اور فراڈ شکار بن گیا۔ (روحانی سفر ص: 13 تا16)- پھر ایک مرتبہ عزم مضبوط کر کے سندھ کے پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ علاقے جام شورو ٹیکسٹ بک بورڈ میں جھونپڑی ڈال کر پیری مریدی شروع کر دی، کچھ کمزور عقیدہ لوگوں کی آمد شروع ہو گئی؛ لیکن قریبی یونیورسٹی کے VC نے سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور جھونپڑی اُکھاڑنے کا حکم دیا، ہم نے چپ چاپ اکھاڑلی (روحانی سفر، ص:8,9) پھر حیدر آباد، سرے گھاٹ میں رہنے لگا، اپنے آپ کو سید ظاہر کیا جب کہ تھا مغل۔ سندھ کے لوگ چونکہ سید کے نام پہ مرتے ہیں؛ اس لیے اس کی کافی پذیرائی کی۔ یہیں سے شہرت ملی اور 1980ء میں اس نے کوٹری حیدر آباد، سندھ، خورشید کالونی سے ہی "انجمن سر فروشانِ اسلام" کی بنیاد ڈالی اور اپنے گمراہ کن عقائد کا پرچار شروع کیا۔ اس کے گمراہ کن عقائد و نظریات اور باطل دعوے مندرجہ ذیل ہیں۔

ریاض احمد گوہر شاہی کے کفریہ عقائد:

اللہ رب العزت کی توہین:

یہ ملعون اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اللہ مجبور ہے اور شہ رگ کے پاس ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ پھر مزید کہتا ہیکہ حضور ﷺ نے معراج کے موقع پر اللہ کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی دیکھی جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔ یعنی اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ زیورات کے محتاج ہو گئے ہیں۔ (یاد گار لمحات، ص:24)

اسی طرح اس کے ماننے والے بدنصیب ریاض احمد گوہر شاہی کو رب الارباب یعنی اللہ کا باپ مانتے ہیں اور یوں عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ یونس الگوہر کو ریاض احمد گوہر شاہی نے اللہ کے عرش پر بٹھایا تو پھر یونس سجدے میں گر گیا تو بازو میں دیکھا کہ نعوذ باللہ من ذلک، اللہ تعالیٰ بھی ریاض احمد گوہر شاہی کے لئے سجدے میں گر گئے ہیں، یوں ریاض احمد گوہر شاہی رب الارباب ہوا کہ اللہ بھی گویا نعوذ باللہ اسکے لئے سجدہ کر رہا ہے۔ (ماخوذ از ویڈیو کلپ یونس الگوہر)

حضرات انبیاء کرام کی توہین:

حضرات! ملعون گوہر شاہی حضرت آدم علیہ السلام کو نعوذ باللہ حسد اور شرارتِ نفس کا مریض قرار دیتا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کو جسدِ اطہر سے

خالی اور شرک کا اڈا بنا اور کرانا اور حضرت خضر علیہ السلام کا قاتلِ نفس گردانتے ہوئے ان کی توہین کرتا ہے۔(روحانی سفر)۔

موجودہ اسکا نمائندہ یونس الگوہر نالائق بھی اپنی ویڈیو کلپ میں حضرت آدم علیہ السلام کو دھکا دیکر نکالا ہوا نبی کہتا ہے۔

خود ساختہ کلمہ:

کلمہ میں محمد رسول اللہ کی جگہ اس ظالم نے گوہر شاہی رسول اللہ لکھوایا۔(حق کی آواز)

نیز اس وقت اس مردود کے متبعین برملا "لا الہ الا ریاض" کا ذکر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سرکار گوہر شاہی کی آمد کے بعد جس نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھا وہ مشرک ہے۔(ماخوذ از ویڈیو کلپ یونس الگوہر)

نبوت کا دعویٰ:

اسی طرح ہندوؤں میں ایک عقیدہ کالکی اوتار کا ہے کہ ایک مہان ہستی آخر میں آنے والی ہے، یہ آخری نبی کے معنیٰ میں ہے یہ ملعون دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کالکی اوتار میں ہی ہوں۔(دور جدید کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی، ص:97)

خدائی کے منصب پر:

اسی طرح اس ملعون ریاض احمد گوہر شاہی نے 11/ اپریل 1996 میں لاہور کے لکشمی چوک کے جلسۂ عام کے اسٹیج پر بیٹھ کر اپنی آٹھ برس کی صاحبزادی سے نذرانۂ عقیدت کے نام پر اشعار کے ذریعے اپنی خدائی اور رسالت کا اعلان کروایا۔(عقیدت کے پھول، ص:139)

قرآن پاک کا انکار اور توہین:

قرآن پاک کے بارے اس ملعون نے لکھا ہے کہ تیس پارے ظاہری قرآن پاک اور دس پارے باطنی ملا کر چالیس پارے ہوئے اور یہ ہم پر عبادات، ریاضات اور مجاہدات کے ذریعے منکشف ہوئے۔(حق کی آواز، ص:52، 54)۔اسی طرح موجودہ تیس پارے والے قرآن کو ناقص قرآن اور شریعت کو ناقص شریعت کہتا ہے۔

شرعی قوانین طریقت پر لاگو نہیں ہوتے:

حضرات! چونکہ یہ ملعون دین و شریعت اور قرآن و سنت کا منکر ہے، مگر چونکہ براہ راست دین و شریعت کا انکار مشکل ہے اس لیے وہ طریقت کی آڑ میں شریعت کا انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہیکہ جس طرح دنیاوی قاعدے اور قوانین ہیں، اسی طرح شریعت اور طریقت کے بھی اپنے اپنے قاعدے اور قانون ہیں، اور جس طرح امریکہ کے قاعدے قانون، پاکستان میں لاگو نہیں ہوتے اسی طرح پاکستانی قوانین امریکہ میں لاگو نہیں کئے جاسکتے، طریقت کے قاعدے قانون شریعت پر اور شریعت کے قاعدے قانون طریقت پر لاگو نہیں ہوسکتے۔(حق کی آواز، ص:10)

اسلام اور اسکے ارکان واحکام کی توہین:

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات میں روحانیت نہیں ہے، روحانیت کا تعلق دل کی ٹک ٹک سے ہے۔(حق کی آواز، ص:3)

نماز پڑھنا گناہ ہے:

قرآن مجید فرماتا ہے کہ نماز پڑھ ورنہ گنہگار ہو جائے گا لیکن یہ ملعون ریاض احمد گوہر شاہی کہتا ہے کہ اگر نماز پڑھی تو گنہگار ہو جائے گا۔ انہوں نے (دس پارے) کہا کہ جب نماز کا وقت آئے تو بس اسی کو دیکھ لے جس کی نماز ہے۔(آڈیو کیسٹ خصوصی خطاب نشتر پارک کراچی)

کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

قرآن مجید فرماتا ہے کہ ذرا بھی پانی پیئے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن یہ ملعون کہتا ہے کہ دن رات کھاتا پیتا رہ تیرا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔(حوالہ بالا)

اسلام واحد راہ نجات نہیں ہے:

اس ضمن میں لکھا ہے کہ روحانیت سیکھو خواہ تمہارا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو، اور جس نے روحانیت سیکھی چاہے اس نے کلمہ اسلام نہیں پڑھا، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔(مینارۂ نور)۔

نیز لکھتا ہے کہ عیسائی، ہندو، سکھ اور یہودی اگر روحانیت سیکھ لیں تو بغیر کلمہ پڑھے اللہ تک ان کی رسائی ہو سکتی ہے۔(گوہر، ص:4، سرفروش پبلی کیشنز)۔

نشہ آور چیزوں کے حلال ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ بھنگ، چرس حرام نہیں؛ بلکہ وہ نشہ جس سے روحانیت میں اضافہ ہو حلال ہے خواہ مخواہ ہمارے عالموں نے حرام قرار دے دیا۔(روحانی سفر)

بے حیائی: عورتوں سے مصافحہ، معانقہ اور جسم دبوانا درست ہے، روحانی سفر میں اس نے خود ہی اپنے چلے میں مستانی سے ملاقات اور اس کے ساتھ شب باشی کی فحش روئیداد تحریر کی ہے۔(روحانی سفر، ص:۲۳)اور پھر عورتوں سے معانقہ ومصافحہ کو یہ کہتے ہوئے جائز قرار دیا ہے کہ مولویوں نے اس کو حرام کیا ہے۔

مہدی ہونے کا جھوٹا دعویٰ:

سوال نامہ گوہر میں لکھا ہے:"لوگ اگر ہمیں مہدی کہتے ہیں تو اصل میں جس کو فیض ملتا ہے وہ ہمیں اتنا ہی سمجھتا ہے(ص:8)۔اس کے لیے بے سروپا اور جھوٹے دلائل دیے گئے ہیں؛ چنانچہ لکھا ہے کہ میری تصویر چاند، سورج اور حجرِ اسود پر ظاہر ہو چکی ہے، یہ مہدی ہونے کی علامات میں سے ہے اور امام حرم حماد بن عبد اللہ نے حجر اسود کی تصویر کی تصدیق کی اور کہا کہ یہ امام مہدی سے ملتی جلتی ہے۔ جبکہ اس وقت کے حرمین شریفین کی انتظامیہ نے وضاحت جاری کرتے ہوئے اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ نہ تو اس طرح کہ کوئی تصویر حجر اسود پر ظاہر ہوئی ہے اور نہ اس نام کے کوئی امام حرمین میں موجود ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا دعویٰ:

اس کے علاوہ اس ملعون ریاض احمد گوہر شاہی نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی جھوٹی ملاقات اپنی کتاب "حق کی آواز ص:17" میں ثابت کی ہے۔ان کا ایک مرید لکھتا ہے کہ "دورۂ امریکہ کے دوران مؤرخہ 29/ مئی 1997ء نیو میکسیکو کے شہر طاؤس کے ایک مقامی ہوٹل میں حضرت سیدنا گوہر شاہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ظاہری ملاقات فرمائی، مرشد نے 28/ جولائی، 1997ء تک اس کو صیغۂ راز میں رکھا، پھر اس سے پردہ اٹھانا مناسب سمجھا اور تفصیلات ارشاد فرمائیں-۔(اشتہار شائع کردہ سرفروش پبلی کیشنز)

اس جھوٹی ملاقات کے بارے میں خود لکھتا ہے کہ "حضرت عیسیٰ چونکہ مہدی کے زمانہ میں وارد ہوں گے، میری ان سے ملاقات ہونا دلیل ہے، اس بات کی کہ میں مہدی ہوں۔"

اسلام کی مقدس ہستیوں کی توہین:

اس کے علاوہ اولیاء اللہ کی توہین، حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا جیسی پاکباز کو طوائف کہنا، شریعت اور طریقت کو الگ کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بغیر امتی نہ ہونے کا قول کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ ملاقات اور علم سیکھنے کا مدعی ہونا اور اپنے لیے معراج اور الہام کا دعویدار ہونا، اس کی زہر افشانیوں میں شامل ہے۔ اپنے ان گمراہانہ عقائد ونظریات اور دعاوی کے اثبات اور ترویج کے لیے اس نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں:

اسکی گمراہ عقائد پر مشتمل کتابیں: روحانی سفر، روشناس، مینارۂ نور، تحفۃ المجالس، حق کی آواز اور تریاقِ قلب وغیرہ۔

ریاض احمد گوہر شاہی کے متعلق مستند اداروں کے فتوے:

حضرات! اس کے ان گمراہانہ عقائد و نظریات کو دیکھتے ہوئے اور اس کی صفت دجالیت کو بروقت بھانپتے ہوئے عالم اسلام کے نامور علماء اور دینی مدارس نے اس پر مرتد و کافر، ملحد، زندیق اور ضال و مضل کا فتویٰ صادر کیا، ان میں سرِ فہرست دیوبندی مکتب فکر کے اداروں مثلاً دارالعلوم کراچی، جامعہ فاروقیہ، جامعہ بنوری ٹاؤن، اسی طرح بریلوی واہل حدیث مکتب فکر کے علماء واداروں نے بھی فتویٰ صادر فرمائے۔ اس کے اس جھوٹ کی تردید اس وقت کے امامِ کعبہ شیخ محمد بن عبد اللہ نبیل نے بھی کی کہ اس کی تصویر حجر اسود میں دیکھی گئی ہے اور فرمایا کہ اس وقت پورے حرم میں حماد بن عبد اللہ نامی کوئی امام نہیں ہے جس کا فرضی نام اس شخص نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے لیا تھا اور اس پر فتویٰ ارتداد بھی صادر فرمایا۔

گوہر شاہی پر کئی بار قاتلانہ حملے بھی کیے گئے۔ پانچ قسم کے سنگین مقدمات گوہر شاہی پر پاکستان میں دائر کیے گئے۔ گوہر شاہی کے معتقدین کی جانب سے چاند، سورج، نیبولا ستارے اور حجر اسود میں گوہر شاہی کی شبیہات کے دعوے کے بعد یہ مخالفت انتہائی شدت اختیار کر گئی۔ پاکستانی اخبارات و جرائد نے بھی گوہر شاہی کے عقائد پر مضامین شائع کئے۔ حکومتِ پاکستان کی جانب سے گوہر شاہی کی کتابوں پر پابندی لگا دی گئی۔ گوہر شاہی اور اُن کے معتقدین کی سرگرمیوں کو روک دیا گیا اور اخبارات و جرائد کو بھی گوہر شاہی کا مکمل بائیکاٹ کرنے کی ہدایت کی گئی گوہر شاہی اور اُن کے معتقدین پر کئی مقدمات قائم ہوئے۔ انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے سندھ میں گوہر شاہی اور اُن کے بہت سے پیروکاروں کو توہینِ رسالت جیسے قانون کے تحت سزائیں سنائیں۔ گوہر شاہی کو سزا عدم موجودگی میں سنائی گئی کیونکہ گوہر شاہی اُس وقت برطانیہ میں تھا۔ گوہر شاہی کو تقریباً 59 سال قید کی سزا اور جرمانے کی سزا سنائی گئی، جس کے خلاف گوہر شاہی نے سندھ ہائی کورٹ میں اپیل بھی کی تاہم اس اپیل پر کسی بھی فیصلے سے قبل گوہر شاہی برطانیہ میں ہی واصل جہنم ہو گئے۔

انجام:

گوہر شاہی 25 نومبر 2001ء کو مانچسٹر میں نمونیا کی وجہ سے واصل جہنم ہو گیا۔ گوہر شاہی کی میت پاکستان لائی گئی اور انجمن سرفروشانِ اسلام کے بین الاقوامی مرکز المرکز روحانی کوٹری میں مدفون کی گئی۔ جہاں اب گوہر شاہی کا مزار بھی واقع ہے۔ تاہم گوہر شاہی کے تمام مرید گوہر شاہی کی موت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ گوہر شاہی جسم سمیت روپوش ہو گیا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گوہر شاہی بھی اپنا جسم چھوڑ کر غیبتِ صغریٰ میں چلا گیا ہے اور قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گوہر شاہی دوبارہ آئے گا۔ اسی لیے روایتی انداز میں گوہر شاہی کا عرس بھی نہیں منعقد کیا جاتا۔ گوہر شاہی کی بیوہ اور بچے اب بھی کوٹری میں مقیم ہیں۔

خلاصہ کلام:

قارئین کرام! الغرض فتنۂ گوہر شاہی دورِ حاضر کا بہت ہی خطرناک اور ایمان پر شدید ڈالہ زنی کرنے والا بدترین فتنہ ہے۔ ریاض احمد گوہر شاہی نے اللہ رب العزت کی شان میں بھی گستاخی کی، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی ہرزہ سرائی کی، اسی طرح آپکی پاکیزہ ذریت کی شان میں بھی گستاخی کی، قرآن وحدیث کا مذاق اڑایا ہے ارکان اسلام: نماز، روزہ، حج وزکوۃ کی بھی اہانت کی بلکہ انکار کیا اور قرآن مجید کے چالیس پارے بتائے، قرآن میں تحریف کی، نیز شریعت وطریقت کو الگ کر دیا، روحانیت کے نام پر مذہب کا قلادہ گلے سے نکال دیا اور مذہب کو غیر ضروری قرار دیا اور عشق

وروحانیت کاراستہ بتاکر ٹھیٹ شیطانیت کاراستہ بنادیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس فتنے کے متعلق لوگوں میں آگاہی پیدا کی جائے، اسکے گندے اور غلط عقائد کولوگوں کے سامنے لایا جائے، اسکے کفروزندیقیت کو واشگاف کیا جائے ورنہ یہ فتنہ بہت خوبصورت عنوان روحانیت اور عشق کے نام پر بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے جھانسے میں پھانس رہاہے۔

اس فتنے کے سدباب کیلئے کرنے کے کام اور تدبیریں:

یہ دور دجالی فتنوں کا ہے اور سوشل میڈیا بھی آج کل ایک فتنہ بناہوا ہے اور گوہر شاہی فتنہ سوشل میڈیا ہی کے ذریعے اپنا پرچار کر رہاہے، اس لئے نوجوانوں سے گزارش ہے کہ دین اپنے علاقے کے معتبر علماء سے سیکھیں سوشل میڈیا کے ذرائع خصوصاً واٹس ایپ، یوٹیوب، فیس بک اور انسٹگرام وغیرہ سے ہرگز نہ سیکھیں۔ اس لئے کہ آج کل ہر ایک دین کا ٹھیکیدار بنا بیٹھا ہے اور گمراہیاں پھیلا رہاہے۔

آج کل مہدی فاؤنڈیشن اور مسیحا فاؤنڈیشن کے نام سے یہ گوہر شاہیوں کی جماعت اپنی تبلیغ کر رہی ہے، اور اس نام سے ان کی کئی سائیٹس بھی انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ انکا موجودہ داعی اور محرک ملعون یونس الگوہر ہے، جو سوشل میڈیا کے ذریعے خاص طور پر الراءٹی وی (ALRA TV) کے ذریعے سے اس فتنے کو پروان چڑھارہاہے۔ طریقت وروحانیت کی خوبصورت باتیں کر کے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا رہاہے اور بھولے بھالے مسلمان اس سے متاثر ہورہے ہیں۔ یونس گوہر شاہی نے تو دو ہاتھ آگے بڑھ کر مزید خطرناک کفریہ نظریات کا اختراع کر کے ارتداد کا ایک نیا رخ پیش کر دیاہے، گرچہ گمراہی اور ضلالت میں نیز کافر ومرتد ہونے میں دونوں یعنی ریاض احمد گوہر شاہی اور یونس گوہر شاہی دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا امت مسلمہ کو چاہیے کہ یونس الگوہر، الراءٹی وی اور اسکے دیگر چینلز اور ویب سائٹ کو ہرگز ہرگز نہ دیکھیں۔

گوہر شاہی یا مہدی فاؤنڈیشن یا مسیحا فاؤنڈیشن یا الراءٹی وی والے تصوف وسلوک کا لبادہ اوڑھ کر جگہ جگہ ہمارے اپنے علاقوں میں ذکر قلب کے نام پر مجالس منعقد کرتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، یہ لوگ ان مجالس میں اپنی ناپاک زہریلی تعلیمات کے ذریعے ریاض احمد گوہر شاہی کو امام مہدی، کالکی اوتار، نبی سے لیکر رب الارباب یعنی اللہ کا بھی رب تک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک ذکر کی مجالس کے اہتمام کرنے والے اور وہاں پر شریک ہونے والوں کی مکمل معلومات حاصل نہ کرلیں تو ایسی مجالس میں شرکت کرنے سے گریز کریں۔

دورِ حاضر (اکیسویں صدی کے فتنے)

فتنہ شکیل بن حنیف

شکیل بن حنیف امت مسلمہ کے لئے ایک نیا فتنہ

(تحریر: مفتی محمد عارف باللہ القاسمی)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے بعد دو عظیم شخصیتوں کی آمد کی بشارت دی ہے، ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لن تهلك أمة أنا في أولها وعيسى ابن مريم في آخرها، والمهدي في أوسطها۔(کنزالعمال جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۶ حدیث ۳۸۶۷۱)

'وہ امت کبھی ہلاک نہیں ہوگی جس کے اول میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم اور درمیان میں مہدی ہیں'

متعدد احادیث مبارکہ میں حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق تفصیلات وضاحت کے ساتھ مروی ہیں جن کی روشنی میں امت مسلمہ کے لئے حقیقی عیسیٰ علیہ السلام اور حقیقی مہدی رضی اللہ عنہ کو پہچان کر جھوٹے مدعیان کی شناخت کرنا آسان ہے، لیکن اس کے باوجود کئی ایک ایسے مدعیان اب تک ظاہر ہوچکے ہیں جنھوں نے اپنے بارے میں یہ دعوی کیا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی ہیں، ان میں سے بعض کی شہرت نہ ہو سکی، جبکہ بعض کا بڑا حلقہ تیار ہوگیا اور بہت سے لوگ ان کے جھوٹے دعووں کے شکار ہوگئے، جیسا کہ محمد جونپوری کے مہدی ہونے کا عقیدہ رکھنے والے مستقل فرقہ مہدویہ کی شکل میں وجود میں آئے اور آج ان کی معتد بہ تعداد ہے، اسی طرح مرزا غلام احمد کادیانی نے تدریجی طور پر دعوے کرتے ہوئے اپنے بارے میں یہ دعوی کیا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی منتظر اور نبی ہے، اور اس کے چھوٹے دعووں کی زد میں آنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور وہ بڑے پیمانے پر اپنی مادی قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں، مرزا غلام احمد کادیانی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شکیل بن حنیف نامی ایک شخص نے اپنے بارے میں یہ دعوی کیا کہ وہ مسیح اور مہدی ہے، اور اس کے ماننے والے ان احادیث صحیحہ متواترہ کو جو کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں مروی ہیں اس شخص (شکیل بن حنیف) پر چسپاں کرکے لوگوں میں اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ وہ شخص مسیح موعود اور مہدی ہے، ابھی چند ایام قبل حیدرآباد کی ایک بڑی مسجد میں شکیل بن حنیف کے چار متبعین لوگوں میں اس فتنہ کی تبلیغ کرتے ہوئے پائے گئے جنہیں وہاں کے مصلیوں نے عقلمندی کی مظاہرہ کرتے ہوئے قانون کے حوالے کیا، اور ان کے عزائم کو ناکام کر دیا۔ سال گزشتہ اس کے ماننے والوں نے دلی میں تبلیغی جماعت کے بعض احباب کو مناظرہ کا چیلنج کیا، جس پر دارالعلوم دیوبند کے بعض اکابر اور بعض جماعت کے ذمہ داران مناظرہ کے لئے متعین مقام پر پہونچے تو اس سے قبل اس کے متبعین نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن چند لوگوں نے انہیں پکڑ لیا تو ان لوگوں نے مناظرہ سے یہ کہتے ہوئے فرار اختیار کیا کہ ہم بلا دلیل شکیل بن حنیف کو مسیح اور مہدی مانتے ہیں، یہی حال ان نوجوانوں کا بھی تھا جنہیں مسجد عزیزیہ، مہدی پٹنم حیدرآباد میں پکڑا گیا، وہ نوجوان یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ تم لوگ کچھ بھی کرو ہم اس کی پیروی نہیں چھوڑیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکار شکیل بن حنیف اپنے ماننے والوں کو اپنا مکمل اسیر بنالیتا ہے۔

شکیل بن حنیف کون ہے؟

شکیل بن حنیف دربھنگہ بہار کا متوطن ہے اور اس کی علمی لیاقت یہ ہے کہ اس نے عصری ادارے میں تعلیم حاصل کی ہے اور کمپیوٹر انجینئر ہے، ملازمت کی تلاش میں دہلی آیا اور یہیں پر وہ ایک دینی جماعت سے بھی وابستہ ہوا، لیکن ذہنی بگاڑ اور عہدہ کی ہوس کی وجہ سے اس نے بعض بھولے

بھالے جماعت کے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنانا شروع کیا، اور بالآخر اپنے بارے میں طرح طرح کے دعوے کرنے لگا، یہ شخص ۲۰۰۴ء سے اپنے گمراہ خیالات لوگوں میں پھیلا رہا ہے، اس کے دعووں کی وجہ سے حالات اس کے خلاف اتنے کشیدہ ہوگئے کے اسے دہلی چھوڑنا پڑا، پھر دوبارہ دہلی ہی واپس آیا اور لکشمی نگر کے علاقہ میں ایک مکان لے کر اس کو اپنا مرکز بنایا۔ اور اب اس کے حامی کئی شہروں میں پھیل چکے ہیں۔ اورنگ آباد میں بھی اس کے ماننے والے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کر چکے ہیں حتی کہ وہاں انہوں نے اپنی ایک مستقل کالونی "رحمت نگر" کے نام سے بسا رکھی ہے جہاں انہیں لوگوں کو بسنے دیا جاتا ہے جو شکیل بن حنیف کی پیروی کرنے والے ہیں۔

شکیل بن حنیف کے جھوٹے دعوے اور قرآن وحدیث کی غلط تشریحات

شکیل بن حنیف نے اپنے بارے میں تین اہم دعوے کئے ہیں:

(۱) وہ مسیح موعود ہے۔

(۲) وہ مہدی ہے۔

(۳) اللہ نے اس کو ایک خصوصی نہج عطا فرمایا ہے جس کی اس جھوٹے نے اب تک وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ خصوصی نہج کیا ہے؟

ان تین دعووں کے علاوہ اس کے اور بھی متعدد ایسے دعوے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں اور قرآن اور صحیح احادیث سے متعارض ہیں۔

مسیح موعود ہونے کا دعوی تو ایسا جھوٹا ہے کہ کسی صورت اس پر مسیح موعود کی علامتیں منطبق نہیں ہوتی ہیں، احادیث صحیحہ میں مسیح موعود کے بارے میں آیا ہے کہ وہ عیسی ابن مریم علیہ السلام ہیں جو بغیر والد کے محض قدرت خداوندی سے پیدا ہوئے، جنہیں دشمنوں کی سازشوں سے بچا کر بحفاظت آسمان پر اٹھالیا گیا، اور پھر وہ قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے، اترتے وقت زرد رنگ کے دو کپڑے زیب تن کئے ہوں گے، سر مبارک پر ایک لمبی ٹوپی ہو گی، دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے، آپ کے ایک ہاتھ میں نیزہ ہو گا جس سے دجال کو قتل کریں گے، اس وقت جس کافر کو آپ کی سانس کی ہوا لگے گی وہ مر جائے گا، اور آپ کی سانس اتنی دور تک پہونچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی، آپ کا نزول صبح کی نماز کے وقت دمشق میں سفید منارے کے پاس ہو گا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس وقت دجال سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گی، بوقت نزول لوگ نماز کی صفوں کو درست کر رہے ہوں گے، اس وقت اس جماعت کے امام حضرت مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے (اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مہدی اور مسیح دونوں دو الگ شخصیتیں ہیں) حضرت مسیح علیہ السلام چالیس سال تک دنیا میں نزول کے بعد قیام فرمائیں گے، نزول کے بعد آپ حضرت شعیب علیہ السلام کی نسل میں نکاح کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے یعنی عیسائیت کا خاتمہ کریں گے، آپ دجال کو فلسطین میں بابِ لُد کے پاس قتل کریں گے، آپ کے زمانہ میں دولت کی فراوانی ایسی ہو گی کہ کوئی مال لینے والا نہ ہو گا، چیزیں سستی ہوں گی، وغیرہ متعدد علامتیں احادیث مبارکہ میں مسیح موعود کے بارے میں بیان کی گئی ہیں، بغیر کسی غور وفکر کے ایک عام انسان بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس طرح شکیل حنیف سے پہلے مسیح ہونے کے دعویدار مرزا غلام احمد کادیانی میں ان علامتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی گئی تو وہ مردود اور جھوٹا قرار دیا گیا اسی طرح اس جھوٹے شکیل میں بھی ان علامتوں میں سے کوئی علامت نہیں پائی جاتی کہ وہ ابن مریم نہیں بلکہ ابن حنیف ہے، وہ نہ آسمان پر کبھی اٹھایا گیا اور نہ ہی دنیا کہ کسی علاقہ میں آسمان سے اترا ہے، بلکہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا ہے، نہ ہی اس کا حلیہ مسیح موعود کے جیسا ہے اور نہ اسے دجال اور دجالی

جماعت سے مقابلہ کرنے کا موقع ملا ہے، نہ اس نے خنزیر کو قتل کیا اور نہ ہی عیسائیت کا خاتمہ کیا ہے، اور ارض فلسطین کو تو اس نے آج تک دیکھا نہیں ہے۔ اور اس نے اب تک چند نکاح تو کئے لیکن ان میں سے ایک بھی حضرت شعیب کی نسل سے نہیں۔ نہ شکیل کی سانس نظر کی حد تک پہونچتی ہے اور نہ ہی آج تک اس کی سانس سے کسی بھی کافر کی موت ہوئی ہے، اور وہ جس دور میں اپنے فتنوں کو پھیلا رہا ہے اس میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے اور مال کے اتنے طلب گار ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا، اور چیزوں کی مہنگائی نے تو عام انسانوں کی کمر توڑ رکھی ہے۔

یہ تو صرف چند علامتیں ہیں، جن کی روشنی میں ایک عام انسان بھی اس جھوٹے کو مسیح موعود نہیں مان سکتا۔

لیکن خود کو مسیح ثابت کرنے کے لئے شکیل بن حنیف اور اس کے ماننے والے قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے خلاف یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نازل نہیں ہوں گے بلکہ پیدا ہوں گے۔ اور احادیث میں حضرت مسیح کے لئے نزول کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ "نزول" سے مراد آسمان سے نازل ہونا نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد پیدا ہونا ہے، جب کہ قرآن کریم وحدیث کا واضح فیصلہ ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر باحیات موجود ہیں اور قیامت کے قریب آسمان سے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (النساء:۱۵۷۔۱۵۸)

"اُنھوں نے نہ اِن کو قتل کیا اور نہ اِن کو سُولی پر چڑھایا، لیکن اُن کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ اِن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ،ان کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اندازوں کے، اور انھوں نے ان کو یقینا قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالی نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالی بڑے زبردست حکمت والے ہیں"۔

یہ آیت صاف دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور ان کے دوبارہ دنیا میں آنے اور پھر نزول کے بعد ان کی وفات کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ (النساء:۱۵۹)

"اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے وہ عیسیٰ پر ایمان لائیں گے ان کی موت سے پہلے"۔

اس آیت میں بِهِ اور مَوْتِهِ دونوں میں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور اس آیت میں اللہ تعالی نے واضح کر دیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے

۔ اس آیت میں تمام مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہیں حضرت حسن فرماتے ہیں:

﴿قَبْلَ مَوْتِ عِيسَى. وَاللَّهِ إِنَّهُ الْآنَ حَيٌّ عِنْدَ اللَّهِ، وَلَكِنْ إِذَا نَزَلَ آمَنُوا بِهِ أَجْمَعُونَ. ﴾ (تفسیر ابن کثیر:۲/۴۵۳)

(اہل کتاب کے تمام فرقے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے، اور خدا کی قسم وہ ابھی اللہ کے پاس زندہ ہیں اور جب وہ نازل ہوں گے تو سب کے سب ان پر ایمان لائیں گے۔

صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے اور دوبارہ نازل ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشكَنّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعُ الْجِزْيَة، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا". ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَؤُوا إن شئتم: (وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا"(صحیح بخاری شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عنقریب ابن مریم تمہارے درمیان نازل ہوں گے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہوں گے صلیب توڑ ڈالیں گے خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے جزیہ ختم کر دیں گے (کیونکہ اس وقت سب مسلمان ہوں گے) اور مال بہتا پھرے گا حتیٰ کہ کوئی اس کا لینے والا نہ ملے گا اس وقت ایک سجدہ دنیا ومافیھا سے بہتر سمجھا جائے گا پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر اس کی تائید میں تم چاہو تو یہ آیت پڑھو کہ اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں ہو گا جو عیسیٰ کی وفات سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔

مذکورہ آیات اور حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، اور مسلمانوں کو جس مسیح کا انتظار ہے جو پیدا ہو کر آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اسلئے کوئی ایسا شخص مسیح نہیں ہو سکتا جس میں یہ خوبی نہ ہو، اس لئے شکیل بن حنیف اور اس متعین جھوٹے اور مکار ہیں جو کسی صورت مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ اور وہ اپنے جھوٹے دعووں کو سچ کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف کے مرتکب ہیں اور کھلم کھلا قرآن وحدیث سے بغاوت کرنے والے ہیں۔ اور اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت میں جو الفاظ اور عبارتیں استعمال کی گئیں ان کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے احادیث میں نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی وہ تاویل کرتے ہیں کہ نزول سے مراد پیدا ہونا ہے، جب کہ عربی زبان میں نزول کا معنی نازل ہونا اور اوپر سے اترنا ہے اور اسی معنی میں قرآن وحدیث میں اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی لفظ سے اس کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی اس وقت مراد لیا جا سکتا ہے جب کہ حقیقی معنی مراد لینا دشوار ہو اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ موجود ہو، یہی وجہ ہے کہ پوری امت نزول سے اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی قائل ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ ان کی آمد سے قبل دجال ظاہر ہو چکا ہو گا اور وہ دجال سے مقابلہ کر کے اسے قتل کریں گے، اس اجماعی عقیدہ سے جب اس کے دعویٰ پر اعتراض ہوتا ہے تو وہ اس کی تاویل کرتا ہے کہ دجال کوئی خاص شخص اور انسان نہیں جو ظاہر ہو گا، بلکہ دجال ایک نظریہ یا ملکی طاقت ہے اور وہ موجودہ دور کے ظالمانہ قوتوں کو دجال کہہ کر خود کو ان کا مقابلہ کرنے والا مسیح کہتا ہے، حالانکہ احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دجال ایک خاص شخص ہے جو پیدا ہو چکا ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہو گا اور جسے مخصوص صلاحتیں حاصل ہوں گی، جن سے وہ لوگوں کو اپنے دعوں کے ماننے پر مجبور کرے گا۔

دجال کے بارے میں حدیث مبارکہ:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طویل روایت میں ہے، وہ فرماتی ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ وَاللَّفْظُ لِعَبْدِ الْوَارِثِ بْنِ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ بُرَيْدَةَ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ شَرَاحِيلَ الشَّعْبِيُّ شَعْبُ هَمْدَانَ أَنَّهُ سَأَلَ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ أُخْتَ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ وَكَانَتْ مِنْ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ فَقَالَ حَدِّثِينِي حَدِيثًا سَمِعْتِيهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسْنِدِيهِ إِلَى أَحَدٍ غَيْرِهِ فَقَالَتْ لَئِنْ شِئْتَ لَأَفْعَلَنَّ فَقَالَ لَهَا أَجَلْ حَدِّثِينِي فَقَالَتْ نَكَحْتُ ابْنَ الْمُغِيرَةِ وَهُوَ مِنْ خِيَارِ شَبَابِ قُرَيْشٍ يَوْمَئِذٍ فَأُصِيبَ فِي أَوَّلِ الْجِهَادِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا تَأَيَّمْتُ خَطَبَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَطَبَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَوْلَاهُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَكُنْتُ قَدْ حُدِّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّنِي فَلْيُحِبَّ أُسَامَةَ فَلَمَّا كَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أَمْرِي بِيَدِكَ فَأَنْكِحْنِي مَنْ شِئْتَ فَقَالَ انْتَقِلِي إِلَى أُمِّ شَرِيكٍ وَأُمُّ شَرِيكٍ امْرَأَةٌ غَنِيَّةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ عَظِيمَةُ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَنْزِلُ عَلَيْهَا الضِّيفَانُ فَقُلْتُ سَأَفْعَلُ فَقَالَ لَا تَفْعَلِي إِنَّ أُمَّ شَرِيكٍ امْرَأَةٌ كَثِيرَةُ الضِّيفَانِ فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يَسْقُطَ عَنْكِ خِمَارُكِ أَوْ يَنْكَشِفَ الثَّوْبُ عَنْ سَاقَيْكِ فَيَرَى الْقَوْمُ مِنْكِ بَعْضَ مَا تَكْرَهِينَ وَلَكِنْ انْتَقِلِي إِلَى ابْنِ عَمِّكِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي فِهْرٍ فِهْرِ قُرَيْشٍ وَهُوَ مِنْ الْبَطْنِ الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَانْتَقَلْتُ إِلَيْهِ فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي سَمِعْتُ نِدَاءَ الْمُنَادِي مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ فِي صَفِّ النِّسَاءِ الَّتِي تَلِي ظُهُورَ الْقَوْمِ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ أَتَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ وَلَكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِأَنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ فَبَايَعَ وَأَسْلَمَ وَحَدَّثَنِي حَدِيثًا وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ مَسِيحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامَ فَلَعِبَ بِهِمْ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ ثُمَّ أَرْفَئُوا إِلَى جَزِيرَةٍ فِي الْبَحْرِ حَتَّى مَغْرِبِ الشَّمْسِ فَجَلَسُوا فِي أَقْرُبْ السَّفِينَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرُ الشَّعَرِ لَا يَدْرُونَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعَرِ فَقَالُوا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ أَيُّهَا الْقَوْمُ انْطَلِقُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتَّى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَإِذَا فِيهِ أَعْظَمُ إِنْسَانٍ رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَأَشَدُّهُ وِثَاقًا مَجْمُوعَةٌ يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا أَنْتَ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلَى خَبَرِي فَأَخْبِرُونِي مَا أَنْتُمْ قَالُوا نَحْنُ أُنَاسٌ مِنْ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَصَادَفْنَا الْبَحْرَ حِينَ اغْتَلَمَ فَلَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ شَهْرًا ثُمَّ أَرْفَأْنَا إِلَى جَزِيرَتِكَ هَذِهِ فَجَلَسْنَا فِي أَقْرُبِهَا فَدَخَلْنَا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرُ الشَّعَرِ لَا يُدْرَى مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعَرِ فَقُلْنَا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قُلْنَا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ اعْمِدُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا وَفَزِعْنَا مِنْهَا وَلَمْ نَأْمَنْ أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ أَسْأَلُكُمْ عَنْ نَخْلِهَا هَلْ يُثْمِرُ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ هَلْ فِيهَا مَاءٌ قَالُوا هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ قَالَ أَمَا إِنَّ مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قَالُوا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا فَعَلَ قَالُوا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنْ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ قَالَ لَهُمْ قَدْ كَانَ ذَلِكَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي إِنِّي أَنَا الْمَسِيحُ وَإِنِّي أُوشِكُ أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَأَخْرُجَ فَأَسِيرَ فِي الْأَرْضِ فَلَا أَدَعَ قَرْيَةً إِلَّا هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ فَهُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدَةً أَوْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ فِي الْمِنْبَرِ هَذِهِ طَيْبَةُ هَذِهِ طَيْبَةُ هَذِهِ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِينَةَ أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذَلِكَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَإِنَّهُ أَعْجَبَنِي حَدِيثُ تَمِيمٍ أَنَّهُ وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْهُ وَعَنْ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّأْمِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ قَالَتْ فَحَفِظْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

ابن بریدہ نے ہمیں حدیث بیان کی، کہا مجھے عامر بن شراحیل شعبی نے، جن کا تعلق شعب ہمدان سے تھا حدیث بیان کی، انہوں نے ضحاک بن قیس ﷛ کی ہمشیرہ سیدہ فاطمہ بنت قیس ﷞ سے سوال کیا، وہ اولین ہجرت کرنے والیوں میں سے تھیں کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی ایسی حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے بلاواسطہ سنی ہو، آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہ کریں۔ انہوں نے کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو تو میں ایسا ہی کروں گی۔ انہوں نے ان (حضرت فاطمہ بنت قیس ﷞) سے کہا بہت بہتر سنایئے۔ انہوں نے کہا میرا نکاح (عبدالحمید بن حفص) ابن مغیرہ سے ہوا، وہ اس وقت قریش کے بہترین نوجوانوں میں سے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اپنے پہلے جہاد میں زخمی بھی ہوئے تھے۔ جب میری شادی ختم ہوگئی (طلاق ہوگئی) تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کئی لوگوں کے ساتھ ساتھ عبدالرحمان بن عوف نے بھی مجھے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے آزاد کردہ غلام (کے بیٹے) اسامہ بن زید ﷛ کے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ اسامہ سے بھی محبت کرے“ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ گفتگو فرمائی تو میں نے آپ ﷺ سے کہہ دیا میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ جس سے چاہیں میرا نکاح کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم ام شریک کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔“ ام شریک ﷞ انصار میں سے ایک مالدار خاتون تھیں، ان کے ہاں مہمان آتے رہتے تھے۔ میں نے کہا: میں ایسا ہی کروں گی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے (دوبارہ یہ) فرمایا: ”تم ایسا نہ کرو، ام شریک ایسی خاتون ہے جن کے ہاں زیادہ مہمان آتے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمہاری اوڑھنی گر جائے یا تمہاری پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا جائے تو لوگوں میں سے کسی کی نظر (ایسی جگہ) پڑے جو تمہیں ناگوار ہو، بلکہ تو میں اپنے چچازاد عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔“ وہ قبیلہ فہر، یعنی قریش کے فہر سے تھے وہ اسی قبیلے سے تھے جس سے وہ تعلق رکھتی تھی تو میں ان کی طرح منتقل ہوگئی۔ جب میری عدت گزر گئی تو میں نے ایک اعلان کرنے والے کی آواز سنی۔ اعلان کرنے والا کہہ رہا تھا: ”نماز کی جماعت ہونے والی ہے۔“ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں عورتوں کی اس صف میں تھی جو مردوں کی پشت پر عورتوں کی پہلی صف تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمالی تو آپ ﷺ (خوشی کے عالم میں) ہنستے ہوئے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ”ہر شخص اپنے نماز ہی کی جگہ پر بیٹھا رہے۔“ پھر فرمایا: ”تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں اکٹھا کیا ہے؟“ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ باخبر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں نہ کسی خاص بات کی رغبت دلانے کے لئے اکٹھا کیا ہے نہ (کسی خاص چیز سے) ڈرانے کے لیے۔ میں نے تمہیں اس لئے اکٹھا کیا ہے کہ تمیم داری نے جو ایک نصرانی شخص تھے، آئے ہیں ہے اور انہوں نے بیعت کی ہے۔ اور اسلام لائے ہیں۔ (انہوں نے) مجھے ایک بات سنائی ہے جو اس کے مطابق ہے جو میں تمہیں مسیح دجال (جھوٹے مسیح) کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ لخم اور جذام کے تیس لوگوں کے ساتھ ہیں سمندری بیڑے میں سوار ہوئے۔ سمندر کی موج (سمندری طوفان) مہینہ بھر انہیں سمندر میں ادھر ادھر پٹختی رہی، یہاں تک کہ (ایک دن) غروب آفتاب کے وقت وہ سمندر میں ایک جزیرے کے کنارے جا لگے، وہ بیڑے کی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھے اور جزیرے میں داخل ہو گئے تو انہیں موٹے اور گھنے بالوں والا ایک جاندار ملا۔ بالوں کی کثرت کی بنا پر لوگوں کو اس کے آگے اور پیچھے کا پتہ نہ چلتا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا:

تیری خرابی! تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں جساسہ (بہت زیادہ جاسوسی کرنے والی) ہوں، انہوں نے کہا: جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تم لوگ دیر (راہبوں کی عمارت) میں موجود اس شخص کی طرف چلو، وہ تمھاری خبروں کا سخت مشتاق ہے۔ جب اس نے ایک شخص کا نام لیا تو ہمیں اس کے بارے میں خوف ہوا کہ یہ (جساسہ) کوئی شیطان ہے۔ انہوں نے کہا: ہم تیزی سے چلتے ہوئے اس دیر میں داخل ہوئے تو وہاں: جو ہم نے کبھی دیکھا ہو، اس سے زیادہ عظیم الخلقت انسان تھا، جو انتہائی سختی سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، اس کے گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک کا حصہ لوہے (کی زنجیروں) کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے کہا: تیرا برا ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا تمہیں میرے بارے میں جاننے کا موقع مل گیا۔ اس لیے تم مجھے بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: ہم عرب لوگ ہیں، ہم سمندر میں (بیڑے پر) سوارے ہوئے اور اتفاقاً اس وقت سمندر میں اترے جر اس میں بڑا طوفان تھا ایک مہینے تک موجیں ہمارے ساتھ کھیلتی رہیں، پھر ہم تمہارے اس جزیرے کے کنارے آ ملے۔ ہم اس (بیڑے) کی کشتیوں میں بیٹھے اور جزیرے میں آ گئے، ایک موٹے گھنے بالوں والا جاندار ملا، بالوں کی کثرت کی بنا پر ہمیں اس کے آگے پیچھے کا بھی پتہ نہیں چلا، ہم نے کہا: تمہارے لیے برائی ہو! تم کیا ہو؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا اور جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اس آدمی کے طرف چلو جو اس دیر کی عمارت میں ہے۔ وہ تمہاری خبروں کا سخت مشتاق ہے۔ ہم جلدی سے تمہارے پاس پہنچ گئے ہیں، اس سے ہمیں سخت ڈر لگا ہے۔ ہم اس بات سے خود کو محفوظ نہیں سمجھتے کہ وہ کوئی مادہ شیطان ہو۔ اس نے کہا: مجھے (علاقہ) بیسان کی کھجوروں کے بارے میں بتاؤ، ہم نے کہا: تم ان کی کس بات کی خبر معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں تم سے اس کے کھجور کے درختوں کے بارے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ پھل دیتے ہیں؟ ہم نے اس سے کہا: ہاں، اس نے کہا: وہ وقت قریب ہے کہ وہ پھل نہیں دیں گے۔ اس نے کہا: مجھے بحیرۂ طبریہ کے بارے میں بتاؤ، ہم نے کہا: اس کی کس بات کے خبر چاہتے ہو؟ اس نے کہا: کیا اس میں پانی ہے؟ انہوں نے کہا: اس میں بہت پانی ہے، اس نے کہا: قریب ہے کہ اس کا پانی (گہرائی میں) چلا جائے۔ اس نے کہا: مجھے (شام کے علاقے) زغر کے چشمے کے بارے میں بتاؤ، انہوں نے کہا: اس کی کس بات کی خبر چاہتے ہو؟ اس نے کہا: کیا چشمے میں پانی ہے اور کیا وہاں کے باشندے چشمے کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے اسے کہا: ہاں، اس میں بہت پانی ہے اور اس کے باشندے اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اس نے کہا: مجھے اُمیوں (اہل عرب) کے نبی کے بارے میں بتاؤ، اس نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: وہ مکہ سے نکل کر مدینہ میں سکونت پذیر ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا: کیا عرب نے اس کے ساتھ جنگیں لڑیں؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: اس نبی نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ تو ہم نے اسے بتایا کہ وہ اپنے ارد گرد کے عربوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اور انہوں نے آپ ﷺ کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے کہا: اس نے ان سے کہا: یہ ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: یہ بات ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس نبی ﷺ کی اطاعت کریں۔ اور میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔ میں ہی مسیح دجال ہوں اور مجھے عنقریب نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ میں نکل کر زمین میں (ہر جگہ) جاؤں گا اور مکہ اور مدینہ کے سوا کوئی بستی نہیں چھوڑوں گا، چالیس راتوں کے اندر سب (بستیوں) میں اتروں گا۔ وہ دونوں (مکہ اور مدینہ) میرے لیے حرام کر دیے گئے ہیں۔ میں جب بھی کسی ایک میں یا (کہا:) دونوں میں سے ایک میں داخل ہونا چاہوں گا، ایک فرشتہ میرے سامنے آ جائے گا جس کے ہاتھ میں سونتی تلوار ہو گی۔ وہ مجھے اس (میں جانے) سے روک دے گا۔ ان کے ہر راستے پر فرشتے اس کا پہرہ دے رہے ہوں گے۔ (فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے) کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے عصا مبارک منبر پر مارا اور فرمایا: ”یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔“ آپ کی مراد مدینہ تھی۔ ”خبردار! کیا میں نے تمہیں یہ باتیں بتائی نہ تھیں؟“ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمیم کی بات اچھی لگی، وہ

اس کے مطابق ہے جو میں نے تم لوگوں کو بتایا تھا اور جو کچھ مکہ اور مدینہ کے متعلق بتایا تھا۔ یاد رکھو! وہ شام کے سمندر میں ہو سکتا ہے یا یمن کے سمندر میں ہو سکتا ہے نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہو گا، جو بھی وہ ہے مشرق کی طرف ہو گا۔ جو بھی وہ ہے مشرق کی طرف ہو گا۔ جو بھی وہ ہے مشرق کی طرف ہو گا۔" اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔ انہوں (حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا) نے کہا: میں نے یہ (حدیث) رسول اللہ سے (سن کر) حفظ کر لی۔ (صحیح مسلم: کِتَابُ الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ (بَابُ قِصَّةِ الْجَسَّاسَةِ: ۲۹۴۲)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ دجال سے مراد کوئی خاص نظریہ یا طاقت نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص شخص ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہو گا۔ احادیث میں اتنی وضاحت کے باوجود شکیل بن حنیف اور اس کے متبعین اس کو ایک نظریہ قرار دیتے ہیں جو یقینا بہت بڑا فریب ہے۔ اس نے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے دجال کی ذات کے بارے میں غلط تشریح کی طرح اور بھی بہت سی چیزوں اور علامات قیامت کی غلط تشریح کی ہے، اوران کو جدید ایجادات پر منطبق کر کے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، مثلا احادیث میں دجال کی سواری کے بارے میں آیا ہے کہ وہ گدھا ہے، اس کی تشریح وہ کرتا ہے کہ اس سے مراد جنگی جہاز ہے، دجال کی ایک آنکھ سے مراد سیٹیلائٹ ہے، تعجب ہے اس کی اس من مانی تشریح پر اور اس کی اندھی فکر پر؛ کیونکہ احادیث سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ دجال کے چہرہ پر عام انسانوں کی طرح دو آنکھوں کی ساخت ہو گی، البتہ ایک آنکھ کی جگہ آنکھ کی پتلی کے بجائے ابھرا ہوا گوشت ہو گا، اور اس کی دوسری آنکھ بھی "کانی" ہو گی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے، احادیث میں ایسی صاف صراحت کے باوجود اسے سٹیلائیٹ سے تعبیر کرنا ان تمام احادیث کی تکذیب ہے جن میں اس کی آنکھ کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

نیز شکیل بن حنیف دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہونے کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ اس سے مراد امریکہ اور فرانس ہے، یعنی "**امری کا فرانس**" کو اس طرح لکھنے سے "کافر" کا لفظ درمیان میں پڑتا ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کو ایک انسان قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کے مابین پیشانی پر کافر لکھا ہو گا۔ کیا امریکا اور فرانس کی بھی کوئی حقیقی پیشانی اور آنکھیں ہیں جو اس جھوٹے مدعی کو نظر آئیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ وہ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے، اس کی تشریح وہ کرتا ہے کہ اس سے مراد کراما کاتبین ہیں، جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، جب کہ حدیث میں صاف لفظوں میں آیا ہے کہ وہ دو فرشتوں کے سہارے اتریں گے یعنی ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے، اگر کراما کاتبین ہی مراد ہوتے تو اس کو بطور خاص رسول اللہ ﷺ ذکر کیوں کرتے، فرشتوں کا ذکر کرنا اور ان کے سہارے سے اترنے کی صراحت خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کراما کاتبین نہیں ہے، بلکہ دو خاص فرشتہ ہیں جن کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت عیسیٰ اتریں گے، غور کیجئے کہ احادیث نبویہ کی کس قدر مضحکہ خیز تشریح وہ کر رہا ہے، جسے عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا انکار کرتے ہوئے اور خود کو مسیح موعود بتاتے ہوئے شکیل بن حنیف یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے صرف نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اگر وہ آسمان پر ہوتے اور آسمان سے نازل ہونے والے ہوتے تو احادیث میں جہاں نزول کی بات کہی گئی ہے وہیں "من السماء" کا لفظ ذکر کیا گیا ہوتا اور یہ صراحت ہوتی کہ وہ آسمان سے نازل ہوں گے۔

اس کے اس جاہلانہ دعوی کی غلطی کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن میں رکھ لینا کافی ہے کہ جب کوئی چیز اچھی طرح لوگوں کو معلوم ہو اور ذہنوں میں موجود ہو تو اس کو ذکر کرنے کی اہمیت نہیں ہوتی، قرآن میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی صراحت صاف لفظوں میں موجود ہے

جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں، اور جو جہاں موجود ہوتا ہے وہیں سے اس کی آمد ہوتی ہے، اس لئے جب قرآنی آیت میں صراحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ آسمان پر ہیں تو صرف نزول کا تذکرہ عام احادیث میں کیا گیا "من السماء" کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، کیونکہ صرف نزول کے تذکرہ سے ہی ہر ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ آسمان سے ہی وہ نازل ہوں گے۔ قرآن کریم میں بھی اس کی نظیر موجود ہے، اللہ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ "بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے"

اس میں قرآن کے نزول کی بات کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا، من السماء وغیرہ کی صراحت نہیں کی گئی، کیونکہ اس کو ذکر کئے بغیر ہر شخص کے ذہن میں یہ بات آجائے گی کہ اس کا نزول آسمان سے ہی ہوا۔

مزید یہ کہ اس کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ احادیث میں "من السماء" کی صراحت نہیں ہے آئی ہے، اس کا یہ دعوی اس کی جہالت اور کم علمی کی ایک بہترین مثال ہے، کیونکہ کئی احادیث میں "من السماء" کی صراحت مذکور ہے، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ينزل أخي عيسى ابن مريم من السماء (کنز العمال: ۶۱۹/۱۴، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵۱۳۶۳)

"میرے بھائی عیسی بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ. (الاسماء والصفات للبیہقی: حدیث نمبر: ۸۹۵، ۳۳۱/۲)

"تمہاری خوشی کا اس وقت کیا حال ہوگا، جب کہ عیسیٰ بن مریم تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا"۔

احادیث میں اتنی وضاحت کے باوجود شکیل بن حنیف اور اس کے متبعین اس راہ راست سے منحرف ہیں اور اسلامی مسلمہ عقائد کے منکر ہیں جن کے اقرار کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، اسی لئے دارالعلوم دیوبند نے ان کے بارے میں یہ فتوی صادر کیا ہے:

"مہدی اور مسیح سے متعلق جو احادیث صحیحہ متواترہ ہیں ان احادیث کو شکیل بن حنیف در بھنگوی پر چسپاں کر کے جو لوگ اس (شکیل) کو مہدی مانتے ہیں وہ از خود دائرہ اسلام سے باہر ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول اسلامی رواداری ان کی شادی غمی میں شرکت ان کی تقریبات میں جانا یا ان کو مسلمانوں کی تقریبات میں بلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے عمل کو بیعت نہیں بلکہ مرتد ہونا کہا جائے گا جو حرام اور گناہ ہے۔ اور جب شکیل بن حنیف اور اس کے پیروکار اسلام میں داخل ہی نہیں ہیں تو ان کو اپنی مساجد میں عبادت گذاری وغیرہ کی اجازت دینا شرعاً درست نہیں، متولیانِ مساجد اور تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو اپنے مساجد سے دور اور پاک رکھیں، نیز اسلام کیلئے مخصوص اصطلاحات کا استعمال جیسے کادیانیوں اور دیگر کافروں کیلئے جائز نہیں ایسے ہی شکیل بن حنیف کے پیروکاروں کیلئے بھی جائز نہیں۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کی عبادات کو بجائے نماز کے پوجا سے اور روزہ کو بَرت واپواس سے اور تلاوت کو پڑھنے سے تعبیر کرنا چاہئے تاکہ اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے دوسرے مسلمانوں کو مغالطہ نہ ہو اور غلط فہمی میں کوئی ان کو مسلمان نہ سمجھ بیٹھے (ماخوذ از، ساگر اردو تہذیب ڈاٹ بلاگ اسپاٹ ڈاٹ کوم)

ابھی تو یہ بات بھی سننے میں آرہی ہے کہ مرزا غلام احمد کادیانی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے خود کو ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور نبوت کا بھی دعوی کیا ہے، اور یہ بات ایسے پاگلوں سے کوئی بعید بھی نہیں، کیونکہ اس قسم کے مکار دراصل عقیدہ ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ کے دشمن ہوتے ہیں لیکن وہاں تک پہونچنے کے لئے اس سے نیچے کے زینوں کو اختیار کرتے ہیں اور جب ان کے چند دیوانے تیار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اس منزل پر اپنے فائز ہونے کا اعلان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں احادیث میں پہلے ہی بتادیا گیا ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے، جن میں سے تیس بہت بڑے ہوں گے یعنی ان کا فتنہ بہت بڑا ہو گا اور وہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

إنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي (سنن الترمذی:۲۲۱۹)

"بے شک میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جو یہ دعوی کریں گے کہ وہ نبی ہیں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں"

اور ان جیسے فتنہ پروروں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

يكون في آخر الزمان دجالون كذابون، يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم، ولا يفتنونكم (صحیح مسلم:۷)

"اخیر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کیا کریں گے جن کو نہ تم اور نہ ہی تمہارے آباؤاجداد نے اس سے پہلے سنا ہو گا لہذا ان لوگوں سے جس قدر ہو سکے دور رہنا"

اس لئے عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے نئے نئے دعوے کرنے والوں اور اسلاف ومتقدمین کے نہج سے ہٹ کر قرآن وسنت کی تشریح وتاویل کرنے والوں سے دور رہیں اور ان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ اللہ امت مسلمہ کو ان جیسے دہریوں سے محفوظ رکھے اور ان فتنہ پروروں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنادے۔

شکیل بن حنیف کا یہ دعوی بھی ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ دونوں الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں، اور پھر اس طرح خود کو مہدی اور مسیح دونوں قرار دیتا ہے، حالانکہ احادیث میں دونوں کے نام ونسب، تفصیلات، حلیے، کمالات واحوال الگ الگ بیان کئے گئے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ دونوں کی شخصیت الگ الگ ہے۔ مثلا حضرت مہدی کی تفصیلات یہ بیان کی گئیں ہیں کہ وہ نام، شکل وشباہت اور اخلاق وعادات میں نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہوں گے یعنی ان کا نام بھی محمد اور ان کے والد کا نام بھی عبد اللہ ہو گا، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے، مکہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر لوگ بیعت کریں گے، پھر وہ وہاں سے شام اور خراسان وغیرہ کا سفر کریں گے، اور پھر بیت المقدس ان کا مستقر ہو گا، جب کہ حضرت مسیح کا نام عیسی ابن مریم بیان کیا گیا ہے، اور ان کی ولادت کے بجائے دمشق کے دو مناروں کے پاس ان کے نزول کی بات احادیث میں آئی ہے۔

یہ تفصیلات واضح طور پر بتاتی ہیں کہ دونوں دو الگ شخصیتیں ہیں، اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک شخص کا مسیح اور مہدی دونوں ہونے کا دعوی ہی خود اس کے جھوٹے ہونے کی واضح دلیل ہے، اور مرزا غلام احمد کادیانی یا اس کی راہ پر چلنے والا شکیل بن حنیف نہ مہدی ہے نہ مسیح، کیوں کہ

احادیث میں دونوں برگزیدہ شخصیتوں کی ذکر کردہ علامات میں سے اَدنٰی سی بھی کوئی علامت ان میں نہیں ہے۔ اور ان علامات کو اپنے اندر ثابت کرنے کی کوئی تاویل بھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے عقل سلیم قبول کرسکے۔

البتہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی الگ الگ شخصیت کو ایک ثابت کرنے کے لئے مرزا غلام احمد کادیانی ہی کی طرح شکیل بن حنیف ایک روایت سے استدلال کرتا ہے کہ جو کہ ابن ماجہ میں مروی ہے:

عن أنس بن مالك، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "لا يزداد الأمر إلا شدة، ولا الدنيا إلا إدبارا، ولا الناس إلا شحا، ولا تقوم الساعة إلا على شرار الناس، ولا المهدي إلا عيسى ابن مريم (سنن ابن ماجۃ:۴۰۳۹)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاملہ (دنیا) میں شدت بڑھتی ہی جائے گی اور دنیا میں ادبار (افلاس اخلاق رذیلہ) بڑھتا ہی جائے گا لوگ بخیل سے بخیل تر ہوتے جائیں گے اور قیامت انسانیت کے بدترین افراد پر قائم ہو گی اور (اس وقت) کامل ہدایت یافتہ شخص صرف حضرت عیسیٰ بن مریم ہونگے"۔

اس حدیث کے آخری جُز:" **ولا المهدي إلا عيسى ابن مريم**" کو پیش کرکے یہ کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت اور خاص طور پر روایت کا آخری یہ جز اس قابل نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جاسکے، کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک اس روایت کی سند ضعیف ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے (مرقات المفاتیح:۱۰/۱۸۳) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں اس کو "خبر منکر" کہا ہے (میزان الاعتدال:۳/۵۳۵) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوع کہا ہے (الفوائد المجموعۃ:۱۲۷) البتہ بعض حضرات نے "شواہد" کی وجہ سے اس کو صحیح لغیرہ کہا ہے، البتہ اس کا آخری جز تو بالاتفاق "منکر" ہے؛ کیونکہ یہ روایت دیگر سندوں سے جہاں جہاں دیگر محدثین کی کتابوں میں مذکور ہے وہاں اس روایت میں یہ آخری جز نہیں ہے، گویا کہ یہ جملہ اضافہ شدہ ہے حدیث کا حصہ نہیں ہے۔ (حاشیہ ابن ماجہ: شعیب ارناؤوط:۵/۱۶۵۔۱۶۷)

اس لئے اس ایک ناقابل استدلال روایت کو لے کر دیگر صحیح اور متواتر روایات کو چھوڑ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، خاص طور پر ایسے مسئلہ میں جس کا تعلق عقیدہ سے ہے جہاں حد درجہ احتیاط ضروری ہے۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں صحیح متواتر احادیث راجح اور قابل استدلال ہوں گی، یا اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اس حدیث کی ایسی تشریح کرنی لازم ہو گی جس سے یہ دیگر روایات متواترہ صحیحہ سے متعارض نہ ہو، ایسی صورت میں حدیث میں مذکورہ لفظ "مہدی" سے اصطلاحی معنی اور حضرت مہدی مراد لینے کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ مہدی سے مراد مہدی کا لغوی معنی ہے (جیسا کہ ترجمہ کیا گیا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کمال ہدایت کو بیان کر رہے کہ اس دور فتن میں جس میں ہر طرف گمراہیوں اور فتنوں کا رواج ہو گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی رشد و ہدایت کے اعلی مرتبہ پر فائز ہوں گے اور وہی اس وقت کے سب سے باکمال ہدایت یافتہ ہوں گے، علامہ سندی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث میں مذکور لفظ "مہدی" کے بارے میں یہی فرماتے ہیں کہ یہاں "مہدی" کا لفظ وصف کے طور پر مذکور ہے لقب کے طور پر نہیں (حاشیۃ السندی علی ابن ماجۃ: ۲/۴۹۵) اور قرب قیامت میں پیدا ہونے والے محمد بن عبد اللہ مہدی کا لقب مہدی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صفت کے اعتبار سے مہدی ہیں یعنی کامل ہدایت یافتہ ہیں۔

محمد قاسم لاہوری (دعویٰ مہدویت)

ابھی چند سال قبل لاہور میں ایک ذہنی مریض محمد قاسم لاہوری نے دعویٰ مہدویت کیا ہے اور اس سلسلے میں اپنے خواب بیان کرنے شروع کرنے دیئے کہ اسے خواب میں بشارت ہوئی۔ اس کے یہ بیانات اسکے سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر موجود ہیں۔ اس کے ان بیانات کو facebook پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اس نے اپنا ایک خواب یوں بیان کیا ہے کہ۔

2003ء سے 2005ء کے دوران مجھے قیامت (End of time) کے بارے میں مسلسل خواب آتے رہے۔ ایک خواب میں دیکھا کہ دجال باہر آتا ہے جس میں میں دیکھتا ہوں کہ یاجوج ماجوج باہر نکل رہے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ اب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا رہے ہیں اور یعنی یہ بالکل اینڈ آف ٹائم سے متعلقہ خواب تھے اور مجھے یہ بھی خواب آیا کہ قیامت کے دن کیا ہونا ہے۔

جب اس سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن سے متعلق ہر چیز ہر بندے کو پتہ ہے یہ چیز لیکن اس میں کیا خاص چیز تھی جو آپ نے دیکھی؟

اس نے جواب دیا کہ "میں نے دیکھا کہ وہ جو سارا کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہ میرے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔"

سوال: آپ کے ساتھ سے مراد کیا ہے؟

جواب: "میرے ساتھ سے مراد یہ ہے کہ میں ٹرین میں کچھ لوگوں کو لے کر عیسی علیہ السلام کے پاس ان کو جوائن کرنے کے لیے جا رہا ہوتا ہوں اور راستے میں یاجوج ماجوج باہر نکلتے ہیں تو ان کو میں اللہ کے نور سے مارتا ہوں۔ اور وہ مر جاتے ہیں"۔

اسی طرح اپنے ایک اور خواب کا ذکر کرتا ہے کہ

"میں نے دیکھا کہ حوض کوثر پر نبی کریم ﷺ سب سے پہلے ہم سے ملنے آتے ہیں اور ذاتی طور پر مجھے سب سے پہلے ملتے ہیں پھر سب سے (میرے ساتھیوں سے) ایک ایک کر کے ملتے ہیں جیسے میں ابھی آپ سے ملا ہوں وہ ان سے کہتے ہیں کہ جس طرح آپ دُنیا میں قاسم کے ساتھ رہے تو آج اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کر دے گا اس خواب میں میں حیران اور پریشان ہو رہا ہوتا ہوں کہ آخر ہم نے دنیا میں ایسا کیا کام کیا ہو گا تمام صحابہ بھی ہماری طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ایسی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ آخر یہ لوگ کون ہیں تو اس سے مجھے نہیں پتہ چلا کہ آخر ہم دنیا میں ایسا کیا کام کریں گے ہم جو یہ شرک اور اس کی اقسام کا جو پیغام دنیا میں پھیلا رہے ہیں کہ جو شرک ہے یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور یہ دنیا سب ظلم سے بھر چکی ہے اور اب اس ظلم سے بھری ہوئی دنیا کو اللہ کی مدد سے اور اس کی رحمت سے ہم جب ختم کریں گے اس ظلم کو اللہ جو ہے نا وہ اس عمل سے ہم ہماری اس عمل سے خوش ہوتا ہے اور یہی وہ وجہ بنتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ قیامت کے دن صحابہ سے ملنے سے پہلے محمد ﷺ ہم سے ملتے ہیں"۔

https://www.facebook.com/100075951932976/videos/1037147710723683

اس دعویٰ کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے اس دعویٰ کو اگر نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں پرکھیں تو فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ شخص بھی مرزا اور دوسرے کاذبین کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں امام مہدی کا نام و نسب، تفصیلات، حلیہ، کمالات و احوال تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، سب سے پہلے اس شخص کا

غیر شرعی حلیہ اور گفتگو کا انداز ہی اس کے ذہنی امراض کی نشاندہی کرتا ہے۔ پھر حضرت مہدی کی تفصیلات یہ بیان کی گئیں ہیں کہ وہ نام، شکل وشباہت اور اخلاق وعادات میں نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہوں گے یعنی ان کا نام بھی محمد اور ان کے والد کا نام بھی عبد اللہ ہو گا، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے، مکہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر لوگ بیعت کریں گے، جبکہ مذکورہ شخص کا نام محمد قاسم ہے۔ اور وہ صرف سوشل میڈیا کا جنگجو ہے وہاں بھی وہ صرف اپنے خواب ہی بیان کرتا نظر آتا ہے۔ پھر اس شخص کا سرزمین حجاز سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سے قبل ہم حضرت امام مہدی کے متعلق تفصیل سے بیان کر چکے ہیں ان تمام تفصیلات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں قارعین کرام خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس فتنے کی حقیقت کیا ہے۔

بیسویں صدی کے دیگر جھوٹے نبی ومدعیانِ مہدویت

الیاس محمد (Elijah Muhammad)

Elijah Muhammad (**ایلجا محمد**) بیسویں صدی کے ایک معروف مگر متنازع مذہبی و سماجی رہنما تھے، جنہیں **Nation of Islam (NOI)** یعنی قومِ اسلام کا مرکزی معمار اور طویل عرصے تک سربراہ سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی زندگی، افکار اور اثرات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے:

1۔ ابتدائی زندگی

- **اصل نام:** Elijah Robert Poole
- **پیدائش :** 7 اکتوبر 1897ء، جارجیا (امریکہ)
- **وفات :** 25 فروری 1975ء، شکاگو

وہ ایک غریب عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے اور کم عمری میں مختلف مزدوری کے کام کیے۔ 1920 کی دہائی میں صنعتی شہروں کی طرف ہجرت کے دوران وہ **Detroit** پہنچے، جہاں ان کی ملاقات **Wallace Fard Muhammad** سے ہوئی۔

2۔ Nation of Islam سے وابستگی

Wallace Fard Muhammad نے جب 1930ء میں Nation of Islam کی بنیاد رکھی تو Elijah Poole ان کے قریبی شاگرد بنے اور بعد میں **Elijah Muhammad** کہلائے۔ 1934ء میں Wallace Fard کے غائب ہونے کے بعد Elijah Muhammad نے قیادت سنبھالی اور تنظیم کو منظم کیا۔

3۔ بنیادی عقائد و تعلیمات

Elijah Muhammad کی تعلیمات روایتی **اسلام** سے کافی مختلف تھیں:

(الف) عقیدۂ خدا

وہ Wallace Fard Muhammad کو **خدا کا ظہور** (incarnation) سمجھتے تھے، جو اسلامی عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہے۔

(ب) نبوت کا تصور

Elijah Muhammad عقیدہ ختم نبوت کے خلاف خود کو **اللہ کا رسول** قرار دیتے تھے،

(ج) نسلی نظریہ

NOI کے مطابق **سیاہ فام لوگ اصل انسان** ہیں اور سفید فام قوم کو ایک شیطانی نسل قرار دیا جاتا تھا۔ یہ نظریہ نسلی برتری (racial superiority) پر مبنی تھا، جو قرآن وسنت کے منافی ہے۔

4۔ سماجی واخلاقی پہلو

اگرچہ عقائد اسلامی نہیں تھے، لیکن بعض سماجی تعلیمات نے اثر ڈالا:

- شراب، منشیات اور جرائم سے اجتناب
- خاندانی نظم وضبط
- خود انحصاری، کاروبار اور تعلیم پر زور
- سیاہ فام امریکیوں میں خود اعتمادی پیدا کرنا

5۔ Malcolm X اور اختلاف

Malcolm X ابتدا میں Elijah Muhammad کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ بعد میں Malcolm X کو NOI کے عقائد، نسلی نظریات اور Elijah Muhammad کی ذاتی زندگی پر شدید اعتراض ہوا۔ 1964ء میں Malcolm X نے ان عقائد سے انحراف کر کے اسلام (اہلِ سنت والجماعت کے عقائد) قبول کیا اور NOI سے علیحدگی اختیار کی۔

6۔ وفات کے بعد تبدیلی

Elijah Muhammad کی وفات (1975ء) کے بعد ان کے بیٹے **Warith Deen Mohammed** نے قیادت سنبھالی۔ انہوں نے NOI کی زیادہ تر غیر اسلامی تعلیمات ترک کر کے:

- توحید
- ختمِ نبوت
- قرآن و سنت

کو اختیار کیا اور ہزاروں افراد کو **اہلِ سنت والجماعت** کے قریب لائے۔

7۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ

اہلِ سنت والجماعت کے مطابق:

- Elijah Muhammad **مسلمان نہیں** تھے کیونکہ:
  - ختمِ نبوت کا انکار
  - خدا کے انسانی ظہور کا عقیدہ
  - نسلی امتیاز
- تاہم، یہ حقیقت بھی تسلیم کی جاتی ہے کہ ان کی تحریک نے بہت سے سیاہ فام امریکیوں کو:
  - دین کی طرف متوجہ کیا
  - اخلاقی زندگی کی طرف لایا
  - بالآخر کچھ لوگوں کے لیے حقیقی اسلام تک پہنچنے کا ذریعہ بنی

جمز جونز (Jim Jones) (فرقے کے رہنما):

جِمز جونز (Jim Jones) اور اس کے فرقے کی تاریخ جدید دور کے سب سے ہولناک مذہبی و نفسیاتی فتنوں میں شمار ہوتی ہے۔ جم جونز نے خود کو ایک نجات دہندہ اور روحانی رہنما کے طور پر پیش کیا۔ اُس نے ہزاروں لوگوں کو سوشلزم، مساوات، نسل پرستی کے خاتمے اور جنت جیسے معاشرے کا خواب دکھایا۔

جیمز وارن جونز James Warren Jones) (1931–1978) وہ 13 مئی 1931ء کو امریکہ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک امریکی فرقہ پرست رہنما تھا جو خود کو مسیحا اور نجات دہندہ کہتا تھا۔ اور بڑے پیمانے پر قتل و خودکشی کا ذمہ دار تھا۔ اس نے "پیپلز ٹیمپل (Peoples Temple) "نامی ایک تحریک کی بنیاد رکھی۔ 18 نومبر 1978 کو، اس نے گیانا میں جونز ٹاؤن (Jonestown) نامی اپنی کمیون میں اپنے 918 پیروکاروں کو اجتماعی خودکشی پر مجبور کیا، جو کہ جدید تاریخ میں امریکی شہریوں کا سب سے بڑا اجتماعی نقصان تھا (گیارہ ستمبر کے واقعے تک)۔ یہیں سے " Drink the) " Kool-Aid) کا محاورہ نکلا، حالانکہ اصل میں 'فلیور ایڈ (Flavor Aid) ' استعمال ہوا تھا۔ اور مذہب کے نام پر سب سے بڑا خودکش قتل عام۔

ذیل میں اس کی زندگی، فرقہ، عقائد، طریقِ کار اور انجام کی کچھ تفصیل بیان کی جارہی ہے:

Peoples Temple (پیپلز ٹیمپل) کیا تھا؟

یہ بظاہر ایک چرچ اور سماجی خدمت کی تنظیم تھی، لیکن درحقیقت یہ ایک انتہائی انتہاپسند، کنٹرول کرنے والا اور ذہنی غلامی پر مبنی فرقہ تھا۔

ظاہری دعوے:

اس فرقے نے ظاہری طور پر نسل پرستی کے خلاف جدوجہد، غرباء، سیاہ فام افراد اور محروم طبقات کی مدد اور سوشلزم، مساوات اور انصاف کی فراہمی کے دعوے کئے اور ان نعروں کی بنیاد پر لوگوں کا ایک گروہ جمع کر لیا۔

باطنی حقیقت:

لیکن کچھ ہی عرصے میں جمز جونز کو **نبی، مسیح بلکہ خدا** قرار دیا جانے لگا اور اراکین کی مکمل ذہنی، مالی اور جسمانی غلامی، خاندانوں کی علیحدگی اور مسلسل خوف، دھمکی اور برین واشنگ کے ذریعے اس گروہ کو کنٹرول کیا جانے لگا۔

جمز جونز کے عقائد

وہ بائبل کو من گھڑت کہتا تھا اور خود کو آخری نجات دہندہ سمجھتا تھا۔ وہ کہتا تھا: "اگر تم مجھے چھوڑو گے تو دنیا تمہیں مار ڈالے گی"

وہ خدا، جنت، جہنم کا مذاق اڑاتا تھا۔ اور خودکشی کو انقلابی عمل قرار دیتا تھا۔

ذہنی کنٹرول (Mind Control) کے طریقے

یہ فرقہ **Cult Psychology** کی کلاسک مثال ہے . اس کے اراکین کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے ان سے مالی، ذہنی اور جسمانی بیگار لی جاتی تھی اس مقصد کے لئے انھیں بتایا جاتا کہ حکومت اور CIA ہمیں مار دے گی اور اس خوف سے انھیں ڈرا کر تنہائی (Isolation) کا شکار کیا جاتا۔ اور اراکین کو دنیا سے کاٹ دیا گیا۔ طویل تقاریر، رات بھر اجتماعات کی وجہ سے یہ لوگ نیند کی کمی کا شکار ہوتے اس طرح ان کے دماغوں کو کنٹرول کیا جاتا۔ سب کے سامنے تذلیل کر کے اعتراف گناہ (Public Confessions) کروایا جاتا اور اس طرح مکمل طور پر انھیں ذہنی طور پر اپاہج کر دیا

گیا اس طرح مالی کنٹرول (تمام جائیداد فرقے کے نام) حاصل کرکے ان سے فوائد حاصل کئے جاتے۔

جونز ٹاؤن – (Jonestown) فرقے کا مرکز

1970ء کی دہائی میں جمز جونز امریکا میں قانونی مسائل بڑھنے پر اپنے پیروکاروں کو لے کر **گیانا (South America)** چلا گیا اور وہاں جنگل کے اندر ایک بستی بنائی جسے **"Jonestown"** کہا گیا۔ یہ جگہ جنت نہیں بلکہ **کھلا قید خانہ** تھا اور اس پر مسلح محافظ نگرانی کے لئے مقرر تھے جو کہ بھاگنے والوں پر تشدد کرتے تھے۔

سانحۂ جونز ٹاؤن (1978)

جب امریکی کانگریس کا نمائندہ Leo Ryan تحقیقات کے لیے جونز ٹاؤن آیا، تو جم جونز کو خوف ہوا کہ اُس کے جرائم بے نقاب نہ ہو جائیں۔ وفد کے واپس جاتے وقت جونز کے آدمیوں نے Leo Ryan کو قتل کر دیا۔ 18 نومبر 1978ء کو اس کے فوراً بعد جم جونز نے اپنے 900 سے زائد پیروکاروں کو زبردستی یا بہلا کر ایک زہریلا مشروب (cyanide Flavor Aid) پلایا گیا۔ بہت سے بچوں کو زبردستی زہر دیا گیا۔ اس موقعہ پر جمز جونز نے حکم دیا: "یہ خودکشی نہیں، انقلابی خودکشی ہے"۔

اس کی اس حرکت کی وجہ سے اس گروہ کے 918 افراد ہلاک ہوگئے جن میں 304 بچے، مرد، عورتیں، بزرگ افراد شامل تھے ان میں سے کئی افراد کو زبردستی مارا گیا اور آخر میں جمز جونز نے خود کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔

اس سلسلہ کا دینی پہلو نبوت کا جھوٹا دعویٰ (بالواسطہ)، خدا کی جگہ انسان کی پرستش، اندھی تقلید اور دین کا سیاسی و ذاتی استعمال تھا جس کے ذریعے مالی، جنسی اور جسمانی فوائد حاصل کئے جاتے تھے۔

چارلس مینسن (Charles Manson)

چارلس مینسن امریکی مجرم اور ایک گروہ کا سربراہ تھا۔ جو خود کو "مسیح" اور "شیطانی نبی" کہتا تھا۔ اسے تعلیم کے لیے اسکول بھیجا گیا مگر یہ نہیں پڑھ سکا۔ اسے 9 سال کی عمر میں 34 ڈالر چرانے کے الزام میں سات سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد اس نے چھوٹے موٹے جرائم شروع کر دیے۔ پھر یہ شاعری اور میوزک کی جانب آ گیا۔ یہ بے گھر تھا اس لیے لاس اینجلس کے مضافات میں ایک پہاڑی پر رہنے لگا۔ یہاں کچھ نوجوان ہی اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کے ساتھ یہیں رہنے لگ گئے۔ قتل و دہشت کی بنیاد پر مذہبی گروہ بنایا۔ ان سب لوگوں کو "مینسن فیملی" بھی کہا جاتا ہے۔ 1967 میں فلم انڈسٹری سے وابستہ 9 افراد قتل ہو گئے۔ چارلس کے ساتھ رہنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کیس میں گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے اعترافی بیان میں کہا کہ ہم نے یہ وارداتیں مینسن کے کہنے پر کی ہیں۔ پولیس نے مینسن کو گرفتار کر لیا۔ مگر مینسن ان جرائم میں ملوث ہونے سے مکمل انکاری رہا۔ اسے 1969ء میں عمر قید کی سزا سنادی گئی۔ میڈیا میں یہ دعوی کیا گیا کہ اس کے پاس کوئی ایسی جادوئی ٹیلی پیتھک قوت ہے جس کی مدد سے یہ کسی سے کچھ بھی کرا لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ ایک اور دعوی یہ کیا گیا کہ یہ خود کو خدا کا پیغمبر کہتا ہے۔ مقدمے کے دوران میں اسے اپنی بات خود کہنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ سزا سنائے جانے کے پندرہ سال بعد اس کا جیل میں پہلا انٹرویو ہوا۔ اس انٹرویو میں اس سے پوچھا گیا کہ تمھیں کیوں لگتا ہے کہ تمھارے ساتھ انصاف نہیں ہوا؟ مینسن نے جواب دیتے ہوئے کہا "جب دنیا بھر کے

سینکڑوں ٹی وی چینل اور پانچ ہزار رپورٹر صبح شام آپ کا میڈیا ٹرائل کر رہے ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے جج اور جیوری اس کے اثر سے محفوظ رہ سکیں ؟"اس سے اگلا سوال ہوا، تم خود کو خدا کا پیغمبر کیوں کہتے ہو؟ مینسن نے جواب دیا" یہ بھی ایک بکواس ہے جسے غلط رنگ دیا گیا ہے، میں نے یہ کہا تھا کہ "حیات" خدا ہے، یعنی سورج چاند سمیت زندگی کے سب مظاہر خدا ہیں اور میں حیات کا پیغمبر ہوں، اس طرح کا پیغمبر تو ہر شخص ہے" یہ 2017ء میں 83 سال کی عمر میں جیل میں ہی مرا۔ اسے اچھے چلن کے باوجود پیرول نہیں دیا گیا۔ یہ امریکی تاریخ کے تمام سیریل کلرز میں سے واحد ہے جو مرتے دم تک یہ کہتا رہا جس کیس میں مجھے سزا سنائی گئی ہے اس میں میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں نے زندگی میں بہت سے جرائم کیے ہیں، ان میں سے بعض کی سزا بھگتی ہے اور بعض کی نہیں بھگتی کیونکہ ان کیسز میں گرفتار نہیں ہوا۔ اور مجھے اپنے ان تمام جرائم پر شدید قسم کی ندامت بھی ہے لیکن جس کیس میں مجھے سیریل کلر قرار دے کر تاحیات قید کیا گیا ہے یہ جرم میں نے نہیں کیا۔ میں نے پوری زندگی میں کوئی قتل نہیں کیا اور نہ کروایا ہے۔ قید کے دوران مختلف سالوں میں اس کے کئی انٹرویوز ہوئے ہیں۔ اس پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ چارلس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نہایت قادر الکلام اور یہودیوں کا مخالف تھا۔ یہ اس درجے کی سحر انگیز گفتگو کرتا تھا کہ اسے سننے والے اس کا اثر لیے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور اسی چیز کو امریکی حکام نے جادو یا ٹیلی پیتھی کا نام دیا۔

داؤد احمد (David Koresh)

داؤد احمد — (David Koresh) جس کا اصل نام Vernon Wayne Howell تھا—اس نے اپنا نام حضرت داؤد علیہ السلام اور فارسی بادشاہ کوروش (Cyrus) سے متاثر ہو کر رکھا تا کہ خود کو ایک الٰہی و منتخب شخصیت ظاہر کر سکے۔ وہ 17 اگست 1959ء کو ٹیکساس (امریکہ) میں پیدا ہوا۔ اس کا شمار جدید تاریخ کے ان خطرناک فرقہ پرست مذہبی رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے مذہب، نفسیات اور طاقت کو ملا کر ایک ہلاکت خیز فتنہ پیدا کیا۔

اس کا تعلق عیسائی مذہب کے فرقہ Seventh-day Adventist کی ایک شاخ Branch Davidians (برانچ ڈیوڈینز) سے تھا۔ جسے داؤد احمد نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ جسکا مرکز Mount Carmel Center, Waco, Texas تھا۔

داؤد احمد کے بنیادی عقائد بائبل کی من گھڑت اور انتہا پسند تشریح پر مبنی تھے: وہ خود کو آخری زمانے کا نبی اور "Lamb of God" اور سات مہروں (Seven Seals) کا واحد مفسر قرار دیتا تھا۔

شادی اور جنس سے متعلق اس نے دعویٰ کیا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فرقے کی تمام عورتوں سے شادی کروں" اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے پیروکار مردوں کو بیویوں سے جدا کر دیا۔ اس کے کم عمر لڑکیوں سے بھی تعلقات تھے جو کہ سنگین اخلاقی جرائم کی حد تک تھے۔

حکومت سے بغاوت: اس نے امریکی حکومت کو دجالی طاقت قرار دیا اور کہا کہ "FBI اور ATF شیطانی فوجیں ہیں"۔

David Koresh نے کلاسک Cult Psychology استعمال کی اور خود کو واحد نجات دہندہ قرار دیا اور خوف کا بیانیہ (قیامت، حکومت کا حملہ) کا طریقہ دہرا کر اپنے پیروکاروں کی ذہن سازی کی۔ انھیں بائبل کی پیچیدہ تشریح میں الجھایا اور انھیں مسلح مزاحمت کا راستہ بتایا۔ اس گروہ میں dicatatorship کے ذریعے لوگوں کو غلام بنایا۔

انجام:

Waco Siege (واکو محاصرہ)–1993ء

امریکی ادارے ATF اور بعد میں FBI نے اسلحہ رکھنے، بچوں کے ساتھ بد سلوکی کے الزامات پر کارروائی کی۔ اور اس کی زیر قبضہ عمارت کا محاصرہ

کر لیا جو کہ 51 دن تک جاری رہا۔ 28 فروری 1993ء کو شروع ہونے والے اس واقعے میں فائرنگ سے چار ATF اہلکار ہلاک ہو گئے جس کے بعد FBI نے بھی محاصرہ کر لیا۔ بالآخر 19 اپریل 1993ء کو اس کے زیرِ قبضہ عمارت میں آگ لگ گئی جس کے نتیجہ میں 76 افراد ہلاک ہو گئے۔ جن میں 25 بچے اور 2 حاملہ خواتین بھی شامل تھیں۔ اس حملہ میں David Koresh بھی مارا گیا۔

وہ مذہب کو طاقت، کنٹرول اور خواہشات کے لیے استعمال کرتا تھا۔ عیسائیت کی نظر میں بھی اس کے عقائد کو گمراہی اور بدعت قرار دیا گیا۔ اور کسی مستند چرچ نے اسے نبی تسلیم نہیں کیا۔ وہ بھی حسن بن صباح کے نقش قدم پر چل رہا تھا گو کہ اس کا نشانہ عالمِ اسلام کے بجائے عیسائی عوام تھے۔

رشاد خلیفہ (Rashad Khalifa) جھوٹا مدعی نبوت

(۱۹۳۵ تا جنوری ۱۹۹۰) عمر ۵۵ سال

رشاد خلیفہ ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ میں مصر میں پیدا ہوا اس نے بیچلر کی ڈگری عین شمس یونیورسٹی مصر سے حاصل کی اسکے بعد بائیو کیمسٹری میں ماسٹرز کرنے کے لیے امریکہ چلا گیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کیلیفورنیا یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اس کا مسکن امریکہ کی ریاست Arizona (اریزونا) کا شہر Tucson (ٹوسان) تھا۔

انیسویں صدی کے وسط آخر اور پھر بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں برصغیر میں مرزا غلام احمد کادیانی دعویٔ نبوت سے پہلے آریہ سماجیوں اور مسیحیوں کے خلاف مناظرِ اسلام بن کر اٹھا۔ اسلام کی صداقت کی حمایت میں مقالے لکھے، مناظرے کیئے، تقریریں کیں مگر جب اپنی مقصد بر آری کے لیے دور تک آگے نکل گیا تو مجدد، محدث، مثیل مسیح حتٰی کہ دعویٔ نبوت سے بھی گریز نہ کیا۔

کچھ ایسا ہی حال عالیجاہ محمد کا تھا۔ عالیجاہ نے سیاہ فام امریکیوں کو اسلام اور قرآن کی طرف بلایا۔ بظاہر یہ دعوت بڑی خوش آئند تھی مگر امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ وہ ایک نسلی تحریک زیادہ بن گئی اور دینی کم، جس میں سیاہ فام افریقی دیوتا تھے اور سفید فام امریکی ان کے پیدا کردہ شیطان۔

بعینہٖ یہی حال گذشتہ چند برسوں سے ڈاکٹر رشاد خلیفہ کا تھا۔ رشاد خلیفہ نے ایک داعیٔ اسلام کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا مگر اس کی دعوت ایک خاص نقطہ پر مرکوز تھی، اسے اسلاف کی دینی خدمات اور قرونِ خیر کی خیریت پر اعتماد نہ تھا۔ اس کی تجدد پسندانہ اور ریاضیاتی ساخت و باخت نے دین کی آڑ میں ایک نئی گمراہی کو جنم دیا۔ ۱۹ کا عدد اس کی تمام تر صلاحیتوں کا مرکز تھا۔ ۱۹ کے عدد سے وہ بظاہر نظر اپنے دو مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

(۱) قرآن دنیا کی طرف خدا کا آخری پیغام ہے اور ۱۹ کا عدد اس کی تصدیق کرتا ہے۔ خدا کا واحد ہونا حروف ابجد کے اعتبار سے ثابت ہے۔

و + ا + ح + د

۶ + ۱ + ۸ + ۴ = ۱۹

یہی وحدانیتِ الٰہی قرآن کا مقصودِ اصلی ہے۔

(۲) قرآن ہر طرح کی آمیزش، نقص و زیادت سے پاک ہے۔

اس نے اپنے پہلے دعوٰی کی تردید اس تعبیر سے کر دی جو سنت کے انکار پر مبنی تھی، اس نے کہا کہ سنت کی پیروی گمراہی اور بت پرستی ہے۔ یوں منکرِ حدیث ہو کر رشاد خلیفہ قرآنی بصیرت کھو بیٹھا۔ اس کی کتاب The Computer Speaks: God's Message to the World نے دنیا

کو چونکا دیا اور لوگ اس کی قرآن میں ریاضیاتی کوششوں کے معترف ہو گئے۔
جہاں تک اس کے دوسرے مقصد کا تعلق ہے وہ اس سے بھی انحراف کر گیا۔ جب بعض قرآنی آیات اس کے خود ساختہ ریاضیاتی کلیوں کے مطابق نہ نکلیں تو اس نے ان آیات ہی سے انکار کر دیا۔ مثلاً اس نے سورۂ توبہ کی آخری دو آیتوں کو وضعی اور الحاقی کہہ کر خود ہی قرآن میں عدم نقص و زیادت کی تردید کر دی۔ اس نے کہا:

"کمپیوٹر نے ایک تاریخی جرم کا اظہار کر دیا۔ خدا کے کلام میں تحریف۔ قرآن میں دو وضعی آیات نکل آئیں۔ قرآن کے ہندسی ضابطے میں نو (۹) نقائص دریافت کر لیے گئے۔ یہ تمام نو نقائص سورت نمبر ۹ کی آخری دو آیتوں میں پائے گئے ہیں۔"

بہت سے نو مسلم رشاد خلیفہ کو سچا رسول سمجھنے لگے کیونکہ وہ بڑے وثوق سے دعوٰی کرتا کہ وہ اپنی اس تحقیق سے قرآن کی زبان و بیان کی پاکیزگی کو ثابت کر رہا ہے۔ اس کے جھانسے میں آنے والے زیادہ تر وہ لوگ تھے جو علمِ دین کا ضروری علم نہیں رکھتے، اسلام تو قبول کر لیتے ہیں، ان کی علمی سطح مبادیات سے اوپر نہیں جاتی۔ تاہم بعض ثقہ قسم کے علماء نے اس کی گرفت کی اور اس کے ان خود ساختہ نظریات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، باوجودیکہ وہ ان سے قرآن ہی کی حقانیت ثابت کرتا دکھائی دیتا تھا۔

آج سے دس برس پہلے ممتاز عالمِ دین مولانا عبد القدوس ہاشمی نے بجا طور پر کہا تھا کہ عددیات کا باطل علم قدیم اساطیری ادبوں کی پیداوار ہے، اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ عوام میں جو ۷۸۶ کے عدد کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی نسبت سے اہمیت تسلیم کی جاتی ہے مولانا ہاشمی نے اس کو بے جواز اور بے کار بتایا۔ قرآنی آیات کو عددی شکلیں دے کر ان سے تعویذ بنانا بھی بیکار مشغلہ اور ضعیف الاعتقادی کا نتیجہ قرار دیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ۱۹ کے عدد کی اہمیت سب سے پہلے نویں صدی عیسوی میں قرامطہ کے ہاں ملتی ہے، پھر ان قرامطہ کی بگڑی ہوئی شکل بہائی فرقہ کے ہاں ۱۹ کا عدد بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہائی فرقۂ باطلہ کے بانی محمد علی باب کی تاریخ پیدائش ۱۸۱۹ء ہے۔ ان اعداد کا مجموعہ ۱+۸+۱+۹=۱۹ بنتا ہے۔ بہائیوں نے ۱۹ کے عدد کو مرکزِ کائنات مانا اور اسے اسرارِ کائنات کا اصل سرچشمہ قرار دے لیا ہے۔ بہائیوں نے سال کے ۱۹ مہینے قرار دیے اور ہر مہینے کے ۱۹ دن بنائے، یوں ان کا کیلنڈر بھی ۱۹ کے عدد کے گرد گھومنے لگا۔ یہی ۱۹ کا ہندسہ جو بہائیوں کے ہاں بڑا مقدس اور معنی خیز ہندسہ قرار دیا جاتا تھا اسی پر رشاد خلیفہ نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کی ٹھان لی۔ اسے مرکز بنا کر اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں اہم یہ ہیں:

The Perpetual Miracle of Muhammad 1976

Mujiza Al-Quran Al-Karim 1980

The Final Scripture 1981

Quran, Hadith and Islam 1982

Quran: Visual Presentation of the Miracle 1982

عام مسلمانوں کے علاوہ رشاد کے بھرّے میں آنے والوں میں مشہور مناظرِ اسلام احمد دیدات کا نام سرِ فہرست ہے۔ وہ اس کی کنجکاری سے بہت متاثر ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں انہوں نے ایک مختصر کتاب Al-Quran an Ultimate Miracle لکھ کر رشاد کے افکار و دلائل کا خلاصہ پیش کیا۔ بعد ازاں اس موضوع پر احمد دیدات کا ایک لیکچر بعنوان Al-Quran a Visual Miracle بھی پوری دنیا میں ٹیپ کر کے مفت تقسیم کیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد رشاد خلیفہ نے اس بات کا دعوٰی کیا کہ اس نے ۱۹ کے عدد کی مدد سے قیامت کی صحیح تاریخ بھی معلوم کرلی ہے۔ جب اس کی جسارت یہاں تک آپہنچی تو احمد دیدات سمیت بہت سے مسلمان اس سے بدظن ہوگئے۔ اس کے معترفین نے اس کی مخالفت کرنا شروع کردی، کئی تاثراتی و جذباتی مضمون لکھے گئے۔ اس کی اس دیدہ دلیری کے پیشِ نظر جید علماء سے استفتاء کیا گیا۔ دنیائے اسلام کے معروف ترین عالمِ دین شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز (سعودی عرب) نے اس کے ارتداد کا فتوٰی دیا۔

اس دوران میں رشاد خلیفہ نے مصری سکونت ترک کرکے امریکہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ امریکہ کی ریاست اریزونا کے شہر توسان میں بیٹھ کر ایک ماہانہ خبرنامہ جاری کیا جس کی بے شمار کاپیاں امریکہ اور کینیڈا کے سارے اسلامی حلقوں میں مفت تقسیم کیں۔ محدود علم کے نومسلم اس کی گرفت میں جلد آجاتے بالخصوص وہ خواتین جو پردے کی حامی نہ تھیں اور اسلامی لباس کے حق میں نہ تھیں وہ اس کے جھانسے میں زیادہ آتیں کیونکہ رشاد خلیفہ نے ساتر لباس کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ عورتیں اور مرد ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر نماز ادا کرسکتے ہیں۔

رشاد خلیفہ کے عقائدِ باطلہ اور ان کی تردید ایک مستقل مقالے کا متقاضی ہے; تاہم اس مدعیٔ رسالت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ۱۹ حروف پر مشتمل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت قرآن کا ایک معجزاتی عددی ضابطہ ہے۔ یہ معجزاتی ضابطہ سورہ مدثر کی آیت ۳۰ کا مبنٰی ہے اور یہ آیت "علیھا تسعۃ عشر" پورے قرآن کی عددی وریاضیاتی معجز نمائی کی اساس ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ ۱۹ اور اس کی جمعی، تقسیمی اور ضربی شکلیں پورے قرآن کو محیط ہیں۔ جو آیاتِ قرآنی اس ضابطے پر پوری نہیں اترتیں وہ وضعی ہیں۔

حروفِ مقطعات جو قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں ان میں اس نے عددی اسرار تلاش کیے ہیں اور دعوٰی کیا ہے کہ قرآن جیسی ادبی کتاب میں ریاضیاتی صحت ضابطہ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہ کام انسانی قوت سے ماوراء ہے۔ چونکہ آج کا دور انسان کے صلبی اولاد کے بجائے اس کی معنوی اولاد معجزاتی چپ (سیلیکون چپ جس کی مدد سے کمپیوٹر کا انقلاب آیا) اور الیکٹرانی ساحروں یعنی کمپیوٹروں کا دور ہے، قرآن اس چیلنج کو قبول کرکے کمپیوٹر کے لوازم پر پورا اترتا ہے، اس سے اس کا معجزہ اور وحی ہونا ظاہر ہے۔ مزید یہ کہ ۱۹ اور اس کی مختلف ہندسی ہیئتیں، وہ ضربی ہوں جمعی ہوں یا تقسیمی، قرآن کی صحیح تعبیر پیش کرتی ہیں۔

رشاد خلیفہ کا یہ بھی دعوٰی ہے کہ وہ رسول ہے نبی نہیں، کیونکہ قرآن کریم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا ہے خاتم الرسل نہیں کہا۔ رشاد خلیفہ نے اپنی کتاب Quran: Visual Presentation of Miracle کے پہلے ۲۴۷ صفحات میں نام نہاد "۵۲ طبعی حقائق" پیش کرکے اعداد و شمار کے گوشوارے دیے ہیں۔ عام قاری ان سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن جب ان پر گہرا غور کیا جائے تو اس مدعیٔ رسالت کے افکار کا تاروپود بکھر کر رہ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ابو امینہ بلال فلپس کی کتاب The Qur'an's Numerical Miracle: Hoax and Heresy لائق مطالعہ ہے۔

اس کا دعوی تھا کہ سورۃ یٰسین کی آیت ۳۳ " بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔" جبرائیل علیہ السلام کی طرف سے اس پر وحی ہوئی تھی۔ اس کا دعوی ہے کہ مجھے کوئی ایک اچھی دلیل دیں جس کے مطابق میں خدا کا رسول نہیں ہوسکتا کہتا ہے کہ

I have given you hundreds of solid Quranic proofs that I am God's Messenger of the Covenant. Can you give me one, just one, good reason why I could not be God's messenger?

یعنی میرے پاس سینکڑوں قرآنی ثبوت ہیں کہ میں خدا کے عہد کا رسول ہوں، کیا کوئی مجھے ایک دلیل دے سکتا ہے جس کی بنا پر میں رسول نہیں؟

http://www.masjidtucson.org/publicati.../.../1989/feb/page1.html

اس کے بعد کچھ خود ساختہ دلائل پیش کرتا ہے۔

محمد ﷺ خدا کے آخری رسول۔ اس عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ یہ بات درست نہیں کہ آپ ﷺ آخری رسول ہیں ۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں نہ کہ آخری رسول۔ اس کے لیے قرآن کی کچھ آیات پیش کرتا ہے

﴿يَا بَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (سورۃ الأعراف:35)

اے آدم کی اولاد اگر تم میں سے تمہارے پاس رسول آئیں جو تمہیں میری آیتیں سنائیں، پھر جو شخص ڈرے گا اور اصلاح کرے گا ایسوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ﴾ (سورۃ النحل:2)

وہ اپنے بندوں سے جس کے پاس چاہتا ہے فرشتوں کو وحی دے کر بھیج دیتا ہے یہ کہ خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس مجھ سے ڈرتے رہو۔

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (سورۃ الأحزاب:40)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں، اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ (سورۃ الغافر15)

وہ اونچے درجوں والا عرش کا مالک ہے، اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات (قیامت) کے دن سے ڈرائے۔

(یہی آیات مرزائی پیش کرتے ہیں)۔ اس کے بعد وہی مرزائیوں والا فراڈ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن ہمیں آپ ﷺ کو آخری رسول کہنے سے منع کرتا ہے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں نے یہی گمان کیا کہ

﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ﴾ (سورۃ الغافر:34)

"اور تمہارے پاس یوسف بھی اس سے پہلے واضح دلیلیں لے کر آچکا پس تم ہمیشہ اس سے شک میں رہے جو وہ تمہارے پاس لایا، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگیا تو تم نے کہا کہ اللہ اس کے بعد کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجے گا، اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے اس کو جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہے"۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یوسف کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن یوسف علیہ السلام کے بعد نبی آئے۔،

لفظ نبی اور رسول ایک ہی ہیں۔ اس عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ اس کا ماننا ہے کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ اس کے لیے ایک بے تکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کہا گیا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آخری رسول یعنی پیغام پہنچانے والے نہیں۔

نبی صاحب کتاب نہیں ہوتا جبکہ رسول ایک نئی کتاب لاتا ہے۔ اس عنوان کے تحت کہتا ہے کہ یہ بات بھی غلط ہے درست یہ ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کتاب لائے اور رسول وہ ہوتا ہے جو اس کتاب کی تصدیق کرے ،اس کے لیے آیت پیش کرتا ہے

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۚ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۚ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:81)

"اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا، انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا، اللہ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"۔

اس کے بعد کہتا ہے کہ اس آیت کو کسی بھی ترجمہ کے ساتھ پڑھ لو۔

ہارون علیہ السلام کو نبی کہا گیا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ (سورۃ المریم:53)

اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا۔

لیکن ان کے پاس کتاب نہ تھی کیونکہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی۔ اس عنوان کے تحت کہتا ہے کہ اگر آپ قرآن پڑھتے ہیں تو یہ بات بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن میں

﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ﴾ (سورۃ الصافات:117)

"اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی"۔

کے مطابق موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کو کتاب عطا کی گئی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم عہد کے آخری رسول تھے۔ اس عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ قرآن کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک تھے جنہیں خدا کے معاہدے پر یقین کرنے کے لیے بنایا گیا۔

وہ کہتا ہے کہ قرآن کے مطابق اگر سچے ہو تو لاؤ دلیل

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:111)

"اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا، یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں کہہ دو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو"۔

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء:24)

"کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں، کہہ دو اپنی دلیل لاؤ، یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں موجود ہیں، بلکہ اکثر ان میں سے حق جانتے ہی نہیں، اس لیے منہ پھیرے ہوئے ہیں"۔

﴿اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (سورۃ النمل:64)

"بھلا کون ہے جو از سرِ نو خلقت کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور کون ہے وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے، کہہ دے اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو"۔

اس کے بعد کہتا ہے مرزا غلام احمد کادیانی اور بہا اللہ دونوں جھوٹے تھے۔

اس کے بعد اپنے معجزات بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ جدید دور کے مطابق میرے معجزات قرآن کریم کو ریاضیاتی مطالعہ کی بدولت سچا ثابت کرنا ہے اس ضمن میں کچھ دلائل دیتا ہے جو کہ اس لنک پر موجود ہیں

http://www.masjidtucson.org/publicati.../.../1989/feb/page2.html

اس کے علاوہ اسلامی شریعت کا انکار کرتا ہے جیسے غامدی، مرزائی یا منکرین حدیث کرتے ہیں یعنی شریعت میں نکتہ چینی جیسا کہ کہتا ہے کہ اسلامی شریعت میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں، اس کے لیے دلیل یہ دیتا ہے کہ قرآن میں جہاں چور کے ہاتھ کاٹنے کی بات ہوئی ہے یہی کاٹنے کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جب عورتوں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عوتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔

کہتا ہے کہ حجرہ رسول ﷺ مدینہ منورہ میں بتوں کا مقام رکھتا ہے (معاذ اللہ) لکھتا ہے کہ The Prophets tomb in Medina is today's biggest idol اس کے بعد حدیث پیش کرتا ہے کہ یہود و نصاری پر لعنت جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

http://www.masjidtucson.org/publicati.../.../1989/feb/page4.html

اس کا ایک دعوی یہ بھی ہے کہ جو ریاضیاتی معجزات اسے عطا کیے گئے اس بنا پر قرآن سے ۲ آیات اس نے نکال دیں کیونکہ وہ قرآن کا حصہ نہیں تھی وہ ۲ آیات سورہ توبہ کی ۱۲۸ اور ۱۲۹ ہیں جو کہ اس کے مطابق حضرت علی اور حضرت عمر کے درمیان تدوین قرآن کے وقت اختلاف سے وجہ سے شامل کی گئیں۔

http://www.masjidtucson.org/quran/appendices/appendix24.html

اس کا دعوی جو ابھی تک سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ ’میں عہد کا رسول ہوں یعنی قرآن کی تصدیق کرنے آیا ہوں‘ اس کے لیے سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ استعمال کرتا ہے۔

http://www.masjidtucson.org/quran/appendices/appendix2.html

اس کا ترجمہ قرآن۔ http://submission.org/Quran.html

وفات مسیح کے بارے میں رفع والی آیت سے استدلال کرتا ہے کہ صلیب سے پہلے ہی وفات دے کر جسم آسمان پر اٹھا لیا گیا۔
http://www.masjidtucson.org/publicati.../.../jesus/chapter13.pdf
اپنے دعوے کے معیار کو پرکھنے کا جو پیمانہ بیان کرتا ہے وہ کچھ یوں ہے۔
کہتا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے تو پھر میرا دعوی خود ہی ثابت ہو جائے گا۔(لو جی مرزائیوں کو ایک اور نبی مبارک)
کہتا ہے کہ جو شخص یہ مان لے کہ آپ ﷺ کے بعد نبی آسکتا ہے اس کے بعد وہ میرے ریاضیاتی معجزات دیکھے۔ اسی آرٹیکل میں اس نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے کہ نبی کی ضرورت ہے یا نہیں
http://www.masjidtucson.org/submi.../questions/questions.html...

انجام:

ڈاکٹر رشاد خلیفہ کو ۳۱ جنوری ۱۹۹۰ء رات دو بجے تیز دھار آلے سے قتل کر دیا گیا۔ وہ ایریزونا کے شہر ٹکسن کی اُس مسجد کے اندر چاقو کے وار سے قتل شدہ حالت میں پایا گیا جس کی بنیاد انہوں نے خود رکھی تھی۔
قتل کے انیس سال بعد، 28 اپریل 2009 کو، کیلگری پولیس سروس نے ٹرینیڈاڈ و ٹوباگو کے 52 سالہ شہری گلین کَسفورڈ فرانسس کو رشاد خلیفہ کے قتل کے شبہے میں گرفتار کیا۔ ٹکسن میں تفتیش کاروں کو معلوم ہوا کہ فرانسس، جو اس وقت بینجمن فلپس کے نام سے جانا جاتا تھا، نے جنوری 1990ء میں خلیفہ کے زیرِ نگرانی اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ قتل کے کچھ ہی عرصے بعد فلپس لاپتہ ہو گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ ملک چھوڑ چکا تھا۔
تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ فلپس اور فرانسس ایک ہی شخص تھے، جب پولیس نے فلپس کے اپارٹمنٹ سے حاصل کیے گئے فنگر پرنٹس کا تجزیہ کیا۔ ٹکسن پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ایک خصوصی یونٹ نے 2006ء اور دسمبر 2008ء میں تحقیقات میں نمایاں پیش رفت کی، اور جائے واردات سے حاصل شدہ فرانزک شواہد پر ڈی این اے ٹیسٹنگ کے ذریعے فرانسس کو اس قتل سے جوڑنے میں کامیاب ہوئی۔ اکتوبر 2009ء میں ایک کینیڈین جج نے فرانسس کو مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے امریکہ کے حوالے کرنے (حوالگی) کا حکم دیا۔
قتل کے مقدمے کی سماعت 11 دسمبر 2012ء کو شروع ہوئی۔ 19 دسمبر کو، تین گھنٹے کی مشاورت کے بعد جیوری نے گلین فرانسس کو فرسٹ ڈگری قتل کا مجرم قرار دیا اور اسے عمر قید کی سزا سنائی۔
فرانسس کے مقدمے سے قبل، جیمز ولیمز، جو مبینہ طور پر جماعت الفقرا تنظیم کا رکن تھا، اس قتل کی سازش میں ملوث ہونے کے جرم میں سزا یافتہ قرار دیا گیا تھا۔ ولیمز 1994ء میں اپنی سزا سنائے جانے والے دن لاپتہ ہو گیا تھا۔ سال 2000ء میں، امریکہ میں دوبارہ داخل ہونے کی کوشش کے دوران اسے گرفتار کر لیا گیا اور 69 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ 2003ء میں، کولوراڈو کورٹ آف اپیلز نے ایک جعلسازی کے الزام کے سوا اس کی تمام سزاؤں کو برقرار رکھا۔

اکیسویں صدی کے جھوٹے مدعیانِ نبوت ومہدویت

1۔ احمد الحسن الیمانی(عراق)

احمد الحسن الیمانی (Ahmad al-Hasan al-Yamani)ایک معاصر متنازع مذہبی شخصیت ہے جو اپنے آپ کو امام مہدی رضی اللہ عنہ کا نمائندہ، وصی اور یمانی قرار دیتا ہے۔شیعہ فرقہ میں بھی اسے گمراہ فرقہ پرست دعویدار سمجھا جاتا ہے۔ذیل میں اس کی تفصیلی مگر غیر جانبدار وضاحت پیش ہے:

احمد الحسن الیمانی کون ہے؟

اس کا پورا نام احمد بن اسماعیل البصری ہے۔اور اسے احمد الحسن الیمانی کے نام سے جانا جاتا ہے۔وہ 1968ء میں عراق کے شہر بصرہ سے باہر ایک قصبے میں پیدا ہوا۔ مذہبی اعتبار سے اس کا تعلق شیعہ مذہب سے ہے۔لیکن شیعہ مذہب میں بھی اسے گمراہ اور منحرف قرار دیا جاچکا ہے۔

سنہ 1992ء کو سول انجینئرنگ کے شعبے سے فارغ التحصیل ہوا۔ اس کی سنہ 1999ء تک کی زندگی کے بارے میں کوئی اطلاعات میسر نہیں ہیں، لیکن اسی سال وہ نجف گیا اور مختصر عرصہ سید محمد صادق صدر کے درس میں شریک ہوا ہے۔ اسی سال حکومت کے خلاف کی جانے والی سیاسی سرگرمیوں میں حیدر مشتت المنشداوی کے ہمراہ جیل گیا اور سنہ 2001ء تک ابوغریب قید خانے میں محبوس رہا، پھر سنہ 2004ء تک حوزہ علمیہ نجف میں حصول علم میں مشغول رہا۔

دعوے کا آغاز 1999ء کے بعد اس نے امام مہدی رضی اللہ عنہ کا پہلا نائب اور یمانی (آخری زمانے کا کردار) اور بعض تحریروں میں خود کو مہدیِ اول یا وصی بھی ظاہر کیا ہے۔

اس کے بعض پیروکاروں کے نزدیک وہ امام، معصوم اور الٰہی طور پر مقررہ ہے۔یہی تدریجی دعوے اسے **فرقہ پرستی (Cult Formation)** کی مثال بناتے ہیں۔

یمانی کا عقیدہ(شیعہ پس منظر)

شیعہ روایات میں **یمانی** ایک **صالح شخص** ہوگا جو امام مہدی رضی اللہ عنہ کی نصرت کرے گا خود امامت یا وصایت کا دعویٰ نہیں کرے گا۔
جبکہ احمد الحسن خود کو مرکزِ ہدایت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے: جو مجھے نہ مانے وہ گمراہ ہے۔

عقائد و نظریات

اس کے نظریات میں شامل ہیں:

- علماء (مراجع تقلید) کی شدید مخالفت
- تقلیدِ فقہاء کو شرک کے قریب کہنا
- خوابوں اور مکاشفوں کو دلیل بنانا
- پیچیدہ و باطنی تاویلات
- بعض اوقات قرآن وحدیث کی من مانی تشریح

طریقۂ کار (Cult Techniques)

احمد الحسن کی تحریک میں **جدید فرقوں کی نفسیات** واضح ہے:

1. خود کو واحد حق کا نمائندہ کہنا
2. علماء کو فاسد اور گمراہ کہنا
3. پیروکاروں کو ذہنی طور پر الگ تھلگ کرنا
4. خواب اور الہام کو حجت بنانا
5. تنقید کو دشمنی قرار دینا

پُر تشدد تحریک:

عراق میں اس کے بعض پیروکار حکومتی و مذہبی اداروں سے تصادم میں ملوث رہے۔ 2007ء میں نجف کے قریب اس سے منسوب گروہ کی مسلح جھڑپیں رپورٹ ہوئیں۔ تاہم وہ خود اکثر تحریری و آن لائن قیادت کرتا رہا۔

احمد الحسن اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے خواب، استخارہ اور اپنے دوستوں کے مکاشفوں کو دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے اور اسی طرح خود کو حدیث وصیت کا مصداق سمجھتا ہے۔ ان کے مدعا کی توضیح اور تشریح، نیز ان کے فقہی اور تفسیری نظریات کی تشریح کرنے کے لئے کم سے کم 20 کتابیں احمد الحسن یا ان کے حامیوں کی طرف سے لکھ کر شائع کی گئی ہیں۔ البتہ بعض کتابیں ان کے نظریات کے نقد میں بھی لکھی گئی ہیں جن میں علی کورانی کی "دجال البصرہ" (عربی) اور "مرکز تخصصی مہدویت" کی طرف سے لکھی گئی کتاب "ستیز با آفتاب" (فارسی) شامل ہیں جس کی قم میں طباعت ہوئی ہے۔

احمد الحسن کے استدلال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جعلی اور غیر معتبر احادیث کو اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے، احادیث میں تقطیع اور تحریف کرتا ہے۔ حدیث کی سند پر اعتراض سے بچنے کے لئے وہ علم رجال کو بدعت سمجھتا ہے اور اسے علمائے معاصر کا خود ساختہ علم خیال کرتا ہے۔ نصر اللہ آیتی کا کہنا ہے کہ احمد الحسن علم لدنی کا دعوے دار ہونے کے باوجود قرآن مجید کو صحیح سے نہیں پڑھ سکتا ہے اور بے شمار ادبی اشتباہات کا مرتکب ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام بڑے شیعہ مراجع نے بھی اسے جھوٹا دعویدار، گمراہ فرقہ اور امام مہدی رضی اللہ عنہ سے منسوب جھوٹ قرار دیا ہے، احمد الحسن نے سنہ 2008ء میں اپنے گروہ کے قیام کا اعلان کیا لیکن نجف سے باہر "الزرگہ چھاؤنی" میں اس کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے بعد سے وہ لوگوں کے سامنے نہیں آیا اور ان کے بعض حامی ان کی غیبت پر یقین کرتے ہوئے خود کو "انصار احمد الحسن" نامی گروہ سے الگ کیا۔ احمد الحسن زندہ ہونے کی کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ہے اور ان سے بلاواسطہ رابطہ بھی ممکن نہیں ہے۔

2۔ مسعود احمد (UK برطانیہ / پاکستان)

- ایک چھوٹا سا فرقہ بنایا، خود کو نبی اور مسیح قرار دیا۔
- برطانیہ میں مقیم ہے۔

3۔ Yang Xiangbin

دعویٰ اور عقائد

Yang Xiangbin کو Church of Almighty God کے ماننے والوں کے نزدیک یسوع مسیح کے دوبارہ ظہور کے طور پر مانا جاتا ہے —یعنی وہ "ال- قادر خدا" اور "آخری دنوں کی مسیح" کہلاتی ہے۔ گروہ کے مطابق یسوع مسیح نے دوبارہ ظہور کیا ہے، اب وہ ایک چینی عورت کے جسم میں آئے ہیں، اور وہی Yang Xiangbin ہے۔ اس کے الفاظ اور بیانات کو ال-قادر خدا کی وحی تصور کیا جاتا ہے، اور انہیں Church of Almighty God کی کتاب "The Word Appears in the Flesh" میں جمع کیا جاتا ہے۔

تاریخ پس منظر

Yang Xiangbin کا تعلق چین کے شمالی علاقے سے ہے اور اس کی پیدائش 1973ء میں ہوئی تھی۔ 1991ء میں اس نے روحانی revelations (وحی نما بیانات) دینا شروع کیے، جنھیں Church of Almighty God نے یسوع کے ظہور کی علامت قرار دیا۔ گروہ میں ان کا کردار ال- قادر خدا کے ظہور کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے پیروکار ان کو نہ صرف روحانی رہنما بلکہ الٰہی شخصیت بھی مانتے ہیں۔

تنظیم میں کردار

اگرچہ Church of Almighty God کے سرکاری متون میں ان کا نام عموماً نہیں آتا، تحقیقی رپورٹس اور میڈیا رپورٹس میں Yang Xiangbin کو female Christ یعنی عورت کی شکل میں مسیح کے طور پر شناخت کیا گیا ہے۔

گروہ کے بانی یا انتظامی رہنما کا نام Zhao Weishan ہے، لیکن Yang Xiangbin کو وہ مقام دیا گیا ہے جہاں سے خدا کی موجودہ (آخری دور کی) وحی جاری ہوتی ہے۔

یہ دعویٰ اسلام عقائد کے ساتھ ساتھ عام مسیحی عقائد سے بھی مختلف ہے۔ مسیحیت میں یسوع مسیح دوبارہ ظاہر ہوں گے، مگر ان کی شناخت میں کوئی مخصوص انسانی عورت بطور خدا واپس آنے کی تعلیم روایتی مسیحیت میں نہیں ملتی۔ Church of Almighty God کا یہ نظریہ خود روایتی مسیحی حلقوں اور عالمی مذہبی ماہرین کی طرف سے) cult لوگت یا گروہ (کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

چینی سرکاری ذرائع اس گروہ کو غیر قانونی "evil cult" / (گمراہ کن گروہ) قرار دیتے ہیں، اور بعض معاملات میں سخت کارروائیاں بھی کی گئی ہیں۔ بعض رپورٹیں دعویٰ کرتی ہیں کہ گروہ نے نئے لوگوں کو شامل کرنے کے لیے مختلف مبینہ طریقے استعمال کیے ہیں، لیکن گروہ اپنے آپ کو مذہبی آزادی کا شکار قرار دیتا ہے۔

4۔ وارن جیفز (Warren Jeffs)

وارن سٹیڈ جیفز — مختصر تعارف

اس کا پورا نام Warren Steed Jeffs ہے اور وہ 3 دسمبر 1955ء کو سکرامنٹو (کیلیفورنیا، امریکہ) میں پیدا ہوا۔

اسے امریکی cult (گروہی) رہنما، Fundamentalist Church of Jesus Christ of Latter-Day Saints (FLDS) کے صدر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ بچوں سے جنسی زیادتی کے جرم میں اسے عمر قید اور اضافی 20 سال کی سزا سنائی گئی۔ اور وہ جیل میں قید ہے۔

وارن جفز خود کو اپنے گروہ کا "پراکلامید / نبیّ (prophet) "مانتا تھا، لیکن اس کے خلاف سخت مجرمانہ الزامات ثابت ہو چکے ہیں۔

FLDS چرچ کیا ہے؟

Fundamentalist Church of Jesus Christ of Latter-Day Saints (FLDS)

یہ ایک موسٰی کے بعد کے روزی-ڈیز (Latter-Day Saints) سے الگ مذہبی فرقہ ہے جو باہم شادی (polygamy) کو جاری رکھتا ہے — جیسا کہ اصل LDS چرچ نے 1890 کی دہائی میں ترک کر دیا تھا۔

زندگی اور قیادت

جفز اپنے والد **Rulon Jeffs** کے بعد 2002ء میں FLDS کا سربراہ بنے۔ اس نے اپنے کنٹرول کے تحت خاص مذہبی کمیونٹیز جیسے Short Creek اور YFZ Ranch (Texas) بنائیں اور وہاں اپنی پیروی پر سخت کنٹرول قائم کیا۔ FLDS کے رہنما کے طور پر جفز نے صرف ان ہی شخصیات کو شادی کرنے کا اختیار دیا جو اس کی وحی کے مطابق منتخب ہوں۔

سنگین الزامات اور جرائم (بچوں سے شادی اور جنسی زیادتی)

Jeffs نے اپنے پیروکار مردوں اور **کم عمر لڑکیوں کے درمیان "روحانی شادیوں "** کا انتظام کیا— جن میں سے بہت ساری لڑکیاں قانونی عمر سے کم تھیں۔ 2006ء میں انہیں FBI کی "Ten Most Wanted" فہرست میں شامل کیا گیا کیونکہ وہ ان الزامات میں بھاگ رہے تھے۔ 2008ء میں Texas میں FLDS کے YFZ Ranch پر چھاپے کے بعد ہزاروں بچوں کو تحفظ میں لے لیا گیا تھا۔

مقدمات اور سزا

1. **Utah (2007):** دوگنا rape as an accomplice (رغبت میں معاونت) پر قید، لیکن بعد میں عدالت نے اسے رد کر دیا۔
2. **Texas (2011):**
   - 15 سالہ لڑکی کے ساتھ جنسی زیادتی
   - 12 سالہ لڑکی کے ساتھ aggravated sexual assault

ان جرائم کے لیے انہیں عمر قید + 20 سال کی سزا سنائی گئی۔ وہ سزا کے بعد جیل میں ہیں اور پیرول یا رہائی کے امکانات بہت کم ہیں۔

ذاتی زندگی

Jeffs کے بہت سے "روحانی "بیویاں تھیں— کچھ رپورٹس میں تعداد 70 سے زائد بتائی جاتی ہے، جن میں درجنوں کم عمر لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ ان کے کئی بچوں نے بعد میں ان پر جنسی زیادتی اور ذہنی استحصال کے الزامات لگائے ہیں۔

گروہی اثر و رسوخ اور موجودہ صورتحال

اگرچہ جفز قید میں ہیں، بہت سے سابق FLDS ارکان کے مطابق ان کا روحانی اثر اب بھی گروہ پر برقرار ہے، اور وہ قید سے اپنے پیروکاروں کو ہدایات دیتے رہے ہیں۔

Netflix پر Keep Sweet: Pray and Obey نامی ایک ڈاکومنٹری سیریز بھی ہے جو ان کے اور FLDS گروہ کے اندر جاری زندگی اور جرائم کو دکھاتی ہے۔

Warren Jeffs ایک مذہبی گروہ کے رہنما تھے جو اپنے اندر سیاسی اور مذہبی کنٹرول کو بڑھانے کے لیے کم عمر لڑکیوں کی شادیاں اور جنسی زیادتی جیسے جرائم میں ملوث ہوئے۔ انہیں سزائے عمر قید سنائی گئی اور وہ اب قید میں ہیں۔ ان کے اثرات نے FLDS گروپ اور بہت سے متاثرین کی زندگیوں پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

FLDS کا بنیادی نظریاتی پس منظر

FLDS Church ایک مورمنزم (Latter-Day Saints) سے الگ ہونے والا فرقہ ہے جو 1890ء کے بعد اس وقت وجود میں آیا جب اصل **Church of Jesus Christ of Latter-Day Saints** نے **polygamy** (باہم شادی) کی روایت ترک کردی۔ FLDS لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اصل، سچے مورمن عقائد کو جاری رکھنے والے ہیں، اور خاص طور پر وہ plural marriage (کئی بیویاں) کو خدا کی طرف سے فرض شدہ ہدایت مانتے ہیں۔ یعنی مرد کے لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کم از کم تین بیویاں ہونا خدا کی فرمانبرداری اور اعلیٰ نجات کے لیے ضروری ہے۔

اہم عقائد اور مذہبی تعلیمات

1۔ Prophet / پیشوا کا کردار

FLDS میں ایک مرکزی Prophet (نبیّ / رہنما) ہوتا ہے جسے خدا کے نمائندے اور وحیِ الٰہی وصول کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ یہ پیشوا روایتی مذہبی علما کی بجائے مستقیم خدا سے بات کرنے والا سمجھا جاتا ہے، اور اس کے فیصلوں کو بلا بحث قبول کیا جاتا ہے۔

2۔ Plural Marriage / باہم شادی (Polygamy)

FLDS کا مرکزی عقیدہ **plural marriage** ہے۔ یہ سماجی رواج نہیں بلکہ ایک **الٰہی حکم** سمجھا جاتا ہے، جس کے بغیر "celestial kingdom" (آخرت میں اعلیٰ مقام) حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

3۔ Placement Marriage / "شادی کا تقرر"

FLDS میں عام شادی کا فیصلہ افراد کے اپنے انتخاب پر نہیں ہوتا، بلکہ Prophet* کے ذریعے آپ کی شادی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس نظام میں **prophet کسی عورت کا شوہر منتخب کرتا ہے** اور اسے کسی مرد کے ساتھ prophetic revelation کی بنیاد پر جوڑتا ہے۔

4۔ Scripture / مذہبی روایات

- FLDS اپنے آپ کو **مسیح کے حقیقی ماننے والے** سمجھتے ہیں اور
    - **The Book of Mormon,**
    - **Doctrine and Covenants,**
    - **The Pearl of Great Price**

جیسے متون کو مقدس مانتے ہیں — لیکن ان میں سے کچھ حصوں کو وہ نہیں مانتے جو polygamy کی مخالفت کرتے ہیں۔

5۔ United Order (اجتماعی ملکیت)

کچھ FLDS کمیونٹیز نے زمین اور جائداد کو United Order of Enoch کے تحت اجتماعی ملکیت سمجھا، جہاں روزمرہ کی ملکیت اور وسائل کو مشترکہ انداز میں رکھا جاتا تھا۔ اس تصور کا مقصد یہ تھا کہ پلیرشپ اور اجتماعی زندگی کی روح کو مضبوط کیا جائے — جیسا کہ ان کا ماننا تھا کہ قدیم دین کے مطابق یہ خدا کی مرضی ہے۔

6۔ Obedience / مکمل اطاعت

FLDS میں **prophet کی مکمل اطاعت** ضروری سمجھا جاتا ہے — روحانی اور سماجی دونوں حوالے سے۔ ان کے نزدیک **prophet کی نافرمانی** روحانی نقصان یا جماعت سے باہر رہ جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

تنقید اور تنازعات

1۔ Underage Marriage / نابالغ شادیاں

FLDS کے زیرِ نگرانی بعض نوجوان لڑکیاں (بشمول نابالغ) بڑی عمر کے مردوں کے ساتھ شادیوں میں شامل ہوئیں — یہ عمل امریکی معاشرے میں قانوناً بھی اور اخلاقاً بھی شدید تنقید کا نشانہ رہا ہے۔

2۔ حقوقِ نسواں و بچوں کے مسائل

تنقید نگاروں کے مطابق FLDS میں عورتوں کو مردوں کے ماتحت رکھا جاتا ہے اور انہیں آزادانہ انتخاب یا تعلیم کے مواقع میں محدود رکھا جاتا ہے۔ کچھ سابق اراکین کی رائے میں، پروپیگنڈا کے ذریعے کم عمر لڑکیوں کی شادیاں اور سخت سماجی نگرانی کی جاتی ہے۔

انڈونیشیا، نائجیریا، اور بھارت میں

کئی چھوٹے دعوے دار سامنے آئے ہیں، مثلاً:

- **لیوشانگ / سپریم مادر گاڈیس (چین)**
- **جیوشری راؤ** (بھارت) — خود کو کرشن اور نبی کہتا ہے۔
- **جون موزیز** (افریقہ) — "زندہ نبی" کا دعویٰ۔

مہدویت کے جھوٹے دعوے دار

پہلی صدی ہجری	مختار ثقفی
دوسری صدی ہجری	صالح بن طریف (175ھ / 791ء) ابو العباس سفاح عبد اللہ بن معاویہ محمد حنفیہ ان کے ماننے والوں کا دعویٰ

	ابوالحسن زید بن علی ابو مسلم امین آل محمد ابن مقنع
تیسری صدی ہجری	محمد بن حسن مہدی (256ھ-275ھ/870ء-888ء) ابو محمد عبداللہ مہدی ابو محمد شریعی محمد بن نصیر نمیری
چوتھی صدی ہجری	حاکم بامر اللہ
چھٹی صدی ہجری	ابن تومرت (485ھ-524ھ/1092ء-1130ء) ابو عبداللہ مغربی
ساتویں صدی ہجری	عباس ریفی محمد قرمانی
آٹھویں صدی ہجری	جبلی شخص توزری طرابلسی شخص
نویں صدی ہجری	سید محمد مشعشع محمد فریانی شیخ عبد القدیر بخاری میرزا بخلی ملا عرشی کاشانی
دسویں صدی ہجری	محمد جونپوری (847ھ-910ھ/1443ء-1505ء) محمد نور بخش خراسانی سید محمد مشہدی موسیٰ کردی ابوالکرم دارانی شیخ علائی شیخ مغربی

	مصری شخص محمد نفس زکیہ
گیارہویں صدی ہجری	احمد بن عبداللہ محلی (927ھ-1022ھ/1560ء-1613ء) عبداللہ عجفی
بارہویں صدی ہجری	بنگالی ہندی محمد بن احمد سوڈانی شیخ سعید یمانی
تیرہویں صدی ہجری	علی محمد باب (1235ھ-1266ھ/1819ء-1850ء) مرزا احمد کادیانی (1250ھ-1326ھ) محمد احمد (1259ھ-1302ھ/1843ء-1885ء) مرزا طاہر احمد شیخ مہدی قزوینی محمد گجراتی ولی اللہ اصفہانی مرزا حسن ہمدانی سید موسوی محمد ہمدانی مرزا مشتاق شیرازی بایزید ترکمانی یوسف خواجہ
چودہویں صدی ہجری	محمد قحطانی (1935ء-1980ء) عارفین محمد (ولادت 1943ء) گوہر شاہی (1941ء-2001ء) سامر ابو قمر (1980ء-2007ء) محمد ادریسی سید علی شاہ ہندی ہاشم شاہ نور بخش

	مسٹر جیلک غضنفر وزیری
پندرہویں صدی ہجری	احمد حسن یمنی (ولادت 1968ء) شکیل بن حنیف (انڈیا) محمد قاسم لاہوری (پاکستان)
دیگر افراد	جن کے بارے مہدی ہونے کا دعوی کیا گیا وہ بھی بہت سے افراد ہیں۔ اہل تشیع، حسن عسکری کے بیٹے کو مہدی موعود سمجھتے ہیں۔ **دیگر ادیان میں:** ماشیح ، سوشیانس ، فارقلیط ، مہر/میترا، شیدر، ہوشیدرماہ، کرشنا، وشنو

جھوٹے دعویٰ نبوت و مہدویت کے نفسیاتی و سماجی اسباب

1. شہرت یا اقتدار کی خواہش
2. مالی فوائد
3. باطل قوتوں کے ایماء پر (سیاسی مقاصد)
4. روحانی تجربات کا غلط مفہوم لینا
5. باطنی یا صوفیانہ دعووں کا غلو
6. مذہبی فرقہ بندی اور ذاتی مفاد
7. نفسیاتی امراض کی وجہ سے
8. **شیطان کا دھوکہ** — جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾(سورۃ الانعام:112)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شر پسند آدمیوں اور جنوں کو دشمن بنایا جو کہ ایک دوسرے کو طمع کی باتیں فریب دینے کے لیے سکھاتے ہیں، اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے، پس تو چھوڑ دے انہیں اور جو جھوٹ وہ بناتے ہیں۔"

نفسیاتی مسائل کے حوالے سے مشہور ماہر نفسیات حافظ محمد شارق صاحب نے یوں بیان کیا ہے۔

مہدی و مسیح کا دعویٰ اور نفسیات

ایک پاکستانی شخص کھلے عام اسرائیل کی حمایت میں کھڑا ہے، اسے ایک آئیڈیل ریاست تصور کرتا ہے اور بغیر کسی خوف لوگوں میں کھل کر یہودیوں کے گُن گا رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دنیا میں ہر فساد کی جڑ مسلمان ہی ہیں۔ اپنے اس نقطہ نظر کے پرچار اور اسے نافذ کرنے کے لیے وہ اسلام آباد کی سڑکوں پر پھرتا ہے اور اہل اقتدار کو بھی اپروچ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ یہ پاکستانی تناظر میں صورت حال ہے۔

ایک اور شخص جو امریکہ میں مقیم ہے، امریکیوں کو ظالم و جابر تصور کرتا ہے، اسے لگتا ہے کہ دنیا بھر میں تمام فساد کی جڑ امریکہ ہی ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کا چرچ ہی اب دنیا کے مسائل سے نجات کا واحد راستہ ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ ایک الگ تھلگ کمیونٹی تشکیل دیتا ہے تاکہ بوقت ضرورت اپنے نظام کو دنیا پر جبراً نافذ کر سکے۔ اس کی مشہور مثال جون سٹون ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ یہ مغرب کی صورت حال ہے۔

یقیناً آپ کہیں گے کہ یہ دونوں انسان ہی "فتنہ" ہیں اور نظریاتی اعتبار سے انتہائی گمراہی پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس کچھ اور ہی ہے۔

لگ بھگ دسمبر 2025ء کی بات ہے کہ کراچی میں ہمارے جاننے والوں میں سے ایک خاتون اپنے بیٹے سے متعلق اسی طرح کا مسئلہ بتانے کے لیے تشریف لائی۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کا 21 سالہ بیٹا 'گمراہ' ہو گیا ہے۔ وہ دن بھر اسرائیل اور یہودیوں کی تعریف کرتا رہتا ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے باقاعدہ اہل اقتدار سے ملاقات کی پلاننگ بھی بنالی ہے۔ خاتون نے درخواست کی کہ میں ان کے بیٹے کو سمجھاؤں اور اسے راہ راست پر واپس لاؤں۔ یہ معاملہ سنتے ہی میں نے فوراً انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بچہ گمراہ نہیں بلکہ ذہنی مریض ہے۔ آپ فوراً انھیں کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جائیں کیونکہ میں خود ماہر نفسیات ہونے کے باوجود مصروفیت کے سبب کلینکل پریکٹس نہیں کرتا۔ میری یہ بات سن کر وہ خاتون سیخ پا ہو گئی کہ میں ان کے بیٹے کو پاگل قرار دے رہا ہوں۔ بڑی مشکل سے میں نے انھیں سمجھایا کہ یہ ایک خطرناک نفسیاتی مرض ہے اور آپ نے ابھی سنجیدہ نہ لیا تو چند ہفتوں بعد وہ مہدی یا مسیح ہونے کا دعویٰ کریں گے اور صورت حال اس قدر بھی بگڑ سکتی ہے کہ وہ آپ لوگوں کو قتل تک کر سکتا ہے۔ اُس وقت باوجود کوششوں کے انھیں میری بات سمجھ نہ آئی لیکن پرسوں مجھے ان کی کال آئی اور بتا رہی ہیں کہ کل سے وہ نوجوان یہ کہہ رہا ہے کہ خدا نے مجھے پیغام دیا ہے کہ مجھے حکومت وقت کو راہ راست پر لانا ہے۔

آپ تسلیم کریں یا نہ کریں، بات عجیب ہے کہ علم نفسیات میں امراض کی ایک قسم گرینڈیا زِڈس آرڈر (Grandiose Disorders) کہلاتی ہے۔ یہ مختلف نفسیاتی امراض کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جس کی ایک عمومی صورت یہی ہے کہ فرد خود کو دنیا کا مسیح و مہدی یا Savior تسلیم کرتا ہے۔ یہ مرض ترتیب کے ساتھ بڑھتا ہے اور اس کے Symptoms بھی ترتیب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے تئیں اس دعوے میں اس لحاظ سے سچا ہوتا ہے کہ اسے فی الواقع وہ تمام باتیں سنائیں بھی دیتی ہیں اور دکھائی بھی دیتی ہیں جس کی وجہ سے وہ خود کے بارے میں یہ یقین رکھتا ہے مگر حقیقتاً وہ سب کچھ اس کا فریب ہوتا ہے۔

ممکن ہے بہت سے احباب کو یہ اشکال ہو جائے پھر سچے مسیح، سچے پیغمبر یا سچے نبی کو بھی کیا ذہنی مریض قرار دے دیا جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انبیا اور خدا کے چنیدہ ہادیانِ ملت کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ان کا کردار ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت اور کردار کا استحکام ہی انھیں سچا بناتا ہے نیز ان کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد نہیں ہوتا۔ آپ جھوٹے مدعیان نبوت یا مہدی کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو مفاد پرستی یا ذہنی مسائل کے قرائن بڑی آسانی سے مل جائیں گے۔ آپ زیادہ دور نہ جائیں، مرزا قادیانی یا عیسائیوں کے ہاں جوزف اسمتھ کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ عہد نبوی کے جھوٹے مدعیان نبوت کے کردار کو جانچ لیں آپ کو دنیاوی مفاد پرستی اور ذہنی مرض کی علامات واضح دکھائی دیں گی۔ اگر ایک شخص کا ریکارڈ ذہنی مریض کا رہا ہو، اس کی گفتگو اس کی باڈی لینگویج اور Cognitive Skills بتا رہی ہوں کہ وہ کسی ذہنی مسئلے کا شکار ہے تو اس کا ایسا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک سمجھ دار انسان کے لیے سچے اور نفسیاتی مریض کے دعوی میں فرق کرنا بہت آسان ہے۔

۔۔ معاملات تینوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ذہنی مسئلہ

۲۔ مفاد پرستی

۳۔ مفاد پرستی + ذہنی مسئلہ

مرزا تیسری کٹگری میں آتا ہے جبکہ جوزف اسمتھ میرے خیال سے پہلی۔ عہد نبوی کے جھوٹے مدعیان نبوت دوسری کٹیگری کے ہیں۔

بہر حال میں گزشتہ تین ماہ میں اس حوالے سے چھ کیسز سن چکا ہوں مگر بد قسمتی سے چھ میں سے پانچ کیسز میں ان فیملیز نے میری بات تسلیم نہیں کی کہ وہ عنقریب مہدیت کا دعوی کرے گا۔ انھیں لگا کہ میں بے جا پیشن گوئیاں کر رہا ہوں یا ان کے بچوں کو پاگل قرار دے رہا ہوں۔ مگر اب وہ بتا رہے ہیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے اور مہدیت کا دعوی بھی ہو چکا ہے۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ مرض اب عام ہو تا جا رہا ہے۔

خدارا آپ اپنے ارد گرد کسی شخص میں ایسے رجحان کو پنپتا ہوا دیکھیں تو اس پر فتوی دینے اور اسے گمراہی قرار دینے کے بجائے معاملہ سنگین ہونے سے پہلے ہی اس کے علاج معالجے کا بندوبست کریں۔ **(حافظ محمد شارق)**

موجودہ دور میں مسلمانوں کی ذمہ داری

1. علمِ دین کو علماء کرام اور مستند اداروں سے حاصل کریں سوشل میڈیا سے نہیں۔ اور بنیادی اسلامی عقائد کو جانیں اور عام کریں تاکہ عوام جھوٹے مدعیان سے بچ سکیں۔
2. نوجوانوں کو **سیرتِ رسول ﷺ** اور **عقیدۂ ختمِ نبوت** کی تعلیم دیں۔
3. ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے علمی، اخلاقی، اور قانونی جدوجہد جاری رکھیں۔ اور اس مقصد کو اپنی زندگی کا مشن سمجھیں۔ تاکہ باطل قوتیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

تاریخ انسانی کا سب سے عظیم فتنہ

(فتنہ دَجّالِ اکبر)

تاریخ انسانی کا سب سے عظیم فتنہ (فتنہ دَجالِ اکبر)

فتنہ دجال قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے سب سے بڑا فتنہ ہے، جس کا ذکر احادیث میں کثرت سے ہے۔ اور ہر نبی نے اپنی اُمت کو اس سے خبر دار کیا ہے۔ اور ہمارے آقا نبی کریم ﷺ نے بالخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو اس فتنہ کے بارے میں انتہائی تفصیل سے سمجھایا ہے۔ کیونکہ یہ اُمت آخری اُمت اور نبی کریم ﷺ کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے۔

دجال کا معنی:

دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جھوٹ۔ اس طرح دجال کا معنیٰ بہت زیادہ جھوٹا شخص اور بہت بڑا دھوکے باز۔

دجال کا لفظ عربی زبان میں جعل ساز، ملمع ساز، فریبی، جھوٹے اور گم راہ کُن شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب کہ دجل کے معنی کسی نقلی چیز پر سونے کا پانی چڑھانے کے ہیں۔ دجال کا نام دجال اس لیے رکھا گیا ہے کہ جھوٹ، فریب، دھوکا دہی، غلط بیانی اور دنیا کی تمام ترخباثتیں اس کی مکروہ شخصیت کے نمایاں ترین وصف ہیں۔ اس کا ہر فعل، ہر عمل، ہر قول فتنہ وفساد کا سبب ہوگا۔

دجال کس جنس سے تعلق رکھتا ہے؟

دجال جناتی قوتوں کا حامل ایک نیم انسانی، نیم جناتی قسم کی آزمائشی مخلوق ہے۔

دجال احادیث کی روشنی میں:

قیامت آنے سے پہلے 10 بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی

1۔ دھواں

2۔ دجال

3۔ دابۃ الارض

4۔ مغرب سے طلوع آفتاب

5۔ نزول عیسی

6۔ خروج یاجوج ماجوج

تین مقامات پر زمین کا دھنس جانا:

7۔ ایک مشرق میں

8۔ ایک مغرب میں

9۔ ایک جزیرہ عرب میں

10۔ سب سے آخر میں ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر محشر کی جانب لے جائے گی۔ (صحیح مسلم)

دجال کے فتنے

دجال خدائی کا دعویٰ کرے گا اور انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے انھیں شعبدے دکھائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

پہلا فتنہ !دجال مردوں کو زندہ کردے گا:

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ جب وہ کسی دیہاتی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے ماں باپ کو زندہ کردوں تو تو مجھے اپنا رب مان لے گا؟ دیہاتی وعدہ کرلے گا تو اس کے سامنے دو شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں آکر کہیں گے کہ بیٹا تو اس کی اطاعت کر یہ تیرا رب ہے۔(ابن ماجہ)

جو شخص اس کی شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو گا وہ جہنم میں جائے گا۔

آج کے جدید دور میں کلونگ کے ذریعہ ایسا کیا جاسکتا ہے 27 فروری 1997ء کو اسکاٹ لینڈ کا ایک سائنسدان کلوننگ کے ذریعہ ایک بھیڑ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسرا فتنہ !دجال کوڑھ اور برص کے مریض کو تندرست کردیگا:

میڈیکل کے شعبے میں ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں میڈیکل کے شعبہ نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ ایک کے اعضاء دوسرے کو منتقل کئے جاسکتے ہیں اسی طرح آرٹیفیشل اعضاء بھی با آسانی لگائے جاسکتے ہیں اور یقیناً مستقبل میں میڈیکل کی ترقی ہی دجال کی مددگار ثابت ہو گی۔

تیسرا فتنہ !دجال کے حکم پر زمین فصل اگائے گی:

مولانا عاصم عمر صاحب لکھتے ہیں: لیزر شعاعوں کے استعمال پر اگر کوئی قوت عبور حاصل کر چکی ہو تو وہ ایسے کارنامے انجام دے سکتی ہے کہ بڑے سے بڑے سرسبز کھیتوں کو منٹوں میں سکھا کر بنجر بنایا جاسکتا ہے۔ بنجر زمین کو ہرے بھرے کھیت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ لیزر شعاعیں براہ راست کسی بھی جگہ مار کر کچھ بھی دیکھایا جاسکتا ہے حتی کہ فضاء میں بھی۔ ان شعاعوں کے ذریعے بڑی بڑی عمارتوں کو غائب کردینا، زمین اور سمندر میں زلزلے پیدا کرنا، انسان کے دو ٹکڑے کر کے لوگوں کو دکھانا۔ اس وقت امریکہ کے پاس لیزر گائیڈڈ میزائل، طیاروں اور مزائیلوں کو تباہ کرنے والی لیزر شعاعیں ہیں، لیکن ابتدائی مرحلے میں۔ تو کیا آپ کا ذہن اس بات کو تسلیم کرے گا کہ برمودہ تکون والے لیزر شعاعوں پر عبور حاصل کر چکے ہیں۔(حوالہ برمودہ تکون اور دجال)

چوتھا فتنہ !دجال کے حکم پر پہاڑ چلیں گے:

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب دجال اردن میں آئے گا تو وہ طور پہاڑ، ثابو پہاڑ اور جودی پہاڑ کو بلائے یہاں تک کہ یہ تینوں پہاڑ آپس میں اس طرح ٹکرائیں گے جیسے دو بیل یا دو مینڈھے آپس میں سینگ ٹکراتے ہیں۔(الفتن نعیم ابن حماد 2/537)

پانچواں فتنہ !دجال کی جنت اور جہنم:

بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ دجال جنت اور جہنم لیزر شعاعوں کے ذریعے تخلیق کرے گا۔ کسی بھی جگہ پر لیزر شعاعیں ڈال کر کوئی بھی منظر تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ ہولوگرام (Holography) ٹیکنالوجی سے آج مصنوعی مناظر تخلیق کئے جاتے ہیں۔ اور سہ العبادی -3) (diementional عکس تخلیق کرنا آج بہت آسان ہو چکا ہے۔

دنیا کے میٹھے پانی کے ذخائر پر کنٹرول کرنے کیلئے اس وقت عالمی مالیاتی ادارے اور این جی اوز مستقل لگے ہوئے ہیں اور مختلف حیلے بہانوں سے ان کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔(تیسری جنگ عظیم اور دجال:124)

دجال کی آمد تک یہ کنٹرول کہاں تک پہنچا ہوگا اور لوگ ابھی سے منرل واٹر پینے کے عادی ہورہے ہیں۔پانی پینے کے لئے پہلے کنویں ہوا کرتے تھے، پھر کنویں کی جگہ گھروں میں نلکے آگئے۔ بجلی عام ہوئی تو پانی کی موٹریں لگ گئی۔ نلکے ناپید ہوگئے۔دجال جب تمام ملکوں پر کنٹرول کرلے گا تو جس کا چاہے گا کنکشن کاٹ دے گا اور جب چاہے گا پیچھے سے نہر بند کردے گا۔ بتایئے پانی پینے کیلئے کہاں سے دستیاب ہوگا؟ یہی معاملہ غذائی اجناس کا ہے، وہ بھی حکومت کے کنٹرول میں ہیں. ایسے بڑے پلانٹ سب یہود کے کنٹرول میں ہیں۔ بلکہ اگر ہم یوں کہیں کہ دجال تو جب آئے گا ہمارا تو ابھی سے یہ حال ہے کہ اقتصادی لحاظ سے ہماری شہ رگ پنجہ یہود میں ہے۔اس کی نقد مثال ہمارے سامنے ہے کہ دجال صفت لوگوں نے جامعہ حفصہ کی طالبات پر گیس اور بجلی بند کردی جس سے وہ کھانے پینے کے وسائل سے محروم ہوگئیں اور بھوکی پیاسی تڑپنے پر مجبور ہوئیں(حوالہ ظہور امام مہدی اور دجال128)

اسی طرح آج بڑی بڑی multinational کمپنیاں چھوٹی کمپنیاں ہڑپ کرتی جارہی ہیں جن کی وجہ سے مسابقت کا ماحول ختم ہوتا جارہا ہے اور ان بڑی کمپنیوں کی اجارہ داری ہوتی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ جب چاہیں گے کسی بھی ملک حکومت یا معاشرے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیں گے ۔انھی مقاصد کے حصول کے لئے World Bank / IMF جیسے ادارے دنیا بھر کی اقتصادیات اور معیشت کو کنٹرول کرنے لگ گئے ہیں۔اور تمام دنیا کی معدنیات کا سروے کرکے ان پر قبضہ کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔

چھٹا فتنہ !دجال کے حکم سے آسمان بارش برسائے گا:

امریکی سائنس دانوں نے ایک ادارہ(**HAARP**) High-frequency Active Auroral Research Program قائم کیا ہے جو موسموں میں تبدیلی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔یہ ادارہ نہ صرف موسموں میں تغیر کا ذمہ دار ہے بلکہ کرہ ارض میں زلزلوں اور طوفانوں کے اضافے کا بھی ذمہ دار ہے۔راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے بادلوں پر کیمیائی مادے (بیریم پاؤڈر وغیرہ) چھڑکے جائیں جس سے مصنوعی بارش کی جاسکے یہ ساری کوششیں قدرتی وسائل کو قبضے میں لینے کی ہیں تاکہ دجال جسے چاہے بارش سے نوازے جسے چاہے قحط سالی میں مبتلا کردے۔ یہ ہم سب کیلئے بیدار ہونے کا وقت ہے کہ ہم قدرتی خوراک (مسنون اور فطری خوراک استعمال کریں اور مصنوعی اشیاء یا مصنوعی طریقے سے محفوظ کردہ اشیاء سے خود کو بچائیں جو آگے چل کر دجالی غذا بننے والی ہیں۔(حوالہ دجال کون:مفتی ابولبابہ شاہ منصور دامت برکاتہم)

ساتواں فتنہ! دجال کے پاس روٹی کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگئ:

گزشتہ صدی میں جس حیرت انگیز طور پر فاسٹ فوڈ نے دنیا بھر کی آبادی کو متاثر کیا ہے اور کوک اور برگر کلچر نے جس تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں وہ غیر معمولی طور پر معنی خیز ہے۔اپریل 1955ء میں شکاگو کے ایک مضافاتی قصبے دس پلینیس میں فاسٹ فوڈ کے ایک فرنچائز کا آغاز ہوا جو کہ فاسٹ فوڈ کے ایک بڑے کاروبار کا نقطہ آغاز تھا۔ بعض ازاں رچرڈ میکڈونلڈ اور مرسی میکڈونلڈ برادران نے کیلی فورنیا میں میکڈونلڈ کا آغاز کیا جس نے رفتہ رفتہ امریکہ سے باہر بھی شاخیں قائم کرلیں۔1980 تک میکڈونلڈز کی شاخوں کی تعداد دنیا بھر میں دس ہزار سے تجاوز کرچکی تھیں اور میکڈونلڈ دنیا کی سب سے بڑی فوڈ سروس کمپنی بن چکی تھی۔

اس طرح خوراک کے ذخائر پر قبضے کے ذریعے بھی لوگوں کو ایمان سے محروم کیا جائے گا۔

عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے آج تمام تجارتی لین دین بنکوں کے ذریعے کرنے اور ڈیجیٹل کرنسی کا تصور عام ہو رہا ہے۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ سب انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل ذرائع سے ہی ممکن ہے جسے ایک جھٹکے سے بند کر کے تمام دنیا کی معیشت کو چند سیکنڈ میں تباہ کیا جاسکتا ہے۔ محض چند سیکنڈ میں تمام بنک اور کاروباری ادارے بے دست و پا ہو جائیں گے۔ اور کسی بھی ملک کا نظام اور معیشت بیٹھ جائے گی۔

حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب حفظہ اللہ نے اپنے معرکۃ الآرا کتاب "دجال کون کب کہاں" میں ان تمام باتوں کو انتہائی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

دجال کا حلیہ

مختلف احادیث مبارکہ میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے دجال کا جو حلیہ بیان فرمایا، وہ اس طرح ہے:

"پستہ قد، بھاری بھر کم جسم اور مکروہ چہرے پر اُلجھے ہوئے بے ترتیب گھنگھریالے بالوں والا ایک شخص، جس کی دائیں آنکھ کانی اور بے نور ہو گی اور بائیں آنکھ کی پتلی ابھری ہوئی باہر کو نکلی ہوئی ہو گی، جیسے انگور کا اُبھرا ہوا دانہ، دونوں آنکھیں ہی عیب دار ہوں گی، اسی لیے احادیث میں اعور الیمنی اور اعور الیسری دونوں طرح کے الفاظ ہیں، دجال کا رنگ سُرخ اور دونوں آنکھوں کے درمیان، یعنی پیشانی پر ک ف ر (کافر) لکھا ہو گا، جس کو ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو"۔

دجال کا ظہور

اس کے ظہور کا وقت صرف اللہ سبحان و تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ تاہم اس سے قبل کی متعدد نشانیاں نبی کریم ﷺ سے اپنی احادیث مبارکہ میں ذکر فرمائی ہیں۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک شام میں لڑائی ہو گی، پھر صلح ہو جائے گی، مگر یہ صلح زیادہ دن تک باقی نہ رہے گی، اس کے بعد یورپ سے نو لاکھ ساٹھ ہزار فوجی لڑنے کے لیے آئیں گے اور مقام غوطہ میں مسلم فوجوں کے ساتھ لڑائیاں ہوں گی، اسی دوران دجال کا خروج اصفہان سے ہو گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دجال اصفہان کی یہودی بستی سے ظاہر ہو گا، اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ انھوں نے سبز رنگ کی شالیں کندھوں پر ڈال رکھی ہوں گی"۔ دجال مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بھی جانے کی کوشش کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس کو ان دونوں مقدس شہروں میں جانے سے روک دے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو دجال کی خبر سن لے وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم! آدمی اپنے آپ کو مومن سمجھ کر اس کے پاس آئے گا اور پھر اس کے پیدا کردہ شبہات میں اس کی پیروی کرنے لگے گا۔ (سنن ابی داؤد:4319)

دجال کے قیام کی مدت

صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین میں اُس کے رہنے کی مدت چالیس دن ہو گی، ان میں سے ایک دن ایک سال کی طرح ہو گا، ایک دن ایک مہینے کی طرح ہو گا اور ایک دن ایک ہفتے کی طرح۔ اس کے علاوہ باقی سارے دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "اللہ کے رسول! وہ دن جو ایک سال کی طرح ہو گا، کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نماز کافی ہو گی؟" فرمایا "نہیں،

بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی"۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بادل کی طرح، جس کے پیچھے ہوا لگی ہو۔ وہ ایک قوم کے پاس جائے گا۔ انھیں دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی باتیں مانیں گے، تو وہ آسمان (کے بادل) کو حکم دے گا، تو وہ پانی برسانے لگے گا۔ پھر وہ زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگائے گی۔ شام کے اوقات میں اُن کے جانور (چراگاہوں سے) واپس آئیں گے، تو ان کے کوہان سب سے زیادہ اونچے اور تھن دودھ سے بہت بھرے ہوئے ہوں گے۔ پھر دجال ایک اور قوم کے پاس جائے گا۔ اور انہیں بھی دعوت دے گا، لیکن وہ اس کی بات کو ٹھکرا دیں گے تو وہ قحط کا شکار ہو جائیں گے۔ اُن کے مال مویشی میں سے کوئی چیز ان کے ہاتھ میں نہیں ہو گی۔ وہ ویران زمین کے پاس سے گزرے گا تو اس سے کہے گا کہ اپنے خزانے باہر نکال دے۔ چناں چہ زمین سے وہ خزانے نکل کر اس کے پیچھے اس طرح لگ جائیں گے، جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی سردار کے پیچھے ہو لیتی ہیں۔ دجال زمین میں ہر ایک شہر اور بستی میں جائے گا، لیکن وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ کوئی ایسا علاقہ نہیں ہو گا جسے دجال نہ روند سکے، مکہ اور مدینہ کے ہر راستے پر فرشتے ننگی تلواریں سونتے ہوئے پہرا دیں گے، پھر مدینہ اپنے مکینوں کے ساتھ تین مرتبہ ہلے گا تو اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو مدینہ سے نکال دے گا۔ (صحیح بخاری/1881)

مدینہ منورہ کی طرف جانے سے پہلے یہ واقعہ بھی پیش آئے گا کہ دجال ایک جوان کو بلائے گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلے پر کر دیے جائیں گے، جس قدر تیر مارنے والے اور نشانے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اسے بلائے گا، تو وہ (زندہ ہو کر) دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ اور کہے گا کہ اب تو مجھے اور پختہ یقین ہو گیا کہ تو ہی دجال ہے۔ دجال پھر اس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا، مگر اب اسے اس پر قدرت نہ ہو گی۔

مصنوعی جنت اور دوزخ

شیطان کی طرح اللہ جل جلالہ نے دجال کو بھی قوانینِ قدرت میں سے چند چیزوں سے نوازا۔ وہ جب نمودار ہو گا، تو اس کے ساتھ مصنوعی جنت و دوزخ ہو گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "دجال اپنے ساتھ جنت اور دوزخ کی شبیہ بھی لائے گا۔ درحقیقت جسے وہ جنت کہے گا، وہ آگ ہو گی اور جسے وہ جہنم کہے گا، وہ دراصل جنت ہو گی"۔ (صحیح بخاری 3338)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "جب دجال نکلے گا، تو اُس کے ساتھ آگ اور پانی دونوں ہوں گے، لیکن لوگوں کو جو آگ دکھائی دے گی، وہ ٹھنڈا پانی ہو گا اور جو ٹھنڈا پانی دکھائی دے گا، وہ جلانے والی آگ ہو گی، تو تم میں سے جو کوئی اُس کے زمانے میں ہو، تو اُسے اُس میں گرنا چاہیے، جہاں آگ ہو، کیوں کہ وہ انتہائی شیریں اور ٹھنڈا پانی ہو گا"۔ (صحیح بخاری، 3450)

دجال کے جھوٹے ہونے کی علامات

(1) وہ لوگوں کی آنکھوں سے نظر آ رہا ہو گا (حالاں کہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے)۔

(2) وہ کانا ہو گا، حالاں کہ تمھارا رب کانا نہیں ہو سکتا ہے۔

(3) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہو گا، جس کو ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

دجال کا سحر

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ظہور دجال سے تین سال قبل آسمان ایک تہائی پانی اور زمین ایک تہائی فصل روک لے گی۔ جب دوسرا سال آئے گا، تو آسمان دو تہائی پانی اور زمین دو تہائی فصلیں روک لے گی۔ پھر جب تیسرا سال شروع ہو گا، تو آسمان مکمل طور پر اپنا پانی اور زمین مکمل طور پر اپنی فصلیں روک لے گی۔ ٹاپوں والے اونٹ اور کُھروں والی گائیں، بیل، بھیڑیں، بکریاں، گھوڑے اور گدھے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اتنے میں ادھر دجال پہنچ کر ایک دیہاتی شخص سے کہے گا، "اگر میں تمہاری اونٹنیوں کو فربہ اور دُودھ سے بھرے تھنوں کی صورت میں پیدا کر کے دکھاؤں تو کیا تم مان لوگے کہ میں تمہارا رب ہوں؟" وہ کہے گا: "ہاں! بالکل"۔ اس کے بعد شیطان اُس شخص کے اونٹوں کی شکل اختیار کرے گا، تو وہ شخص اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ اسی طرح وہ دجال ایک اور شخص سے کہے گا کہ "اگر میں تمہارے باپ، بیٹے اور تم اپنے خاندان کے جن لوگوں کو پہچانتے ہو، سب کو زندہ کر دوں، تو کیا تم یقین کر لوگے کہ میں تمہارا رب ہوں؟" وہ کہے گا، "ہاں! بالکل"۔ پھر دجال شیطانوں کو ان لوگوں کی شکل میں پیش کر دے گا۔ اس طرح وہ بھی اس کے پیچھے چلا جائے گا"۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور گھر میں موجود سب لوگ رونے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے، تو ہم سب رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟" میں (اسماء) نے کہا، "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے دجال کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا، اسے سُن کر رونا آ گیا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اس وقت اہل ایمان کو کھانے پینے کی جگہ تکبیر، تسبیح اور تحمید کرنا کافی ہو گا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تم لوگ مت روؤ، کیوں کہ اگر میری موجودگی میں دجال کا ظہور ہو گیا، تو میں اس کا مقابلہ کر لوں گا اور اگر میرے بعد ہوا، تو ہر مسلمان کا خلیفہ اللہ تعالیٰ خود ہو گا"۔ (مسند احمد، 27568)

دجال کا خاتمہ

موجودہ زمانہ کا استنبول (قسطنطنیہ) مسلمانوں کے ہاتھ سے چلا جائے گا اور پھر غوطہ کی لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد اہل مدینہ اور دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں وہ (قسطنطنیہ) فتح ہو گا اور جس وقت مسلمان مال غنیمت کو تقسیم کر رہے ہوں گے تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا: تمہارے بعد تمہارے گھروں میں مسیح دجال پہنچ گیا ہے، مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے، حالاں کہ یہ خبر غلط ہو گی، جب یہ ملک شام پہنچیں گے تو پھر مسلمانوں اور دجالی لشکروں کے درمیان جنگ ہو گی، جس میں وہ ایک تہائی مسلمانوں کو شہید کر دے گا۔ ایک تہائی کو شکست دے کر بھگا دے گا اور ایک تہائی کو باقی چھوڑے گا۔ رات ہو جائے گی تو بعض مومنین بعض سے کہیں گے کہ تمہیں اپنے رب کی خوش نودی کے لیے اپنے (شہید) بھائیوں سے جا ملنے (شہید ہو جانے) میں اب کس چیز کا انتظار ہے؟ جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز زائد ہو وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو دے دے۔ تم فجر ہوتے ہی (عام معمول کی بہ نسبت) جلدی نماز پڑھ لینا، پھر دشمن سے جنگ پر روانہ ہو جانا۔ پس جب یہ لوگ نماز کے لیے اٹھیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے نازل ہوں گے اور نماز ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ (ہاتھ سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمائیں گے: میرے اور دشمن خدا (دجال) کے درمیان سے ہٹ جاؤ (تا کہ مجھے دیکھ لے)، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ: وہ (ایسا گھل جائے گا) جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے خاتمے کو واضح طور پر بیان کیا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے۔ اور فرمائیں گے: میں عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، تم لوگ تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو:

(1) اللہ دجال اور اس کی فوجوں پر بڑا عذاب آسمان سے نازل کر دے۔

(2) ان کو زمین میں دھنسا دے۔

(3) ان کے اوپر تمھارے اسلحہ کو مسلط کر دے اور ان کے ہتھیاروں کو تم سے روک دے۔

مسلمان کہیں گے: اے اللہ کے رسول! یہ (آخری) صورت ہمارے لیے اور ہمارے قلوب کے لیے زیادہ طمانینت کا باعث ہے۔ چناں چہ اس روز تم بہت کھانے پینے والے (اور) ڈیل ڈول والے یہودی کو (بھی) دیکھو گے کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار نہ اٹھا سکے گا۔ پس مسلمان ان کے اوپر مسلط ہو جائیں گے اور دجال جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو سیسہ کی طرح پگھلنے لگے گا، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے باب لُد پر قتل کر دیں گے۔ (مصنف عبد الرزاق / 20834)

خاتمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور وہ دجال کو 'لُد' کے مقام پر قتل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دجال اور اس کے لشکر پر مسلمانوں کو مسلط کر دے گا۔ چناں چہ وہ ان سب کو قتل کر دیں گے۔ حتیٰ کہ شجر و حجر بھی پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے! اے رحمٰن کے بندے! اے مسلمان! یہ یہودی ہے، اسے قتل کر دے۔ غرض اللہ تعالیٰ ان سب کو فنا کر دے گا اور مسلمان فتح یاب ہوں گے۔

فتنہ دجال سے بچنے کی احتیاطی تدابیر

فتنہ مسیح الدجال سے حفاظت کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو چند چیزیں ایسی بتائی ہیں جن کے اختیار کرنے سے دجال کے فتنے سے بچا جا سکتا ہے:

1۔ **دجال کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا**، دجال کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کرنا جن کو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے اور اپنی امت کو ان دعاؤں کے پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعوذُ بِکَ مِن فِتنةِ الْمَحْيَا، وفِتْنةِ الْمَمَاتِ." صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم تشہد سے فارغ ہو جاؤ، تو چار چیزوں سے پناہ مانگو، جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائش سے اور مسیح دجال کے شر سے"۔ (صحیح مسلم، 1326)۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے، دوزخ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے عذاب سے اور کانے دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ (صحیح بخاری، 833، 832، 1377)۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی نمازوں میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے ہوئے سُنا۔ (صحیح مسلم 1323، صحیح بخاری، 7128,833)۔

2۔ **سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو یاد کرنا اور پڑھنے کا معمول بنالینا**، دجال کے فتنوں سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہو، اس کو چاہیے کہ سورۃ الکھف کی ابتدائی یا آخری دس آیات کی تلاوت کرے۔ اس کی تلاوت دجال کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: "جس مسلمان نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ کر لیا گیا"۔ (صحیح مسلم: 1883)

3 ۔ **دجال سے دور رہنا:** دجال سے جتنا دور رہنا ممکن ہو دور رہا جائے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دجال کے بارے میں سنے اس کو اس سے دور رہنا چاہیے، اللہ کی قسم! مؤمن یہ خیال کر کے اس کے پاس آئے گا کہ وہ تو مؤمن ہے (دجال کے فتنہ سے بچ جائے گا)، لیکن دجال کے ساتھ کی چیزوں کو دیکھ کر اس کی اتباع کر بیٹھے گا۔(سنن ابوداؤد/4319)

4 ۔ **دجال کی جنت سے بچنا:** دجال کے ساتھ جو جنت کی شکل ہو گی اس سے بچے اور جو آگ کی شکل ہو گی اس میں جانے کو اختیار کرے۔ کیوں کہ جو آگ ہے وہی در حقیقت جنت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے ساتھ دو چلتے ہوئے دریا ہوں گے۔ دونوں میں سے ایک بظاہر سفید رنگ کا پانی ہو گا اور دوسرا بظاہر بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی۔ اگر کوئی شخص اس کو پالے تو اس دریا کی طرف آئے جسے وہ آگ (کی طرح) دیکھ رہا ہے اور اپنی آنکھ بند کرے۔ پھر اپنا سر جھکائے اور اس میں سے پیے تو وہ ٹھنڈا پانی ہو گا۔ اللہ تعالی تمام ایمان والوں کی فتنہ دجال سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

دجال سے متعلق چند صحیح احادیث

تمام محدثین کرام نے اپنی صحیحین میں باقاعدہ اس کے اَبواب جمع کئے ہیں۔

دجال کا سب سے بڑا فتنہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔“
(صحیح مسلم، حدیث نمبر:2946)

دجال کی جسمانی صفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دجال دائیں آنکھ سے کانا ہو گا، اس کی آنکھ ایسی ہو گی جیسے اُبھرا ہوا انگور۔“(صحیح بخاری، حدیث نمبر:7131؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2933)

دجال کے ماتھے پر ”کافر“ لکھا ہو گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ”کافر“ لکھا ہو گا، ہر مومن اُسے پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔“
(صحیح بخاری، حدیث نمبر:7130؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر:2933)

دجال کے ساتھ جنت اور جہنم کی مانند چیزیں ہوں گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دجال کے ساتھ دو چیزیں ہوں گی، ایک جنت اور ایک جہنم۔ اس کی جنت در حقیقت جہنم ہے اور اس کی جہنم در حقیقت جنت ہے۔“(صحیح مسلم، حدیث نمبر:7366؛ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:4071)

دجال کا خروج خراسان سے ہو گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دجال مشرق کے ایک علاقے سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے گویا تہ بہ تہ ڈھال ہوں گے۔“(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:4072)

مدینہ منورہ میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دجال مدینہ کے قریب آکر ٹھہرے گا، پھر مدینہ تین بار لرزے گا، اور ہر کافر اور منافق اس سے باہر نکل جائے گا۔“

(صحیح بخاری، حدیث نمبر:1881)

دجال سے بچاؤ کے لیے سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو شخص سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات کو یاد کرے گا، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔"

(صحیح مسلم، حدیث نمبر:809)

دجال کا قتل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے... وہ دجال کو "بابِ لُدّ" کے مقام پر جا کر قتل کریں گے۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:2937)

دجال سے دور رہنے کی تلقین

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو دجال کے متعلق سنے کہ وہ ظاہر ہو چکا ہے تو وہ اس سے دور ہی رہے، کیونکہ قسم ہے اللہ کی! آدمی اس کے پاس آئے گا تو یہی سمجھے گا کہ وہ مومن ہے، اور وہ اس کا ان مشتبہ چیزوں کی وجہ سے تابع ہو جائے گا۔"(سنن ابی داود، حدیث نمبر:4319)

دجال کے ساتھ دو نہریں ہوں گی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال کے ساتھ دو نہریں ہوں گی، ایک بظاہر سفید پانی کی اور دوسری بظاہر بھڑکتی ہوئی آگ کی۔ جو شخص اسے پائے، وہ اس نہر میں کود جائے جسے وہ آگ سمجھتا ہے، کیونکہ وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:7367)

"حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي قَيْسٌ، قَالَ: قَالَ لِي الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ ":مَا سَأَلَ أَحَدٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ أَكْثَرَ مَا سَأَلْتُهُ، وَإِنَّهُ قَالَ لِي: مَا يَضُرُّكَ مِنْهُ، قُلْتُ: لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ، قَالَ: هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ."

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، کہا مجھ سے اسماعیل نے بیان کیا، ان سے قیس نے بیان کیا، کہ مجھ سے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دجال کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جتنا میں نے پوچھا اتنا کسی نے نہیں پوچھا اور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس سے تمہیں کیا نقصان پہنچے گا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹی کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی، فرمایا کہ وہ اللہ پر اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔(صحيح البخاري/كِتَاب الْفِتَنِ/حدیث:7122)

"حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ."

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہا ہم سے وہیب نے کہا ہم سے ایوب سختیانی نے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی آپ ﷺ نے فرمایا "دجال داہنی آنکھ سے کانا ہوگا اس کی آنکھ کیا ہے گویا پھولا ہوا انگور۔"(صحيح البخاري/كِتَاب الْفِتَنِ/حدیث:7123)

"حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ."

ہم سے سعد بن حفص نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شیبان نے بیان کیا، ان سے یحییٰ نے بیان کیا، ان سے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ نے اور ان سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دجال آئے گا اور مدینہ کے ایک کنارے قیام کرے گا، پھر مدینہ تین مرتبہ کانپے گا اور اس کے نتیجے میں ہر کافر اور منافق نکل کر اس کی طرف چلا جائے گا۔“ (صحيح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7124)

"حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:"لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ."

ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ اویسی نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف کے دادا نے بیان کیا، انہوں نے ابو بکرہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مدینہ والوں پر دجال کا رعب نہیں پڑے گا اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے (پہرہ دیتے) ہوں گے۔“ (صحيح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7125)

"حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ"، قَالَ: وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ،عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَدِمْتُ الْبَصْرَةَ، فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرَةَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا.

ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے محمد بن بشر نے بیان کیا، کہا ہم سے مسعر نے بیان کیا، ان سے سعد بن ابراہیم نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مدینہ پر مسیح دجال کا رعب نہیں پڑے گا۔ اس وقت اس کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر پہرہ دار دو فرشتے ہوں گے۔ “علی بن عبد اللہ نے کہا کہ محمد بن اسحاق نے صالح بن ابراہیم سے روایت کیا، ان سے ان کے والد ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ میں بصرہ گیا تو مجھ سے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث بیان کی۔ (صحيح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7126)

"حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ:" قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ، فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ: إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ، وَلَكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ، إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ."

ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم نے بیان کیا، ان سے صالح نے بیان کیا، ان سے ابن شہاب نے بیان کیا، ان سے سالم بن عبد اللہ نے بیان کیا اور ان سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف اس کی شان کے مطابق بیان کی۔ پھر دجال کا ذکر فرمایا کہ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو، البتہ میں تمہیں اس کے بارے میں ایک بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی تھی اور وہ یہ کہ وہ کانا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔ (صحيح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7127)

"حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يَنْطُفُ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً، قُلْتُ: مَنْ هَذَا ؟، قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ، جَعْدُ الرَّأْسِ، أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، قَالُوا: هَذَا الدَّجَّالُ، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ، رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ."

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، ان سے عقیل نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے سالم نے اور ان سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سویا ہوا (خواب میں) کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک صاحب جو گندم گوں تھے اور ان کے سر کے بال سیدھے تھے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا (ان پر میری نظر پڑی) میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میرے ساتھ کے لوگوں نے بتایا کہ یہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو موٹے شخص پر نظر پڑی جو سرخ تھا اس کے بال گھونگھریالے تھے، ایک آنکھ کا کانا تھا، اس کی ایک آنکھ انگور کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ دجال ہے۔ اس کی صورت عبد العزیٰ بن قطن سے بہت ملتی تھی۔ (صحیح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7128)

"حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ."

ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، ان سے صالح نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے عروہ نے اور ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ اپنی نماز میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے تھے۔ (صحیح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7129)

"حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فِي الدَّجَّالِ:"إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا، فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ، وَمَاؤُهُ نَارٌ"، قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ :أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے عبدان نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے خبر دی، انہیں شعبہ نے، انہیں عبد الملک نے، انہیں ربعی نے اور ان سے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ اس کے ساتھ پانی اور آگ ہو گی اور اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہو گی اور پانی آگ ہو گا۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ (صحیح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7130)

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ: كَافِرٌ"، فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے قتادہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو نبی بھی مبعوث کیا گیا تو انہوں نے اپنی قوم کو کانے جھوٹے سے ڈرایا، آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا ہے۔ "اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح البخاري/كتاب الفتن/حدیث:7131)

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ، قَالَ:" يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ، فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ، أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ، فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقْتُلُهُ، ثُمَّ يُحْيِيهِ، فَيَقُولُ: وَاللَّهِ مَا كُنْتُ فِيكَ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ."

ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا، کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، انہیں زہری نے، انہیں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی، ان سے ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان کی۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "دجال آئے گا اور اس کے لیے ناممکن ہو گا کہ مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہو۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ کے قریب کسی شور والی زمین پر قیام کرے گا۔ پھر اس دن اس کے پاس ایک مرد مومن جائے گا اور وہ افضل ترین لوگوں میں سے ہو گا۔ اور اس سے کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا تھا۔ اس پر دجال کہے گا کیا تم دیکھتے ہو اگر میں اسے قتل کر دوں اور پھر زندہ کروں تو کیا تمہیں میرے معاملہ میں شک و شبہ باقی رہے گا؟ اس کے پاس والے لوگ کہیں گے کہ نہیں، چنانچہ وہ اس صاحب کو قتل کر دے گا اور پھر اسے زندہ کر دے گا۔ اب وہ صاحب کہیں گے کہ واللہ! آج سے زیادہ مجھے تیرے معاملے میں پہلے اتنی بصیرت حاصل نہ تھی۔ اس پر دجال پھر انہیں قتل کرنا چاہے گا لیکن اس مرتبہ اسے مارنہ سکے گا۔" (صحیح البخاري / كتاب الفتن / حدیث: 7132)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ."

ہم سے عبد اللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، ان سے امام مالک نے بیان کیا، ان سے نعیم بن عبد اللہ المجمر نے بیان کیا، اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں نہ یہاں طاعون آسکتی ہے اور نہ دجال آسکتا ہے۔" (صحیح البخاري / كتاب الفتن / حدیث: 7133)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی دجال سے ملاقات

صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ ہے:

" حدثنا عامر بن شراحيل الشعبي شعيب همدان، انه سال فاطمة بنت قيس اخت الضحاك بن قيس، وكانت من المهاجرات الاول، فقال: حدثيني حديثا سمعتيه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسنديه إلى احد غيره، فقالت: لئن شئت لافعلن ؟،فقال لها: أجل حدثيني فقالت ---سمعت نداء المنادي، منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ينادي: الصلاة جامعة، فخرجت إلى المسجد فصليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكنت في صف النساء التي تلي ظهور القوم، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته جلس على المنبر وهو يضحك، فقال: " ليلزم كل إنسان مصلاه "، ثم قال: " اتدرون لم جمعتكم ؟ "، قالوا: الله ورسوله اعلم، قال: " إني والله ما جمعتكم لرغبة ولا لرهبة، ولكن جمعتكم لان تميما الداري كان رجلا نصرانيا، فجاء فبايع واسلم، وحدثني حديثا وافق الذي كنت احدثكم عن مسيح الدجال، حدثني انه ركب في سفينة بحرية مع ثلاثين رجلا من لخم وجذام، فلعب بهم الموج شهرا في البحر، ثم ارفئوا إلى جزيرة في البحر حتى مغرب الشمس، فجلسوا في اقرب السفينة، فدخلوا الجزيرة، فلقيتهم دابة اهلب كثير الشعر لا يدرون ما قبله من دبره من كثرة الشعر، فقالوا: ويلك ما انت ؟، فقالت: انا الجساسة، قالوا: وما الجساسة ؟، قالت: ايها القوم انطلقوا إلى هذا الرجل في الدير، فإنه إلى خبركم بالاشواق، قال: لما سمت لنا رجلا، فرقنا منها ان تكون شيطانة، قال: فانطلقنا سراعا حتى دخلنا الدير، فإذا فيه اعظم إنسان رايناه قط خلقا، واشده وثاقا مجموعة يداه إلى عنقه ما بين ركبتيه إلى كعبيه بالحديد، قلنا: ويلك ما انت ؟، قال: قد قدرتم على خبري، فاخبروني ما انتم ؟، قالوا: نحن اناس من العرب ركبنا في سفينة بحرية، فصادفنا البحر

حين اغتلم، فلعب بنا الموج شهرا، ثم ارفانا إلى جزيرتك هذه، فجلسنا في اقربها فدخلنا الجزيرة، فلقيتنا دابة اهلب كثير الشعر لا يدرى ما قبله من دبره من كثرة الشعر، فقلنا: ويلك ما انت؟، فقالت: انا الجساسة، قلنا: وما الجساسة؟، قالت: اعمدوا إلى هذا الرجل في الدير، فإنه إلى خبركم بالاشواق، فاقبلنا إليك سراعا وفزعنا منها، ولم نامن ان تكون شيطانة، فقال: اخبروني عن نخل بيسان؟، قلنا: عن اي شانها تستخبر؟، قال: اسالكم عن نخلها هل يثمر؟، قلنا له: نعم، قال: اما إنه يوشك ان لا تثمر؟، قال: اخبروني عن بحيرة الطبرية؟، قلنا: عن اي شانها تستخبر؟، قال: هل فيها ماء؟، قالوا: هي كثيرة الماء، قال: اما إن ماءها يوشك ان يذهب؟، قال: اخبروني عن عين زغر؟، قالوا: عن اي شانها تستخبر؟، قال: هل في العين ماء وهل يزرع اهلها بماء العين؟، قلنا له: نعم، هي كثيرة الماء واهلها يزرعون من مائها، قال: اخبروني عن نبي الاميين ما فعل؟، قالوا: قد خرج من مكة ونزل يثرب، قال: اقاتله العرب؟، قلنا: نعم، قال: كيف صنع بهم، فاخبرناه انه قد ظهر على من يليه من العرب واطاعوه، قال لهم: قد كان ذلك؟، قلنا: نعم، قال: اما إن ذاك خير لهم ان يطيعوه، وإني مخبركم عني إني انا المسيح، وإني اوشك ان يؤذن لي في الخروج، فاخرج فاسير في الارض، فلا ادع قرية إلا هبطتها في اربعين ليلة غير مكة، وطيبة فهما محرمتان علي كلتاهما، كلما اردت ان ادخل واحدة او واحدا منهما استقبلني ملك بيده السيف صلتا يصدني عنها، وإن على كل نقب منها ملائكة يحرسونها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وطعن بمخصرته في المنبر، هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة يعني المدينة، الا هل كنت حدثتكم ذلك؟، فقال الناس: نعم، فإنه اعجبني حديث تميم انه وافق الذي كنت احدثكم عنه وعن المدينة ومكة، الا إنه في بحر الشام او بحر اليمن، لا بل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق، ما هو من قبل المشرق، ما هو واوما بيده إلى المشرق "، قالت: فحفظت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔" (کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب قصة الجساسة، ج:4، ص:2262، ط: داراحیاء التراث)

ترجمہ: سیدنا عامر بن شراحیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے، جو بہن تھیں ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی اور ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے پہلے ہجرت کی تھی کہ بیان کرو مجھ سے ایک حدیث جو تم نے سنی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مت واسطہ کرنا اس میں اور کسی کا، وہ بولیں: اچھا اگر تم یہ چاہتے ہو تو میں بیان کروں گی۔ انہوں نے کہا: ہاں بیان کرو۔ حضرت فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کو سنا وہ اعلان کر رہا تھا الصلاۃُ جامعۃٌ میں نماز کے لئے نکلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مردوں کے پیچھے عورتوں کی صف اول میں) (ظہر کی) نماز ادا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھے (جبکہ اس دن سے پہلے سوائے جمعہ کے منبر پر نہیں چڑھتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اس وقت مسکراہٹ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے انھوں نے عرض کیا "اللہ ورسولہ اعلم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کیلئے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لئے بس صرف اس بات کے لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے نصرانی تھا وہ آیا اور مسلمان ہو گیا اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے (میں اس سے خوش ہوا میں چاہتا ہوں کہ تم سے بیان کروں) جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا، وہ کہتا ہے کہ ایک بڑی کشتی میں سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے سمندر کا طوفان ایک ماہ تک انکا تماشا کرتا رہا، آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر آیا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اتر گئے سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ ان میں اس

کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے، لوگوں نے اس سے کہا کمبخت تو کیا بلا ہے؟ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں چلو اس گرجے میں وہاں ایک شخص ہے جو تمہاری خبروں کا مشتاق ہے، یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو، ہم لپک کر گرجے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے، ہم نے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟ وہ بولا تم کو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا۔ اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے اس نے کہا میں (جساسہ) جاسوس ہوں چلو اس شخص کی طرف جو اس گرجے میں ہے اسلئے ہم جلدی جلدی تیرے پاس آگئے، اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان (شام میں ایک بستی کا نام ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں ہم نے کہا ہاں آتا ہے، اس نے کہا وہ وقت قریب ہے جب اس میں پھل نہ آئے، پھر اس نے پوچھا اچھا بُحیرہ طِبریہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا بہت ہے اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ اس میں پانی نہ رہے گا پھر اس نے پوچھا زُغَر (شام میں ایک بستی کا نام ہے) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں اور اُس بستی والے اپنے کھیتوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا اس میں بھی پانی بہت ہے اور بستی والے اسی کے پانی سے اپنے کھیتوں کو سیر اب کرتے ہیں، پھر اس نے کہا اچھا نبی الامیین کا کچھ حال سناؤ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں، اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں، اس نے پوچھا اچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گرد و نواح پر تو غالب آچکے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں، اس نے کہا سن لو: ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان کی اطاعت کر لیں (نبی آخر الزماں کی بعثت کی خبر سن کر اس نے مارے خوشی کے چھلانگ لگائی) اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں، میں مسیح دجال ہوں اور وہ وقت قریب ہے جب مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی میں باہر نکل کر تمام زمین میں گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں داخل نہ ہوں بجز مکہ اور طیبہ کے کہ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے، جب ان دونوں میں سے کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں ننگی تلوار لئے سامنے آکر مجھے داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات کے جتنے راستے ہیں ان سب پر فرشتے ہوں گے جو ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ یہی مدینہ ہے یہ جملہ تین بار فرمایا دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی لوگوں نے کہا جی ہاں آپ نے بیان فرمائی تھی، اس کے بعد فرمایا دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ (ترجمان السنۃ، ج:4، ص:379، رقم:1613، ط: رحمانیہ)

حفاظتی دعا:

نبی کریم ﷺ نے التحیات کے بعد دجال کے فتنے سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے:"اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم، ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر فتنة المسيح الدجال "(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے، اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے)

دعا: اے اللہ! ہمیں ایمانِ کامل، عشقِ مصطفیٰ ﷺ، اور عقیدۂ ختمِ نبوت پر ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں ان تمام فتنوں سے جن سے تیری امت گمراہ ہوتی ہے اور بالخصوص فتنہ دجال سے محفوظ فرما اور ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان کی حالت میں خاتمہ نصیب فرما۔

آمین یارب العالمین۔
